وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی مکمل اور مستند و مقبول عام سوانح حیات

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جلد سوم

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

نام کتاب ـــــــ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
مصنف ـــــــ علامہ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی
تاریخ طباعت ـــــــ صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
تعداد ـــــــ ایک ہزار
پریس ـــــــ آر۔ زیڈ پیکجز، لاہور

فہرست مضامین

سیرت النبیؐ حصہ سوم

مضمون	صفحہ
جنگ جمل کی خبر۔	۳۸۳
حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی جنگ۔	"
حضرت عمارؓ شہید ہوں گے۔	"
امام حسنؓ کی مصالحت۔	"
نوخیز حکمرانان قریش کے ہاتھوں اسلام کی تباہی۔	۳۸۴
یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر۔	"
امام حسینؓ کی شہادت۔	"
خوارج کی اطلاع۔	"
مختار اور حجاج کی اطلاع۔	۳۸۵
حجاز میں ایک آگ۔	"
ایک صدی یا ایک دور کے بعد انقلاب۔	۳۸۶
چار دوروں کے بعد پورا انقلاب۔	"
مدعیان کاذب۔	۳۸۷
منکرین حدیث۔	"
تجارت کی کثرت اور اس میں عورتوں کی کثرت۔	"
اہل یورپ کی کثرت۔	"
سود کی کثرت۔	"
یہودیوں سے جنگ۔	۳۸۸
حجاز کا انقطاع مصر، شام اور حجاز سے۔	"
اہل یورپ سے شام میں جنگ۔	۳۸۹
مسلمانوں کے خلاف تمام دنیا کی قومیں اٹھ کھڑی ہوں گی۔	"
معجزات نبوی کے متعلق غیر مستند روایات	۳۹۰
کتب دلائل اور ان کے مصنفین کا درجہ۔	
معجزات کے متعلق غلط اور موضوع روایتوں کے پیدا ہونے کے اسباب۔	۳۹۴
آپ کی برتری اور جامعیت کا تخیل۔	۳۹۵

مضمون	صفحہ
غیبی آوازوں اور پیشین گوئیوں سے نبوت کی تصدیق کا شوق۔	۳۹۶
شاعرانہ تخیل کو واقعہ سمجھ لینا۔	۳۹۷
آئندہ کے واقعات کو اشارات میں ولادت کے موقع پر بیان کرنا۔	"
معجزات کی تعداد بڑھانے کا شوق۔	"
الفاظ کی نقل میں بے احتیاطی۔	۳۹۸
مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت؟	۳۹۹
موضوعات و مناکیر میں سے مشہور عام روایات کی تنقید۔	"
۱۔ سب سے پہلے نور محمدی کی تخلیق ہوتی۔	"
۲۔ نور محمدی کا حضرت آدمؑ سے درجہ بدرجہ حضرت آمنہ تک منتقل ہونا۔	"
۳۔ نور محمدی جب عبدالمطلب کے سپرد ہوا تو ان سے خوارق عادات ظہور میں آئے۔	۴۰۰
۴۔ عبدالمطلب کے پاس آکر ایک کاہن کا ان کے ایک نتھنے میں نبوت اور دوسرے میں بادشاہی کی علامت بتانا۔	"
۵۔ ایک کاہن کا حضرت عبداللہ کی پیشانی میں نور محمدی کا پہچاننا اور ان سے اپنی تمنا کا اظہار کرنا۔	"
۶۔ قریش کی دو سو عورتوں کا عبداللہ سے شادی نہ ہونے کے غم میں عمر بھر کنوارپنے کی زندگی بسر کرنا۔	۴۰۱
۷۔ کسریٰ کے چودہ کنگروں کا گرنا اور نہر ساوہ کا خشک ہونا۔	"
۸۔ بوقت ولادت غیب سے آواز آنا اور مشرق و مغرب کی ساری زمین کا روشن ہو جانا۔	۴۰۲
۹۔ قبل ولادت حضرت آمنہ کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سردار دو جہاں ہونے کی خوشخبری سنانا اور "احمد" اور "محمد" نام رکھنے کی ہدایت کرنا۔	"
۱۰۔ حضرت آمنہ کے دردِ زہ کے وقت تمام ستاروں کا زمین پر جھک جانا	"

مضمون	صفحہ
۱۱۔ حضرت آمنہ کے ایام حمل میں علامت حمل کا ظاہر نہ ہونا، ورنہ ایام حمل میں سخت گرانی کا بار محسوس کرنا۔	۴۰۲
کسی گرانی اور تکلیف کا احساس کرنا۔	"
۱۳۔ بوقت ولادت آسمانوں اور بہشتوں کے دروازے کھلنا، فرشتوں کا باہم بشارت دینا، وغیرہ وغیرہ	۴۰۳
۱۴ مجالس میلاد کی رونق افزا روایت	"
۱۴۔ آنحضرتؐ کا شکم مادر میں آنا، قریش کے جانوروں کا بولنا وغیرہ وغیرہ	"
۱۵۔ حضرت عبداللہ کی ولادت کے وقت ان کے چہرہ پر سورج کی روشنی کا ہونا۔	۴۰۵
۱۶۔ بوقت ولادت حضرت آمنہ کو تین آدمیوں کا دکھائی دینا ایک کے ہاتھ میں آفتابہ، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت وغیرہ وغیرہ۔	"
۱۷۔ بوقت ولادت حضرت آمنہ کو ابر کا مجموعہ نظر آنا اور اس سے طرح طرح کی آوازوں کا نکلنا۔	۴۰۶
۱۸۔ بعد ولادت مشرق و مغرب کا روشن ہو جانا اور آپؐ کا دونوں ہاتھوں سے ٹیک دے کر زمین پر گر پڑنا۔	۴۰۷
۱۹۔ ولادت کی شب ایک یہودی کا سرداران قریش کے پاس آکر ولادت کی تحقیق کرنا۔	"
۲۰۔ حضرت عباسؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گہوارہ میں چاند سے باتیں کرتے ہوئے دیکھنا۔	۴۰۸
۲۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گہوارہ میں کلام فرمانا۔	"
۲۲۔ حلیمہ سعدیہ کا آنا آپ کا انکو دیکھ کر مسکرانا وغیرہ۔	"
۲۳۔ عہد طفولیت میں شق صدر ہونا۔	۴۱۰
۲۴۔ حضرت حلیمہ کے پاس زمانہ قیام میں بعض یہودیوں کا آپؐ کو نبی آخر الزمان پہچان کر قتل کرنے کی کوشش کرنا۔	"

مضمون	صفحہ
۲۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی رضاعی بہن کے ساتھ دھوپ میں کھیلنا اور بادل کا دھوپ سے سایہ کئے رہنا۔	۴۱۱
۲۶۔ بحیرہ راہب کے قصہ کی تنقید۔	"
۲۷۔ نسطور راہب کے قصہ پر تنقیدی نظر	۴۱۳
۲۸۔ قریش کے باہمی معاہدہ کے کاغذ کو دیمک کا چاٹ لینا۔	۴۱۴
۲۹۔ غار ثور میں پناہ لینا اور مکڑیوں کا جالے تن دینا وغیرہ وغیرہ	"
۳۰۔ آپؐ کا بے دودھ والی بکری کے تھن میں ہاتھ لگانا اور اس سے دودھ نکل آنا۔	"
واقعہ ام معبد کی تنقید	"
مدنی معجزات زیادہ محفوظ ہیں جن کی روایات میں کن کن نوعیتوں کی روایتیں ہیں۔	"
بشارات	۴۲۱
یہود اور نصاریٰ میں بشارات کی اہمیت	"
حضرت ابراہیمؑ کی دعا قرآن میں۔	"
حضرت ابراہیمؑ کی دعا توراۃ میں	۴۲۲
حضرت اسماعیلؑ کی بشارت۔	"
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعائے ابراہیمی کے مصداق تھے۔	۴۲۳
حضرت عیسیٰؑ کی بشارت قرآن و انجیل میں۔	۴۲۴
بشارت عیسوی کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے	"
صحابہ کا بیان کہ توریت میں آنحضرتؐ کی یہ بشارت ہے۔	۴۲۸
اشعیاء نبی کی بشارت۔	۴۲۹
اشعیاء نبی کی بشارت اور صحابہ کے بیان میں تطبیق۔	۴۳۰
اشعیاء نبی کی ایک ایک علامت کی تطبیق آنحضرتؐ کے حالات سے۔	۴۳۱
قرآن میں توراۃ کی ایک بشارت نبوی کا حوالہ۔	۴۳۳
حضرت موسیٰؑ کی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے	

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و علی آلہ و اصحبہ اجمعین!

خدا کا شکر ہے کہ اس نے چند در چند مزاحمتوں کے باوجود سیرت پاک کی تیسری جلد کی تکمیل و انجام کا سامان بہم پہنچایا، اور ایک گناہ گار کو توفیق بخشی کہ ان اوراق کو ترتیب دے کر اپنے سیاہ اعمال نامہ کے دھونے کے لئے آب رحمت کے چند قطرے فراہم کر سکے۔ دوسری جلد ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۰ء) میں چھپ کر نکلی تھی، چار برس کے بعد یہ ۹۰۰ صفحوں کا مجموعہ مشتاق نگاہوں کے سامنے ہے، اس مجموعہ کی تالیف و ترتیب، واقعات کی تفتیش و تلاش اور مسائل و نظریات کی بحث و تحقیق میں جو محنت و کاوش اور دیدہ ریزی کی گئی ہے، اس کا بڑا صلہ یہی ہے کہ صواب کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹا ہو اور حقیقت کی منزل سے بُعد نہ ہوا ہو، والعصمۃ للّٰہ وحدہٗ۔

ان اوراق کی تالیف میں ہم اپنے ان محسنوں کے شکر گزار ہیں جنہوں نے ان کی تکمیل میں ہمارا ہاتھ بٹایا، خصوصاً اور غوامض میں مخدومنا مولانا حمید الدین صاحب کے مشوروں نے فائدہ پہنچایا ہے، رفیق کار مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے معجزات کے جزئی واقعوں کے فراہم کرنے میں مدد کی ہے، ہماری جماعت میں بلکہ علماء کی جماعت میں پروفیسر عبد الباری ندوی (معلم فلسفہ جدیدہ، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن) سے بڑھ کر فلسفہ جدیدہ کا کوئی ماہر نہیں، معجزات کی بحث میں ضرورت تھی کہ اس باب میں فلسفہ جدیدہ کی جو موشگافیاں اور نکتہ آفرینیاں ہیں ان سے بھی تعرض کیا جائے چنانچہ میری درخواست پر موصوف نے معجزات اور فلسفہ جدیدہ کا باب لکھ کر عنایت کیا ہے جو اس کتاب کے ص ۵، سے شروع ہو کر ''…'' پر تمام ہوا ہے۔

کہیں کہیں آپ کو احادیث کی بعض غیر مطبوعہ کتابوں مثلاً بیہقی، ابو یعلی، ابن راہویہ، ابن ابی شیبہ، بزار وغیرہ کے حوالے دوسری مطبوعہ کتب احادیث کے حوالوں کے ساتھ ساتھ ملیں گے، ہم نے ان کے حوالوں میں دوسرے معتبر شارحین حدیث اور مصنفین سیرت مثلاً ابن کثیر، ابن حجر، ابن قیم، سیوطی وغیرہ پر بھروسہ کیا ہے، معجزات کے جزئی واقعات میں ایک دو مقام پر قوی روایتوں کے ساتھ اگر ضعیف روایتوں کو جگہ دی گئی ہے تو ان سے مقصود صرف یہ ہے کہ قوی روایتوں نے جس نوع کے معجزات ثابت ہیں اس نوع کے معجزات کی دوسری تائیدیں بھی گو اس رتبہ کی نہیں مگر موجود ہیں۔

کتاب میں کہیں کہیں غلطیاں[1] رہ گئی ہیں جن کی آخر میں غلط نامہ کے اضافہ سے تلافی کی کوشش کی گئی ہے اس راہ کی ایک منزل آج اور تمام ہوئی، لیکن قلم کے مسافر کو آرام نہیں کہ اب چوتھی منزل اس کے سامنے ہے احباب دعا کریں کہ یہ جلد چہارم ان کی خدمت میں جلد پیش ہو سکے۔

سید سلیمان ندوی
۱۷ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ

---

[1] اب جدید کتابت و طباعت میں یہ اغلاط دور کردی گئی ہیں (ناشر جدید)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع سوم

سیرت النبی کی یہ تیسری جلد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت حقیقت نبوت اور فضائل و معجزات پر مشتمل ہے، تیسری دفعہ چھپ کر اب منظر عام پر آرہی ہے۔ اسی اثنا میں بعض مباحث پر جدید تحقیقیں سامنے آئیں اس لئے پوری کتاب پر نظر ثانی کی گئی۔ روایتوں اور حوالوں کو اصل ماخذوں سے دوبارہ ملایا گیا، اگر اختلاف نظر آیا تو تصحیح کی گئی، کوئی پہلے سے زیادہ مستند حوالہ ملا تو اس کا اضافہ کیا گیا، کوئی عبارت اگر مشتبہ تھی تو اس شبہ کو دور کیا گیا خصوصیت کے ساتھ معراج کے جسمانی و روحانی یا حالت بیداری یا خواب کے ہونے کے مسئلہ کو صاف کیا گیا۔

معجزات کی روایتوں کی اصل سے پھر تطبیق کی گئی اور کہیں کہیں حواشی کے اضافہ سے بعض نئے فوائد بڑھائے گئے، کہیں کہیں عبارت کے اغلاق کو بھی دور کیا گیا ہے۔

ایک ظلوم وجہول انسان کی طاقت میں تحقیق کی جو حد تھی اس نے اپنی وسعت کے مطابق وہ پوری صرف کی ہے۔ اس پر بھی عصمت کا دعویٰ نہیں، اہل نظر سے التماس ہے کہ اگر اب بھی کوئی قابل اصلاح چیز نظر آئے تو مؤلف کو مطلع کر کے جزائے خیر کے مستحق ہوں۔

حسن خاتمہ کا طالب

سید سلیمان ندوی

۱۰ شوال ۱۳۶۶ھ، ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء

دار القضاء بھوپال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دلائل و معجزات

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ (مائدہ)

اور ہمارے پیغمبر لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آیا کئے۔

روحانی نوامیس کا وجود

سیرت نبوی کا یہ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان حالات، مشاہدات اور کیفیات کے بیان میں ہے جن کا تعلق اس عالم سے ہے جو ہمارے اس مادی عالم اور اس کے مادی قوانین کے حدود سے باہر ہے۔ جس طرح ہماری یہ مادی دنیا ایک نظام خاص پر چل رہی ہے، مثلاً رات کے بعد دن نمودار ہوتا ہے، خزاں کے بعد بہار آتی ہے، ستارے غروب ہوتے ہیں تو آفتاب نکلتا ہے، گرمی جاتی ہے تو جاڑے آتے ہیں، پھول اپنے وقت پر کھلتے ہیں، درخت اپنے موسم میں پھلتے ہیں، ستارے اپنے معین اوقات پر ڈوبتے اور نکلتے ہیں، اسی طرح روحانی عالم بھی اپنا ایک خاص نظام رکھتا ہے، اس کا بھی ایک آسمان و زمین ہے، وہاں بھی تاریکی اور روشنی ہے، خزاں اور بہار ہے، فصل و موسم ہے۔

آسمانہاست در ولایت جاں   کار فرمائے آسمان جہاں

نبوت کے فطری و روحانی آثار

جب روئے زمین پر گناہوں کی تاریکی اور بدیوں کی ظلمت محیط ہو جاتی ہے تو صبح کا تڑکا ہوتا ہے اور آفتاب ہدایت نمودار ہوتا ہے، باغ عالم میں جب برائیوں کی خزاں چھا جاتی ہے تو موسم بدلتا ہے اور بہار نبوت[1] رونق افزا ہوتی ہے۔

اور جس طرح زمین، آسمان، سورج، پھل اور پھول کے خاص خاص قوانین فطرت ہیں جن میں عموماً تغیر نہیں ہوتا، اسی طرح دنیا کی رشد و ہدایت، عذاب و رحمت اور نبوت و رسالت کے خاص خاص اصول و قواعد ہیں جن میں تغیر راہ نہیں پاتا، انبیاء و رسل اپنے اپنے وقت پر مبعوث ہو کر قوموں کو دعوت دیتے ہیں، قومیں ان کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہیں، منکرین ہلاک اور مومنین کامیاب ہوتے ہیں، اس روحانی جہاد میں انبیاء و رسل نے ہمارے علم و دانش

---

[1] خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے پہلے انبیاء کا سلسلہ جاری رہا، حضورؐ کی آمد کے بعد جانشینان نبوت محمدی یعنی مجددین امت اس فرض کو انجام دیتے ہیں، یہ مجددین ملت رسولؐ کے متبع کامل ہوتے ہیں اور منصب نبوت سے عاری ہوتے ہیں اسی لئے ان کے انکار سے کفر نہیں لازم آتا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں مختلف ملکوں میں یا ایک ہی ملک کے مختلف حصوں میں بیک وقت مختلف مجددین ملت ہوں، ان کی پہچان کا سب سے بڑا معیار عقائد و اعمال، اخلاق اور طرق دعوت میں رسول اکرمؐ کا اتباع کامل ہے، ان کا کام یہ ہے کہ وقت کے اوہام و رسوم و اعمال کو جو باہر سے آکر دین میں شامل ہو گئے ہوں دور کریں اور امور دین میں جو امور مٹ گئے ہوں ان کو دوبارہ جاری کریں۔

سے بالاتر اعمال صادر ہوتے ہیں اور ان سے عجیب عجیب خوارق ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

نبوت کے روحانی نوامیس انسانی قوانین پر حکمران ہیں

جس طرح ہمارا نفس اور ہماری روح یا ہمارے جسم کی پراسرار مخفی قوت ہمارے کالبد خاکی پر حکمران ہے اور ہمارے تمام اعضاء و جوارح اس کے ایک ایک اشارے پر حرکت کرتے ہیں، اسی طرح نبوت کی روح اعظم اذن الٰہی سے سارے عالم جسمانی پر حکمران ہو جاتی ہے اور روحانی دنیا کے سنن و اصول عالم جسمانی کے قوانین پر غالب آجاتے ہیں، اس لئے وہ چشم زدن میں فرش زمین سے عرش بریں تک عروج کر جاتی ہے، سمندر اس کی ضرب سے تھم جاتا ہے، چاند اس کے اشارہ سے دو ٹکڑے ہو جاتا ہے، اس کے ہاتھوں کی دی ہوئی چند خشک روٹیاں ایک عالم کو سیر کر دیتی ہیں، اس کی انگلیوں سے پانی کی نہریں بہتی ہیں، اس کے نفس پاک سے بیمار تندرست ہو جاتے ہیں اور مردے جی اٹھتے ہیں، وہ تنہا مٹھی بھر خاک سے پوری فوج کو تہ و بالا کر دیتا ہے، کوہ و صحرا، بحر و بر، جاندار و بے جان بحکم الٰہی اس کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں، وہ اس کا نہیں بلکہ اس کے رب کا فعل ہوتا ہے اور اسی کی مشیت اور قدرت سے پیغمبر کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں۔

نبوت کے روحانی نوامیس کے اسباب و علل سے ہم اسی طرح لاعلم ہیں جس طرح جسمانی قوانین کے

لیکن جس طرح ہم کبھی یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص خاص پھول، خاص خاص درخت، خاص خاص ستارے فلاں فلاں معین اوقات ہی پر کیوں جلوہ نما ہوتے ہیں، پھول سرخ کیوں ہوتے ہیں؟ ستارے چمکتے کیوں ہیں؟ شہد میٹھا کیوں ہوتا ہے؟ چاند اور سورج چلتے کیوں ہیں؟ تخم، درخت، غذا، خون، گوشت کیونکر بن جاتا ہے، اسی طرح اس کا جواب بھی نہیں دے سکتے کہ پیغمبروں کا ظہور اپنے اپنے وقت پر کیونکر ہوتا ہے اور ان سے یہ مافوق العادۃ افعال و اعمال بحکم الٰہی کیونکر صادر ہوتے ہیں؟ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ ہوتے ہیں، چنانچہ دنیا کا ہر پیغمبر بلکہ روحانیت کا ہر حامل اپنی پرُاسرار زندگی کے اندر اس قسم کے حالات و کیفیات کی ایک دنیا رکھتا ہے، عالم کی تاریخ آپ کے سامنے ہے، جس میں اگر قوموں کے روحانی معلموں کے حالات و سوانح غور سے پڑھیں تو آپ کو ہر جگہ نظر آئے گا کہ وہ، وہ کچھ دیکھتے تھے جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ وہ، وہ کچھ سنتے تھے جو ہم نہیں سن سکتے، وہ، وہ کچھ جانتے تھے جو ہم نہیں جان سکتے اور ان سے وہ اعمال بھی صادر ہوتے تھے جو کسی اور سے نہیں ہو سکتے۔ یہ تاریخی واقعات ہیں جن سے انکار کرنا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح سکندر اور نپولین کی فتوحات اور بدھ اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے وجود سے، ہندوستان کی روحانی داستان کا ایک ایک حرف، اسرائیلی نبیوں کے صحیفوں کا ایک ایک باب اور عیسائیوں کی انجیل کا ایک ایک صفحہ اس تاریخ کی مثالیں اور نظیریں ہیں۔

انبیاء کا اصلی معجزہ خود ان کا سراپا وجود ہے

گو پیغمبر کا اصلی معجزہ اور اس کے منجانب اللہ ہونے کی کھلی نشانی خود اس کا سراپا وجود ہوتا ہے، دیکھنے والوں کے لئے اس کی چشم و ابرو میں اور سننے والوں کے لئے اس کے لب و لہجہ میں اور سمجھنے والوں کے لئے اس کے پیام و دعوت ہی اعجاز ہوتا ہے، لیکن جو لوگ احساس حقیقت میں فروتر ہوتے ہیں ان کو اس سے تسکین نہیں ہوتی اور وہ مادی

اور محسوس نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں، جو بالآخر ان کو دی جاتی ہیں۔

انبیاء کے کامل پیرو اُن سے معجزہ نہیں مانگتے تھے

لیکن انبیاء کے متبعین میں سے سابقین اولین اور صدیقین و صالحین نے اپنے پیغمبروں سے معجزہ طلب نہیں کیا، حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر ان کو پیغمبر نہیں تسلیم کیا تھا، حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے ان کا معجزہ دیکھ کر آسمانی دولت کا حصہ نہیں پایا تھا، حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، مگر چاند کے دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھ کر نہیں بلکہ یہ جان کر کہ آپ غریبوں کے دست و بازو ہیں، قرضداروں کی تسکین اور سہارا ہیں، مسافروں کے ملجا و ماویٰ ہیں،[1] حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ اور دیگر صحابہ کبار رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی آپ کی صداقت اور راستی کی حقیقت کو ظاہری آیات و معجزات کی روشنی میں تلاش نہیں کیا، ان کے لئے آپ کا سراپا وجود، نفس دعوت حق اور پیام اخلاص ہی معجزہ تھا، انہوں نے اسی کو دیکھا اور اسی سے ایمان کی دولت پائی۔

معاندین معجزوں کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے

مگر نمرود و فرعون اور ابوجہل و ابولہب جو آتش خلیل، طوفان نیل، قحط مکہ اور انشقاق قمر کے معجزوں کے طالب تھے پھر بھی ایمان کی دولت عظمیٰ سے محروم رہے، لیکن بایں ہمہ ایک درمیانی طبقہ بھی دنیا میں موجود رہا ہے جس کی بصیرت کے آئینہ پر غفلت کے زنگ کی کچھ کچھ چھائیاں پڑی ہوتی ہیں، جب حقیقت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اس کی تجلی کی کرنیں ان آئینوں پر پڑتی ہیں تو وہ چمک اٹھتے ہیں اور اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى (طٰہٰ ۳) پکار اٹھتے ہیں۔

معجزوں سے کن کو فائدہ پہنچتا ہے؟

فرعون کے ساحروں نے حضرت موسیٰؑ کے معجزہ کو دیکھا تو موسیٰؑ و ہارونؑ کے خدا کے آگے سجدہ میں گر پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح روم کی پیشین گوئی پوری ہوئی تو قریش کے نیک طبع لوگوں کی چشم باطن کھل گئی اور حقیقت کا پیکر ان کے سامنے جلوہ نما ہو گیا۔[2] یہی طبقہ ہے جس کو معجزات کی ظاہری نشانیوں سے بقدر استعداد حصہ پہنچتا ہے، اس کے علاوہ معجزات کا بڑا حصہ مؤیدات یعنی تائید حق کے ایسے غیر منتظر اور غیر متوقع حالات کا رونما ہونا ہے، مومنین صادقین کو مشکلات کے عالم اور اضطراب کی گھڑیوں میں ان کے ذریعہ سے تسکین دی جاتی ہے اور رسوخ ایمان اور ثبات قدم مرحمت ہوتا ہے ان کی بے سر و سامانیوں اور بے نوائیوں کی مکافات کی جاتی ہے اور اس سے ان کی دولت ایمانی کا سرمایہ ترقی کرتا ہے۔

ان واقعات کا اصطلاحی نام

حضرات انبیائے کرام سے جو یہ مافوق العادۃ کیفیات اور اعمال صادر ہوتے ہیں، ان کے لئے عام طور پر معجزہ کا لفظ بولا جاتا ہے، لیکن یہ اصطلاح کئی حیثیتوں سے غلط ہے، اول تو اس لئے کہ قرآن مجید اور احادیث میں یہ لفظ مستعمل نہیں ہوا ہے بلکہ اس کی جگہ آیت (نشانی)، اور برہان (دلیل)، کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو اپنے مفہوم کو نہایت خوبی سے ظاہر کرتے ہیں۔ قدیم محدثین نے ان کی جگہ دلائل و علامات کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو الفاظ قرآنی کے ہم معنی ہیں، دوسرے یہ کہ عام استعمال

---

[1] صحیح بخاری باب بدء الوحی [2] جامع ترمذی تفسیر سورۂ روم مع بعض دلائل النبوۃ ابی نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ و دلائل النبوۃ لبیہقی الاسناد، ذی متوفی ۴۵۸ھ مطبوعہ حیدرآباد مع سیاق

کی بنا پر معجزہ کے ساتھ کچھ خاص لوازم ذہنی پیدا ہو گئے ہیں، جو حقیقت میں صحیح نہیں ہیں، مثلاً اس لفظ سے عوام میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ وہ خود پیغمبر کا فعل ہوتا ہے جس کا صدور خاص اس کے اعضاء و جوارح سے ہوتا ہے اور نیز یہ کہ اس لفظ کے سبب سے اس کا معجزہ ہونا گویا اس کی حقیقت میں داخل ہو گیا ہے، حالانکہ یہ دونوں خیال غلط ہیں، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ معجزہ پر عقلی حیثیت سے جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں، ان کا ایک بڑا حصہ خود لفظ معجزہ کے غلط استعمال سے پیدا ہو گیا ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم کو ایک ایسا جامع لفظ درکار ہے جس میں نبوت کے تمام خواص کیفیات، مشاہدات اور اعمال خارقہ عادت اور غیر خارقہ عادت سب داخل ہیں، لیکن معجزہ کا لفظ اتنا وسیع نہیں، آئندہ جہاں از روئے قرآن معجزہ کی حقیقت پر بحث آئے گی، وہاں اس کے متعلق یہ تفصیل کی جائے گی جس سے معلوم ہو گا کہ قرآن پاک کی اصطلاح کس قدر صحیح اور موزوں ہے، ان وجوہ کی بنا پر صحیح طریق یہ ہے کہ ہم اس کتاب میں صرف قرآن کی اصطلاح آیت، برہان اور محدثین کی اصطلاح علامات و دلائل کو اختیار کریں تاکہ ہمارا مفہوم زیادہ صحیح طریقہ سے اور زیادہ وسیع طور سے ادا ہو سکے۔ لیکن چونکہ ہماری زبان میں معجزہ کا لفظ عام طور پر چل گیا ہے اس لئے اس کو یک قلم ترک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

دلائل و براہین و آیات کا تعلق انبیاء کی سیرتوں سے

قرآن مجید اور دیگر صحف آسمانی میں انبیائے سابقین علیہم السلام کے جو قصص اور واقعات مذکور ہیں ان میں ان کے روحانی حالات و کیفیات یعنی دلائل و براہین اور آیات کا ذکر نہایت موثر اور عبرت انگیز طریقہ سے کیا گیا ہے، سیر ملکوت، مکالمہ الٰہی، رویت ملائکہ، رویائے صادقہ، استجابت دعا، طوفان نوحؑ، آتش خلیل، عصائے موسیٰؑ، نفس عیسیٰؑ اور اس قسم کے اور بھی بہت سے کیفیات و حالات کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے اور ان کے ساتھ ان کے عواقب و نتائج کبھی نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے ہر زمانہ میں ان چیزوں کو خاص تعلق رہا ہے اور اس وجہ سے وہ ان کے واقعات زندگی کا جزو لاینفک ہو گئے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی زندگی اگرچہ گوناگوں واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے لیکن نتائج کے لحاظ سے ان تمام واقعات کا مرکز صرف یہ ہوتا ہے کہ اس خاکدان کو اخلاق ذمیمہ کے خس و خاشاک سے پاک کر کے محاسن اخلاق کے گل و ریحان سے آراستہ کیا جائے تاکہ برکات آسمانی کا دامن کانٹوں سے الجھنے نہ پائے، اس مقدس فرض کے ادا کرنے میں اگرچہ کبھی کبھی انبیاء علیہم السلام کو مادی آلات سے بھی کام لینا پڑتا ہے لیکن وہ لوگ اکثر اپنی روحانی طاقت سے اس مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں اور مادی آلات کے استعمال میں بھی ان کے جسمانی دست و بازو سے زیادہ ان کے روحانی دست و بازو کام کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات زندگی میں ان دلائل و آیات کو نہایت اہمیت دی ہے اور ان کے ذکر سے گویا انبیاء علیہم السلام کے تمام حالات زندگی کو سلسلۂ علل و اسباب سے مربوط کر دیا ہے۔

دلائل و آیات کا تعلق سیرت محمدیؐ سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تمام انبیاء علیہم السلام کے واقعات

زندگی کا خلاصہ، ان کی تعلیمات کا عطر اور ان کے حالات و مشاہدات کا برزخ ہے، آپ ایک ہی عالمگیر اور ابدی مذہب لے کر مبعوث ہوئے تھے، اس لئے آپ نے ایک ہی خطاب کے ساتھ ان تمام لوگوں کو مخاطب فرمایا جن کو طوفان نوحؑ دفعتہً بہا لے گیا تھا جن کو دریائے قلزم کی موجیں نگل چکی تھیں جن کو نفس عیسیٰ نے دوبارہ زندہ کر دیا تھا اور ان سب سے بڑھ کر آپ کا مخاطب ایک گروہ اور بھی تھا جو ان چیزوں کو صرف عجائب پرستی کی نگاہ سے نہیں بلکہ ژرف نگاہی سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا، اس بنا پر جس چشمۂ فیض نے اسباط موسیٰؑ کو سیراب کیا تھا وہ ان تشنہ کامان روحانیت سے کیونکر بے پروا ہو سکتا تھا، چنانچہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ان تمام معجزات کا مجموعہ بنا دیا جو علیٰ قدر مراتب ہر طبقہ، ہر فرقہ اور ہر گروہ کے لئے ضروری تھے، آپ کے اخلاق و عادات معجزہ تھے، آپ کی شریعت معجزہ تھی، آپ پر جو کتاب نازل ہوئی اس سے بڑا کوئی معجزہ نہیں ہو سکتا تھا ان کے علاوہ آپ کی روحانی طاقت نے جسم و روح دونوں کی کائنات میں بہت کچھ اثر ڈالا، اس نے کبھی طوبیٰ کے سایہ میں آپ کے لئے بستر لگایا، کبھی سدرۃ المنتہیٰ کے حدود میں رفرف کی سواری کھڑی کی، کبھی ماکذب الفؤاد کے نور سے قلب مبارک کو منور کیا اور کبھی مازاغ البصر کے سرمہ سے آپ کی آنکھوں کو روشن کیا، کبھی نزول رحمت الٰہی کے لئے آسمان کے دروازے کھولے، کبھی وادی حق کے پیاسوں کے لئے زمین کی تہہ سے پانی کے چشمے نکالے، کبھی سنگ خارا کے شراروں کی روشنی میں قیصر و کسریٰ کے خزانے دکھائے، کبھی انبیائے سابقین علیہم السلام کی زبان الہام سے اپنی کامیابی کے نغمہائے بشارت سنائے، اور آئندہ دنیا کے واقعات غیب بتا کر رہروان عالم کو منزل حقیقت کے نشان دکھائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کا سب سے بڑا جزو غزوات و محاربات ہیں اور ان ہنگامہ خیز واقعات کے تاریخی علل و اسباب اور ان کے نتائج کا ذکر کتاب کے ایک حصہ میں بتصریح گزر چکا ہے لیکن جہاد کے میدان میں آپ کو جو فتوحات عظیم حاصل ہوئیں ان میں انسانوں کے لشکر اور سپاہیوں کے تیغ و خنجر سے زیادہ فرشتوں کے پرے، دعاؤں کے تیر، توکل علی اللہ کے سپر، اعتماد علی الحق کی تلوار کام کرتی نظر آتی تھی، آپ کی زندگی کا سب سے بڑا فرض اسلام کی اشاعت ہے اور روئے انور نے، نگاہ کیمیا اثر نے، تقریر دلپذیر نے، اخلاق اعجاز نما نے، آیات و دلائل بن کر جس سے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا ہے، غرض آپ کی پیغمبرانہ زندگی کے ہر منظر میں یہ دلائل یہ براہین، یہ آیات، یہ معجزات، اسباب ظاہری کے پہلو بہ پہلو اسباب حقیقی بن کر رونما ہوتے رہے ہیں۔

دلائل و معجزات اور عقلیت

ان دلائل و معجزات کے الفاظ کو سننے کے ساتھ ہی سب سے پہلے دلوں میں یہ سوال پیدا ہونے لگتا ہے کہ کیا یہ ممکن بھی ہیں؟ کیا عقل خردہ گیر ان کے وقوع کو جائز بھی رکھتی ہے؟ دنیا میں عقل و نقل اور فلسفہ و مذہب کا جب سے وجود ہے، ان مباحث پر معرکہ آرائیاں ہوتی چلی آئی ہیں، لیکن فلسفہ قدیمہ ہو یا جدیدہ، فلسفہ یونان ہو یا فلسفہ اسلام، مشرق کا فلسفہ ہو یا مغرب کا، ان سب کا حاصل بحث یہ نکلتا ہے کہ اگر کچھ فرق ہے [illegible]

[illegible]

قائل ہیں، وہ خود اپنے کج بحث دل اور بدگمان قلب کی تسلی و طمانیت اور رفع شک کے لئے اپنے اپنے فہم و ادراک کے موافق مختلف نظریئے قائم کرتے ہیں، تاکہ وہ اپنی راز جو طبیعت کی تشنہ لبی کو تسکین دے سکیں، ان تمام نظریات کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ ان عقل و حواس سے مافوق حقائق کو اپنے دریافت کردہ معلوم و محسوس قواعد کے مطابق بنا سکیں، لیکن کیا یہ ممکن ہے کیا محسوس و غیر محسوس یا جسمانی و روحانی دنیا، دونوں ایک ہی نظام پر چل رہی ہے کہ ایک عالم کے قیاس تمثیلی و استقرائی سے ہم دوسرے عالم کے ثبوت پر شہادتوں کا انبار لگانا چاہتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جو جانا نہیں جا سکتا اس کو ہم جاننا چاہتے ہیں اور جو سمجھا نہیں جا سکتا اس کو سمجھنا چاہتے ہیں، جب ہماری عقل و فہم کی لنگ پائی محسوسات کے میدان میں صاف نظر آتی ہے تو ماورائے محسوسات میں اس کا مجھ کو کہاں تک منزل مقصود کے قریب کر سکتی ہے۔

آنانکہ وصف حسن تو تقریر می کنند
خواب ندیدہ را ہمہ تعبیر می کنند

بہرحال اب تک انسان نے اس خواب نادیدہ کی جو کچھ تعبیر کی ہے وہ ذہن کے اوراق میں پھیلائی گئی ہے اور سلسلۂ بحث میں سب سے پہلے فلسفۂ قدیمہ کے نظریات کی تشریح کی گئی ہے اور اس کے بعد فلسفۂ جدیدہ اس عقدہ کی گرہ کشائی جہاں تک کر سکتا ہے اس کی تفصیل ہے اور آخر میں خود قرآن مجید نے ہمیں اس باب میں جو کچھ تلقین کی ہے اس کو بیان کیا جائے گا۔

*

دلائل و معجزات اور فلسفہ قدیمہ و علم کلام

اسلام میں عقائد کی سطح جب تک صاف اور ہموار رہی، دلائل اور معجزات کے متعلق عقلی مباحث نہ پیدا ہوسکے تھے نہ پیدا ہوئے لیکن دوسری صدی میں جب یونانی علوم کے تراجم مسلمانوں میں پھیلے تو یہ ہمارے علم کلام کے ضروری اجزا بن گئے اور ان کو اس درجہ اہمیت ہوگئی کہ اب ان سے تعرض کئے بغیر گویا موضوع مزید بحث کے لئے تشنہ رہ جاتا ہے۔

اہل یونان کسی شریعت الٰہی سے مشرف نہ تھے اس لئے وہ نبوت، خواص نبوت، نبی، الہام اور معجزہ وغیرہ سے واقف نہ تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے خاص فلسفہ میں ان مباحث کا وجود نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن رشد نے تہافۃ التہافہ میں اس کی خاص تصریح کی ہے اور علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی اپنی تصنیفات میں اس کو جابجا لکھا ہے، مسلمانوں میں سب سے پہلا فلسفی یعقوب کندی ہے، لیکن چند مختصر رسائل کے سوا اس کی تمام تصنیفات ناپید ہیں، کندی کے بعد فارابی کا زمانہ ہے اور اسی نے سب سے پہلے ان مسائل کے متعلق اپنے خاص نظریئے قائم کئے، چنانچہ اس نے اپنے رسالہ فصوص الحکم[1] میں نبوت اور خواص نبوت کے متعلق بترتیب حسب ذیل خیالات ظاہر کئے ہیں۔

فقرہ ۲۸:- صاحب نبوت کی روح میں ایک قوت قدسیہ ہوتی ہے جس طرح تمہاری روح عالم اصغر یعنی اپنے جسم میں تصرف کرتی ہے اور تمہارا جسم، تمہاری روح کا تابع و فرماں بردار رہتا ہے اسی طرح وہ روح قدسی عالم اکبر میں یعنی تمام جسمانیات میں تصرف کرتی ہے اور تمام عالم جسمانی اس کا فرماں بردار و تابع رہتا ہے۔ اور اسی بنا پر اس سے خارق فطرت معجزات صادر ہوتے ہیں اور چونکہ اس کا آئینہ باطنی صاف اور زنگ و غبار سے پاک ہوتا ہے اس لئے لوح محفوظ یعنی اس کتاب میں جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی اور ملائکہ کی ذاتوں میں جو کچھ ہے اس کا عکس اس کے آئینہ پر پڑتا ہے اور وہ قدرت، قدسیہ یا روح قدسیہ اس کو مخلوقات تک پہنچاتی ہے۔

فقرہ ۲۹:- ملائکہ ان صور علمیہ کا نام ہے جو بذاتہا قائم ہیں اس طرح نہیں جس طرح لوح میں نقوش یا ذہن میں معلومات ہوتے ہیں بلکہ خود معانی قائم بالذات ہیں اور وہ امر الٰہی سے فیض حاصل کرتے ہیں، عام روح بشری تو حواس ظاہری کے تعطل یعنی خواب میں اس امر الٰہی سے لگاؤ پیدا کرتی ہے لیکن روح نبوی بیداری میں اس سے تخاطب کرتی ہے۔

فقرہ ۳۰:- عام روح بشری کا حال یہ ہے کہ جب اس کے حواس ظاہری مشغول ہوتے ہیں تو حواس باطنی معطل ہو جاتے ہیں اور جب حواس باطنی کام لیتے ہیں تو حواس ظاہری بیکار ہو جاتے ہیں مگر ارواح قدسیہ کا یہ حال ہے کہ نہ صرف یہ کہ ان کے حواس ظاہری کی مصروفیت ان کے حواس باطن کو اور ان کے حواس باطن کی مشغولیت ان کے حواس ظاہری کو معطل نہیں ہونے دیتی اور دونوں ایک دوسرے کے فرائض میں مخل نہیں ہوتے بلکہ ان کی تاثیر کا عمل ان کے اجسام سے متعدی ہو کر دوسرے اجسام تک پہنچتا ہے اور وہ انسانی تعلیم سے نہیں، بلکہ ارواح و ملائکہ کے ذریعہ سے علم کی تلقی کرتے ہیں۔

[1] فصوص الحکم یورپ اور مصر دونوں میں چھپ گئی ہے، اس وقت میرے پیش نظر لیڈن ای جی بریل کا نسخہ مطبوعہ ۱۸۹۰ء ہے۔

فقرہ ۱۴۱۔ عام روحوں کی درماندگی یہاں تک ہے کہ نہ صرف یہ کہ حواسِ ظاہری کی مصروفیت حواسِ باطنی کو اور حواسِ باطنی کی مصروفیت حواسِ ظاہری کو اپنے فرائض سے باز رکھتی ہے، بلکہ خود ان کے ایک حس کی مشغولیت دوسرے حس کو بیکار کر دیتی ہے، ہم جس وقت غور سے سنتے ہیں دیکھتے نہیں، جب دیکھنے میں مستغرق ہوتے ہیں تو سنتے نہیں، خوف کا احساس ہو تو اشتہا نہیں پیدا ہو سکتی، اشتہا ہو تو غصہ نہیں پیدا ہو سکتا، جب ہم فکر کرتے ہیں تو ذکر سے غفلت ہو جاتی ہے اور جب ذکر کرتے ہیں تو تفکر سے خالی ہو جاتے ہیں، لیکن ارواحِ قدسیہ کی یہ حالت نہیں ہوتی، ان کے تمام ظاہری و باطنی حواس ایک ساتھ کام کرتے ہیں اور ان کا ایک حاسہ دوسرے حاسہ کا عائق و مانع نہیں ہوتا۔

فارابی کے یہی چند لفظ ہیں جو ابن سینا اور ابن مسکویہ تک پہنچتے پہنچتے ایک داستان بن گئے ہیں، اور اب چھوٹی اور بڑی تمام اسلامی فلسفیانہ تصنیفات میں باب النبوۃ کے نام سے یہ مسائل شامل ہیں، یہاں تک کہ امام غزالی و رازی کی تصنیفات سے ان ہی کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ صوفیہ کے لسان القوم مولانا روم کے سازِ نے سے بھی یہی آواز نکلتی ہے۔ فلسفہ و عقل کی راہ سے جو حکمائے اسلام منزلِ حقیقت کے جویاں ہیں ان کے نزدیک نبی وہ ہے جس میں یہ تین باتیں جمع ہوں۔

۱۔ اول یہ کہ اس کو امورِ غیب پر اطلاع ہو۔
۲۔ دوسرے یہ کہ ملائکہ اس کو نظر آئیں اور وہ اس سے کلام کریں۔
۳۔ تیسرے یہ کہ اس سے خوارقِ عادت ظاہر ہوں۔

ان تینوں دعووں کے امکان پر ان کے دلائل بہ ترتیب یہ ہیں۔

اطلاعِ غیب

یہ عالمِ کائنات ایک باترتیب اور مسلسل نظامِ فطرت پر قائم ہے جس کا ہر درجہ دوسرے درجہ سے بلند ہے، پہلے جمادات ہیں جن میں نہ حرکت ہے نہ نمو، احساس ہے نہ ارادہ، نطق ہے نہ ادراکِ کلیات کی قوت، اس کے بعد نباتات کا درجہ ہے جن میں حرکت اور نمو تو ہے لیکن وہ دوسرے صفات سے محروم ہیں، اس کے بعد حیوانات آتے ہیں جن میں حرکت اور نمو کے ساتھ ارادہ و احساس بھی ہے، سب سے آخر انسان کا مرتبہ ہے جس میں ان تمام خصوصیات کے ساتھ نطق اور ادراکِ کلیات کی قوت بھی ہے، کائنات کے ان چاروں طبقوں میں بھی یکسانی نہیں ہے بلکہ ان میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ایک ترقی محسوس ہوتی ہے، یہاں تک کہ ان کا پست تر نقطہ اپنے پچھلے سے بلند تر اور اپنے اگلے سے جا کر مل جاتا ہے۔ لیکن کیا اس ترقی کی انتہا یہیں پر جا کر ختم ہو جاتی ہے؟ نہیں! ابھی نطق و ادراک اور احساس و تمیز کا مرتبہ کمال کو نہیں پہنچا ہے، انسانوں میں وحشی اور غیر متمدن قبائل سے شروع کرو تو ان سے ترقی یافتہ دہقانی اور گنوار ہیں، ان سے اعلیٰ شہری اور متمدن ہیں اور ان سے زیادہ بلند تر علماء اور عقلائے روزگار ہیں جو فکر و نظر اور قیاس و استدلال سے مجہول کو معلوم کرتے ہیں، لیکن انسانوں کی بلند ترین صنف وہ ہے جس کی عقل و ہوش کے سامنے نظریات بھی بدیہیات ہیں جن کی روحِ قدسی اپنے تمام معلومات کو تجربہ و مشاہدہ سے نہیں بلکہ براہِ راست عالمِ ملکوت سے حاصل کرتی ہے جن کے حواس کی طاقت عام انسانوں سے اس قدر تیز ہوتی ہے کہ وہ وہ کچھ دیکھتے ہیں جو عام انسان نہیں دیکھ

سکتے اور وہ وہ کچھ سنتے ہیں جو عام انسان نہیں سن سکتے، یہ قوتِ کمالیہ اور یہ روحِ قدسیہ جس صنفِ انسانی میں ہوتی ہے وہی انبیاء ہیں۔

رویتِ ملائکہ

انسان کے علم و احساس کا منبع اس کی روح ہے، اور اس کے آلات و ذرائع اس کے باطنی اور ظاہری حواس ہیں، اگر اس سطحِ زمین پر کوئی ایسا انسان ہو جو ان تمام آلات سے معرا ہو تو وہ کسی شے کا احساس کر سکتا ہے اور نہ کسی چیز کا علم حاصل کر سکتا ہے، لیکن جیسے علم و احساس کے ان آلات میں ترقی اور تیزی آ جاتی ہے اسی کے علم و احساس میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک خاص نقطہ پر آ کر وہ رک جاتے ہیں اور مادیات و محسوسات سے آگے نہیں بڑھ سکتے، لیکن خواب کی حالت میں روح کو مادیات اور محسوسات کی زنجیروں سے جب آزادی ملتی ہے تو غیر مادی چیزوں کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روحِ انسانی کے علائق جس قدر مادیات سے پاک ہوں گے اسی قدر اس کے علم و احساس کے قویٰ میں ترقی ہوگی اور جس قدر اس عالمِ مادی سے اس کو افتراق ہوگا اسی قدر عالمِ ملکوت کے ساتھ اس کا اتصال بڑھتا جائے گا، اس بنا پر اگر کسی روح میں اس قدر استعداد اور صلاحیت عطا ہوئی ہے کہ وہ عالمِ بیداری میں بھی ان مادی تعلقات کو منقطع کر سکتی ہو تو جو کچھ عام روحوں کو خواب میں نظر آتا ہے اس سے بہت بڑھ کر اس کو بیداری میں محسوس و مشاہد ہو سکتا ہے، وہ غیب کی آوازوں کو سن سکتی ہے، فرشتوں کو دیکھ سکتی ہے، ان سے باتیں کر سکتی ہے اور ان کے ذریعہ سے علم و معرفت کا فیض حاصل کر سکتی ہے۔

خوارقِ عادت

دنیا کے مادی حوادث جس طرح مادی اسباب و علل کے نتائج ہیں اسی طرح وہ نفسیاتی اسباب کے نتائج بھی ہوتے ہیں، نفس کے اندر مختلف قسم کے جذبات اور حرکات پیدا ہوتے ہیں اور ان سے ہمارا مادی جسم متاثر ہوتا ہے، درخت یا دیوار پر چڑھنے والے کو اکثر یہ پیش آتا ہے کہ جہاں اس کے دل میں خوف پیدا ہوا اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور وہ کانپ جاتا ہے اور گر پڑتا ہے، دہشت و خوف سے انسان بے ہوش ہو جاتا ہے، بیمار ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ مر بھی جاتا ہے، شرمندگی اور خجالت سے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے، غیظ و غضب میں چہرہ تمتما اٹھتا ہے، یہ کمزور نفوس کا حال ہے، اس سے زیادہ قوی نفوس اپنے تاثرات سے دوسروں کو متاثر کر لیتے ہیں اور اپنی قہر و محبت کی نگاہ سے دوسروں کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصحابِ نفوسِ قدسیہ اور اربابِ قوتِ کمالیہ اس مادی دنیا میں بہت کچھ تصرف کر سکتے ہیں[1]۔

اکثر متکلمینِ اسلام نے پہلی اور دوسری شقوں کو ایک میں داخل کر دیا ہے اور ہیں بھی وہ درحقیقت ایک ہی، امورِ غیب کی اطلاع، ملائکہ اور روحانیت کا مشاہدہ، رویت اور ان سے تخاطب، یہ تمام تر وحی و مشاہدۂ روحانیت کے تحت ہی داخل ہو سکتے ہیں اور تیسری چیز کا نام ان کی زبان میں معجزہ ہے، ہم ان دونوں پر الگ الگ بحث کرتے ہیں۔

★

---

[1] ابن سینا نے اشارات میں تفصیل سے اور نجات میں اختصار کے ساتھ ان نظریات کو بیان کیا ہے، امام رازی نے مباحث مشرقیہ میں اور ابن مسکویہ نے فوز الاصغر میں ان کو لکھا ہے، دیگر فلسفیانہ تصانیف میں بھی کم و بیش یہی ہے۔

وحی و مشاہدہ

ہمارے حکمائے متکلمین اور صوفیہ نے وحی و الہام اور مشاہدۂ روحانیات کی تشریح میں متعدد نظریے قائم کیے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) الہامِ فطری اور الہامِ نوعی:- دنیا میں جتنی چیزیں پردۂ عدم سے منصۂ وجود پر آتی ہیں، وہ اپنے اپنے وجود کے ساتھ مختلف قسم کے خواص اور فطری علم اپنے ساتھ لاتی ہیں۔ گلاب کا پھول سرخ اور چنبیلی سفید کیوں ہوتی ہے؟ گیہوں میٹھا اور اندراین کڑوا کیوں ہوتا ہے؟ ایک ہی زمین اور ایک ہی آب و ہوا میں مختلف پودے اُگتے ہیں مگر ہر ایک کا رنگ، مزہ اور بو مختلف کیوں ہوتی ہے، ان کے خواص اور کیفیات میں کیوں اس درجہ اختلاف ہوتا ہے؟ پرندہ کا بچہ انڈے کے چھلکے سے باہر آنے کے ساتھ زمین سے دانہ چگنے لگتا ہے۔ بط کا بچہ پانی میں تیرنے لگتا ہے، حیوانات کے بچے ماؤں کے تھن میں منہ لگا دیتے ہیں، چوہے کے بچے نے گو کبھی بلی نہ دیکھی ہو اور بلی کے بچے نے کبھی چوہا نہ دیکھا ہو، مگر عمر میں پہلی دفعہ جب ان کی مڈبھیڑ ہو جاتی ہے تو ہر ایک سے اس کے فطری حرکات سرزد ہونے لگتے ہیں، ہر حیوان اپنے نفع و ضرر کو سمجھتا ہے، وہ مہلکات سے بھاگتا اور منافع کی طرف لپکتا ہے، یہ تعلیم ان کو کس نے دی؟ شیر، لومڑی، کتا، بلی ہر ایک کے بچے سے وہی اعمال سرزد ہوتے ہیں جو ان کے نوعی خصوصیات ہیں، ان اعمال کا معلم کون ہے؟ کوے، بلبلوں کے جھنڈ میں اور بلبلیں کوؤں کے غول میں نہیں بیٹھتیں، یہ ہم جنسی کا علم ان میں کہاں سے آیا؟ چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں میں عظیم الشان اور حیرت انگیز جماعت بندی اور ذخیرہ اندوزی کی قابلیت کیونکر پیدا ہوئی؟ ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ معلمِ فطرت نے عطیۂ وجود کے ساتھ ساتھ یہ طبعی خصوصیات اور الہامات بھی ان میں ودیعت کر دیے ہیں۔

یہ تو انواع کا امتیاز ہے، ہر نوع کے تحت میں اصناف ہیں جس طرح ہر نوع کی خصوصیتیں اور قابلیتیں الگ الگ ہیں، اسی طرح ہر صنف کی خصوصیات اور استعدادات بھی الگ ہیں، ایک کبوتر کی کتنی قسمیں ہیں، ایک آم میں کس قدر اقسام ہیں، ایک نوعِ انسان میں کس قدر طبقات ہیں، ان میں سے ہر ایک صنف، قسم اور طبقہ اپنی مشترک نوعی خصوصیات کے ساتھ کچھ مستقل الگ صنفی اوصاف بھی اپنے اندر رکھتا ہے جو دوسرے اصناف میں نہیں پائے جاتے۔ افریقہ کے ایک وحشی انسان سے لے کر یورپ کے متمدن شہری تک، ایک ناخواندہ جاہل سے لے کر ایک فلسفی اور حکیم تک کس قدر مختلف انسانی طبقات ہیں۔ ہر طبقہ اپنے اندر متعدد صنفی خصوصیات اور ادراکات رکھتا ہے، اسی طرح ممکن ہے کہ معلمِ ازل انسانوں کے ایک اور صنف (انبیاء) کو علوم و معارف اور حقائق و اسرار کے وہ الہامات عطا کر دے جن سے دیگر صنفِ انسانی محروم اور ناآشنا ہیں۔

دنیا میں جس قدر علوم و فنون، صنائع و حرف، ایجادات و اکتشافات پیدا ہو چکے ہیں، ان کا کوئی نہ کوئی بانی، موجد اور مخترع ہوگا۔ پارچہ بافی اور خیاطی سے لے کر ریاضیات اور میکانکس تک جس قدر صنائع و ایجادات اور علوم و معارف ہیں

وہ کسی نہ کسی ایک شخص کے ذہن کا نتیجہ ہیں۔ اسی بانی اور مخترعِ اول کے ذہن میں اس مسئلۂ خاص یا ایجادِ خاص کا خطور کیونکر ہو گیا؟ اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دوسرے سے سیکھے بغیر اس کے نفس میں مسئلۂ خاص اور اس ایجادِ خاص کے متعلق ایک خاص قسم کی سوجھ یا فہم پیدا ہو گئی اور اس کے ذہن میں کہیں سے ایسی حقیقت بے پردہ مشہود ہو گئی جو دوسروں کے لیے تمام تر مستور تھی، یہی الہام ہے۔ اب جس شخص کو فلسفیانہ الہامات ہوتے ہیں وہ فلسفی ہے جس کو شاعرانہ ہوتے ہیں وہ شاعر ہے، جس کو آلات اور مشینوں کا الہام ہوتا ہے وہ آلات ساز اور انجینئر ہے اور جس نفسِ قدسی میں اسرارِ الٰہیہ، نوامیسِ ملکوتیہ، اعتقاداتِ حقہ، اعمالِ صالحہ، قوانینِ عادلہ کا الہام ہو وہ پیغمبر ہے اور اس کے اس الہام کو وحی کہتے ہیں۔

(۲) انقطاعِ حواس عن المادیات:- انسان کے تمام محسوسات اور مدرکات بواسطہ یا بلاواسطہ اس کے حواسِ خمسہ یعنی سامعہ، باصرہ، شامہ، ذائقہ اور لامسہ سے ماخوذ ہیں جن کے کام بترتیب سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور ٹٹولنا ہیں، اسی طرح انسان میں پانچ قوائے دماغی بھی ہیں جن کے نام حسِ مشترک، خیال، واہمہ، حافظہ اور متخیلہ ہیں، ان قوائے خمسہ کے متفرق کام ہیں، حسِ مشترک تو آلاتِ حواس کا خزانہ یا لیٹر بکس ہے، انسان کو اپنے پانچوں حواس کے ذریعہ سے جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ سیدھا حسِ مشترک میں جا کر منطبع ہو جاتا ہے اور پھر وہاں سے منتقل ہو کر خیال میں جمع ہو جاتا ہے اور وہاں محفوظ رہتا ہے، واہمہ وہ قوت ہے جو اپنے اس گزشتہ محفوظ خزانۂ مدرکات کا بار بار جائزہ لیتی رہتی ہے اور اس پر احکام جاری کرتی رہتی ہے، مثلاً دوسرے ہم نے ایک زرد سیال شے دیکھی پہلے سے ہمارے خیال میں شہد کی صورت محفوظ ہے، اس زرد سیال شے کو دیکھتے ہی ہم نے حکم دیا کہ یہ شہد اور میٹھا ہوتا ہے یہ واہمہ کا کام ہے۔ حافظہ میں قوتِ واہمہ کے مخزونات جمع رہتے ہیں اور متخیلہ جس کا دوسرا نام مفکرہ بھی ہے اس قوتِ دماغی کو کہتے ہیں جو مدرکاتِ خیال کی ترکیب و تحلیل کرتی رہتی ہے، وہ ہمیشہ نئی نئی شکلیں اور عجیب عجیب صورتیں سینما صورِ متحرکہ کے تماشہ کی طرح ہمارے ذہن کے سامنے لاتی رہتی ہے، کبھی دو سر کا انسان بنا کر کھڑا کر دیتی ہے، کبھی بے سر کا چلتا پھرتا انسان مشاہدہ کراتی ہے، کبھی پرستان کی سیر کراتی ہے اور کبھی عالمِ قدس میں جانے کے لیے پر لگا دیتی ہے، ذہن کو ہزاروں لاکھوں میل کی مسافت دم کے دم میں طے کرا دیتی ہے، آنکھیں بند کرتے ہی ہماری دوسری آنکھوں کے سامنے جو ہنگامۂ تفکر و خیال برپا ہو جاتا ہے وہ اسی کا کارنامہ ہے۔

اس تمہید کے بعد اب یہ سمجھنا چاہیے کہ ہماری قوتِ متفکرہ صرف آرام و سکون کے لمحوں میں کیوں یہ تماشے دکھاتی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارا حسِ مشترک ہمیشہ خارج سے آلاتِ حواس کے بھیجے ہوئے محسوسات کی تحصیل و وصول میں مصروف رہتا ہے، اس لیے جب تک بیماری، نیند، غفلت یا کسی اور سبب سے آلاتِ حواس سے تعلق نہیں ہوتا ہمارے قوائے دماغی میں آرام و سکون نہیں پیدا ہو سکتا، خواب کی حالت میں جب یہ حواس تھوڑی دیر کے لیے اپنا کام موقوف کر دیتے ہیں، اس وقت ہمارے پراسرار قوائے ذہنی عالمِ بالا کی سیر کرنے لگتے ہیں اور وہاں کے مشاہدات و مسموعات حسِ مشترک میں، اگر ہماری قوتِ متفکرہ کو حرکت دیتے ہیں اور ہم عجیب عجیب چیزیں دیکھنے اور عجیب عجیب آوازیں سننے لگتے ہیں، اب اگر کسی کی روح میں اتنی قوت ہو کہ حالتِ بیداری میں بھی اپنے ظاہری آلات کو معطل کر کے

عالم بالا سے اپنا سلسلۂ تعلق قائم کر سکے تو اس کو سب کچھ اسی عالم بیداری میں نظر آسکتا ہے۔

(۳) قوت نبوت:- تیسرا نظریہ یہ ہے کہ حواس انسانی صرف پانچ کے اندر محدود نہیں ہیں، چنانچہ شیخ الاشراق نے حکمۃ الاشراق میں اس پر دلائل قائم کئے ہیں، بعض جمادات میں نباتاتی اوصاف ملتے ہیں، بعض نباتات ایسے دریافت ہوئے ہیں جن میں قوت حس ہے جس سے دیگر نباتات عام طور سے محروم ہیں، حیوانات کے مختلف انواع میں بعض ایسے قویٰ کا پتہ چلتا ہے جو دیگر حیوانات میں نہیں، شہد کی مکھیوں میں ایک ایسی عجیب و غریب قوت ہے جس سے ان کو کسی طرح بند کر کے لے جایئے اور کہیں جا کر چھوڑ دیجئے وہ اپنے چھتہ کا راستہ پالیتی ہیں، مکڑیوں کی اقلیدسی اشکال بھی کسی نہ کسی قوت کا نتیجہ ہیں خواہ اس کا نام جبلت یا فطرت ہی کیوں نہ رکھو، اسی طرح ممکن ہے کہ انبیاء میں احساس و ادراک کا وہ خاص قوت ہو جس سے اور اصنافِ انسانی محروم ہیں، وہ اپنی اس قوت تدبیر کے ذریعہ سے ان چیزوں کا احساس و ادراک کر لیتے ہیں جن کو عام قوائے انسانی نہیں کر سکتے، مولانا رومی نے مثنوی میں اس خیال کو جا بجا ظاہر کیا ہے۔

پنج حسے ہست جز این پنج حس ... آں چو زر سرخ و این حسہا چو مس

ان پانچ جسمانی حواسوں کے علاوہ پانچ اور روحانی حواس بھی ہیں وہ سونا ہیں اور یہ تانبا ہیں۔

حسِ ابدان قوتِ ظلمت خورد ... حسِ جاں از آفتابے می چرد

جسمانی حواس تاریکی سے قوت اخذ کرتے ہیں تو روحانی حواس آفتاب سے۔

ہر کہ از حسِ خدا دید آیتے ... در بر حق داشت بہتر طاعتے

جس نے اس خدائی احساس کی کوئی نشانی دیکھ لی ہے وہ خدا کے سامنے زیادہ مطیع ہے۔

گر بدیدے حسِ حیواں شاہ را ... پس بدیدے گاو و خر اللہ را

اگر حیوان اپنے احساس سے بادشاہ کا مرتبہ پہچان سکتے تو بیل اور گدھے بھی خدا کو دیکھ لیتے۔

گر نبودے حس دیگر مر ترا ... جز حس حیواں زبیروں ہوا

اگر احساسِ حیوانی کے علاوہ تم کو اور دوسرے قوائے احساس نہ ملے ہوتے!

پس بنی آدم مکرم کے بدے ... کے بہ حسِ مشترک محرم شدے

تو بنی آدم کا درجہ اتنا بڑھایا کیوں جاتا اور صرف حسِ مشترک کی بنا پر وہ محرم راز کیونکر ہو سکتا۔

فلسفی گو ہیز معقولاتِ دوں ... عقل از دہلیز می ماند بروں

فلسفی لغو معقولات کی باتیں کرتا ہے تو عقل دہلیز کے باہر رہ جاتی ہے۔

فلسفی منکر شود در فکر و ظن ... گو برو سر را براں دیوار زن

فلسفی جو صرف اپنی فکر و گمان کے باعث ان حقائق کا انکار کرتا ہے اس کو کہنا چاہیئے کہ اپنا سر دیوار پر دے مارے۔

نطقِ آب و نطقِ باد و نطقِ گل ... ہست محسوسِ حواسِ اہلِ دل

پانی، ہوا، مٹی، ان سب کا نطق، اہلِ دل کے حواس کو محسوس ہوتا ہے۔

فلسفی کو منکر حنانہ است ... از حواس انبیاء بے گانہ است

فلسفی جو ستون نبویؐ کے گریہ کا منکر ہے اس کا سبب یہ ہے کہ انبیاء کے حواس سے واقف نہیں ہے۔

(۴) حواس کی غیر محدودیت:- اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حواس پانچ ہی ہیں اور ان کے علاوہ کوئی حاسہ کسی انسان میں موجود نہیں ہے تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ ان حواسوں کی وسعتِ احساس، ان کے حدود کے اندر محدود ہے اور چند اشخاص کو جو چیز دکھائی یا جو آواز سنائی دیتی ہے وہ اس لئے غلط ہے کہ عام انسان اس کو دیکھ سن نہیں سکتے یا جو چیز ہم کو اس وقت دکھائی یا سنائی نہیں دیتی وہ آئندہ بھی ہم کو دکھائی یا سنائی نہیں دے گی۔ بالکل ممکن ہے کہ ایک انسان جس کو دیکھ یا سن نہ سکے، دوسرا انسان اس کو دیکھ اور سن لے کور نظر پاس کی چیز بھی نہیں دیکھ سکتے لیکن تیز نظر میلوں کی خبر لیتے ہیں، بعض انسانوں اور حیوانوں میں بعض قوائے احساس اوروں سے زیادہ تیز ہوتے ہیں چیونٹی میں قوتِ شامہ، چیل اور کبوتر میں قوت باصرہ، سانپ میں قوت لامسہ، کتوں اور گھوڑوں میں قوتِ سامعہ معمولی سطح حواس سے بہت زیادہ بلند ہوتی ہے، خود انسان کے حواس کے درجے کس قدر متفاوت اور مختلف ہیں ایک انسان دور سے آواز سنتا ہے، دور کی چیز اس کو نظر آتی ہے، دور کی نہایت نازک خوشبو محسوس کر لیتا ہے لیکن کمزور حواس کے انسان ان کا مطلق احساس نہیں کر سکتے، لیکن کسی طریقہ سے اگر ان کے حواس کی قوت اور تیزی میں اضافہ ہو سکے تو وہ بھی اسی طرح دیکھ سکتے، سن سکتے اور سونگھ سکتے ہیں۔

مقدمۂ بالا سے معلوم ہوا کہ ایک کم نظر انسان یا گراں گوش آدمی جس قدر دیکھتا یا سنتا ہے، اگر اس کی قوتِ بصارت و سماعت کو کسی تدبیر سے ترقی دی جائے تو وہ حیرت انگیز طریقہ سے ترقی کر سکتی ہے اور پھر جس قدر اس کے حواس میں ترقی ہوتی جائے گی، اس کے احساسات میں اضافہ اور محسوسات میں وسعت آتی جائے گی، ہمارے ہاتھ میں پانی کا ایک گلاس ہے ہم اس کو پینا چاہتے ہیں، اس میں گرد و غبار کا ایک ذرہ بھی ہم کو نظر نہیں آتا، لیکن ہم خوردبین لگا کر دیکھیں تو قطرہ قطرہ میں ہم کو کیڑوں کی بستی کی بستی نظر آئے گی، خالی آنکھ سے ہم کو صرف آفتاب، ماہتاب اور کچھ چھوٹے بڑے روشن ستارے دکھائی دیتے ہیں، یہاں تک کہ بطلیموس کو ثوابت کی حرکت تک محسوس نہیں ہوئی اور اس وقت تک صرف تین سو ستارے دریافت ہو سکے اور جب ایک سے ایک طاقتور دوربینیں نکل رہی ہیں تو ہر نئی دوربین کی ایجاد کے بعد پہلے سے زیادہ ہماری آنکھیں روشن ہوتی جاتی ہیں، یہاں تک کہ صرف ساتویں درجہ کے ستارے تیرہ ہزار اور آٹھویں درجہ کے چالیس ہزار اور نویں درجہ کے ایک لاکھ بیس ہزار ہم کو اس فضائے آسمانی پر تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ہرشل کی دوربین سے کل چھوٹے بڑے دو کروڑ ستاروں کی فوج ہم کو دکھائی دینے لگی ہے۔

یہی حال سماعت کا ہے، پہلے ہماری آواز زیادہ سے زیادہ ایک میل جا سکتی ہوگی، ٹیلیفون کی پہلی ایجاد نے اس کو بڑھایا اور دو چار قدم کے بعد شہر کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر دوسرے گوشہ کے لوگوں سے باتیں کرنے لگے چند سالوں میں یہاں تک ترقی ہوگئی کہ سوئٹزرلینڈ کے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر ہم بولتے ہیں اور فرانس میں لوگ اس کو سنتے ہیں، لکھنؤ سے الہ آباد دم کے دم میں آپ کی آواز پہنچتی ہے اور اب ہندوستان سے ہزاروں میل دور لندن میں آپ کی آواز [illegible] سنئے۔

[illegible] اب آخر [illegible] میں تو سماعتی ترقی اپنے کمال کو پہنچ رہی ہے [illegible]

ان روزمرہ کی مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حواسِ خمسہ کے فعل و انفعال اور تاثیر و تاثر کے دائرے کی تحدید نہیں کی جاسکتی ہے اور یہ ممکن ہے کہ صنفِ انسانی کے حواس اس قدر تیز، سریع اور قوی ہوں کہ ان کو وہ کچھ نظر آئے جو ہم کو نظر نہیں آتا اور وہ کچھ سنائی دے جو ہم کو سنائی نہیں دیتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی صف کے اندر فرماتے ہیں کہ مجھ کو اسی مقام سے دوزخ اور جنت نظر آئی، حضرت یعقوب کو کنعان کی وادی میں بیٹھ کر مصر سے حضرت یوسف کے پیراہن کی خوشبو معلوم ہوتی ہے۔ مولانا رومیؒ اسی خیال کو ان اشعار میں ظاہر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس حالت میں ایک حس کی تیزی دوسرے حواس کو بھی تیز کر دیتی ہے۔

پنج حس با یکدگر پیوستہ اند ‏ ‏ ‏ زانکہ این ہر پنج ز اصلی رستہ اند

حواسِ خمسہ باہم ایک دوسرے سے وابستہ ہیں کیونکہ یہ پانچوں حواس ایک ہی اصل سے نکل کر آئے ہیں۔

قوتِ یک قوتِ باقی شود ‏ ‏ ‏ مابقی را ہر یکے ساقی شود

ایک حاسہ کی قوت بقیہ حواس کی قوت بن جاتی ہے۔

دیدن دیدہ فزاید عشق را ‏ ‏ ‏ عشق اندر دل فزاید صدق را

دیدارِ چشم عشق کو ترقی دیتا ہے اور عشق دل میں سچائی پیدا کرتا ہے۔

صدق بیداریِ ہر حس می شود ‏ ‏ ‏ حس ہا را ذوق مونس می شود

سچائی ہر حاسہ کی بیداری کا سبب ہو جاتی ہے اور احساس کو ذوق و وجدان سے مدد ملنے لگتی ہے۔

(۵) عالم مثال۔ علمائے اسلام میں جن کے سینے علم و حکمت کے ساتھ نورِ معرفت سے بھی منور ہیں، انہوں نے طرزِ استدلال سے نہیں بلکہ ذوق و عرفان سے ایک اور راستہ اختیار کیا ہے، حکماء میں دو گروہ ہیں، ایک وحدیہ اور دوسرا ثنویہ۔ وحدیہ وہ ہیں جو ایک ہی عالم کے قائل ہیں، یعنی ان کے نزدیک مبدءِ عالم صرف ایک ہی ہے۔ ان کی دو جماعتیں ہیں، ایک وہ جو مبدءِ عالم صرف مادہ کو مانتی ہے اور مادہ کے علاوہ کسی اور چیز کو تسلیم نہیں کرتی یہاں تک کہ عقل و حیات اور قوائے ذہنیہ تک اس کے نزدیک تمام تر مادہ کی نیرنگیاں ہیں، ان کو مادیئین اور طبیعیین کہتے ہیں اور دوسری جماعت مادہ سے یکسر منکر ہے، وہ صرف نفس و روح کو تسلیم کرتی ہے اور اس عالم محسوس کو وہم و تصور سے زیادہ رتبہ نہیں دیتی، اس کے نزدیک عالم اور عالم میں جو کچھ ہے وہ نفس و روح کے مظاہر ہیں ان کو روحانیین کہتے ہیں۔

ثنویہ دو مبدءِ عالم تسلیم کرتے ہیں، یعنی مادہ اور روح اور عالم کو ان دونوں کا جلوہ گاہ تسلیم کرتے ہیں

ہم نے اوپر کی سطروں میں جن اربابِ معرفت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تین عالم تسلیم کرتے ہیں، ایک تو یہ عالمِ اجسام یا عالمِ شہادت جس کو ہم مادہ اور مادیات کہتے ہیں، دوسرا عالمِ ارواح یا عالمِ غیب جو مادہ اور مادیات سے منزہ اور بالاتر ہے اور تیسرا عالمِ مثال یا عالمِ برزخ یہ وہ عالم ہے جہاں عالمِ اجساد اور عالمِ ارواح، عالمِ شہادت اور عالمِ غیب دونوں کے اوصاف اور قوانین ملتبس ہو جاتے ہیں، عالمِ اجساد کی چیزیں وہاں جا کر پیکرِ مادی سے پاک ہو کر لطافت آگیں ہیں اور غیر مادی معانی اور حقائق اور عالمِ ارواح کی مخلوقات وہاں مجسم اور متجسد ہو کر نظر آتی ہیں، امام ربانی

مکتوبات میں لکھتے ہیں۔

اے برادر! عالم ممکنات را سہ قسم قرار دادہ اند عالم ارواح و عالم مثال و عالم اجساد۔ عالم مثال را برزخ گفتہ اند درمیان عالم ارواح و عالم اجساد و نیز گفتہ اند کہ عالم در رنگ مرآت است مر معانی و حقائق این ہر دو عالم را کہ معانی و حقائق اجساد و ارواح در عالم مثال بصورِ لطیفہ ظہور می نمایند چہ در آنجا مناسب ہر معنی و حقیقی صورت و ہیئت دیگر است و آں عالم فی حد ذاتہ متضمن صور و ہیئات و اشکال نیست صور و اشکال در وے از عوالم دیگر منعکس گشتہ ظہور یافتہ است در رنگ مرآت کہ فی حد ذاتہا متضمن ہیچ صورت نیست اگر در وے صورت کائن است از خارج آمدہ است۔

(جلد سوم مکتوب سی ویکم)

عالم ممکنات کی تین قسمیں قرار دی ہیں، عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام۔ عالم مثال کو عالم ارواح اور عالم اجسام کے بیچ میں کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عالم مثال، عالم ارواح اور عالم اجسام کے معانی و حقائق کے لئے آئینہ کے مانند ہے کہ اس عالم مثال میں اجسام و ارواح کے معانی و حقائق لطیف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں، کیونکہ اس عالم مثال میں ہر معنی و حقیقت کی ایک خاص مناسب شکل ہے اس عالم مثال میں بذات خود کوئی صورت و شکل و ہیئت نہیں ہے یہ صور و اشکال دوسرے عالموں سے آکر اس میں منعکس ہوتی ہیں جس طرح خود آئینہ میں کوئی صورت نہیں ہوتی بلکہ جو صور و اشکال اس میں نمایاں ہوتی ہیں وہ خارج سے آکر اس میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔

بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان بزرگوں کا عالم مثال وہی افلاطون کا عالم مثل ہے لیکن افلاطون فرقہ وحدیہ سے تھا، یعنی عالم کا مبدأ صرف ایک تسلیم کرتا تھا اس نے اس کے نظریہ کا منشا صرف یہ ہے کہ اس عالم محسوس میں ہر شے فرد فرد، جزئی جزئی اور شخص شخص ہو کر آتی ہے، نفس کلی اور مطلق نوع وجود خارج میں نہیں، مثلاً ہم کہتے ہیں انسان ہنستا ہے، گھوڑا ہنہناتا ہے، کتا بھونکتا ہے۔ تو یہ کسی خاص انسان، خاص گھوڑے یا خاص کتے کی نسبت حکم نہیں ہے، بلکہ انسان، گھوڑے اور کتے کی نوع پر حکم لگایا گیا ہے، لیکن کلی انسان، مطلق گھوڑا اور مطلق کتے کا وجود تو اس عالم محسوس میں نہیں مگر کہیں نہ کہیں تو اس کا وجود ہونا چاہیئے، پھر کہاں ہے؟ عام جواب یہ ہے کہ ذہن میں، مگر ذہن جو ہمارے محدود و مختصر دماغ کا دوسرا نام ہے کوئی ایسا ظرف نہیں جس کے اندر یہ ساری دنیا سما سکے۔ اس لئے ایک اور عالم ہے جس میں کلیات اور انواع بستے ہیں اس عالم محسوس میں جتنی چیزیں ہیں وہ کسی نہ کسی نوع کے تحت میں ہیں، یہ انواع عالم مثل میں ہیں اور ان کے عکس اور سایے جن کا نام افراد اور جزئیات ہے، وہ اس عالم محسوس میں ہیں، حقیقی وجود ان ہی انواع یا مثل کا ہے وہ گویا قدرت کے سانچے ہیں اور ان ہی سے ڈھل ڈھل کر اس عالم محسوس میں افراد اور جزئیات نمودار ہوتے ہیں۔ مگر ان افراد اور جزئیات کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے وہ صرف اپنی نوع کے آثار اور ظلال (سایہ) ہیں، پھر ان میں سے ہر نوع کی مستقل روح نوعی ہے جو اس نوع کا خدا ہے اسی کا نام ان کی اصطلاح میں رب النوع ہے۔

یہ ہے مثل افلاطون کی حقیقت، عالم مثال کی حقیقت اس سے بالکل الگ ہے، اس عالم کے قائلین جیسا ابھی امام ربانی کے مکتوب کے حوالہ سے گزر چکا، تین عالم کے قائل ہیں، عالم جسمانی، عالم روحانی اور عالم مثالی۔ عالم مثال جسم و روح کے احکام کا جامع ہے، اس میں روحانی اشیاء متجسم اور جسمانی چیزیں کسی اور مناسب شکل میں متشکل

ہو کر نظر آتی ہیں اور وہ معانی و حقائق جن میں جسم و جان نہیں، مثلاً حیات، موت، علم، عقل، جسمانی رنگ و روپ میں وہاں نمایاں ہوتی ہیں، ارواح فرشتے، جبریل جو جسم سے پاک ہیں اس عالم میں متجسم معلوم ہوتے ہیں، اس کی تمثال بالکل خواب کی سی ہے کہ اس میں کبھی روحانیت متجسم ہو کر اور کبھی جسمانیات کسی اور شکل میں نمودار ہو کر جلوہ گر ہوتے ہیں اور اہلِ معرفت ان کو دیکھ کر ان کی مناسب تعبیر کرتے ہیں، مثلاً کبھی خواب میں علم دریا کی صورت میں، غیظ و غضب آگ کی شکل میں، شجاعت شیر کی ہیئت میں نظر آتی ہے، اسی طرح عالمِ مثال میں بھی معانی و حقائق اور روحانیات و مجردات کسی مناسب جسمانی شکل و صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور ان کو دیکھ کر اہلِ بصیرت ان رموز و کنایات کی حقیقت کو پا لیتے ہیں، خود عالمِ مثال میں کوئی آبادی نہیں، وہ صرف ایک آئینہ خانہ ہے جس میں عالمِ بالا یا عالمِ زیریں سے جو شکل بھی اس کے سامنے آتی ہے، اہلِ بصیرت کو نظر آجاتی ہے۔

علمائے اسلام میں سب سے پہلے یہ خیال امام غزالی کے ہاں ملتا ہے لیکن اس کو انہوں نے عالم کے لفظ سے نہیں بلکہ وجود کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، کسی شے کے وجود کا ثبوت ہمارے پاس اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ ہم کسی نہ کسی طرح اس کا احساس یا تعقل کرتے ہیں، ہماری معلومات و محسوسات ذہن میں موجود ہیں اور ان کا یہ وجود بھی اسی طرح ناقابلِ انکار ہے، جس طرح عام اشیاء کا یہ خارجی وجود، لیکن نہ ہم ان کو دیکھ سکتے ہیں، نہ چھو سکتے ہیں، نہ چکھ سکتے ہیں، نہ سونگھ سکتے ہیں، نہ ٹٹول سکتے ہیں، اس بنا پر امام صاحب کے نزدیک وجود کی تین قسمیں ہیں، وجود ذہنی، وجود عقلی اور وجود خیالی۔ اس آخری قسم کی انہوں نے حسب ذیل تفصیل کی ہے۔

"اور وہ یہ ہے کہ زبانِ حال تمثیلی رنگ میں محسوس اور مشاہد بن کر سامنے آتے اور یہ خاص انبیاء اور پیغمبروں کی نشانی ہے، اس کی مثال خواب کی ہے، جس طرح خواب میں زبانِ حال پیغمبروں کے علاوہ عام آدمیوں کو بھی تمثیلی رنگ میں نظر آتی ہے اور وہ آوازیں سنتے ہیں، مثلاً کوئی خواب دیکھتا ہے کہ اونٹ اس سے باتیں کر رہا ہے یا گھوڑا اس کو خطاب کر رہا ہے یا کوئی مُردہ اس کو کچھ دے رہا ہے یا اس کا ہاتھ پکڑ رہا ہے یا اس سے چھینتا ہے یا یہ دیکھے کہ اس کی انگلی آفتاب، سورج یا چاند گہن بن گئی یا اس کا ناخن شیر ہو گیا ہے یا اسی قسم کی صورتیں جن کو لوگ خواب میں دیکھا کرتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کو یہ چیزیں بیداری میں نظر آتی ہیں اور اسی بیداری کی حالت میں یہ چیزیں ان سے خطاب کرتی ہیں، ایک جاگتا ہوا آدمی جس کو یہ چیزیں نظر آتی ہیں اور محسوس ہوتی ہیں، وہ اس بات میں کچھ فرق نہیں کر سکتا کہ یہ خیالی گویائی ہے یا خارجی اور حسی ہے، خواب دیکھنے والوں کو تو یہ فرق اس لئے محسوس ہوتا ہے کہ وہ جاگ جاتا ہے اور خواب و بیداری کی دونوں حالتوں میں وہ فرق محسوس کرتا ہے۔

جن لوگوں کو ولایت تامہ حاصل ہو جاتی ہے ان کو یہ تمثیلی رنگ تنہا نظر نہیں آتا بلکہ اس کا اثر عام حاضرین پر بھی پڑتا ہے، اس کی ولایت اپنے فیض کی شعاعیں ان پر ڈالتی ہے اور وہ بھی وہی دیکھتے ہیں جو صاحبِ ولایت کو نظر آتا ہے اور وہی سنتے ہیں جو صاحبِ ولایت کو سنائی دیتا ہے۔" (مضنون بہ علی غیر اہلہ ص ۱۹، مصر)

احیاء العلوم باب عذاب القبر میں بھی امام صاحب نے اس کی تشریح کی ہے، امام خطابی (مشہور امام الحدیث) نے معالم السنن میں اس کو ... کے لفظ سے تعبیر کیا ہے ... عالم ... موجود ہیں، حافظ ابن حجر نے

شرح بخاری میں ان کی رائے نقل کی ہے، شریک بن عبد اللہ کی روایت جس میں معراج میں خدا کے قرب کی تصریح ہے اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"لم یبلغه هذا من الحدیث الا هذا القدر منقطعا عن غیره ولم یعتبره باول القصة وآخرها اشتبه علیه وجهه ومعناه وکان قصاراه اما رد الحدیث من اصله واما الوقوع فی التشبیه وهما خطتان مرغوب عنهما واما من اعتبر اول الحدیث بآخره فانه یزول عنه الاشکال فانه مصرح فیهما فانه کان رؤیا لقوله فی اوله وهو نائم وفی آخره استیقظ وبعض الرؤیا مثل یضرب لیتأول علی الوجه الذی یجب ان یصرف الیه معنی التعبیر فی مثله وبعض الرؤیا لا یحتاج الی ذلک بل یاتی کالمشاهدة۔"

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۰۲)

پس جس شخص کو اس حدیث کا اتنا ہی ٹکڑا (ذکر معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب ہوا) حدیث کے دوسرے ٹکڑوں سے الگ ہو کر پہنچا اور اس آغاز روایت اور آخر روایت کو باہم ملا کر نہ دیکھا تو اس حدیث کا مطلب اس پر مشتبہ ہو جائے گا اور اس کا انجام یہ ہو گا کہ یا وہ اصل حدیث سے انکار کر دے اور یا یہ کہ وہ خدا کی تجسیم کا قائل ہو جائے اور یہ دونوں باتیں ناپسندیدہ ہیں لیکن جو شخص اول و آخر حدیث کو ملا کر دیکھے گا تو اس سے اشکال رفع ہو جائے گا کیونکہ حدیث کے شروع میں اور آخر میں یہ تصریح ہے کہ یہ خواب تھا کیونکہ شروع میں ہے کہ آپ سو رہے تھے کہ آپ نے دیکھا اور آخر میں ہے کہ اس کے بعد آپ بیدار ہوئے، بعض خواب بہ رنگ تمثیل ہوتے ہیں جن کی تعبیر اسی طرح کی جاتی ہے جس طرح اس قسم کے خوابوں کی تعبیر کی جاتی ہے اور بعض خواب تعبیر کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ مشاہدہ کی طرح ہوتے ہیں۔

امام صاحب کے بعد شیخ الاشراق نے اس کا عالم نام رکھا اور اس کی کچھ کیفیت بیان کی، مگر انہوں نے عالمِ مثال اور مثل افلاطونیہ کو باہم خلط ملط کر دیا ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی اپنی بعض تصنیفات میں اس خیال کو ظاہر کیا ہے، خواجہ حافظ کے ہاں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ ؎

عالمے ہست کہ ایں عالم ازاں تمثالے است

حضرات نقشبندیہ میں نہیں معلوم یہ خیال کب سے قائم ہے، بہر حال امام ربانی شیخ احمد سرہندی کے زمانہ کے بہت پہلے سے یہ خیال ان میں پایا جاتا ہے کیونکہ امام ربانی کی تحریروں میں متعدد مقام پر اس کا ذکر ہے، ان کے بعد تو حضرات مجددیہ کی تصنیفات میں اس عالم کی نیرنگی اور بوقلمونی پر نہایت پُر اسرار مباحث ہیں، علمائے متکلمین میں جس کو سب سے پہلے اس نظریہ کو علم کلام میں استعمال کرنے کا خیال پیدا ہوا وہ مجدد الف ثانیؒ کے ایک مرید مُلّا بدر الدین ہیں، چنانچہ وہ ایک خط میں مجدد صاحب کو لکھتے ہیں۔

پس عذاب قبر در عالم مثال خواہد بود در رنگ الیکہ در خواب در عالم مثال نمایند و نوشتہ بودند کہ ایں سخن شاخہائے بسیار دارد و اگر قبول نمایند فروغ بسیار بریں سخن متفرع خواہد ساخت

(مکتوب سی و یکم جلد سوم)

پس عذاب قبر بھی عالم مثال میں ہو گا اسی طرح جس طرح کہ خواب میں مثالی رنگ میں ڈر اور تکلیف محسوس ہوتی ہے اور یہ بھی آپ نے لکھا کہ اس مسئلہ سے بہت سی شاخیں نکل سکتی ہیں اور اگر آپ قبول فرمائیں تو اس سے بہت سے فروع پیدا ہو سکیں گے۔

یہی چند منتشر خیالات تھے جن کو شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک عالم بنا دیا، چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں عالمِ مثال

کا ایک باب باندھا ہے اور اس کے تمام اصول و فروع بیان کئے ہیں۔ ہم اس موقع پر شاہ صاحب کے اس باب کا پورا ترجمہ درج کرتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم موجودات میں ایک ایسا عالم بھی ہے جو غیر مادی ہے اور جس میں معانی (اعراض و حقائق)، ان اجسام کی صورت میں متشکل ہوتے ہیں جو اوصاف کے لحاظ سے ان کے مناسب ہیں، پہلے اس عالم میں اشیاء کا ایک گونہ وجود ہو لیتا ہے، تب دنیا میں ان کا وجود ہوتا ہے اور یہ دنیاوی وجود ایک اعتبار سے بالکل اس عالم مثال کے وجود کے مطابق ہوتا ہے۔

اکثر وہ اشیاء جو عوام کے نزدیک جسم نہیں رکھتیں، اس عالم میں منتقل ہوتی اور اترتی ہیں اور عام لوگ ان کو نہیں دیکھتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب خدا نے رحم کو پیدا کیا تو وہ کھڑی ہو کر بولی کہ یہ اس شخص کا مقام ہے جو قطع رحم سے پناہ مانگ کر تیرے پاس پناہ ڈھونڈتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ و آل عمران قیامت میں یا سائبان یا صف بستہ پرندوں کی شکل میں آئیں گی اور ان لوگوں کی طرف سے وکالت کریں گی، جنھوں نے ان کی تلاوت کی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت میں اعمال حاضر ہوں گے تو پہلے نماز آئے گی، پھر خیرات، پھر روزہ، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیکی اور بدی دو مخلوق ہیں جو قیامت میں لوگوں کے سامنے کھڑی کی جائیں گی، نیکی نیکی والوں کو بشارت دے گی اور بدی برائی والوں سے کہے گی کہ دور ہو، لیکن وہ لوگ اس سے چمٹے ہی رہیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت میں اور جتنے دن ہیں وہ معمولی صورت میں حاضر ہوں گے لیکن جمعہ کا دن چمکتا دمکتا ہوا آئے گا۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ قیامت میں دنیا ایک بڑھیا کی صورت میں لائی جائے گی جس کے بال کھچڑی، دانت نیلے اور صورت بدنما ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میں دیکھتا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمہارے گھروں پر اس طرح برس رہے ہیں جس طرح بادل سے قطرے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی حدیث میں فرمایا کہ ناگہاں چار نہریں نظر آئیں دو نہریں اندر تھیں اور دو باہر، میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بولے اندر کی نہریں تو جنت کی ہیں اور باہر کی نیل اور فرات ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف کی نماز میں فرمایا کہ بہشت اور دوزخ میرے سامنے مجسم کر کے لائی گئیں اور ایک روایت میں ہے کہ میرے اور قبلہ کی دیواروں کے بیچ میں بہشت اور دوزخ مجسم ہو کر آئیں، میں نے ہاتھ پھیلائے کہ بہشت سے ایک انگور کا خوشہ توڑ لوں، لیکن دوزخ کی گرمی کی لپیٹ سے رک گیا اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کے چور کو اور ایک عورت کو دوزخ میں دیکھا جس نے ایک بلی کو باندھ کر مار ڈالا تھا، اور ایک فاحشہ عورت کو بہشت میں دیکھا جس نے ایک کتے کو پانی پلایا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ بہشت اور دوزخ کی وسعت جو ہم لوگوں کے خیال میں ہے وہ اس قدر مسافت (یعنی کعبہ کی چاردیواری) میں نہیں سما سکتی۔ اور حدیث میں ہے کہ بہشت کو مکروہات نے اور دوزخ کو شہوات نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔

پھر جبرئیل کو خدا نے حکم دیا کہ دونوں کو دیکھیں اور حدیث میں ہے کہ بلا جب نازل ہوتی ہے تو دعا اس سے کشتی لڑتی ہے اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ خدا نے عقل کو پیدا کیا اور اس سے کہا کہ آگے آ، تو وہ آگے آئی پھر کہا کہ پیچھے ہٹ تو پیچھے ہٹ گئی، اور حدیث میں ہے کہ یہ دونوں کتابیں پروردگار عالم کی طرف سے ہیں الخ اور حدیث میں ہے کہ قیامت میں موت ایک مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی، پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان ذبح کر دی جائے گی۔ اور خدا نے فرمایا کہ

ہم نے اپنی روح مریم کے پاس بھیجی تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بن کر آئی، اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جبرئیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتے تھے اور آپ سے باتیں کرتے تھے اور کوئی ان کو نہیں دیکھتا تھا، اور حدیث میں ہے کہ قبر ہفتاد در ہفتاد گز چوڑی ہو جاتی ہے یا اس قدر سمٹ آتی ہے کہ مردہ کی پسلیاں بھرکس ہو جاتی ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ فرشتے قبر میں آتے ہیں اور مردہ سے سوال کرتے ہیں اور مردہ کا عمل مجسم ہو کر اس کے سامنے آتا ہے اور نزع کی حالت میں فرشتے حریر یا گزی کا کپڑا لے کر آتے ہیں اور فرشتے مردہ کو لوہے کے گرز سے مارتے ہیں، مردہ شور کرتا ہے اور اس کے شور کی آواز مشرق سے مغرب تک کی چیزیں سنتی ہیں اور حدیث میں ہے کہ قبر میں کافر کے اوپر ننانوے اژدہے مسلط ہوتے ہیں جو اس کو کاٹتے ہیں تا قیامت۔ اور حدیث میں ہے کہ جب مردہ قبر میں آتا ہے تو اس کو نظر آتا ہے کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے وہ اٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ ٹھہرو نماز پڑھ لوں اور حدیث میں اکثر جگہ آیا ہے کہ قیامت میں خدا بہت سی مختلف صورتوں میں لوگوں کے سامنے جلوہ گر ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس اس حالت میں جائیں گے کہ خدا اپنی کرسی پر بیٹھا ہوگا اور یہ کہ خدا انسانوں سے بالمشافہ بات چیت کرے گا اس قسم کی اور بہت سی حدیثیں ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

ان حدیثوں کو جو شخص دیکھے گا تین باتوں میں سے ایک نہ ایک بات اس کو ماننی پڑے گی، یا تو ظاہری معنی مراد لے اور اس صورت میں اس کو ایک ایسے عالم کا قائل ہونا پڑے گا جس کی کیفیت ہم بیان کر چکے ہیں (یعنی عالم مثال)، اور یہ صورت وہ ہے جو اہل حدیث کے قاعدے کے مطابق ہے، چنانچہ سیوطی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور خود میری بھی یہی رائے ہے اور یہی مذہب ہے، یا اس بات کا قائل ہو کہ دیکھنے والے کے حاسہ میں واقعات کی یہی شکل ہوگی اور اس کی نظر میں وہ اسی طرح جلوہ گر ہوں گے، گو اس کے حاسہ کے باہر اس کا وجود نہ ہو، قرآن مجید میں جو آیا ہے کہ آسمان اس دن صاف دھواں بن کر آئے گا۔ اس کے معنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسی کے قریب قریب بتائے ہیں یعنی یہ کہ لوگوں پر قحط پڑا تھا تو جب کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو اس کو بھوک کی وجہ سے آسمان دھواں سا معلوم ہوتا تھا ابن ماجشون (مشہور محدث تھے) سے مروی ہے کہ جن حدیثوں میں خدا کے اترنے اور مرئی ہونے کا ذکر ہے، ان کے معنی یہ ہیں کہ خدا مخلوقات کی نظر میں ایسا تغیر پیدا کر دے گا کہ وہ خدا کو ایسی حالت میں دیکھیں گے کہ وہ اتر رہا ہے اور جلوہ دکھا رہا ہے اور اپنے بندوں سے گفتگو اور خطاب کر رہا ہے، حالانکہ خدا کی جو شان ہے اس میں نہ تغیر ہوگا نہ منتقل ہوگا اور یہ اس لئے ہوگا کہ لوگ جان لیں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ یہ سب باتیں بطور تمثیل کے بیان کی گئی ہیں جن سے مقصود کچھ اور ہے، لیکن جو شخص صرف اسی احتمال پر بس کرتا ہے، میں اس کو اہل حق میں شمار نہیں کرتا امام غزالیؒ نے عذاب قبر کے بیان میں ان تینوں مقامات کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ ان تمام واقعات کے ظاہری معنی صحیح ہیں اور ان کے اندر دقیق اسرار مخفی ہیں، لیکن ارباب بصیرت کے نزدیک یہ اسرار فاش اور کھلے ہیں تو جن لوگوں پر یہ اسرار فاش نہ ہوں ان کو ان کے ظاہری معنوں کا انکار مناسب نہیں ہے کہ ایمان کا آخری درجہ تسلیم اور اقرار ہے۔"

اس کے بعد دوسرے متفرق ابواب میں وحی، معراج، رویت ملائکہ، ملاقات انبیاء، براق، سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ سب کی تشریح اسی عالم میں کی ہے، ہم نے آگے چل کر ایک باب عالم رویا کا قائم کیا ہے، اس میں دکھایا ہے کہ

اس اصول کی صحت پر آیات و احادیث سے استناد ہو سکتا ہے۔

ان تمام نظریات پر ایک نظر ڈال لینے کے بعد یہ بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا درجہ دلائل و براہین کا نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں ان میں سے ہر نظریہ کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ بظاہر ان چیزوں کے تسلیم کرنے میں عقل کو جو استحالہ یا کم از کم استبعاد نظر آتا ہے وہ کم یا دُور ہو جاتے۔ اس لئے ہر گروہ نے اپنے اپنے ذوق اور طریق فکر کے مطابق اپنے تجربات اور مشاہدات کے ذریعہ سے ایک ایسا تمثیلی نظریہ قائم کیا ہے جس پر قیاس کر کے وہ باتیں جو تجربہ و مشاہدہ سے ماوراء ہیں، ان کا کچھ دھندلا سا خاکہ ذہن انسانی میں قائم ہو جاتے کہ وہ ان کے انکار و استبعاد کی جرأت نہ کر سکے اور قلب بدگمان اور عقلِ نارسا کسی قدر تسلی پا سکے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ شاہد سے غائب پر، محسوسات سے غیر محسوسات پر، تجربیات سے ناممکن التجربہ حقائق پر، جسمانی قوانینِ فطرت سے روحانی خصائص پر استشہاد کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ ؎

کہ کس نہ کشود و نہ کشاید بہ حکمت ایں معما را

*

مُعجزات

ہمارے متکلمین کے نزدیک معجزہ وہ امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کے دعوٰی کی صداقت کے لئے دنیا پر ظاہر کرتا ہے، اس کے لئے چند شرائط ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ خارق عادت ہو تو گویا معجزہ کی عام تعریف یہ سمجھنی چاہیئے کہ معجزہ اس خارق عادت چیز کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے پیغمبر کی تصدیق کے لئے صادر ہو۔

اب معجزہ کے ثبوت میں اصل اشکال جو پیش آتا ہے وہ یہ ہے کہ عالم کائنات ایک نظام خاص پر قائم ہے، ہر شے کی ایک علت اور ہر حادثہ کا ایک سبب ہے، علت اور سبب کے بغیر کوئی شے پیدا نہیں ہوتی، علت و معلول کا جو سلسلہ اشیاء میں نظر آتا ہے ان میں باہم اس قدر لزوم ہے کہ وہ ایک دوسرے سے منفک نہیں ہو سکتے، ہر شے میں ایک خاصیت ہے جو اس سے الگ نہیں ہو سکتی اور نیز جس شے میں جس چیز کی خاصیت نہیں ہے اس کا اس سے صدور بھی نہیں ہو سکتا۔ آگ جلاتی ہے، سمندر بہتا ہے، درخت ساکن ہے، پتھر چلتا نہیں، سورج میں نور ہے، کنکر بولتے نہیں، سنکھیا زہر قاتل ہے، انسان مر کر پھر جیتا نہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ آگ نے جلایا نہیں، سمندر دفعۃً تھم گیا، درخت چلنے لگا، پتھر حرکت کرنے لگا، آفتاب میں سیاہی آگئی، زہر کھا کر آدمی مرا نہیں اور انسان مر کر ایک اشارہ سے پھر جی اٹھا تو درحقیقت وہ اس پورے نظام فطرت کو جس پر دنیا قائم ہے درہم برہم کرنا چاہتا ہے، علل و اسباب کے تار و پود کو بکھیر دینا چاہتا ہے اور اشیاء کے ان طبائع اور خواص کے اعلانیہ انکار پر آمادہ ہے جو بارہا کے تجربہ سے ثابت ہو چکے ہیں اور جن میں کبھی تخلف نہیں ہوا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ نظام فطرت، یہ سلسلہ علل و اسباب، یہ طبائع اور خواص اس درجہ ناقابلِ تنسیخ ہیں کہ ان میں کسی قسم کی تغیر و تبدیلی نہیں ہو سکتی، فلاسفہ اور حکماء کے ایک گروہ کے نزدیک یہ نظام، یہ سلسلہ یہ اصول ناقابلِ شکست اور ناقابلِ تغیر ہیں، حکمائے اسلام کا گروہ (مثلاً فارابی، ابن سینا، ابن مسکویہ وغیرہ) اس بات کا قائل ہے کہ یہ تو بجا ہے کہ اس نظام فطرت اور سلسلہ علل و اسباب میں نہ تغیر و تبدل ہو سکتا ہے اور نہ دنیا میں کوئی شے بغیر علت عادیہ اور سبب طبعی کے پیدا ہو سکتی ہے لیکن یہ صحیح نہیں کہ معجزات اس نظام و سلسلہ سے الگ ہیں، اور وہ فطرت کی قانون شکنی کرتے ہیں، بلکہ وہ بھی علل و اسباب طبعی کے نتائج ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہ ہم ان علل و اسباب کے احاطہ سے اب تک قاصر ہیں اور وہ اب تک ہماری نگاہوں سے مخفی ہیں، ممکن ہے کہ تحقیقات انسانی کا دائرہ کبھی اتنا وسیع ہو جائے کہ ان کے علل و اسباب ہمارے فہم میں آجائیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ تسلیم ہے کہ عالم میں ایک خاص نظام فطرت، موجودات میں سلسلہ علل و معلولات اور اشیاء میں طبائع و خواص ہیں، لیکن ہم ان کی اس درجہ ہمہ گیری کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ کسی حال میں اور کسی طریق سے شکست نہیں ہو سکتے۔ آج تک ہمارا علم یہ ہے کہ نباتات دانے سے، پرندے انڈے سے اور حیوانات نطفے سے پیدا ہوتے ہیں، مگر ممکن ہے کہ کل وہ ان کے بیچ کے وسائط اور ذرائع کے بغیر دفعۃً پیدا ہو جائیں۔ غرض یہ کہ خرق فطرت کلیۃً محال ہے۔ اشاعرہ اپنا عقیدہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ نہ تو

عالم میں حقیقتاً قوانین فطرت ہیں اور نہ خود اشیاء کے اندر خواص ہیں بلکہ ہر شے سے جو فعل سرزد ہوتا ہے اس کو درحقیقت اللہ تعالیٰ اسی وقت اس میں پیدا کر دیتا ہے، اشاعرہ کے اس عقیدہ کا نہ صرف مدعیانِ عقل نے بلکہ اربابِ ظواہر تک نے مضحکہ اڑایا ہے،[1] لیکن درحقیقت یہ خیال ایسا نہیں ہے کہ اس کو ہنسی میں اڑا دیا جائے، چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

فلاسفہ اور حکماء کی وہ جماعت قوانینِ فطرت کے ناقابلِ شکست ہونے پر ایمان رکھتی ہے اور اس بنا پر معجزات و خوارق سے قطعی انکار کرتی ہے، امام رازی نے لکھا ہے[2] کہ گو خود ان فلاسفہ کا اصل عقیدہ یہی ہے کہ وہ متعدد ایسے اصول تسلیم کرتے ہیں جن کی بنا پر خوارقِ فطرت کا تسلیم کرنا ان کے لئے لازم ہو جاتا ہے مثلاً۔

۱۔ وہ "تولد ذاتی" کے قائل ہیں یعنی کہ یہ کہ جن جانداروں کی پیدائش ایک نظام خاص کے ساتھ ہوتی ہے ایک قطرۂ آب سے خون، خون سے گوشت، پھر بتدریج مدتِ حمل کے اندر وہ شکمِ مادر میں پرورش پاتے رہتے ہیں، ایک متعین زمانہ کے بعد وضع حمل ہوتا ہے، پھر شیرخوارگی اور بچپن کے دور سے آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے ایک تنومند قوی ہیکل، ذی روح صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، وہ دفعۃً ان بیچ کے منازل کو طے کئے بغیر اس ہیکل اور صورت میں نمودار ہو جائیں، یہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ قطرۂ آب کے زمانہ سے لے کر اس عالمِ شباب کے عہد تک اس مجموعۂ عناصر کو جو سالہا سال سے صرف کرنے پڑے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان عناصر میں حیات کی قابلیت پیدا ہونے کیلئے ایک خاص قسم کے اعتدالِ ترکیب کی ضرورت تھی، جب ترکیب میں یہ اعتدال پیدا ہوا، حیات پیدا ہو گئی، اس بنا پر اگر کسی مجموعہ عناصر میں اس قسم کا اعتدال پیدا ہو جائے جس میں حیاتِ انسانی کے قبول کی صلاحیت ہو تو بغیر نطفہ، حمل، خون، گوشت، وضع حمل، شیرخوارگی، بچپن وغیرہ درمیانی وسائطِ طبعی کے، اچھا خاصا ایک نوجوان مٹی کے تودے سے بن کر کھڑا ہو سکتا ہے جیسا کہ برسات میں اکثر کیڑے مکوڑے سڑی گلی مٹی میں ایک خاص اعتدالی کیفیت پیدا ہو جانے سے جاندار اور ذی روح بن جاتے ہیں، اسی کا نام "تولدِ ذاتی" ہے۔

اسی تفصیل کی بنا پر ان کے نزدیک یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ذی روح کی پیدائش کے لئے دنیا میں جو سلسلۂ اسبابِ عادۃً جاری ہے اس کے خلاف ہو سکتا ہے تو پھر عصا سانپ بھی ہو سکتا ہے، مردے زندہ بھی ہو سکتے ہیں، پہاڑ سونا بھی ہو سکتا ہے، ایک عصا کے سانپ بن جانے کی فطری صورت یہ ہے کہ پہلے وہ سڑ گل کر مٹی ہو جاتا ہے وہ مٹی غذا کی شکل میں ایک سانپ کے اندر جاتی ہے اور پھر وہ دوسری شکل میں بن کر سانپ کا بچہ بن جاتی ہے تولدِ ذاتی کے اصول پر یہ ممکن ہے کہ بیچ کے وسائط کے بغیر عصا میں سانپ بننے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

۲۔ یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں جو کچھ حوادث ہوتے ہیں وہ کسی نہ کسی حیثیت سے مادہ (ہیولیٰ) ہی کے تغیرات

[1] علامہ ابن تیمیہؒ نے الرد علی المنطقیین میں اور ابن حزم ظاہری نے فصل فی الملل والنحل میں اس کی پرزور تردید کی ہے، اردو کے جدید علم کلام کے بانیوں نے بھی اس کا کچھ کم مذاق نہیں اڑایا ہے، استاد مرحوم نے تو تقریباً اپنی ہر کلامی تصنیف میں اشاعرہ کے اس خیال کو "حماقت" سے تعبیر کیا ہے۔

[2] مطالب عالیہ بحث معجزات نسخہ قلمی موجودہ دار المصنفین و تفسیر کبیر سورۂ اعراف۔

کے نام ہیں، مادہ (ہیولیٰ) اس تمام عالم عنصری کا ایک ہی ہے اس بنا پر عالم میں انواع اشکال اور خواص کے یہ لاکھوں اور کروڑوں تنوعات اور اختلافات جو ہم کو نظر آتے ہیں، ان کا سبب مؤثر اگر بالفرض خود مادہ ہی ہوتا تو ضروری تھا کہ تمام دنیا میں ایک ہی شکل اور ایک ہی خاصیت ہوتی تم کہو گے کہ یہ اختلاف و تنوع مادہ کے اختلافِ استعداد سے پیدا ہوا، لیکن استعداد تو تأثر اور انفعال کا نام ہے، علت فاعلہ اور سبب مؤثر کیا ہے؟ فلاسفہ کہتے ہیں کہ اجرام فلکیہ کی گردش اور رفتار ہے، مگر اس کے ساتھ وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اجرام فلکی کی اس گردش و رفتار اور اختلافِ اشکال کی نہ کوئی حد و نہایت ہے اور نہ کسی قانون فطری کے ماتحت ہیں اور نہ ان کا علم ہم کو ہو سکتا ہے، تو اس اصول کے صحیح باور کر لینے پر عجائبِ قدرت اور خوارقِ فطرت کی وہ کون سی مثال ہے جس کے محال ہونے کا وہ دعوے کر سکتے ہیں۔

۳۔ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے یا تو وہ کسی سبب مؤثر کی بنا پر ہوتا ہے یا بلا سبب مؤثر کے ہوتا ہے اور دونوں صورتوں میں خرقِ عادت کو تسلیم کرنا پڑے گا، اگر یہ کہئے کہ یہ حوادث بلا سبب مؤثر کے وجود پذیر ہوتے ہیں تو گویا آپ نے خود خرقِ عادت کو تسلیم کر لیا۔ پھر دنیا میں کوئی عجیب سی عجیب اور مستبعد سے مستبعد بات بھی ناممکن نہیں رہتی۔ اور اگر یہ کہئے کہ یہ سبب مؤثر کے نتائج ہیں تو دو حال سے خالی نہیں، یا یہ سبب مؤثر صاحبِ اختیار و ارادہ ہے، اور یہ تمام حوادث و تاثیرات اس کے ارادہ اور اختیارات سے صادر ہوتے ہیں یا وہ بے اختیار اور مسلوب الارادہ ہے اور یہ حوادث و تاثیرات اس سے اسی طرح بے ارادہ اور اضطرارانہ طبعی طور سے سرزد ہوتے ہیں جس طرح سورج سے روشنی، آگ سے گرمی، برف سے ٹھنڈک، پہلی صورت میں معجزات اور خوارق کے صدور میں کوئی استحالہ نہیں، کیونکہ اس مدبر و مؤثر کا جب جیسا ارادہ ہو وہ شے اسی طرح واقع ہوگی، کوئی اس کا مانع نہیں اور دوسری صورت میں ظاہر ہے کہ یہ تمام تاثیرات اس بے ارادہ مؤثرِ عالم سے زمانۂ قدیم سے ایک ہی طور پر سرزد ہوتی چلی آتی ہیں جیسے آفتاب سے روشنی ایسی حالت میں ایک عام واحد قدیم وازلی سبب و مؤثر سے یہ ہر نئے آن اور نئے لمحہ میں نئی نئی اور مختلف شکل و صورت اور خواص کی اشیاء کیونکر ظہور پذیر ہوتی ہیں؟ آپ کہیں گے کہ علت تو بے شک واحد قدیم ہے مگر علت کے وجود کے ساتھ معلول میں بھی تو استعداد اور قبولیت کا مادہ پیدا ہونا چاہئے۔ مادہ میں یہ استعداد و صلاحیت گردشِ فلکی کے مختلف اشکال کا نتیجہ ہے لیکن ابھی یہ کہا جا چکا ہے کہ آپ کے نزدیک اشکالِ فلکی کی نہ تو کوئی حد و پایاں ہے اور نہ وہ کسی خاص قاعدہ اور اصول کے اندر محدود ہیں، اس بنا پر حوادثِ عالم کے اختلاف اور نیرنگی کا باعث اگر گردشِ فلکی کا اختلاف اور نیرنگی ہے تو ایسی صورت میں یہ کیوں نہیں ممکن ہے کہ جو چیز آپ کو بظاہر خلافِ فطرت اور خلافِ عادت معلوم ہوتی ہے وہ کسی خاص شکلِ فلکی کا نتیجہ ہو۔

گذشتہ تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ حکمائے اسلام نے معجزات کے امکان پر حسبِ ذیل دلائل قائم کئے ہیں۔

۱۔ تاثیراتِ فلکیہ:۔ معجزات کے انکار کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس کے حل کرنے کے لئے کوئی مادی علت ہمارے پیش نظر نہیں ہے اور ہم تمام معمولات کی تشریح مادی اور طبعی علل و اسباب سے کرنا چاہتے ہیں، لیکن حکماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ گردشِ افلاک اور گردشِ نجوم کا اس دنیا کے حوادث پر بہت اثر پڑتا ہے اور قوائے فلکی اس

عالم کے واقعات میں موثر ہوتے ہیں، ایسی صورت میں اگر کسی بظاہر عجیب و غریب شے کی تعلیل ہم مادی و طبعی علل و اسباب سے نہیں کر سکتے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہے کہ اس کے اسباب فلکی و سماوی ہوں۔

۲۔ علل خفیہ:- یہ ہم کو تسلیم ہے کہ تمام حوادث کسی نہ کسی سبب طبعی کی بنا پر ہوتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سبب طبعی ہمارے علم و فہم میں آجائے۔ دنیا میں بیسیوں اسرار قدرت ہیں جن کی اب تک تحلیل نہیں ہوسکی ہے اس بنا پر ممکن ہے کہ معجزات بھی اسباب طبعی کے ماتحت ظہور پذیر ہوتے ہیں لیکن ان کے اسباب و علل اب تک ہماری نگاہوں سے مخفی ہوں، مثلاً یہ کہ انبیاءؑ نے چالیس دن تک ایک ساتھ روزہ رکھا اور اس مدت میں ایک دانہ بھی انہوں نے نہیں کھایا، لیکن باایں ہمہ ان کی قوت جسمانی میں کوئی فرق نہیں آیا، یہ بظاہر عجیب بات ہے مگر سبب طبعی سے الگ نہیں ہے، ہم کو کیوں بھوک لگتی ہے؟ اس لئے کہ ہمارے قوائے معدہ غذا کو ہضم کر لینے کے بعد اس کے خون کو جسم کے مختلف حصوں میں پہنچا دیتے ہیں تو ان کے لئے پھر کوئی کام باقی نہیں رہتا اور ان کو کام کی تلاش ہوتی ہے لیکن ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ بیماری کے سبب یا خوف طاری ہو جانے کے باعث سے یا کسی غم کے سبب سے جسم پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کئی کئی روز تک معدہ کے قویٰ معطل ہو جاتے ہیں اور وہ اپنا کام انجام نہیں دیتے، اس لئے اس کو بھوک بھی نہیں لگتی، اس بنا پر اگر یہی حالت کسی نفس کی اس بنا پر ہو جائے کہ اس کو روحانیات کے ساتھ شدت انہماک اور جسمانیات سے قطع علائق ہو گیا ہے تو اس کے قوائے جسمانی بھی معطل ہو سکتے ہیں اور وہ مدت تک فاقہ کر سکتا ہے، اسی طرح دوسرے معجزات کی تشریح بھی کی جاسکتی ہے۔

(۳) قوت کمالیہ:- اس عالم میں جس قدر انسان ہیں، ان کے نفسانی خصوصیات کو اگر غور سے دیکھا جائے تو عجیب و غریب اختلافات نظر آتے ہیں، ایک بلید الفہم اور کودن ہے تو دوسرا زیرک اور ذی فہم ہے، ایک کو بولنے کا شوق ہے تو دوسرے کو سننے کا، ایک علم کا عاشق ہے تو دوسرا اس کا دشمن، ایک کے علوئے ہمت اور بلند حوصلگی کے سیلاب کے سامنے مشکلات کے بڑے بڑے پہاڑ بھی خس و خاشاک ہیں، دوسرا اتنا پست ہمت اور ضعیف الارادہ ہے کہ وہ تنکے کو بھی پہاڑ جانتا ہے، ایک اس قدر قوی الحافظہ ہے کہ معمولی سی بات بھی اس کے ذہن کی گرفت سے باہر نہیں نکل سکتی، دوسرے کو موٹی موٹی بات بھی یاد نہیں رہتی، پھر علم و فن کے عشاق میں بھی کسی کو ادبیات سے لگاؤ ہے کسی کو عقلیات کا چسکا ہے، کسی کو منقولات میں مزہ ملتا ہے، قوت شہوانیہ کے لحاظ سے دیکھو تو کسی کو سواری کا شوقین پاؤ گے کسی کو لباس و پوشاک اور وضع و قطع کا، کسی کو کھانے پینے کا، ایک کو صرف دولت جمع کرنے میں مزہ ملتا ہے تو دوسرے کو اس کے اڑانے میں لطف حاصل ہوتا ہے کوئی طبعاً حلیم ہے تو دوسرا سراپا غضب کا شعلہ، ایک خلقی طور سے قانع ہے تو دوسرا حریص اور طماع، کوئی بدزبان ہے مگر بدکردار نہیں، دوسرا بظاہر سنجیدہ اور متین نظر آتا ہے مگر بباطن نہایت بداطوار و خفیف الحرکت ہے، ان میں سے ہر وصف و خاصیت کے بھی سینکڑوں مدارج اور مراتب ہیں، الغرض صفات و خواص نفسانی کے مظاہر اس قدر گوناگوں اور بوقلموں ہیں کہ وہ حد و حصر میں بھی نہیں آسکتے، غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک انسان کے نفس میں جو خصوصیات ہیں ان کے مطابق جو اعمال و آثار اس سے صادر ہوتے ہیں ان پر اس کو مطلق تعجب نہیں آتا لیکن دوسرے اعمال و آثار جن کے خصائص اس کے نفس میں نہیں

ہیں، ان پر اس کو سخت تعجب آتا ہے بلکہ اگر ان اشخاص کو اس نے خود دیکھا نہ ہو تو اس کو ان خصائص کا یقین مشکل سے آئے گا، ایک بخیل کے نزدیک بذل و کرم کی راہ میں تمام گھربار لٹا دینا ایک مافوق البشریت کارنامہ ہے، ایک دنیادار جاہ پسند اور حریص آدمی کو ایک زاہد قانع اور متواضع آدمی کو دیکھ کر تعجب آتا ہے، معمولی حافظہ والوں سے کوئی کہے کہ امام بخاری کو ۶ لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور اندلس کے ایک نابینا ادیب کو اغانی کی ۲۰ جلدیں نوک زبان تھیں تو اس کو یقین نہیں آئے گا، تیمور، بابر، ہنیبال اور نپولین کی قوت عزم و ارادہ کے قصے کمزور اور ضعیف الارادہ کے آدمیوں کو معجزہ معلوم ہوں گے، ایک کمزور ارادہ کا آدمی خود اپنی اولاد و اعزہ و خدام کو بھی قابو میں نہیں رکھ سکتا لیکن غیر معمولی عزم و ارادہ کے لوگ ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں پر اس طرح استیلا حاصل کر لیتے ہیں کہ وہ اس کے ہاتھ میں پیکر بے جاں بن جاتے ہیں، یہی حال دوسرے خصائص کے اختلاف کا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ تمام نفوس انسانی کے اتحاد ماہیت کے باوجود یہ اختلافات کہاں سے آئے؟ اس کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ ہر نفس کی جوہریت دوسرے سے مختلف ہے، اس لئے ایک سے جو خصوصیات اور افعال صادر ہوتے ہیں، وہ دوسرے سے نہیں ہوتے یا یہ کہ ہر جسم کی ترکیب عنصری میں اختلاف مزاج ہے جس کے سبب سے ایک کی خصوصیات دوسرے سے نہیں ملتیں، بہرحال ان دو میں سے جو پہلو بھی اختیار کیجئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ممکن ہے بعض ایسے نفوس بھی ہوں جن کی روحانی یا جسمانی قوت میں کوئی خاص ایسی بات ہو جس کی بنا پر ان سے عجیب و غریب اعمال اور تصرفات صادر ہوتے ہیں، جن کا صدور عام انسانوں کی روحانی و جسمانی قوت سے باہر ہے اور اس لئے وہ ان کو مستبعد اور ناقابل فہم نظر آتے ہیں، ٹھیک اسی طرح جس طرح ایک بلید کو ایک ذہین کے افعال پر، ایک ضعیف الحافظہ کو ایک قوی الحافظہ کی قوت پر، ایک طماع و حریص کو ایک قانع و زاہد کے حالات پر، ایک کمزور اور ضعیف الارادہ کو قوی الارادہ اور مستحکم العزم پر تعجب آتا ہے، لیکن چونکہ وہ نفوس جن میں معجزات کی یہ قوت ہے، نادر الوجود ہیں، اس لئے عموماً ان کے خصائص اور آثار پر تعجب اور استبعاد بھی معمول سے زیادہ ہوتا ہے۔

۴۔ قوت نفسیہ:- ہر انسان اپنے جسم کے ایک ایک عضو کو جس طرح چاہتا ہے حرکت دیتا ہے، گویا ایک قوت ہے جو اس کے تمام قالب جسمانی پر مسلط ہے اور یہ جسم اس کے امر و ارادہ کے ماتحت اس کے حکم کو اس طرح بجا لاتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت سے سر مو انحراف نہیں کر سکتا، یہ تصرف اور عمل ہر نفس انسانی اپنے جسم کے اندر کرتا ہے اور معمولی اور ادنیٰ نفوس کی قوت کی نیرنگی ہے، لیکن جو نفوس ان سے زیادہ طاقتور ہیں وہ اپنے جسم کے باہر دوسرے نفوس اور اجسام کو بھی اپنا مطیع فرمان کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ ان میں سے جن کو کمال کا معجزانہ حصہ ملا ہے، ان کے لئے یہ سارا مادی عالم مثل جسم کے ہوتا ہے اور وہ اسی طرح اس عظیم الشان جسم میں تصرف کرنے لگتے ہیں جس طرح معمولی انسان اپنے جسم میں کرتے ہیں۔

۵۔ تاثیرات نفسانیہ:- یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ نفس انسانی میں جو جذباتی تغیرات پیدا ہوتے ہیں وہ اس کے جسم مادی کو متاثر کر دیتے ہیں، رات کوئی چیز دیکھی اور اس کا مہیب تصور کیا اور گھبرا کر چیخ اٹھا یا بے ہوش ہو کر گر پڑا، کسی درخت کی پتلی شاخ پر چڑھتے یا چھت کے منڈیر یا پتلے تختہ کے پل پر سے گزرتے ہوئے خوف طاری

ہوا، ہاتھ پاؤں میں لغزش ہوئی اور آدمی گر پڑا، غصہ سے آدمی کا چہرہ سرخ اور خجالت و شرمندگی سے زرد پڑ جاتا ہے، آدمی نے کسی ناگوار واقعہ کا تخیل کیا غصہ آ گیا، غصہ سے بدن میں گرمی پیدا ہو گئی اور گرمی سے پسینہ آ گیا، محض وہم سے آدمی ڈر جاتا ہے بلکہ بیمار پڑ جاتا ہے، یہاں تک کہ کبھی کبھی مر جاتا ہے۔ ان تمام واقعات میں دیکھو کہ نفسانی اثرات مادی جسم کو متاثر کر دیتے ہیں، یہ تو کمزور نفوس کا حال ہے لیکن جو لوگ کہ ارباب نفوس قدسیہ ہیں، وہ اپنے نفسانی اثرات سے دوسرے اجسام کو متاثر کر سکتے ہیں اور ان میں عجیب عجیب تغیرات اور تصرفات کر سکتے ہیں، یہ آخری دلیلیں بعینہٖ وہی ہیں جو آج ہپنوٹزم (تنویم مقناطیسی) اور مسمرازم کے نام سے لوگ پیش کرتے ہیں۔

معتزلہ اور اشاعرہ دونوں فطرت شکنی اور خرق عادات کو تسلیم کرتے ہیں۔ جہاں تک ہم ان کی عبارتوں سے سمجھ سکتے ہیں، اس نتیجہ میں دونوں کا اختلاف نہیں ہے بلکہ جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف اصل نظریہ میں ہے، معتزلہ یہ سمجھتے ہیں کہ خاصیت و اثر، علیت و معلولیت و سببیت نفس اشیاء میں ہے، یعنی خود اشیاء کی طبیعت کے اندر کوئی ایسی بات ہے جو ایک علت و سبب اور دوسرے کو معلول و مسبب بناتی ہے، آگ کی طبیعت میں جلانا اور برف کی طبیعت میں ٹھنڈک پیدا کرنا ازل سے اللہ تعالیٰ نے رکھ دیا ہے، اسی کا نام طبیعت ہے جس سے اس خاصیت کا ظہور ہوتا ہے، اس لئے معتزلہ سمجھتے ہیں کہ آگ سے سوزش اور برف سے ٹھنڈک کا جو صدور ہوتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ نفس آگ یا برف کی طبیعت میں کوئی ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے آگ میں سوزش اور برف میں ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اور جب کوئی معجزۂ نبوی ظاہر ہوتا ہے تو یہ طبیعت یا اس کی خاصیت تھوڑی دیر کے لئے بدل دی جاتی ہے یا روک لی جاتی ہے۔

اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ خود اشیاء کی طبیعت کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں جس کی بنا پر ایک علت و سبب اور دوسرا معلول و مسبب ہو۔ نفس آگ میں کوئی ایسی چیز نہیں، جس کو ہم گرمی کا سبب قرار دیں اور نہ برف کے اندر ٹھنڈک طبیعت کے طور پر موجود ہے بلکہ مختلف اشیاء کے متعلق ہم کو جو مختلف احساسات ہوتے ہیں، مثلاً کسی سے گرمی، کسی سے سردی، کسی سے سختی، کسی سے نرمی، کسی سے جلن، کسی سے ٹھنڈک کا، یہ ہمارے ذاتی احساسات ہیں جن کو ہم حسب ارادہ الٰہی اشیاء میں محسوس کرتے ہیں، ہماری عادت یہ ہو گئی ہے کہ ہم ایک شے کے بعد دوسری شے کو ہوتے ہوتے جب دیکھتے ہیں تو ہم ایک کو علت اور دوسری کو معلول سمجھنے لگتے ہیں، ورنہ حقیقت میں علت و معلول میں لزوم کا کوئی طبعی تعلق نہیں۔ اگر ارادۂ الٰہی بدل جائے تو ہم آگ میں ٹھنڈک اور برف میں گرمی محسوس کرنے لگیں، نفس، آگ اور برف کی طبیعت میں کوئی ایسی شے نہیں جو اس تغیر کو محال قرار دے اور اس لئے حسب ارادۂ الٰہی معجزات کا صدور ہوا کرتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے الرد علی المنطقیین میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ کا اصل بانی جہم ہے جس کے انتساب سے فرقۂ جہمیہ قائم ہوا تھا، اس کے بعد ابوالحسن الاشعری نے اس کی پیروی کی۔ علامہ موصوف نے مسئلہ مذکور کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔

لكن من لا يثبت الاسباب والعلل من اهل الكلام كالجهم وموافقيه في ذلك مثل ابي الحسن الاشعري واتباعه يجعلون المعلوم اقتران احد الامرين بالآخر لمحض مشيئة القادر المريد من غير ان يكون احدهما سببا للآخر ولا مولدا له. واما جمهور العقلاء من المسلمين وغير المسلمين اهل السنة من اهل الكلام والفقه والحديث والتصوف وغير اهل السنة من المعتزلة وغيرهم فيثبتون الاسباب ويقولون كما يعلم اقتران احدهما بالآخر يعلمون ان في النار قوة تقتضي الحرارة وفي الماء قوة تقتضي البرودة وفي العين قوة تقتضي الابصار وفي اللسان قوة تقتضي الذوق ويثبتون الطبيعة التي تسمى الغريزة والبخوة والخلق والعادة ونحو ذلك من الاسماء.

لیکن متکلمین میں جو لوگ اسباب و علل کے منکر ہیں جیسے جہم اور اس مسئلہ میں جہم کے جو موافق ہیں جیسے ابوالحسن اشعری اور ان کے پیرو، وہ مانتے ہیں کہ ہم کو صرف یہ معلوم ہے کہ ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ ایک لگاؤ اور علاقہ ہے اور یہ لگاؤ اور علاقہ صرف اس قادر ذی العقل کی مشیت سے ہے بغیر اس کے کہ ایک دوسرے کا سبب ہو یا ایک دوسرے کو پیدا کرتا ہو جمہور اشاعرہ کے علاوہ وہ تمام عقلا یا مسلمان یا غیر مسلمان، مسلمانوں میں اہل سنت ہوں، خواہ وہ متکلم ہوں، اہل فقہ ہوں، اہل حدیث ہوں یا اہل تصوف ہوں اور غیر اہل سنت میں معتزلہ ہوں یا کوئی اور فرقہ ہو یہ سب لوگ اسباب کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح ہم کو یہ معلوم ہے کہ ایک کا دوسرے سے لگاؤ اور علاقہ ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ آگ میں ایک قوت ہے جو گرمی کو چاہتی ہے اور پانی میں ایک قوت ہے جو ٹھنڈک کو مقتضی ہے اور اسی طرح آنکھ میں ایک قوت ہے جو رویت کا باعث ہے اور زبان میں ایک قوت ہے جو مزہ پیدا کرتی ہے، یہ لوگ طبیعت کو ثابت کرتے ہیں جس کا دوسرا نام فطرت، خلقت، عادت وغیرہ ہے۔

اوپر خرق عادت کے امکان اور عدم امکان کے متعلق چار مذہب ہم نے نقل کئے ہیں، یہی مذاہب آج بھی فلسفہ کی مملکت میں قائم ہیں، لیکن غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت میں اس باب میں صرف دو ہی مذہب ہو سکتے ہیں، ایک ان لوگوں کا جو کسی نہ کسی طرح سے باری تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں، اور دوسرا ان لوگوں کا جو اس کے سرے سے منکر ہیں دوسرا گروہ حکمائے طبیعین کا یا مادہ پرستوں کا ہے جن کے نزدیک عالم مادی کے باہر کچھ نہیں ہے اور تمام کائنات ذرات مادہ کے باہمی تاثیر و تاثر کی جلوہ انگیزیاں ہیں اور سلسلۂ علل و معلول اور اسباب و مسببات اور آثار و خواص کے مظاہر اور نتائج ہیں، ظاہر ہے کہ اس عقیدہ کی جماعت معجزہ اور خرق عادت پر کیونکر ایمان لا سکتی ہے، جو لوگ ان کے سامنے فلسفیانہ حیثیت سے براہ راست معجزہ اور خرق عادت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ ایک بے سود کوشش کرتے ہیں اور عقلی حیثیت سے خرق عادت کا ثبوت بھی بہم پہنچ گیا ہے تو جب وہ اس بنیاد کو جس پر نبوت اور شریعت کی عمارت قائم ہے یعنی ایک برتر خالق قوت کا وجود تسلیم نہیں کرتے تو اس خرق عادت کے ثبوت سے ارباب مذاہب اور پیروان شرائع کی کیا مقصد برآری ہو سکتی ہے؟

اشاعرہ نے اثبات مدعا کا طریقہ اختیار کرنا چاہا کہ پہلے معجزہ اور عادت کا امکان اور وقوع ثابت کیا جائے اور اس معجزہ اور خرق عادت سے نبوت پر استدلال کیا جائے، نبوت کے ثبوت سے ایک قادر مطلق کا ثبوت ہاتھ آئے گا اور پھر اس کے احکام شریعت کا ثبوت بہم پہنچے گا، اس طریقہ استدلال کو اختیار کرنا درحقیقت الٹی گنگا بہانا ہے ؎ ایں رہ کہ تو می روی بترکستان است۔

صحیح راستہ ان کے مقابلہ میں یہ ہے کہ پہلے باری تعالیٰ کے وجود کا اثبات کیا جائے، اس کے بعد نبوت،

شریعت، خرقِ عادت، معجزہ سب کچھ ثابت ہو جائے گا، جب تک اس چٹان پر بنیاد قائم نہ ہوگی، عمارت مستحکم نہیں ہو سکتی۔

اسبابِ خفیہ کی توجیہ بیکار ہے

دوسرا فرقہ باری تعالیٰ کے وجود کا قائل ہے اور معجزہ کو تسلیم کرتا ہے خواہ وہ اس کے وقوع کے کچھ ہی اسباب بیان کرے، وہ درحقیقت خرقِ عادت کو بھی تسلیم کرتا ہے یا اس کو تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور اس سے اس کو کوئی چارہ نہیں کہ حکمائے اسلام فارابی اور ابن سینا وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ معجزہ اسبابِ خفیہ کی بنا پر صادر ہوتا ہے اور اس کے اندرونی طبعی علل و اسباب ہوتے ہیں، اس لئے خرقِ عادت لازم نہیں آتا اور معمولی نظامِ عالم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

حضرت موسیٰؑ مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو راستہ میں بحرِ قلزم (دریائے نیل) حائل تھا، حکم ہوا کہ اپنی لکڑی سے دریا کو مارو، دفعۃً دریا خشک ہو گیا اور راستہ پیدا ہو گیا، حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر اتر گئے، لیکن جب فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ دریا میں قدم رکھا تو دریا پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ ڈوب کر مر گیا، وہ اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ دریا میں مد و جزر تھا، جب حضرت موسیٰؑ پہنچے تو جزر تھا اور دریا پایاب ہو گیا تھا اور جس وقت فرعون دریا میں داخل ہوا تو مد شروع ہو گیا اور ڈوب گیا، ہم ان اعتراضات کو جو نقلی حیثیت سے اس توجیہ پر وارد ہوتے ہیں کہ توراۃ اور قرآن مجید نے اس معجزہ کی جس طرح تشریح کی ہے اس کی یہ صحیح نقل نہیں ہے نظر انداز کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰؑ پہنچے تو جزر تھا اور جب فرعون آیا تو مد ہو گیا، آیا یہ اتفاقی امر تھا اور ممکن تھا کہ اس کے برعکس ہوتا، یعنی فرعون بچ جاتا اور حضرت موسیٰؑ ڈوب جاتے، اور یا یہ کہ حضرت موسیٰؑ کے لئے جزر اور فرعون کے لئے مد خاص طور سے پیدا کیا گیا تھا یا ایسے اسباب بہم پہنچائے گئے کہ حضرت موسیٰؑ جزر کے وقت پہنچیں اور فرعون مد کے وقت پہنچے اور اس کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ اس خطرناک دریا میں بے سمجھے بوجھے قدم رکھے، پہلی صورت میں تو معجزہ کیا نبوت کی بھی تشکیک لازم آتی ہے اور دوسری صورت میں خرقِ عادت کی تسلیم سے چارہ نہیں اور خرقِ عادت کے تسلیم کر لینے کے بعد خدا کی قدرتِ مطلقہ پر بھی ایمان لانا ہوگا۔

حکمائے اسلام کی غلطی کا سبب

اصل یہ ہے کہ حکمائے اسلام نے ارسطو کی تقلید کی ہے اور مسئلہ علت میں تمام تر مشائیہ کے نظریہ کو قبول کر لیا ہے کہ ذاتِ واجب الوجود علتِ اولیٰ یا عقلِ اوّل کی علتِ تامہ ہے اور علتِ تامہ سے معلول کا تخلف نہیں ہوتا اور اضطراراً اس سے پیدا ہو جاتا ہے، اس میں اس کے ارادہ اور قصد کو دخل نہیں ہوتا، اس کی صحیح مثال آفتاب اور روشنی کی ہے کہ آفتاب کی روشنی علتِ تامہ ہے جب آفتاب نکلے گا روشنی کا ظہور ہوگا، خواہ وہ موانع کی وجہ سے نظر نہ آئے اور آفتاب سے اس روشنی کا صدور آفتاب کے قصد اور ارادہ سے نہیں ہے بلکہ اس سے مجبوراً اور اضطراراً یہ روشنی پیدا ہو رہی ہے، عقلِ اول کے پیدا ہونے کے بعد عالمِ کائنات کا تمام کارخانہ باہمی سلسلۂ علل و معلول سے خود بخود پیدا ہونے لگا اور تمام عالم ایک ایسے نظام میں بندھ گیا کہ اب خالقِ اوّل کو اس میں دست اندازی کی مطلق قدرت ہی نہیں، ظاہر ہے کہ اس مذہب کا پیرو سلسلۂ علل و معلول کو نہیں توڑ سکتا اور اس لئے وہ خرقِ عادت کو بھی تسلیم نہیں کر سکتا، لیکن تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ ایسے

واقعات پیش آتے ہیں جن کی توجیہ ظاہری سلسلۂ علل و معلول سے نہیں ہو سکتی اور نہ ان کے وقوع سے کوئی انکار کر سکتا ہے، اس لئے ایک طرف اس کو لامحالہ ان واقعات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے اور دوسری طرف چونکہ وہ خدا کو مضطر اور مجبور مان چکا ہے، اس لئے براہِ راست ان واقعات کو اس کی طرف منسوب نہیں کر سکتا اور چونکہ بلا سبب اور بے علت کے کوئی شے ہو نہیں سکتی، اس بنا پر اسباب و عللِ خفیہ کے سایہ کے سوا اس کو اور کہیں پناہ نہیں مل سکتی، مگر آپ نے اوپر دیکھ لیا کہ یہ سوچ بھی محفوظ نہیں اور خدا کو قادرِ مطلق مانے بغیر چارہ نہیں۔

اشاعرہ اور معتزلہ میں نتیجہ کا اختلاف نہیں

اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان جو اختلاف ہے وہ صرف نظریہ کا فرق ہے، اس سے نفس خرقِ عادت اور معجزہ کے ثبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ امر کہ اشیاء کے طبائع میں فی نفسہٖ خواص اور آثار ودیعت ہیں یا اللہ تعالیٰ بروقت ان کو پیدا کر دیتا ہے ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے کسی پہلو کے اثبات اور دوسرے کی نفی پر کوئی دلیل نہیں قائم کی جا سکتی اور معجزہ کے سلسلہ میں ہم کو اس کے چھیڑنے کی ضرورت نہیں، اس کا کوئی پہلو بھی صحیح ہو، بہرحال دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ کبھی کبھی اشیاء کی عادتِ جاریہ کو اللہ تعالیٰ توڑ دیتا اور بدل دیتا ہے۔

خرقِ عادت سے انکار کا اصلی سبب سلسلۂ اسباب و علل پر یقین ہے

الغرض معجزہ یعنی خرقِ عادت سے صرف اس فریق کو انکار ہے جو یا خدا کا قطعاً منکر ہے یا یہ کہ وہ خدا کو قادر و ذی ارادہ نہیں مانتا اور ناقابلِ شکست سلسلۂ علل و معلول کے گورکھ دھندے پر یقینِ کامل رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ تمام نظمِ کائنات باہمی تاثیر و تاثر کا نتیجہ ہے، غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس مذہب کے پیرو اپنے اس عقیدۂ باطل کے ضمن میں چند اور موہوم باتوں کو بھی بلا دلیل تسلیم کئے بیٹھے ہیں اور اس لئے خرقِ عادت کے قبول کرنے کی ان کو جرأت نہیں ہوتی۔

سلسلۂ اسباب و علل پر علمِ انسانی کو احتوا نہیں

(۱) گویا انہوں نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ کائنات کے جو علل اور اشیاء کے جو خواص انہوں نے دریافت کر لئے ہیں وہ نظامِ کائنات کے چلانے کے لئے کافی ہیں اس کے لئے کسی اور کے دست اندازی کی ضرورت نہیں۔

(۲) کائنات کے چہرۂ اسرار کو انہوں نے تمام تر بے نقاب کر لیا ہے اور ہر شے کی علت اور خاصیت انہوں نے دریافت کر لی ہے۔

حالانکہ انسانی معلومات اس کے مجہولات کے مقابلہ میں بہت کم حیثیت ہیں۔ اس فضائے کائنات کی بے شمار آبادیوں میں زمین نام ایک آبادی کے چوتھائی خشک حصے کے بعض اجزائے کائنات تک فقط ان کی رسائی ہو سکی ہے

لہ حکمائے اسلام میں مسئلہ خرقِ عادت کا سب سے بڑا منکر بو علی سینا اشارات میں لکھتا ہے۔

ولکنها تجارب لما ثبتت طلب اسبابها تعرف لو استقصیت جزئیات هذا الباب فیما شاهدناه وفیما حکی عمن صدقنا ولطال الکلام هـ

لیکن یہ تجربے ہیں جب وہ ثبوت کو پہنچ گئے تو ان کے اسباب کی تلاش ہوئی اور اگر اس قسم کے جزئیات کا تتبع کریں جو ہم نے خود مشاہدہ کیا یا ان کے لوگوں سے جن کو ہم معتبر سمجھتے ہیں سنا ہے تو بہت طول ہو جائیگا۔

اس مبلغِ علم پر اتنا عظیم الشان دعویٰ کسی طرح زیب نہیں دیتا، جن چیزوں تک ان کی رسائی ہوتی بھی ہے، ان کے متعلق جو کچھ انہیں معلوم ہوا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ یہ چیز اس طرح چل رہی ہے، لیکن یہ حقیقت کہ وہ کیوں چل رہی ہے اور اگر اس کے خلاف چلے تو کیا استحالہ لازم آئے گا، ایک معمہ ہے اور ہمیشہ معمہ رہے گا۔ اجرامِ فلکیہ اور طبقاتِ ارضیہ کو چھوڑ دو کہ وہ دور ہیں، تم یہ کہتے ہو کہ بجلی میں یہ قوت ہے، سنکھیا میں یہ اثر ہے، مقناطیس کا یہ خاصہ ہے، لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ کیوں ایسا ہے؟ اور نزدیک آؤ، اپنے جسم کی دنیا کو دیکھو، تم صرف یہ جانتے ہو کہ سانس کی آمد و رفت ہمارے پھیپھڑوں کی حرکت سے ہے، نبض کی رفتار، قلب کی قبض و بسط کی ڈوری سے وابستہ ہے، تمہارا نفس یا ذہن لمحوں میں ہزاروں میل کی خبر لیتا ہے اور خدا جانے عجائباتِ نفسانی کے کیا کیا تماشے دکھاتا ہے لیکن کوئی یہ حل کر سکا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ دل کو کس نے مضطرب بنا رکھا ہے، پھیپھڑوں کی دھونکنی کس طرح روز و شب مصروفِ عمل ہے، دماغ کے ذہنی افعال کیونکر سر انجام پاتے ہیں، جب اتنی قریب کی چیز تمہارے فلسفۂ علل و اسباب کے دائرہ سے باہر ہے تو دور دراز کی اشیاء کی نسبت تمہارا دعوئ علم کس قدر مضحکہ انگیز ہے، حکماء یعنی سائنٹسٹ اعلانیہ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ صرف "کیسے" کا جواب دے سکتے ہیں، "کیوں" کا جواب ان کے موضوعِ بحث سے خارج ہے، فلاسفہ کا یہ حال ہے کہ وہ فلسفی بھی ایک نظامِ خیال پر متفق نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے الرد علی المنطقیین میں لکھا ہے

"فلاسفہ کوئی ایک متحد الخیال جماعت نہیں جس کا علم الٰہیات و طبعیات وغیرہ میں کوئی ایک مذہب ہو بلکہ وہ مختلف الخیال فرقے ہیں اور ان کے اندر آراء اور خیالات کا اتنا اختلاف ہے کہ اس کا احاطہ بھی مشکل ہے ان کے باہمی اختلافات تو اس سے بھی زیادہ ہیں جس قدر کسی ایک آسمانی مذہب کے مختلف فرقوں کے اندر ہیں۔"

اس اختلافِ رائے اور اس خیال کی بناء پر کسی فلسفی کا یہ دعویٰ کہ مذہب کا فلاں مسئلہ فلسفہ کے خلاف ہے اس لئے ناقابلِ قبول ہے، اس کے دوسرے معنی یہ ہوتے کہ یہ مسئلہ ہماری رائے یا ہماری جماعت کی رائے کے خلاف ہے اس لئے ناقابلِ تسلیم ہے تو یہ مذہب ہی پر کیا موقوف ہے، ہر نظامِ فلسفہ کا قائل دوسرے نظامِ فلسفہ کے بطلان پر اسی قدر قوت سے اس استدلال کو کام میں لا سکتا ہے۔ غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ فلسفہ کے جس قدر فرقے (اسکول) اور نظامات (سسٹم) ہیں، درحقیقت وہ اسرارِ کائنات کے متعلق ایک مرتب خیال کی کڑیاں ہیں، ان مرتب خیال کی کڑیوں کو مان کر جس کے نفس کی تسکین ہو جاتی ہے، وہ ان کا فلسفہ ہے اسی طرح مذہب بھی اپنا ایک نظامِ خیال رکھتا ہے، اور جو لوگ اس نظامِ خیال پر یقین رکھتے ہیں، ان کی اس سے تشفی ہو جاتی ہے، ایسی حالت میں اگر معجزہ کا امکان یا وقوع کسی نظامِ خیال کے خلاف ہے، تو نفس یہ اختلاف اس کے ابطال کی دلیل نہیں ہو سکتا اور نہ یہ لازم آئے گا کہ ہر فلسفیانہ مسئلہ اس لئے باطل ہے کہ دوسرے نظامِ فلسفہ کے وہ خلاف ہے۔

نظامِ عالم کے چلانے کے لئے علل و اسباب کے کافی ہونے کے فلسفہ پر یقین رکھنے کے لئے سب سے پہلی بحث آغازِ آفرینش کی آتی ہے، آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ شے اس سبب سے پیدا ہوئی اور اس شے کی پیدائش کا سبب یہ ہے لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ مادہ کہاں سے آیا؟ اور اس کے حدوث کا سبب کیا ہوا؟ عناصر کیونکر اور کیوں وجود میں آئے یہ نوع بنوع چیزیں کیونکر بن گئیں؟ ہمارے جواب میں ان نظریات کا ذکر نہ کیجئے جن کا نام اصولِ ارتقاء اور انتخابِ

طبعی وغیرہ ہے کہ ان کی علمی حیثیت مفروضات اور وہمیات سے زیادہ نہیں اور ان کی اخیر سرحد بالآخر لاعلمی اور جہالت پر جا کر ختم ہو جاتی ہے، مادہ کی ابتدائی بنیاد چاہے اربع عناصر کو بتائیے یا جواہر فرد کو یا سالمات کو یا ایتھر کو یا برق پاروں کو جن کو بھی بتاؤ، لیکن ان کے حدوث کی علت نہیں بتائی جا سکتی اور نہ بتا سکتے ہیں کہ بالآخر وہ کہاں سے آئے؟ اب تو حیوانات نطفہ سے، پرندے انڈے سے اور درخت گٹھلی سے پیدا ہوتے ہیں اور بغیر ان کے ان کا پیدا ہونا ناممکن سمجھا جاتا ہے، لیکن یہ کوئی بتا سکتا ہے کہ دنیا کا پہلا حیوان، پہلا پرندہ اور پہلا درخت بغیر کسی نطفہ، کسی انڈے اور کسی گٹھلی کے پیدا ہوا یا نہیں؟ اگر ہاں کہتے ہیں تو آپ نے اپنے دعویٰ کے خلاف ایک شہادت قبول کر لی اور اگر انکار کرتے ہیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ پہلا نطفہ، پہلا انڈہ اور پہلی گٹھلی، انسان، پرندہ اور درخت کے بغیر پیدا ہوئی، غرض اس گتھی کو آپ اپنے ناخنِ حکمت سے کسی طرح سلجھا نہیں سکتے اور ناچار آپ کو سلسلۂ علل و اسباب کے مذہب سے برگشتہ ہونا پڑے گا۔

حقیقی علت خدا کی قدرت اور ارادہ ہے

جہاں آپ اپنے سلسلۂ اسباب و علل کو چند قدم بڑھا سکتے ہیں وہاں بھی بالآخر سپر افگن ہونے سے چارہ نہیں، پانی بادل سے برسا، بادل بخارات سے بنے، بخارات پانی سے اٹھے جو سورج کی تپش سے گرم ہو کر یہ صورت اختیار کر لیتے ہیں، غرض پانی بخارات سے پیدا ہوا اور بخارات پانی سے پیدا ہوئے، اس دور کے عقدۂ لاینحل کو آپ حل کر سکتے ہیں؟ یہ ناممکن ہے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایک قادر و ذی ارادہ ہستی کو تسلیم کیجئے جس کی مشیت اور ارادہ سے سارا کارخانہ چل رہا ہے، اسباب و علل صرف اس کی مشیت و ارادہ کے مظاہر ہیں اور اپنی عادت کے مطابق ایک طریقِ خاص پر اس کو چلا رہا ہے لیکن وہ اس کا پابند نہیں ہے، صدیوں میں جب اس نے ضرورت سمجھی انسانوں میں اپنا ایک نشان قائم کرنے کے لئے عادت کے خلاف کوئی بات ظہور پذیر کر دی، علت و معلولیت کا تعلق جو بظاہر نظر آتا ہے ہم نے اس کی عادت جاریہ کی یک رنگی اور یکسانی سے اس کو سمجھ لیا ہے کہ اگر اس کی عادت جاریہ یہ یکرنگی اور یکسانی اختیار نہ کرتی تو مخلوقات اپنے منافع کے حصول اور مضرتوں کے دفع کے لئے پہلے سے کوئی تیاری نہ کر سکتیں۔

مولانا روم اور اسباب و علل اور معجزہ کی حقیقت

عارف روم نے اسی حقیقت کو ان اشعار میں ادا کیا ہے۔

سنتے بنہاد و اسباب و طرق　　طالبان را زیر ایں ازرق تتق

اللہ تعالیٰ نے آسمان کے ان نیلے پردوں کے نیچے کام کرنے والوں کیلئے علل، اسباب اور عادات مقرر کر دیئے ہیں

بیشتر احوال بر سنت رود　　گاہ قدرت خارقِ سنت شود

دنیا کے زیادہ تر واقعات انہی عادات جاریہ کے مطابق ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی قدرت الٰہی اس عادت کو توڑ بھی دیتی ہے

سنت و عادت نہادہ بامزہ　　باز کردہ خرقِ عادت معجزہ

طریق و عادات (یعنی اسباب و علل) کو اس نے خوش آئند بنایا ہے لیکن پھر معجزہ سے خرقِ عادت بھی کر دیتا ہے۔

اے گرفتار سبب بیروں مپر ۔۔۔ لیک عزل آں مسبب ظن مبر

اے وہ جو اسباب و علل کی زنجیر میں گرفتار ہے حد سے زیادہ نہ اڑ اور یہ خیال نہ کر کہ ان اسباب و علل کے بنا دینے سے وہ تمام العلل اور مسبب الاسباب بیکار ہو گیا

ہر چہ خواہد او مسبب آورد ۔۔۔ قدرت مطلق سببہا بر درد

وہ حقیقی مسبب الاسباب جو چاہے کرلے اور اس کی قدرت علی الاطلاق اسباب کو توڑ دے۔

لیک اغلب بر سبب راند نفاذ ۔۔۔ تا بداند طالبے جستن مراد

لیکن بیشتر اسباب ہی کے مطابق دنیا کو چلاتا ہے تاکہ کام کرنے والوں کو اپنے حصول مقصد کا راستہ معلوم ہو۔

چوں سبب نبود چہ رہ جوید مرید ۔۔۔ پس سبب در راہ می آید پدید

اگر اسباب معلوم نہ ہوں تو کام کرنے والوں کو راہ کیونکر ملے یہی اسباب تو نشانات بن کر نمودار ہوتے ہیں

ایں سببہا بر نظرہا پردہ است ۔۔۔ کہ نہ ہر دیدار صنعش را سزا است

یہ ظاہری اسباب نگاہوں کے پردے ہیں کیونکہ ہر آنکھ اس کی صنعت کو نہیں دیکھ سکتی۔

دیدہ باید سبب سوراخ کن ۔۔۔ تا حجب را برکند از بیخ و بن

اس کے لئے ایسی آنکھ چاہیئے جو اسباب پردہ چاک کردے تاکہ حجابات اٹھ جائیں۔

از مسبب می رسد ہر خیر و شر ۔۔۔ نیست اسباب و وسائط را اثر

درحقیقت ہر نیک و بد اسی اصلی مسبب الاسباب کے یہاں سے پہنچتا ہے اور اس میں ان درمیانی اسباب و وسائط کو دخل نہیں

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند ۔۔۔ بامن و مردہ باحق زندہ اند

ہوا، مٹی، پانی اور آگ سب خدا کے محکوم ہیں، یہ ہمارے تمہارے سامنے تو بے جان مگر خدا کے سامنے جاندار ہیں

سنگ بر آہن زنی بیروں جہد ۔۔۔ ہم بہ امر حق قدم بیروں نہد

جب پتھر لوہے پر مارو تو اس سے آگ نکلتی ہے یہ خدا ہی کے حکم سے اپنا قدم باہر نکالتی ہے۔

آہن و سنگ از ستم برہم مزن ۔۔۔ کایں دو می زایند ہمچو مرد و زن

لوہے اور پتھر کو بے فائدہ ایک دوسرے پر مت مارو کہ یہ دونوں نر و مادہ ہیں جو آگ کا بچہ پیدا کرتے ہیں۔

سنگ و آہن خود سبب آمد ولیک ۔۔۔ تو بہ بالا تر نگر اے مرد نیک

پتھر اور لوہا گویہ دونوں آگ کا سبب ہیں، لیکن ذرا اس سے آگے بڑھ کر غور کرو۔

کایں سبب را آں سبب آورد پیش ۔۔۔ بے سبب کے شد سبب ہرگز بخویش

کہ اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب رضا ہی نے آگے کردیا یہ ظاہری سبب خود بخود بلا سبب کب پیدا ہوا ہے۔

آں سبب را آں سبب عامل کند ۔۔۔ باز گاہے بے برو عاطل کند

اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب نے دنیا میں مؤثر اور عامل بنا دیا ہے جب چاہے وہ اس کو بے اثر اور بیکار قرار دے سکتا ہے۔

واں سببہا کانبیاء را رہبر است ۔۔۔ آں سبب ہا زیں سبب ہا برتر است

جو اسباب کہ انبیاء کے کاموں میں پیش پیش ہوتے ہیں وہ ان ظاہری و دنیاوی اسباب سے بلند تر اور برتر ہیں۔

ایں سبب را محرم آمد عقل ما ۔۔۔ واں سبب ہا راست محرم انبیاء

ان ظاہری علل و اسباب کی محرم تو ہماری انسانی عقلیں ہیں لیکن ان حقیقی اسباب کے محرم انبیاء علیہم السلام ہیں۔

چونکہ ظاہر بین انسان ان اسباب و علل کو دیکھ کر اصل علۃ العلل اور مسبب الاسباب کو بھول جاتے ہیں اور وہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے، اس لئے انبیاء علیہم السلام اس غفلت کے پردے کو چاک کر دیتے ہیں اور ظاہری علل و اسباب ان کے لئے بیکار کر دیئے جاتے ہیں۔

ہست بر اسباب، اسباب دگر ۔۔۔ در سبب منگر دراں افگن نظر

ان ظاہری اسباب کے اوپر حقیقی اسباب بھی کارفرما ہیں، ان ظاہری اسباب کو نہ دیکھو حقیقی اسباب پر غور کرو۔

انبیاء در قطع اسباب آمدند ۔۔۔ معجزات خویش بر کیواں زدند

انبیاء قطع اسباب کے درپے ہیں اور اپنے معجزات کا جھنڈا انہوں نے مریخ میں گاڑ دیا ہے۔

بے سبب مر بحر را بشگافتند ۔۔۔ بے زراعت چاش گندم یافتند

بغیر کسی سبب ظاہری کے انہوں نے سمندر کو شق کردیا اور کھیتی کے بغیر گیہوں کا خوشہ حاصل کیا۔

جملہ قرآں ہست در قطع سبب ۔۔۔ عز درویش و ہلاک بولہب

تمام قرآن قطع اسباب کے بیان سے بھرا ہوا ہے آنحضرت ﷺ کا غلبہ اور ابولہب کی بربادی بھی اسی طرح ہوئی۔

مرغ بابیلے دو سہ سنگ افگند ۔۔۔ لشکر زفت حبش را بشکند

پرندے کنکریاں پھینکتے ہیں اور حبش کے سیاہ لشکر کو شکست دیتے ہیں۔

پیل را سوراخ سوراخ افگند ۔۔۔ سنگ مرغ کو بیالا بر زند

یہ کنکریاں جو اوپر سے آتی ہیں ہاتھیوں کے بدن میں چھید کر کے ڈال دیتی ہیں۔

ہم چنیں ز آغاز قرآں تا تمام ۔۔۔ رفض اسباب است و علت والسلام

اسی طرح شروع سے لیکر آخر تک قرآن اسباب و علل کے مؤثر حقیقی ہونے کا منکر ہے۔

علت و خاصیت اور اس کی حقیقت

اس اجمال کی تفصیل علت، خاصیت اور اثر کی تحقیق پر مبنی ہے اور اشیاء میں جو خواص اور آثار ہیں ان کا علم ہم کو کیونکر ہوتا ہے محض تکرار احساس سے جس کا دوسرا نام تجربہ ہے۔

جب ہم آگ کے پاس جاتے ہیں تو گرمی اور سوزش کا احساس کرتے ہیں اور پھر جب، جب ہم آگ کے پاس گئے تو ہم کو اسی قسم کا احساس ہوتا رہا، اس سے ہم میں یہ یقین پیدا ہوا کہ آگ کا خاصہ اور اثر گرمی اور سوزش ہے، فرض کرو کہ اگر تکرار احساس سے یہی تجربہ ہم کو برف سے حاصل ہو جاتے تو یقیناً ہم کہہ دیں گے کہ برف کی خاصیت سوزش اور گرمی ہے۔ برف اور آگ دونوں آپ کے سامنے ہیں، دونوں کو اچھی طرح غور سے دیکھئے، کیا ان کی ذات میں کوئی ایسی چیز نظر آتی ہے جس کی بنا پر احساس بلکہ تکرار احساس سے قبل آپ یہ فیصلہ کر دیں کہ ایک میں گرمی اور دوسرے میں ٹھنڈک کا ہونا ضروری ہے، آپ کے ہاتھ میں کوئی شخص کافور اور سنکھیا دونوں کی تھوڑی تھوڑی مقدار لاکر رکھ دیتا ہے اس

سے پہلے آپ ان چیزوں سے واقف نہ تھے، اب آپ دونوں کو غور سے دیکھئے اور خوب الٹ پلٹ کر دیکھئے، سونگھ کر، چکھ کر، چھو کر کس طرح آپ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان کے خواص و آثار کیا ہیں؟ یہ فیصلہ ناممکن ہے جب تک ان کا بار بار تجربہ نہ کیا جائے اور ہر بار کے عمل سے ایک ہی نتیجہ ظاہر نہ ہو، اس سے ثابت ہوا کہ اشیاء کے خواص و آثار کا علم صرف یکسانی عمل اور تجربہ پر موقوف ہے۔

عمل کی اسی یکسانی اور تجربہ کی بناء پر ہم علل و معلولات اور اسباب و مسببات کا مسئلہ قائم کرتے ہیں اور اسی کی بنا پر مدعیانِ عقل و دانش وہ صنم کدہ قائم کرنا چاہتے ہیں جس کے پرستاروں کے نام نیچری، میٹریلسٹ، مادہ پرست، فطرت پرست اور طبیعی ہیں، وہ جب ایک شے سے ایک ہی عمل اور اثر کا بار بار تجربہ کرتے ہیں تو یقین کر لیتے ہیں کہ اس شے سے اس خاصیت و اثر کا انفکاک قطعاً محال ہے اور جب ایک شے کے بعد فوراً دوسری چیز پیدا ہوتے دیکھتے ہیں اور بار بار دیکھتے ہیں اور کبھی اس میں تخلف نہیں پاتے تو یہ یقین کلی کر لیتے ہیں کہ دوسری شے معلول و مسبب اور پہلی شے علت و سبب ہے اور یہ کلیہ قائم کر لیتے ہیں کہ گرمی و سوزش کا سبب آگ ہے، ٹھنڈک اور برودت کا سبب برف ہے، موت کا سبب سنکھیا ہے یا یوں سمجھئے کہ آگ کا خاصہ جلانا، برف کا خاصہ ٹھنڈا کرنا، سنکھیا کا خاصہ انسان کی زندگی کو ختم کر دینا ہے، معجزہ کے امکان سے چونکہ ان کے خیال کے مطابق ان آثار و خواص کا انکار یا علل و اسباب کا ابطال لازم آتا ہے، یعنی یہ ماننا پڑتا ہے کہ آگ ہو اور جلائے نہیں، سمندر ہو اور غرق نہ کرے، اس لئے وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معجزہ قطعاً محال ہے۔

اسباب و علل محض عادی ہیں

لیکن ابھی ثابت ہو چکا کہ ہم جن کو آثار و خواص یا اسباب و علل کہتے ہیں محض اس تجربہ پر ان کی بنیاد ہے کہ ہم نے ہمیشہ اس شے کو ہوتے دیکھا ہے اور اس سے یہ توقع یا زیادہ سے زیادہ ظن غالب یہ پیدا ہوتا ہے کہ آئندہ بھی جب یہ شے پیدا ہو گی تو اس کے بعد دوسری شے پیدا ہو جائے گی، لیکن اس سے یہ یقین کس طرح پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم نے جو کچھ مشاہدہ کیا ہے وہ پہلے بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا اور ہمارے علاوہ شروع سے آج تک اور جن جن لوگوں نے اس کو دیکھا ہے، ان کے مشاہدہ کا بھی یہی نتیجہ نکلا کیا ہے، اور آئندہ بھی اُن کے مشاہدہ کا یہی نتیجہ نکلا کرے گا۔ آج تک آگ کے متعلق اور جن آگوں کے متعلق آپ کا جو تجربہ ہے اس پر آپ یقین کر سکتے ہیں، لیکن محیط جن کی ہر آگ کے متعلق ہو آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے اور نہ آ سکتی ہے یہ کیونکر یقین پیدا کر لیتے ہیں کہ ان سب کا اثر جلانا ہی ہے اور نیز یہ اعتماد کس مقدمہ یقین پر قائم کر لیتے ہیں کہ آئندہ تا قیامت آگ کا عمل و اثر ہمیشہ جلانا ہی رہے گا اور جب آپ کے اس یقین و اعتماد کے لئے کوئی دلیل قائم نہیں ہے تو چند آگوں کو دیکھ کر آپ اس قضیہ کلیہ پر کیونکر ناقابلِ شکست یقین کی مہر لگا دیتے ہیں کہ دنیا کی ہر آگ جلاتی ہے اور ہمیشہ جلاتی رہے گی۔

اسبابِ عادیہ کا علم صرف تجربہ سے ہوتا ہے

غرض خواص و آثار اور اسباب و علل کی نسبت علم انسانی کا جہاں تک احاطہ ہے وہ صرف یکسانی عمل اور تجربہ کا نتیجہ ہے، ہم ایک شے کے بعد دوسری شے کو ہوتے ہوتے دیکھتے آتے ہیں، اس لئے یہ توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ بھی ایسا

ہی ہو گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ہم ایک شخص کو آغازِ عمر سے دیکھتے ہیں کہ وہ فلاں وقت سوتا ہے، فلاں وقت جاگتا ہے مسجد میں فلاں دروازہ سے داخل ہوتا ہے، کبھی کسی سے انتقام نہیں لیتا ہے، سالہا سال کے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد ہم اس کے متعلق بطریق ظن غالب خیال قائم کر لیتے ہیں کہ اس وقت اتنے بجے ہیں اس لئے وہ اٹھا ہو گا، اتنے بجکر اتنے منٹ ہوئے ہیں اس لئے وہ سو گیا ہو گا، آج جب وہ نماز کے لئے جائے گا تو فلاں دروازہ سے داخل ہو گا اسی کا نام عادت ہے، مگر کیا کبھی کوئی اس حماقت میں بھی مبتلا ہو گا کہ سالہا سال کے تجربہ کے بعد وہ یقینی دعویٰ کر بیٹھے کہ آج وقت اس کا سویا رہنا محال قطعی ہے، اس وقت اس کا جاگتا لامحالہ ضروری ہے اور فلاں دروازہ سے اس کا داخلہ عقلاً لازم ہے؟

اسباب و علل کا علم بدلتا رہتا ہے

اسی طریق پر اشیاء اور موجودات عالم سے عادۃً جو مختلف آثار و نتائج کا صدور ہوتا رہتا ہے، اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم ان اشیاء اور موجودات سے ان آثار و نتائج کے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور عادۃً ایسا سمجھتے ہیں کہ آئندہ بھی اُن سے یہی آثار و خواص صادر ہوں گے۔

آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمثیل صحیح نہیں ہے انسان ایک صاحبِ ارادہ ہستی ہے اس لئے اس کے افعال اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں جن کو وہ جب چاہے بدل سکتا ہے۔ دیگر غیر ذی روح اشیاء کے افعال ارادی نہیں ہیں بلکہ خلقی ہیں، اس لئے ان میں تغیر نہیں ہو سکتا، لیکن یہ درحقیقت ایک قسم کا مغالطہ ہے، آپ کے حرکات و افعال آپ کے اعضا سے صادر ہوتے ہیں جو بے ارادہ ہیں اور ارادہ آپ کے نفس یا روح یا ذہن کا فعل ہے جس طرح آپ کی روح یا نفس یا ذہن کی قوتِ ارادہ آپ کے جامد اور بے جان مضغۂ گوشت اعضا سے اپنی حسب خواہش مختلف حرکات و افعال صادر کراتی ہے، اسی طرح روحِ اعظم کی قوتِ ارادہ اس بے جان عالم کائنات سے اپنی خواہش کے مطابق مختلف افعال اور حرکات صادر کراتی رہتی ہے اور چونکہ عموماً وہ اس کو ایک ہی نہج پر چلاتی رہتی ہے اس لئے ہم کو اسبابِ عادیہ کا علم کسی قدر حاصل ہو گیا ہے۔

اسی عادت کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ذہن کے اندر آگ اور گرمی، برف اور ٹھنڈک کے درمیان ایک تلازم پیدا ہو گیا ہے جس کی بنا پر ہم سمجھتے ہیں کہ آگ سے گرمی اور برف سے ٹھنڈک کا انفکاک نہیں ہو سکتا حالانکہ اگر آگ اور برف کے متعلق ہمارا آئندہ تجربہ بدل جائے تو یقیناً یہ تلازم کا خیال بھی بدل جائے گا۔ مثلاً جس عہدِ قدیم میں گردشِ آسمانی اور دورِ نجوم، حادثات کے اسباب و علل یقینی کئے جاتے تھے اور ستاروں کی مختلف چالوں اور ان کی خاص خاص اشکال سے حوادثِ عالم کی توجیہ کی جاتی تھی، اس وقت ستاروں کی ایک خاص شکل کے ظہور یا کسی خاص ستارہ کے طلوع اور اس کے آثار و نتائج کے درمیان ایک خاص تلازم سمجھا جاتا ہو گا اور اس یقین کر کہ یہ دونوں باہم علت و معلول ہیں ناقابلِ انکار سمجھا جاتا ہو گا، لیکن آج ایسا نہیں ہے۔

قدیم و جدید فن طب میں اب آسمان و زمین کا اختلاف ہے، دواؤں کے خواص و اثرات اور امراض کے علل و اسباب میں عظیم الشان تبدیلی ہو گئی ہے مگر قدیم اطباء یا اب بھی قدیم طب کے واقف کاروں اور قدرشناسوں کے نزدیک ان کے تجربے اور یکسانی عمل کی بنا پر جن دواؤں کے جو اثرات اور جن امراض کے جو علل و اسباب ہیں وہ ان کے

یقینیات میں داخل تھے اور ہیں، لیکن ممالک یورپ میں جہاں کوئی اس طب کا نام ہی نہیں جانتا اور اس کے تجارب و تحقیقات کا مشاہدہ نہیں کیا گیا ہے، ہمارے اطباء کے یقین کردہ آثار، خواص اور اسباب و علل کو وہاں اوہام سے زیادہ رتبہ نہیں دیا جا سکتا۔

خود اوہام کیا چیز ہیں؟ جاہل طبقوں اور وحشی قوموں میں بہت سے ایسے یقینیات ہیں جن کو آپ اوہام سے تعبیر کرتے ہیں، مگر ان میں یہ اوہام کیونکر پیدا ہوئے؟ اسی تکرار تجربہ سے انہوں نے کتنی دفعہ دیکھا کہ جب صبح کو فلاں پرندہ بولا یا اڑا تو فلاں بات ہو گئی، چند بار کے دیکھنے سے ان کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو گیا کہ اس کا یہ اثر ہے، حالانکہ معلوم ہے کہ اس پرندہ کے بولنے یا اڑنے اور اس بات کے ہونے کے درمیان کسی قسم کا تلازم نہیں ہے تاہم چونکہ ان کا یقین ان کے تجربہ پر مبنی ہے، اس لئے اس کے خلاف باور کرنا ان کے لئے اتنا ہی محال ہے، جتنا کہ آگ اور گرمی و سوزش کے درمیان تلازم اور ان دونوں کے درمیان علت و معلول پر عقیدہ رکھنے والوں کے لئے یہ تخیل کہ آگ موجود ہو اور اس سے گرمی و سوزش کا اثر ظاہر نہ ہو؛ جن ملکوں میں خچر نہیں ہوتے وہاں کے باشندے اپنے تجربہ کی بنا پر اس مسئلہ پر یقین کامل رکھتے ہیں کہ دو مختلف النوع جانوروں میں باہم توالد و تناسل نہیں ہو سکتا اور اگر اس کے خلاف ان کو یقین دلانا چاہیں کہ گھوڑے اور گدھے مل کر باہم اس فرض کو انجام دیتے ہیں اور اس سے خچر نام ایک تیسری نوع تیار ہوتی ہے تو اس کے تسلیم کرنے میں ان کو کسی قدر تامل ہوگا، لیکن کیا ان کا تامل ہندوستان و مصر میں مطابق واقعہ سمجھا جائے گا جہاں ہزاروں دفعہ یہ مشاہدہ ہو چکا ہے۔

اسباب و علل کا علم تجربہ سے ہوتا ہے

الغرض ہم جن کو اصول فطرت، نوامیس قدرت اور لاز آف نیچر کہتے ہیں وہ صرف روزمرہ کے مشاہدات عادیہ کے نام ہیں، ہم دیکھتے آئے ہیں کہ درخت کس طرح اگتے ہیں، جاندار موجودات کس طرح پیدا ہوتے ہیں، آفتاب کس طرح طلوع ہوتا ہے؟ پانی کس طرح برستا ہے، ان کو دیکھتے دیکھتے ہم اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ ہم ان کا اسی طرح ہونا ضروری اور اس کے خلاف ہونا محال قطعی سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دانہ زمین میں ڈالا جاتا ہے، کچھ دنوں کے بعد وہ پھوٹتا ہے اس میں کونپلیں نکل آتی ہیں، پھر وہ پودے کی شکل اختیار کرتا ہے شاخیں نکلتی ہیں اور بڑھ کر درخت ہو جاتا ہے، ایک قطرۂ آب خون اور خون سے گوشت بن جاتا ہے، اس میں رگیں پٹھے اور ہڈیاں پیدا ہو جاتی ہیں، دل و دماغ اور جگر و گردہ اپنی اپنی جگہ پر بن جاتے ہیں، پھر کہیں سے اس میں روح آ جاتی ہے، پھر اس آئینہ میں احساس و عقل جلوہ آرا ہوتی ہے، ایک مدت متعینہ کے بعد وہ پیدا ہوتا ہے جوان ہوتا ہے، اس طرز پیدائش کو دیکھتے دیکھتے حیرت زائی اور استعجاب اور استبعاد کی روح ہم سے بالکل فنا ہو گئی ہے اور ہم کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی غور نہیں کرتے کہ ایک جاندار و ذی عقل انسان کی صورت میں کیونکر بدل گیا لیکن ہمیں سے یہ کہا جاتا ہے کہ ایک بے جان لکڑی جاندار سانپ بن گئی اور عیسیٰ نام ایک بچہ بن باپ کے پیدا ہو گیا تو ہماری محدود عقل و تجربہ کا پر زور سر انکار سے ہلنے لگتا ہے، یہ کیوں؟ اس لئے کہ کبھی ہم نے ایسا ہوتے دیکھا نہیں آفتاب روز پورب سے طلوع ہوتا ہے اور پچھم میں جا کر غروب ہو جاتا ہے، ہم کو اس پر مطلق تعجب نہیں ہوتا اور نہ یہ تعجب

معلوم ہوتا ہے اور جب یہ سنتے ہیں کہ قیامت کے دن آفتاب پورب کے بجائے پچھم سے نکلے گا تو ہم اس کو خلاف عقل کہتے ہیں، کیا پورب سے اس کا نکلنا عقل کے موافق تھا، اور تم آفتاب کو اگر پورب سے نکلتے نہ دیکھتے تو خود بخود عقلا یہ فیصلہ کر لیتے کہ اس کو پورب ہی سے نکلنا چاہئے اور مغرب ہی میں ڈوبنا چاہئے، عموماً انسان کے ایک سر، دو آنکھیں، دو کان، دو ہاتھ اور دو پاؤں اور ہر ہاتھ پاؤں میں پانچ پانچ انگلیاں ہوتی ہیں، لیکن تاریخ طبعی انسانی کی کوئی کتاب پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ قدرت کے مستثنیات کی بھی کوئی انتہا نہیں اور سینکڑوں ہزاروں بچے اس کے خلاف پیدا ہوتے ہیں۔ اب جس طرح آپ اس پر اعتراض نہیں کرتے کہ انسان کے دو ہی ہاتھ اور دو ہی پاؤں کیوں ہوتے ہیں، اس پر بھی اعتراض نہیں کر سکتے کہ اس بچہ کے چار ہاتھ اور چار پاؤں کیوں ہیں اور جس طرح آپ کو اس بات پر حیرت نہیں ہوتی کہ آدمی جی کر مر کیوں جاتا ہے، ایسے ہی اس پر حیرت نہ کیجئے کہ مر کر جی کیونکر جاتا ہے، ان دونوں میں صرف یہ فرق ہے کہ ایک واقعہ کو آپ نے بار بار دیکھا ہے اور دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا، لیکن کسی چیز کا دیکھنا اور نہ دیکھنا کسی چیز کے فی نفسہٖ محال یا ممکن ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتی۔

حاصل یہ ہے کہ ہم کو معجزات کے متعلق جو استبعاد نظر آتا ہے، اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ وہ ہمارے گزشتہ مشاہدات و تجربات کے خلاف ہوتا ہے لیکن اس کا فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ اس کے گزشتہ مشاہدات اور تجربات میں غلطی کا ہونا یا اس میں انقلاب ہو جانا کچھ محال نہیں، طبعیات جدیدہ نے طبعیات قدیمہ کی تحقیقات کی دیوار ڈھا دی، حکمائے جدیدہ نے حکمائے قدیم کے سینکڑوں تجربات باطل کر دیئے، ہیئت قدیم اور ہیئت جدید میں آسمان اور زمین کا اختلاف پیدا ہو گیا، اختراعات جدیدہ نے سینکڑوں اور ہزاروں قدیم مستبعدات اور ممتنعات کو ممکن بلکہ واقعہ بنا دیا، جب ہمارے گزشتہ تجربات اور تحقیقات کا یہ حال ہے تو انسانی تحقیقات و تجربات کی آئندہ صحت کی کون ضمانت کر سکتا ہے، فلسفہ یونان پڑھ کر ہم یقین کرتے تھے کہ زمین ساکن اور آفتاب متحرک ہے، اب روز روشن کی طرح یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ آفتاب ساکن اور زمین متحرک ہے، اس لئے اگر کسی پیغمبر کی زبان سے اس وقت یہ خیال ادا ہوتا کہ زمین متحرک اور آفتاب ساکن ہے تو حکمت قدیمہ کی درسگاہ میں یہ خیال شاید جاہلانہ اور مضحکہ خیز سمجھا جاتا، پھر حکمت جدیدہ کے دانایان روزگار کو آج مذہب کی جو چیز مضحکہ انگیز نظر آتی ہے کیا معلوم کہ کل خود ان کی تحقیقات حکمت مستقبلہ کے مدرسہ میں قابل مضحکہ نہ ٹھہرے گی۔

الغرض صفحات بالا سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ بنی نوع انسان کے اصل سرمایۂ علم علل و معلول میں جو کچھ ہے وہ صرف ان کے تجربہ کی کمائی ہے اور اسی کی بنا پر استدلال تمثیلی کے طور پر وہ ایک چیز کو چند بار دیکھ کر اپنے ذہن میں ایک حکم کلی پیدا کر لیتے ہیں، مثلاً ایک سیب کو دیکھا، اس کی خوشبو کو سونگھا، اس کے مزہ کو چکھا، اب دوسرا سیب ہمارے سامنے آتا ہے، اس کی شکل و صورت اور رنگ کو دیکھ کر اس کی خوشبو کو سونگھ کر ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی سیب ہے اور اس کا مزہ ایسا ہوتا ہے اور پھر چند سیبوں کو دیکھ کر ہم یہ حکم لگا دیتے ہیں کہ ہر سیب ایسا ہوتا ہے اور اس کا یہ خاصہ اور اثر ہوتا ہے، اسی طرح ہم نے برف کو دیکھا، اس کی شکل و صورت، رنگ و مزہ اور ٹھنڈک کو محسوس کیا اور پھر کئی دفعہ اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہم نے ہر دفعہ پہلی برف کی شکل دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ یہ بھی برف ہے، اور ہر برف

ٹھنڈا ہوتا ہے، یہی حال اس قضیہ کا ہے کہ تیز آگ جلاتی ہے، اب غور کیجئے کہ آپ کے یہ قضایا جو محض استدلال تمثیلی کی بنیاد پر قائم ہیں، عقلاً کیونکر ناقابلِ شکست یقین بننے کا دعویٰ کر سکتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ آپ عادۃً اپنی عملی اور کاروباری دنیا کے لئے ان پر یقین کر کے جلبِ منافع اور دفعِ مضار میں ان سے کام لیں اور یہی علتِ عادیہ کی حقیقت و مصلحت ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کا بیان کہ اسباب و علل تجربی ہیں

ہم نے جس پیرواز پر مسئلہ علیت کی تشریح کی ہے یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے، علامہ ابن تیمیہؒ نے الرد علی المنطقیین میں جا بجا اس خیال کو ظاہر کیا ہے، چنانچہ ہم یہاں اس کی تلخیص اس لئے درج کرنا چاہتے ہیں کہ مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ ناظرین کے سامنے آجائے۔

"کھانے کے بعد آسودگی، پینے کے بعد سیری، بدیہی تجربات میں ہے، اسی طرح لذت وغیرہ کا احساس ہے کہ جب انسان اس کا احساس کرتا ہے تو اس کے بعد فوراً ایک اثر پاتا ہے، پھر جب بار بار اس شے کے احساس کے بعد وہی اثر پاتا ہے تو یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہی شے اس اثر کا سبب ہے اسی کا نام تجربیات ہے، قضایائے کلیہ کی اصل یہی تجربیات ہیں، تفصیل یہ ہے کہ مثلاً جب ایک شخص کسی دوا کو استعمال کرتا ہے اور یہ پاتا ہے کہ اس سے فلاں مرض دور ہو گیا یا فلاں قسم کا نقصان ہو گیا تو مرض کا اس سے پیدا ہو جانا یا زائل ہو جانا تجربہ ہے، یہی حال دیگر آلام و لذات کا ہے جو شمومات، مسموعات، مرئیات اور ملموسات سے حاصل ہوتا ہے، کیونکہ جب اس کو سونگھتا یا دیکھتا ہے یا سنتا یا چکھتا یا چھوتا ہے پھر نفس میں جو لذت کا احساس ہوتا ہے، وہ وجدانیات میں سے ہے جن کو حواسِ باطن سے دریافت کرتا ہے اس نفس میں جو اعتقادِ کلی قائم ہو جاتا ہے تو اس جنس کے ہر فرد سے لذت حاصل ہوتی ہے اور اس جنس کے ہر فرد سے الم حاصل ہوتا ہے وہ من قبیل تجربیات ہے کیونکہ حواسِ ظاہرہ و باطنہ سے شے کلی کا احساس نہیں ہو سکتا، حکمِ کلی کا جو اعتقاد نفس میں قائم ہو جاتا ہے وہ حس اور عقل کے مجموعہ سے ہوتا ہے اور اسی کا نام تجربیات ہے، مثلاً یہ اعتقاد کہ کھانے اور پینے کی چیزوں سے آسودگی اور سیری پیدا ہوتی ہے اور زہرِ قاتل کے استعمال سے آدمی مر جاتا ہے اور بیماری پیدا کرنے والے اسباب سے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے اور اس بیماری کا فلاں اسباب و ذرائع سے استیصال ہو جاتا ہے، یہ کل کے کل قضایائے تجربیہ ہیں، کیونکہ حس تو صرف جزئی اور شخصی چیزوں کا احساس کرتا ہے، لیکن جب ایک شے سے ایک ہی احساس بار بار ہوتا ہے تو عقل ادراک کرتی ہے کہ اس مشترک امر کی وجہ سے جو ان تمام افراد میں تجاربات پیدا ہوئی اور یہ چیز فلاں قسم کی لذت پیدا کرتی ہے اور اس شے سے فلاں قسم کی تکلیف پیدا ہوتی ہے یہی حال حدسیات کا ہے کہ ان کی جزئیات کا علم احساس سے ہوتا ہے، لیکن تکرار سے عقل قدرِ مشترک کا اندازہ لگا لیتی ہے، مثلاً جب چاند کی روشنی کا اختلاف آفتاب کے مقابلہ کے اختلاف سے دیکھتے ہیں تو گمان کر لیتے ہیں کہ چاند کی روشنی آفتاب سے حاصل ہوتی ہے یا یہ دیکھتے ہیں کہ ثوابت کی حرکت میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور وہ سب ایک ساتھ حرکت کرتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ ان کا فلک ایک ہے، اسی طرح جب سبع سیارہ کے اختلافِ حرکات کو دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہر سیارہ کا فلک دوسرے سے مختلف ہے۔"

قیاس کی بحث میں علامہ ممدوحؒ کہتے ہیں۔

"فلاسفہ نے یقینیات کو صرف چند قضایا میں محدود کر دیا ہے جن میں سے ایک حسیات ہیں، حالانکہ یہ معلوم ہے کہ حس سے ہرگز کسی عام اور کلی شے کا ادراک نہیں ہو سکتا، اس لئے فقط حسیات سے کوئی قضیہ کلیہ عامہ نہیں بن سکتا جو برہانِ یقینی کا کوئی جزو بن سکے، مثلاً اہلِ منطق کہتے ہیں کہ آگ جلاتی ہے، حالانکہ اس قضیہ کی عمومیت اور کلیت کا علم تجربہ اور عادت سے ہوا ہے جو قیاسِ تمثیلی کی ایک قسم ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس کا علم اس طرح ہوا کہ آگ میں جلانے والی قوت موجود ہوتی ہے تو یہ علم بھی کہ ہر آگ میں یہ قوت موجود ہوتی ہے ایک حکمِ کلی ہے جو احساس سے نہیں ثابت ہو سکتا اور اگر یہ کہا جائے کہ ضروری ہے کہ آگ کی صورتِ نوعیہ میں یہ قوت موجود ہو اور جس میں یہ قوت موجود نہ ہوگی وہ آگ نہ ہوگی تو یہ دعویٰ اگر صحیح بھی ہو تو مفیدِ یقین نہیں کیونکہ یہ قضیہ کہ جس شے میں یہ قوت ہوتی ہے وہ جلاتی ہے اس میں تمثیل شمول، عادت اور استقرائے ناقص کو دخل ہے اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آگ ہر شے کو جو اُس کے اندر پڑتی ہے جلا دیتی ہے، وہ غلطی کرتا ہے، کیونکہ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس شے میں جلنے کی قابلیت ہو ورنہ وہ ہر شے کو نہیں جلا سکتی جس طرح پتھر اور یاقوت کو نہیں جلا سکتی یا ان اجسام کو نہیں جلا سکتی جن میں مانعِ آتش دوا تیر لگا دی گئی ہوں، خرقِ عادت کی بحث کا مقام دوسرا ہے، بہرحال قضایائے حسیہ میں کوئی کلیہ ایسا نہیں ہے جس کا نقض نہ ہو سکے اور درحقیقت قضیہ کلیہ حسیہ ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ قضیہ حسیہ مثلاً "یہ آگ جلاتی ہے" اس میں حس صرف ایک خاص چیز کا ادراک کرتی ہے، حکمِ کلی جو عقل لگا دیتی ہے تو فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ نفس ان خاص افراد اور مثالوں کے دیکھنے کے بعد اپنے میں یہ استعداد پیدا کر لیتا ہے کہ اس کے اندر یہ الہام پیدا ہو جائے کہ ہر آگ جلاتی ہے اور یہی حکمِ کلی ہے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بھی قیاسِ تمثیلی ہی ہے اور اس کی علیت اور عمومیت پر اس وقت تک وثوق نہیں کیا جا سکتا جب تک یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم تمام افراد میں مشترک ہے اور یہ اسی وقت تک ممکن ہے جب تمام افراد کا تجربہ کر لیا جائے پھر بھی قضایائے عادیہ میں سے کوئی قضیہ ایسا نہیں ہے جس کا ٹوٹنا باتفاقِ عقلاء جائز نہ ہو، بلکہ فلاسفہ تک خرقِ عادت کو جائز سمجھتے ہیں مگر وہ اس کے لئے فلکی طبعی اور نفسیاتی اسباب بیان کرتے ہیں اور ان ہی تینوں اسباب کی طرف خرقِ عادت کو منسوب کرتے ہیں اور اسی سے انبیاء کے معجزات، اولیا کی کرامات اور سحر وغیرہ کو ثابت کرتے ہیں۔"

اسی قیاس کے بحث کے آغاز میں علامہ ممدوحؒ لکھتے ہیں۔

"اور یہی حال تجربیات کا ہے، لوگوں نے عموماً تجربہ کیا ہے کہ پانی پینے سے سیری ہوتی ہے اور گلا کٹ جانے سے آدمی مر جاتا ہے اور ضربِ شدید سے تکلیف ہوتی ہے، ان تمام قضیوں کا علم محض تجربہ کی بنا پر ہے، کیونکہ حس نے ایک خاص سیری کا ادراک کیا ہے اور گلا کٹنے سے ایک خاص شخص کو مرتے دیکھا ہے اور مارنے سے تکلیف ایک خاص شخص نے محسوس کی ہے، اب یہ حکم کہ جو شخص ایسا کرے گا یہ خاص اثر پیدا ہوگا تو یہ قضیہ کلیہ حس سے نہیں معلوم ہوگا بلکہ اس کے ساتھ حکمِ عقلی کا لگاؤ بھی ہے۔ تجربہ سے جو اثر معین کسی شے معین میں معلوم ہوتا ہے اس کی نسبت یہ دیکھتا ہے کہ اس شے معین میں اور اس کے اثرِ معین میں ایک خاص تلازم ہے اور اس سے عادتِ مستمرہ

کا علم ہوتا ہے، خصوصاً جب ان دونوں کے درمیان کسی مناسبت کا بھی شعور ہو جاتے اور یہ ثابت ہو جائے کہ جہاں وہ شے بھی پائی جاتی ہے وہاں یہ اثر بھی پایا جاتا ہے اور جہاں وہ اثر پایا جاتا ہے وہاں وہ شے بھی پائی جاتی ہے اور نیز یہ کہ جہاں وہ شے نہیں پائی جاتی وہ اثر بھی نہیں پایا جاتا اور جہاں وہ اثر نہیں پایا جاتا وہاں وہ شے بھی نہیں پائی جاتی، اب جس قدر اس لزوم میں ظنیت پائی جائے گی اسی قدر علیت کا اعتقاد بھی ظنی ہوگا اور جس قدر اس لزوم میں قطعیت ہوگی اسی قدر لزوم کے اعتقاد میں قطعیت ہوگی اور یہی قضایائے عادیہ ہیں جیسے طب کے تجربیات وغیرہ یا یہ علم کہ روٹی کھانے سے آسودگی اور پانی پینے سے سیری ہوتی ہے اور کپڑے پہننے سے بدن میں گرمی اور برہنگی سے بدن میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے ..... پس تجربیات سے علم حاصل ہونے کا سبب ایک شے کا دوسری شے کے بعد بھنے سے اور تکرار اثر سے پیدا ہوتا ہے۔"

تجربیات کی بنا شہادت اور روایت اور تاریخ پر ہے

غرض ان مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ اشیاء کے خواص اور موجودات کے اسباب کا علم کو محض تجربہ سے حاصل ہوا ہے۔ اب یہاں یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ کیا تجربی یقین کے پیدا ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ خود اس یقین کرنے والے نے اس کا تجربہ کیا ہو، ہم دنیا میں ہزاروں تجربی مسائل پر یقین رکھتے ہیں مگر ان میں سے بہت کم ہمارے ذاتی تجربہ میں آتے ہیں۔ طبیعیات، کیمیائیات، طبیات، فلکیات، ارضیات کی ہزاروں باتیں ہیں جن پر ہم یقین رکھتے ہیں مگر ہمارے ذاتی تجربہ میں بہت کم آئی ہیں، اگر آپ یہ کہیں کہ گو وہ ہمارے ذاتی تجربہ میں نہیں آئی ہیں لیکن ان علوم کے ماہرین نے ان کا تجربہ کیا ہے اور ہم کو ان کی شہادت کا اس لئے یقین ہے کہ وہ اپنے اپنے علوم میں کامل دست گاہ رکھتے تھے اور اپنے ذاتی تجربوں کو انہوں نے اپنی تصنیفات میں لکھ دیا ہے تو گویا آپ نے قبول کر لیا کہ دوسروں کے تجربیات بھی مفید یقین ہیں بشرطیکہ خود ان تجربہ کرنے والے علماء پر ان کو وثوق ہو اور ان کے تجربیات صحیح و مستند شہادتوں اور واسطوں سے آپ تک پہنچیں۔

دنیا کے واقعات کا سب سے بڑا دفتر تاریخ ہے جو عہد ماضی کی ظلمت میں ہمارے لئے چراغ راہ ہے اور اس چراغ میں تیل کون برابر ڈالتا جاتا ہے کہ یہ بجھتا نہیں، وہ راویان اخبار اور ناقلان حکایات ہیں جو ایک عہد سے دوسرے عہد تک اس کو روشن کرتے چلے جاتے ہیں، اگر یہ سلسلہ روایت کہیں منقطع ہو جاتے تو عہد ماضی کی دنیا بھی عالم مستقبل کی طرح تیرہ و تار ہو جائے۔ لیکن تاریخ کی ہر شہادت آسانی کے ساتھ قبول نہیں کر لی جاتی بلکہ اس کے لئے چشم دید گواہوں کا وجود، ان کی صداقت اور راست شعاری اور پھر اس کے بعد بیچ کے واسطوں کی سچائی اور راست گفتاری اور عدم فریب کے ثبوت کی بھی ضرورت ہے، لیکن اگر یہ شرائط پورے پورے ہو جائیں تو روایات منقولہ کی صداقت میں کسی کو شک نہ ہونا چاہیے۔

فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں

حقیقت میں فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں، فلسفہ تو اشخاص یا جماعتوں کے منتظم خیالات کی اور سائنس کائنات فطرت کے تجربی اکتشافات کی تاریخ ہے۔ فلسفہ کی درسگاہ کا ہر پروفیسر نہایت وثوق سے یہ کہتا ہے کہ اس مسئلہ میں

یونان، اسلام اور یورپ کے فلاں فلاں اساطین فلسفہ کی یہ رائیں ہیں، کیا اس وثوق کی بنیاد صرف شہادت تاریخی پر نہیں ہے؟ آغاز آفرینش سے لے کر اس وقت تک دنیائے انسانی نے علم و اکتشاف، تجربہ و دانش کا جو سرمایہ جمع کیا ہے کیا وہ بجز شہادت تاریخی کے کسی اور طریقہ سے حاصل ہوا یا ہو سکتا ہے؟ یا آئندہ ہوگا، آپ یقین رکھتے ہیں کہ جسم بہتر بسیط عنصروں سے مرکب ہے، ہائیڈروجن اور آکسیجن پانی کے دو جزو ہیں، سنکھیا کے استعمال سے آدمی مر جاتا ہے، مگر ان میں سے ایک بات بھی آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے، البتہ چونکہ صحیح اور مستند ذریعوں سے آپ تک یہ تحقیقات پہنچی ہیں اس لئے آپ ان کو باور کرتے ہیں، لندن اور پیرس کو آپ نے خود نہیں دیکھا، لیکن باایں ہمہ آپ کو ان شہروں کے وجود میں شک نہیں، مگر کوہ قاف کے پرستان کے وجود پر آپ کو یقین نہیں، اس لئے کہ پہلے دو شہروں کے وجود کی خبر آپ نے بکثرت لوگوں سے اور ایسے ثقہ اور مستند لوگوں سے سنی ہے کہ آپ اس میں شک نہیں کر سکتے، لیکن کوہ قاف کے پرستان کے عینی شاہدوں تک آپ کا سلسلہ روایت صحیح اور مستند ذریعہ سے نہیں پہنچا ہے، اس لئے آپ کو اس کے وجود میں بہت حد تک شک ہے، اسی طرح ہیئت و فلکیات کے اکثر مسائل مثلاً ستاروں کی چالیں خاص ستاروں کا طلوع و غروب وغیرہ کسی نہ کسی ہیئت دان اور فلکی کا مشاہدہ ہے اور صدیوں کے مشاہدات یکجا ہو کر آپ کے سامنے ہیئت و فلکیات کا ناقابل انکار دفتر بن کر آتا ہے مگر غور کیجئے کہ اس دفتر بے پایاں کا ہر ایک مشاہدہ بجز تاریخی روایت و شہادت کے کسی اور طریقہ سے پہنچا ہے یا پہنچ سکتا ہے؟

آپ کہتے ہیں کہ آگ جلاتی ہے، برف ٹھنڈک پہنچاتی ہے، آفتاب روشن ہے، پتھر سخت ہے، کھانے سے سیری ہوتی ہے، چوٹ سے تکلیف ہوتی ہے، غرض تمام قضایائے تجربیہ جن پر علوم و فنون کی بنیاد قائم ہے اور جن کی عمومیت و کلیت کا آپ کو یقین یا ظن غالب ہے، ان کی اس کلیت اور عمومیت کا یقین یا غلبۂ ظن صرف آپ ہی کی ذاتی تجربہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر قضیہ کی عمومیت اور کلیت کے بنانے میں آپ کے سوا اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں اور بیسیوں نسلوں کے مشاہدات کو دخل ہے اور یہ مشاہدات آپ تک تحریری یا زبانی تاریخی شہادتوں کے ذریعے سے پہنچے ہیں تب جا کر وہ انسانی مسلمات میں داخل ہوئے ہیں۔

تاریخی شہادتوں کے لئے شرائط استشہاد

لیکن کسی تاریخی شہادت کے مستند ہونے پر آپ کچھ قیود بھی عائد کرتے ہیں مثلاً یہ کہ اخیر راوی چشم دید گواہ ہو یعنی یہ کہ وہ واقعہ کے وقت مقام واقعہ پر حاضر ہو اور خود اس کا بلاواسطہ ذاتی علم حاصل کیا ہو، وہ راست گفتار ہو، اس کا حافظہ صحیح اور درست ہو، فریبی اور جھوٹا نہ ہو، اسی طرح آغاز سلسلہ روایت سے لے کر آخر تک بیچ کا ہر راوی بھی انہی صفات سے متصف ہو، جہاں تک ان صفات میں ترقی ہوگی، واقعہ کے متعلق آپ کے علم و اذعان میں بھی ترقی ہوگی اور جہاں تک ان میں کمی ہوگی، آپ کے علم و اذعان میں بھی کمی ہوگی۔

مسلمانوں کا علم روایت

اب مسلمانوں کے علم اخبار یا علم نقل و روایت یعنی اصول حدیث پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ بعینہ یہی اصول انہوں نے ہر روایتی شہادت کے قبول کرنے کے لئے مقرر کیا ہے، سلسلہ روایت کے ان اوصاف میں جس قدر بھی نقص ہوگا، اس جزو واقعہ کے علم و اذعان میں بھی اسی قدر نقص

ان کے نزدیک پیدا ہوگا۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی طرف جس قدر بھی صحیح و مستند معجزات منسوب ہیں، ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کی صداقت کو اس اصول پر پرکھ نہ لیا گیا ہو، ہیوم نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "فہم انسانی" میں جہاں معجزات پر بحث کی ہے، انجیل کے بیان کردہ معجزات کی نسبت وہ اس لئے بے اعتباری ظاہر کرتا ہے کہ مصنفین انجیل جو ان واقعات کے راوی اول ہیں ان میں سے کوئی واقعہ کا چشم دید گواہ نہیں ہے، لیکن ہیوم کو اگر اسلامی طرزِ روایت و اصولِ حدیث کی احتیاطوں سے آگاہی ہوتی تو کبھی اسلام کے معجزات کی نسبت اس بے اعتباری کا اس کو موقع نہ ملتا۔

صحیح معجزات نبوی کے پہلے رواۃ یعنی وہ صحابہ کرام جو واقعات کے چشم دید گواہ ہیں، صدق مقال اور راست گفتاری پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے اور ان کی عقل، رزانت اور متانتِ رائے پر ان کے کارنامے شاہد عدل ہیں بیچ کے رواۃ وہ محدثین عظام ہیں جن کی سچائی، راستی اور حفظ و فہم پر اسمائے رجال کے اوراق کی مہریں ثبت ہیں، پیغمبر اسلام علیہ السلام نے علی رؤس الاشہاد کہا اور بار بار کہا کہ "جو شخص میری طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے" صحابہ کا یہ حال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی خبر کو بیان کرتے ہوئے کانپ جاتے تھے، بیچ کے ثقہ اور مستند رواۃ بھی انتہائی انسانی احتیاط سے کام لیتے تھے، اس پر بھی ان کی تمام روایات کا درجہ یکساں نہیں ہے۔

اگر روایت کے ہر دور میں راویوں کی تعداد کثیر شریک ہو تو اس کو خبر متواتر کہتے ہیں اور اگر ہر دور میں گو تعداد کثیر نہ ہو لیکن دو یا دو سے زیادہ ہوں تو وہ مستفیض اور مشہور ہے اور اگر کسی دور میں ایک ہی راوی رہ گیا ہو تو اس خبر کو خبرِ احاد کہتے ہیں، معجزاتِ نبوی مختلف طرق سے مروی ہیں؛ ور اسی کے اعتبار سے ان کی صحتِ بیان کا درجہ ہے، یہ سچ ہے کہ بعد کے لوگوں نے آپ کی طرف بہت سے ایسے معجزات منسوب کر دیئے ہیں جو صحیح نہیں ہیں لیکن ہمارے محدثین نے نہایت جانفشانی اور دیانتداری سے ان روایات کو معیار پر پرکھ پرکھ کر الگ کر دیا ہے اور اس کتاب کی جلد اول کے مقدمہ میں تمام و کمال بحث موجود ہے۔ معجزات کے ثبوت پر یہ طرزِ استدلال گو عجیب ہے لیکن غلط نہیں، دنیا میں ہر واقعہ کے ثبوت کا یہی طریقہ ہے اور وہی اس باب میں بھی کار آمد ہے، یہ کیسی زبردستی ہے کہ جس طرزِ استدلال پر دنیائے یقین کا عملی کاروبار چل رہا ہے، اس کو اگر مذہب استعمال کرے تو مدعیانِ عقل کی جبینِ متانت پر بل پڑ جاتے ہیں۔

نادیدہ واقعات پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف روایات کی شہادت ہے

دنیا میں جو واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے اس کے علم کے دو ہی طریقے ہیں، یا تو انسان اس واقعہ کے وقت موجود ہوگا یا موجود نہ ہوگا، پہلی صورت میں اس کا علم، اس کے احساس و مشاہدہ پر موقوف ہے اور وہ روایت کے تمام جھگڑوں سے بے نیاز ہے جیسے کہ ان صحابہ کا اس معجزہ کے متعلق علم جو ان کے سامنے ظاہر ہوا، اور دوسری صورت میں اس واقعہ کا علم صرف روایت سے ہو سکتا ہے اور اس کے سوا کوئی ذریعۂ علم اس کے لئے دنیا میں موجود نہیں ہے، آپ کا فرض صرف اس قدر ہے کہ روایت کی اچھی طرح تنقید کر لیجئے اور جس طرح

دنیا کے دوسرے عملی کاروبار میں واقعات پر یقین کرنے کے ذرائع استعمال میں ہیں، اس باب میں بھی ان ہی کو استعمال کیجئے، عقلی احتمالات اور ذہنی شبہات کی کوئی حد نہیں ہے، مگر کبھی روزمرہ کے معاملات میں وہ آپ کے یقین کے سدِّ راہ نہیں ہوتے۔

خبر احاد پر بھی عقلاً یقین ہوتا ہے

متواتر، مشہور اور مستفیض خبروں کو چھوڑ کر خبر احاد تک پر آپ روزانہ یقین کرتے ہیں۔ خطوط، تار، اخبارات آج کل کی زندگی کا جز ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر آپ کو کامل وثوق ہے۔ رائٹر ایجنسی کے تاروں اور سنجیدہ اخباروں کے کالموں میں عجیب سے عجیب حیرت افزا واقعات و ایجادات و طبی علاجات عموماً بیان ہوتے رہتے ہیں اور لوگ ان کو تسلیم کر لیتے ہیں، آج تمام تجارت کا دارومدار انہی تاروں پر ہے، یہ شدید مالی خطرات کا موقع ہے مگر ہر بیوپاری اور تاجر بخوشی اس خبرِ احاد کو یقین کر لیتا ہے اور اپنی تمام دولت اس کے نذر کر دیتا ہے اور کبھی یہ عقلی مباحث اور شکوک نہیں پیش کرتا کہ ممکن ہے کسی نے غلط کہا ہو ممکن ہے غلط لکھا گیا ہو، ممکن ہے نامہ نگار جھوٹ بولتا ہو، ممکن ہے کاتب نے خود گھڑ کر لکھ دیا ہو، یہ تمام احتمالات عقلاً قائم ہو سکتے ہیں مگر عملی یقین پر ان احتمالات کا مطلق اثر نہیں پڑتا۔

ہم شفاخانوں میں جاتے ہیں اور عطاروں اور کمپونڈروں سے دوائیں لے کر باطمینان تمام ان کو استعمال کرتے ہیں، حالانکہ معلوم ہے کہ ان شفاخانوں میں اکسیر اور سنکھیا دونوں کی بوتلیں پہلو بہ پہلو رکھی ہیں، ممکن ہے کہ تنہا دوا بنانے والے کی یہ اطلاع کہ یہ دوا تمہارے نسخہ کے مطابق ہے غلط ہو اور اس لئے اس کے استعمال سے احتراز لازم ہے مگر کبھی یہ خدشہ ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آتا اور ہم بخوشی اپنی جان کو خبر احاد کے یقین کی نذر کر دیتے ہیں، پھر معجزات اور مذہب ہی کے باب میں شہادت کے مسئلہ پر تمام عقلی احتمالات اور شکوک کا ازالہ ضروری کیوں تصور کیا جاتا ہے۔

واقعات پر یقین کیلئے اصلی بنیاد امکان اور عدم امکان کی بحث نہیں بلکہ روایت کے ثبوت اور عدم ثبوت کی ہے

آج کل مغربی علم تاریخ اور فن روایت کا بڑا کارنامہ یہ اصول سمجھا جاتا ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو سب سے پہلے اس پر غور کرو کہ کیا وہ ممکن بھی ہے؟ اور جب یہ طے ہو جائے تو روایت کے دوسرے پہلوؤں پر غور کرنا چاہیئے، لیکن یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے تمام واقعی علوم؛ ہمارے تجربہ اور روایات ہی پر مبنی ہیں، اس لئے کسی شے کے ممکن اور ناممکن ہونے کا فیصلہ محض مشاہدہ کی تحقیق پر ہی مبنی ہے، اس لئے علم تاریخ اور فن روایت کی بنیاد اس کے امکان اور عدم امکان کی بحث پر قائم نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہمارے علمائے اصول نے بتایا ہے صرف اس پر قائم ہے کہ آیا یہ واقعہ روایۃً صحیح بھی ہے یا نہیں؟

جس درجہ کا واقعہ ہو اُسی درجہ کی شہادت ہونی چاہیئے

ہم کو اس اصول کی صحت سے انکار نہیں ہے کہ جس درجہ کا واقعہ ہو اسی درجہ کی شہادت بھی ہونی چاہیئے لیکن درجہ نام کمیتِ اشخاص سے زیادہ کیفیتِ اشخاص کا ہے، ایک واقعہ کو چند آدمی بیان کرتے ہیں مگر ان کی راست گفتاری معرضِ بحث میں ہے لیکن ایک ایسا شخص اس کے خلاف اپنی روایت بیان کرتا ہے جس کی صداقت مسلم ہے جس کی راست گفتاری کا بار بار تجربہ ہو چکا ہے، جس کی سمجھ، حافظہ اور وثوق کا ہم کو علم ہے اور جس کی دوسری اخلاقی صفات کا

کا روایت پر اثر پڑتا ہے، نہایت بلند ہیں تو ظاہر ہے کہ واقعہ کی حیثیت سے دوسری شہادت، پہلی شہادت سے زیادہ قابلِ قبول ہے، راویوں کی ان صفات کی واقفیت کا روایاتِ اسلامیہ کے سوا دنیا میں کسی اور قوم و مذہب کی روایات کے متعلق کوئی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، اس لئے دنیا کے اور مذاہب اور قوموں کی روایات کے مقابلہ میں اسلامی روایات کی ایک خاص اہمیت ہے۔

معجزات دراصل تجربیات کے خلاف نہیں ہوتے

اس موقع پر ایک اور مسئلہ کو بھی صاف کرنا ہے عام طور سے معجزات کی شہادت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ معجزہ کی شہادت سینکڑوں، ہزاروں شہادتوں کے خلاف ہوتی ہے اس لئے وہ ناقابلِ یقین ہے، یہ حقیقت میں ایک قسم کا مغالطہ ہے، ہزاروں لاکھوں شہادتیں اس بات کی بے شک ہیں کہ آگ نے فلاں فلاں موقع پر جلایا، اب جو شخص ایک معجزہ کو بیان کرتا ہے کہ فلاں موقع پر آگ نے نہیں جلایا تو یہ شہادت ان ہزاروں لاکھوں شہادتوں کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ان سے الگ ایک واقعہ ہے، اس روایت سے ان لاکھوں ہزاروں شہادتوں کی مخالفت اور انکار اس وقت لازم آتا کہ جن موقعوں کے متعلق یہ کثیر التعداد شہادتیں اپنا مشاہدہ بیان کرتی ہیں، ان کی تکذیب و تغلیط کی جاتی، دو شہادتوں کی باہمی ترجیح کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دونوں ایک ہی خاص واقعہ کو مختلف نتیجوں کے ساتھ بیان کریں اور یہاں یہ صورت نہیں ہے، جن آگوں کے جلانے کے متعلق سینکڑوں شہادتیں موجود ہیں، معجزہ کا راوی ان کی تغلیط و تکذیب نہیں کرتا بلکہ ایک خاص آگ کی نسبت اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے، جن کے متعلق ان کو نفیاً یا اثباتاً کوئی علم نہیں، مثلاً ایک طرف ایک شخص کی تنہا یہ شہادت ہوتی کہ پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھوں سے پانی کا چشمہ اُبلنے لگا، دوسری طرف سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کی یہ شہادت ہوتی کہ نہیں ایسا واقعہ نہیں ہوا، تو بے شک اس موقع پر دوسری شہادت کو پہلی شہادت پر ترجیح دی جاسکتی اور تمام مسلمان اس کے لئے تیار ہیں کہ اگر کسی معجزۂ نبوی کے متعلق اس قسم کی مخالف شہادت موجود ہو تو وہ اس معجزہ کو صحیح معجزاتِ نبوی کی فہرست سے خارج کر دیں گے۔

معجزات کا ثبوت روایتی شہادتیں ہیں

الغرض معجزہ کی شہادت کے متعلق اصل بحث یہ نہیں کہ وہ ممکن ہے یا ناممکن بلکہ اصل بحث یہ ہے کہ یہ شہادت کس درجہ کی ہے؟ اور اس کے رواۃ کی صحیح البیانی کا کیا پایہ ہے؟ اس کے لئے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی راستی، دیانت، صدق مقال اور ان کی اخلاقی زندگی کے دیگر پہلوؤں کے مطالعہ کی حاجت ہے اور یہی شے ہے جو معجزات کی شہادت کو طاقتور یا کمزور بنا سکتی ہے اور یہی ہمارے محدثین اور اہلِ اصول کا قانونِ شہادت ہے اور اسی طریق سے اہلسنت والجماعت معجزہ کو ثابت کرتے ہیں۔ علامہ ابو منصور عبدالقادر بغدادی اشعری کتاب الفرق میں اہلِ سنت کا مسلک لکھتے ہیں۔

وبهذا النوع من الاخبار المستفيض علمنا معجزة نبينا صلی اللہ علیہ وسلم فی انشقاق القمر وتسبيح الحصا فی يده وحنين الجذع اليه لما فارقه واشباعه الخلق الكثير من الطعام اليسير ونحو ذلك من معجزاته (ص ۳۱۳ مصر)

اسی خبرِ مشہور کے ذریعہ سے ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو جانا، مثلاً شق قمر، دستِ مبارک میں کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، شاخِ خرما کا گریہ و بکا کرنا اور تھوڑے کھانے سے بہت سے لوگوں کو سیر کر دینا وغیرہ۔

خلاصۂ مباحث

گزشتہ صفحات میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ حسبِ ذیل سطروں میں کیا جاسکتا ہے۔

(۱) معجزہ خرقِ عادت اور قاعدۂ علت و معلول کی اتفاقی شکست کا نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے کسی پیغمبر کی سچائی کی نشانی کے طور پر لوگوں میں ظاہر کرتی ہے۔

(۲) خرقِ عادت اور قاعدۂ علت و معلول کی شکست ممکن بلکہ واقع ہے۔

(۳) کیونکہ عاداتِ طبعی اور سلسلۂ علل و معلول کا علم ہم کو تجربہ سے ہوا ہے۔

(۴) اور تجربہ سے جو علم حاصل ہو اس کی کلیت اور عمومیتِ عقلی کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، اس لئے اس سے معجزہ کے محال ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

(۵) تجربہ کی بنیاد ذاتی مشاہدہ یا دوسرے مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر ہے۔

(۶) اس لئے معجزہ کا ثبوت ذاتی مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر مبنی ہے۔

(۷) اسلامی روایات اور صحیح معجزاتِ نبوی کی شہادت اس قدر بلند ہے کہ دنیا کی کوئی تاریخی روایت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اس سے معجزات اور خوارقِ عادات کا قوی ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

یقینِ معجزات کے اصولِ نفسی

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خطاب فلسفہ اور منطق سے تھا، لیکن ظاہر ہے کہ عملی دنیا کا کاروبار ارسطو کے بنائے ہوئے اصول و قواعد پر نہیں چل رہا ہے بلکہ خالقِ فطرت اپنے وضع کردہ اصول و قواعد پر اس کو چلا رہا ہے، واقعات کسی حد تک تعجب انگیز اور دور از عقل ہوں تاہم انسانوں کی بڑی تعداد دلیل و برہانِ منطقی کے بغیر صدقِ دل سے ان پر یقین رکھتی ہے، کسی واقعہ پر یقین رکھنے کے لئے اس کا فہم انسانی میں آجانا اور عقل و استدلال کی میزان میں اس کا پورا اتر جانا ضروری نہیں ہے، ایک طبعی فلسفی سے لے کر عامی تک مادہ کے وجود پر یقین رکھتا ہے، حالانکہ استدلال سے اس کا وجود ثابت نہیں کیا جاسکتا، یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک واقعہ کی جب روایت کی جاتی ہے تو کچھ لوگ بے دلیل اس کو فوراً تسلیم کرتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ استدلال اور برہان کے باوجود اس کے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے، اگر استدلال کی قوت سے وہ خاموش بھی ہو جائیں تو ان کے دل کو تسلی نہیں ہوتی، جو اشخاص کسی جماعت یا ملک کے اندر کام کرتے ہیں ان کی سچائی اور خلوص و ایثار کے متعلق سب لوگوں کی رائے برابر نہیں ہوتی، ایک جماعت جس زور و قوت سے ان کے صدق و اخلاص پر ایمان رکھتی ہے، دوسری جماعت اسی زور و قوت کے ساتھ ان کو خائن اور ریاکار جانتی ہے، حالانکہ دونوں کے سامنے اُن کے اعمال کا ایک ہی نقشہ پیش رہتا ہے، مگر نتائج مختلف ہوتے ہیں اور دو میں سے کوئی اپنے دعویٰ پر کھلے دلائل نہیں رکھتا، اس لئے ایمان و کفر اور یقین و شک کے وجوہ منطقی طرزِ استدلال سے نہیں بلکہ زیادہ تر نفسیاتی اصول و قواعد سے ماخوذ ہیں۔

امام غزالیؒ اور یقین اور اذعان کی صورتیں

امام غزالیؒ نے الجام العوام[1] میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ واقعات کا اذعان اور یقین ہمارے اندر کیونکر پیدا ہوتا ہے

[1] الجام العوام عن علم الکلام ص ۹۰ مصر۔

وہ کہتے ہیں کہ عام مسلمانوں کو علم کلام کی ضرورت نہیں، لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ ہم کو خدا نے اپنی توحید و صفات وغیرہ پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے اور یہ باتیں بدیہی نہیں کہ ان کے لئے دلائل کی ضرورت نہ ہو، اسی طرح ہم کو پیغمبر کی تصدیق کی ضرورت ہے اور یہ تصدیق مسئلہ معجزات پر غور و فکر کئے اور معجزہ کی حقیقت اور شرائط کے جانے بغیر ممکن ہی نہیں اس بنا پر علم کلام کی اشد ضرورت ہے، تو امام صاحب اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ عام مخلوق کو صرف ان چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے اور ایمان اس یقین جازم کا نام ہے جس میں تردد اور شک نہ ہو اور اس میں خطا اور غلطی کا خیال اس کو نہ ہو، اس یقین جازم کے چھ درجے ہیں جو چھ مختلف طریقوں سے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) پہلا درجہ اس یقین کا ہے جو ایسے دلائل سے حاصل ہو، جن میں برہان کے تمام منطقیانہ شرائط ایک ایک کر کے پائے جائیں اور ان دلائل کے مقدمات کا ایک ایک حرف اچھی طرح جانچ لیا گیا ہو، یہاں تک کہ کسی میں شک و شبہ اور غلطی و التباس کا احتمال نہ رہا ہو، اس اصول کے مطابق تو بہت کم لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جن کو یقین کا یہ مرتبہ نصیب ہو سکے، بلکہ ہر زمانہ میں ایک دو آدمی سے زیادہ اس معیار پر پورے نہیں اتر سکتے، اگر نجات صرف اسی یقین پر منحصر ہو تو نجات پانے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہوگی، بلکہ انسانوں کے لئے دنیا کے واقعات پر یقین کرنے کی بہت کم گنجائش نکل سکے گی اور شاید ریاضیات کے علاوہ کہیں اور اس صورت یقین کا پیدا کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان مسلّمات سے یقین حاصل ہو جن کو عام طور سے لوگ مانتے ہیں اور ارباب عقل کے حلقوں میں وہ مقبول و مشہور ہیں، جن میں شک کا اظہار کرنا لوگ معیوب سمجھتے ہیں اور نفوس انسانی ان کے انکار سے ابا کرتے ہیں، ان مقدمات سے استدلال بعض لوگوں میں ایسا یقین جازم پیدا کرتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا تزلزل راہ نہیں پاسکتا۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ ان خطابیات کے ذریعہ سے یقین پیدا کیا جائے جن کو لوگ عام بول چال اور عملی کاروبار میں استعمال کیا کرتے ہیں اور عادۃً ان کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اگر طبع انسانی میں خاص طور سے اس مسئلہ کی طرف غیر معمولی انکار یا شدید تعصب نہ ہو اور سامع میں تشکیک، مناظرہ اور خواہ مخواہ کرید اور حجت کی عادت نہ ہو اور اس کی ظرف فطرت صالحہ سادہ اور صاف ہو تو اس طریقہ سے اکثر افراد انسانی کو یقین کی دولت ہاتھ آسکتی ہے اور اسی لئے قرآن مجید نے اس طرز استدلال سے اکثر کام لیا ہے۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ جس شخص کی دیانت اور ایمانداری پر یقین ہو اور اس پر کامل اعتقاد ہو، بکثرت لوگ اس کے مداح ہوں یا تم خود اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر اس کی ہر بات کو صحیح باور کرتے ہو تو اس کا کہنا تمہارے اندر یقین پیدا کر دیتا ہے جیسے اپنے بزرگوں اور استادوں اور مرشدوں کے بیان کا لوگ حرف بحرف یقین کر لیتے ہیں ایک بڑا شخص کسی کی موت کی خبر دیتا ہے تو ہر شخص اس کو باور کر لیتا ہے، اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی کی سچائی اور پاکیزگی اور زہد و تقویٰ کا یقین ہو جائے تو وہ بلا پس و پیش اس کی ہر بات کو صحیح تسلیم کرلے گا، چنانچہ حضرت صدیق ؓ اور اکابر صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو حسن اعتقاد تھا وہ اسی قسم کا تھا اس لئے آپ جو کچھ فرماتے تھے ان کو اس کے باور کرنے میں کسی دلیل و برہان کی حاجت نہ تھی۔

(۵) حصول یقین کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ روایت کی صورت حال کی ایسے دوسرے قرائن سے تصدیق ہو جن سے گو ایک مناظرہ پسند اور حجت طلب شخص کی تشفی نہ ہو، مگر عام اشخاص کی ان سے تسلی ہو جاتی ہے مثلاً اگر شہر میں یہ عام خبر پھیلی ہوئی تھی کہ امیر شہر بیمار ہے، اسی اثنا میں قلعہ سے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں اور ایک شاہی غلام نے آکر روایت کی کہ امیر نے وفات پائی تو اس روایت کے تسلیم کر لینے میں عام لوگوں کو کوئی جائے انکار نہیں رہتی، گو اس کی صحت کی راہ میں آپ بیسیوں عقلی احتمالات پیدا کرتے رہیں، یہی سبب ہے کہ کتنے اعرابی تھے جنھوں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا یا آپ کی دلآویز اور پراثر باتیں سنیں یا آپ کے اخلاق کریمانہ کو مشاہدہ کیا اور بے دلیل و برہان آپ کی نبوت پر ایمان لے آئے کیونکہ انہوں نے پہلے آپ کی نبوت کا چرچا تو سنا تھا لیکن اس دعویٰ کی صداقت نے ان کے دل میں پوری طرح گھر نہیں کیا تھا مگر جب اتفاق سے آپ کے دیدار کا ان کو موقع ملا تو قرائن حال اور آثار قیافہ کے ذریعہ سے نیک و بد اور اچھے برے کی تمیز کا جو ایک خاص جوہر انسان میں ودیعت ہے اس نے فیصلہ کر دیا کہ یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط۔

(۶) چھٹا طریقہ یہ ہے کہ جو روایت بیان کی جائے، اگر وہ سامع کے مزاج، اخلاق اور خواہش کے مطابق اور مناسب ہو تو اس کے صحیح تسلیم کر لینے میں اس کو کبھی پس و پیش نہ ہوگا، اس حصول یقین میں نہ تو حسن اعتقاد کی ضرورت ہے اور نہ قرائن و آثار کی تائید کی، یہ فطری اور طبعی مناسبت خود حصول یقین کے لئے کافی ہے یہی سبب ہے کہ سابقین اسلام میں وہی صحابہ داخل ہیں جو فطرۃً نیک اور طبعاً راستی پسند اور جویائے حق تھے۔

ان ہی مختلف طریقوں سے لوگ یقین اور اذعان کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرتے ہیں اور یہی طریقے غیبیات اور معجزات پر بھی یقین کرنے کے ہیں۔

معجزہ اور سحر کا فرق

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معجزہ سے جس طرح عجیب و غریب امور صادر ہوتے ہیں سحر، طلسم، نیرنگ، شعبدہ سے بھی اس قسم کی باتیں دکھائی جا سکتی ہیں، سحر و طلسم کے الفاظ اگر اس بیسویں صدی میں نامحرم وہ معلوم ہوں تو ان کے معنی مسمرائزم اور ہپنوٹزم کے سمجھ لئے جائیں۔ ایسی صورت میں ایک پیغمبر اور ساحر و شعبدہ باز اور مسمرائزر کے درمیان کیا فرق ہوگا؟ یہ سوال ہے جس پر علم کلام میں بڑی بڑی بحثیں ہیں، معتزلہ اور ارباب ظاہر میں علامہ ابن حزم کا یہ دعویٰ ہے کہ معجزہ کے علاوہ سحر و طلسم و شعبدہ وغیرہ جو چیزیں ہیں وہ صرف فریب نظر ہیں لیکن معجزہ سے قلب حقیقت اور تبدیل خاصیت ہو جاتی ہے۔ اشاعرہ سحر و طلسم کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ معجزہ سے جو عظیم الشان عجائب سرزد ہوتے ہیں، مثلاً سمندر کا خشک ہونا، چاند کا شق ہو جانا وغیرہ، یہ چیزیں سحر و طلسم کے زور سے نہیں ہو سکتیں، حکمائے اسلام کا مسلک یہ ہے کہ معجزہ اور سحر میں فرق یہ ہے کہ صاحب معجزہ اپنی قوت کو خیر میں صرف کرتا ہے اور ساحر شر میں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان جوابات سے اشکال کی اصل گرہ نہیں کھلتی، ایک شخص اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بظاہر ایک خارق عادت کرشمہ پیش کرتا ہے، اب اس پر یہ بحث کہ یہ دھوکا اور نظر بندی ہے یا رمز الٰہی ہے یا معمولی کام ہے یا عظیم الشان کارنامہ ہے نہایت مشکل ہے، کیونکہ ان اشیاء کے وقوع میں کوئی ظاہری امتیاز نمایاں

نہیں ہو سکتا، نیز اس کا فیصلہ کہ یہ قوت خیر ہیں صرف ہوتی یا شر میں، یا یہ کہ ضروری ہے کہ یہ خوارق عادت محل خیر ہی صرف ہوں یا محل شر ہیں، اس کے علاوہ کوئی تیسری نہیں ہو سکتی، بہت کچھ قابل بحث ہے۔ ایک مسمریزر اپنی قوت سے بعض بیماریوں کو دور کر دیتا ہے اور اس سے غریبوں کا علاج کرتا ہے، یہ تو خیر اور نیکی کی چیز ہے تو کیا آپ اس کو معجزہ کہہ دیں گے؟

اصل یہ ہے کہ معجزہ اور دیگر عجائبات امور میں دو عظیم الشان فرق ہیں، ایک یہ کہ معجزہ براہ راست خدا کا فعل ہوتا ہے اور دوسرے عجائب امور اسباب طبعی و نفسی کے نتائج ہوتے ہیں، دوسرے یہ کہ معجزہ سے مقصود اعدائے دعوت الٰہی کی ہلاکت یا مبلغ رسالت کی تائید اور مومنین صادقین کی حمایت اور برکت ہوتی ہے، محض کھیل تماشہ، شعبدہ بازی اور بازی گری اس کا مقصد نہیں ہوتی اور اب سب سے آخری شے جو ان دونوں کے درمیان حد فاصل بن جاتی ہے یہ ہے کہ ساحر و بازی گر و شعبدہ باز صرف تماشہ کرتب اور عجائبات دکھاتے ہیں اس کے ساتھ وہ اپنی زندگی کی پاکیزگی، ارادوں کی بے گناہی، دلوں کی طہارت اور صفائی، شریعت الٰہی کی تبلیغ، قلوب کے تزکیہ اور سیہ کاریوں کے قلع و قمع کے نہ وہ مدعی ہوتے ہیں اور نہ یہ خواص اور کارنامے ان سے ظاہر ہوتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کی معصوم زندگی، پاک اخلاق، مقدس اعمال اور دیگر پیغمبرانہ خصائص و کیفیات خود ان کی نبوت کی منادی کرتے رہتے ہیں، قدم قدم پر خدا ان کی دعوت کی تائید کرتا ہے، ان کی صدائے حق، جماعتوں، قوموں، اور ملکوں میں روحانی انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ ان کی سچائی، راستی اور صداقت پر ان کے سوانح حیات کا حرف حرف گواہ ہوتا ہے وہ سونے چاندی پر نہیں بلکہ دلوں پر اخلاص و ایثار اور صدق و صفا کی مہر لگاتے ہیں، ایک ساحر اور مسمریزر خواص اشیاء میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے مگر کافر کو مومن، بدکار کو عفیف، بے باک کو متقی، بخیل کو فیاض، سخت کو نرم اور جاہل کو عالم نہیں بنا سکتا، وہ لوہے کو زر خالص کی صورت میں بدل سکتا ہے لیکن کسی زنگ آلود دل کو جلا نہیں دے سکتا۔

یہ ظاہری اشتباہ اور التباس صرف نبی اور ساحر و متنبی (جھوٹے پیغمبر) ہی میں نہیں ہے بلکہ دنیا کی ہر حقیقت اسی طرح اپنے مقابل سے مشتبہ اور ملی جلی ہوتی ہے۔ صبر اور بے حمیتی، توکل اور کاہلی، بخل اور کفایت شعاری سخاوت اور اسراف، حق گوئی اور گستاخی، شجاعت اور تہور، ان کے ڈانڈے باہم اس قدر ملے ہوتے ہیں کہ انسان کی قوت ممیزہ کبھی کبھی دھوکہ کھا جاتی ہے، لیکن اہل نظر ان دونوں حقیقتوں کے ظاہری تشابہ سے فریب میں نہیں آتے۔ ان دونوں کی ظاہری شکل و صورت گو ایک ہو مگر ان دونوں کے خصائص و آثار اس درجہ متفاوت اور متمائز ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے حدود اور فرق و امتیاز کو فوراً پہچان لیتے ہیں، جب پیغمبر اپنا معجزہ اور جادوگر اپنا کرتب دکھلاتے ہیں تو ظاہری حیرت زائی کے لحاظ سے عوام کے نزدیک ایک لمحہ کے لئے گو دونوں ایک ہوں مگر جب حقیقت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے تو ایک اخلاق کا مجسمہ، پاکیزگی کا فرشتہ، شریعت کا حامل، گنہگاریوں کا طبیب اور قلوب کا معالج ہوتا ہے اور دوسرا محض تماشہ گر یا شعبدہ باز یا مصنوعی حیلہ گر اور نقال۔

ایک عطائی اور طبیب حاذق، ایک معمولی سپاہی اور ایک بہادر جنرل، ایک حرف شناس اور ماہر علوم، ایک

مکار اور زاہد، ایک مصنوعی اور حقیقی صوفی کے درمیان شاید کبھی عوام فرق نہ کر سکیں، مگر جب ان دونوں کے آثار و خصائص اور علامات و قرائن باہم ملائے جائیں تو ظلمت و نور کی طرح ان دونوں میں علانیہ فرق محسوس ہو جاتا ہے، مولانائے روم نے اس فرق مراتب کو مثنوی میں نہایت عمدہ تشبیہات کے ذریعہ سے ظاہر کیا ہے، فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

اس طرح کی لاکھوں ہم شکل چیزیں ہیں، لیکن ان میں کوسوں کا فاصلہ ہے۔

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست آب تلخ و آب شیریں را صفاست

دونوں کی صورتیں اگر باہم مشابہ ہوں تو کچھ حرج نہیں، میٹھا اور تلخ پانی دونوں کا رنگ ایک ہی طرح صاف ہوتا ہے۔

ہر دو یک گل خوردہ زنبور و نحل لیک شد زاں نیش وزیں دگر عسل

بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہیں لیکن ایک سے زہر اور اس سے شہد پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب زیں یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب

دونوں قسم کے ہرن ایک ہی گھاس کھاتے اور ایک ہی پانی پیتے ہیں مگر اس سے مینگنی اور اس سے مشک پیدا ہوتا ہے

ہر دو نے خوردند از یک آب خور آں یکے خالی و آں پر از شکر

دونوں قسم کی نے ایک پانی سے پرورش پاتی ہیں لیکن ایک مزے سے خالی اور دوسرے سے شکر پیدا ہوتی ہے۔

ایں خورد زاید ہمہ بخل و حسد واں خورد آید ہمہ نور احد

ایک آدمی غذا کھاتا ہے تو اس سے بخل و حسد پیدا ہوتا ہے اور دوسرا وہی غذا کھاتا ہے تو اس سے خدائی نور پیدا ہوتا ہے

ایں زمیں پاک ست واں شور ست وبد ایں فرشتہ پاک و آں دیو است ودد

یہ زمین سیر حاصل ہے اور وہ بری اور بنجر ہے، یہ مقدس فرشتہ ہے اور وہ شیطان اور جانور۔

بحر تلخ و بحر شیریں در میاں درمیان شاں "برزخ لایبغیان"

شیریں اور تلخ سمندر ملے ہوتے ہیں مگر ان کے درمیان ایک حد فاصل ہے جس سے تجاوز نہیں کر سکتے۔

زر قلب و زر نیکو در عیار بے محک ہرگز ندانی ز اعتبار

کھوٹے اور کھرے سونے کی تمیز، کسوٹی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

صالح و طالح بصورت مشتبہ دیدہ بکشای کہ گردی منتبہ

نیک اور بدکار کی صورتیں ملتی جلتی ہیں، آنکھیں کھولو تو تمیز ہو سکے گی۔

بحر را نیمش شیریں چوں شکر طعم شیریں، رنگ روشن چوں قمر

دریا کا آدھا حصہ شکر کی طرح شیریں ہے، مزا میٹھا اور رنگ چاند کی طرح سپید ہے۔

نیم دیگر تلخ ہم چو زہر مار طعم تلخ و رنگ مظلم قیر وار

دوسرا نصف حصہ سانپ کے زہر کی طرح ہے مزہ کڑوا اور رنگ تارکول کی طرح سیاہ ہے۔

اے بسا شیریں کہ چوں شکر بود — لیک زہر اندر شکر مضمر بود

بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو شکر کی طرح میٹھی ہیں، لیکن اس کے باطن میں زہر چھپا ہوا ہے۔

جز کہ صاحب ذوق شناسد بیاب — او شناسد آب خوش از شور آب

صاحبِ ذوق کے سوا اور کون پہچان سکتا ہے وہی تمیز کر سکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا ہے اور یہ کھاری۔

جز کہ صاحب ذوق بشناسد طعوم — شہد را نا خوردہ کے دانی زموم

صاحبِ ذوق کے سوا مزہ کی تمیز اور کون کر سکتا ہے جب تک شہد کو نہ کھاؤ موم اور شہد میں کیونکر تمیز کر سکتے ہیں۔

سحر را با معجزہ کردہ قیاس! — ہر دو را بر مکر پندارد اساس

اس نے سحر کو معجزہ پر قیاس کیا اور سمجھا کہ دونوں کی بنیاد فریب پر ہے۔

زر قلب و زر نیکو در عیار! — بے محک ہرگز نہ دانی ز اعتبار!

تم کھوٹے اور کھرے سونے کو کسوٹی کے بغیر تمیز نہیں کر سکتے۔

ہر کرا در جان خدا بنہد محک — ہر یقین را باز داند او ز شک

خدا نے جس کی روح میں کسوٹی رکھی ہے وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہے۔

چوں شود از رنج و علت دل سلیم — طعم صدق و کذب را باشد علیم!

جب آدمی کے دل میں بیماری نہیں ہوتی تو وہ صدق اور کذب کے مزے کو پہچانتا ہے۔

اب صرف یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ جو قوت حیرت زا خوارق کی قدرت رکھتی ہے اس کا رُخ بھی نہایت آسانی کے ساتھ بدلا جا سکتا ہے، یعنی ساحر بے تکلف اپنی ساحرانہ قوت کو دنیا کے تزکیۂ اخلاق و اصلاح عالم میں صرف کر سکتا ہے اور اس سے کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا، لیکن امکانِ عقلی اور امکان واقعی دو مختلف چیزیں ہیں یہ عقلاً ممکن ہے کہ ہر شخص بادشاہ ہو سکتا ہے، عالمِ عصر ہو سکتا ہے، کشور کشا ہو سکتا ہے مگر واقعتاً اور عملاً یہ قدرت ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتی۔

اس لئے ساحر محض ایک تماشا گر ہوتا ہے، اس میں یہ قدرت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اس قوت سے تزکیۂ نفوس، تطہیرِ اخلاق اور اصلاحِ عالم کا کام لے سکے، یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی ساحر اور شعبدہ گر نے اصلاحِ عالم کا فرض ادا نہیں کیا، لیکن پیغمبر اپنے معجزانہ کارناموں سے دنیا کو الٹ دیتا ہے، بدی کے کانٹوں کو ہٹا کر نیکی کے گل و ریحان سے اس خاکدانِ عالم کو سجا دیتا ہے۔

معجزہ دلیل نبوت ہو سکتا ہے یا نہیں

اسی تقریر سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت ہے یا نہیں؟ اشاعرہ کا جواب اثبات میں اور معتزلہ کا نفی میں ہے، اس مسئلہ پر سب سے زیادہ سیر کن بحث ابن رشد نے "کشف الادلہ" میں کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں ہو سکتا، کیونکہ منطقیانہ حیثیت سے دعویٰ اور دلیل میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے اور معجزہ اور نبوت میں کسی قسم کی مناسبت نہیں پائی جاتی، مثلاً جب ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ

وہ خدا کی طرف سے قوم کے عقائد و اعمال اور اخلاق کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوا ہے لیکن جب اس سے اس دعویٰ کی تصدیق کے لئے دلیل طلب کی جاتی ہے تو وہ خشک چشمے کو پانی سے لبریز کرتا ہے، چاند کو ٹکڑے کر دیتا ہے، لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے، یہ تمام واقعات اگرچہ نہایت عجیب و غریب ہیں لیکن ان دلائل کو دعویٰ کے ساتھ کیا مناسبت ہے۔

فرض کیجئے کہ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ فلسفہ و ریاضی کا بہت بڑا ماہر ہے اور اس کے ثبوت میں انسان کو جانور اور جانور کو انسان بنا دیتا ہے تو اس واقعہ سے اس کے فلسفہ اور ریاضی کا کمال کیونکر ظاہر ہو سکتا ہے؟ اشاعرہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نبوت علم و عمل کے مجموعہ کا نام ہے اور جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی نسبت یہ تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ وہ ان دونوں چیزوں میں کمال رکھتا ہے اور اسی کمال کے اظہار کے لئے معجزہ طلب کیا جاتا ہے اور انبیاء کے معجزات اگرچہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں تاہم ان کو صرف دو نوع میں شمار کیا جاتا ہے، اخبار بالغیب اور تصرف فی الکائنات اور ان دونوں کو اجزائے نبوت کے ساتھ ربط و اتحاد ہے۔ اخبار بالغیب سے اس کے علمی کمال کا اظہار ہوتا ہے اور تصرف فی الکائنات سے اس کی عملی قوت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک اور مناسبت یہ ہے کہ معجزہ خرقِ عادت کا نام ہے، اس میں کوئی نزاع نہیں کہ اشیاء اور حقائق کے خصائص اور علل، خدا کے امر و حکم سے ہیں، اب جو شخص ان خصائص و علل کو اپنے معجزہ سے توڑ دیتا ہے، وہ گویا اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ جس برتر ذات نے ان اسباب و علل کو بنایا ہے وہی اس کو توڑ سکتی ہے اور یہ شکست و خرق چونکہ اس کے واسطہ سے ظاہر ہوا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی کا فرستادہ ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بادشاہ اپنی رعایا کے پاس قاصد بھیجتا ہے، رعایا پوچھتی ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم بادشاہی قاصد ہو؟ وہ اس کے جواب میں بادشاہ کی انگوٹھی اور مہر پیش کرتا ہے، اگرچہ ظاہر ہے کہ قاصد کے دعوائے پیامبری کو مہر اور انگوٹھی سے براہِ راست کوئی مناسبت نہیں، لیکن یہ مناسبت یوں ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ مہر اور انگوٹھی بادشاہی کی نشانی ہے جو ایک معمولی قاصد کے ہاتھ میں نہیں ہو سکتی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے نشانی دے کر بھیجا گیا ہے۔

علم کلام کی کتابوں میں ایک عام مثال یہ دی جاتی ہے کہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ شاہی دربار اور جلوس کے رسوم و آداب خاص ہوتے ہیں، بادشاہ دربار میں معمولی فرش پر نہیں بلکہ طلائی و نقرئی تخت پر بیٹھتا ہے، جلوس میں وہ پا پیادہ نہیں بلکہ سوار ہو کر نکلتا ہے، ایک شخص بادشاہ کی طرف سے قاصد بن کر مجمع عام میں آتا ہے، یہ مجمع اس کو شاہی پیامبر تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے، قاصد بادشاہ سے کہتا ہے کہ اے بادشاہ! اگر میں حقیقۃً تیرا فرستادہ ہوں تو رسم و عادت کے خلاف تو فرش پر جلوس فرما اور پیادہ پا نکل، بادشاہ اس کے مطابق دربار میں فرش پر جلوس کرتا ہے اور پیادہ پا چلتا ہے، بادشاہ کا یہ عمل یقیناً اس بات کی تصدیق ہو گی کہ وہ شاہی قاصد ہے، اسی طرح دنیا کے اسباب و علل، اس دنیا میں خدا کی بادشاہی کے رسوم و عادات ہیں، پیغمبر اس بات کا مدعی ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے، کفار اس کے قاصدِ الٰہی ہونے سے انکار کرتے ہیں، وہ کہتا ہے اے خدا! اگر میں حقیقتاً تیرا فرستادہ ہوں تو اپنے رسوم و عادات کے خلاف معجزہ اور خرقِ عادت دکھا، وہ دکھاتا ہے، یہ اس بات کی دلیل

ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے۔

لیکن معجزہ اگر دلیلِ نبوت ہے تو منطقی حیثیت سے یہ کس قسم کا استدلال ہے، ظاہر ہے کہ اس کو برہان یقینی نہیں کہا جاسکتا تاہم دلیل کا انحصار صرف برہانیت میں نہیں ہے بلکہ اس کی اور بھی متعدد قسمیں ہیں اور معجزہ ان مقدمات میں داخل ہوسکتا ہے، ابن رشد نے کشف الادلہ میں معجزہ کو خطابیات میں داخل کیا ہے، یعنی معجزہ اگرچہ نبوت پر بالذات یقینی طور پر دلالت نہیں کرتا، تاہم جب کوئی پیغمبر سلسلۂ کائنات میں عجیب و غریب تصرف کرتا ہے تو اس کو دیکھ کر ہر شخص اس کے کمالِ روحانی کا اعتراف کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جو شخص ان عظیم الشان تصرفات کی قدرت رکھتا ہے وہ ضرور اپنے دعویٰ میں صادق ہو گا، ان دونوں نتائج یعنی تصرف فی الکائنات اور اصلاح روحانی میں اگرچہ باہم کوئی تلازم نہیں تاہم عوام کی دلفریبی کے لئے یہ کافی ہے، لیکن اس سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ جدل ہے جس میں مسلمات خصم سے استدلال کیا جاتا ہے اور تاریخی حیثیت سے معجزات کو قیاس جدل کہنا زیادہ موزوں ہو گا، زمانہ قدیم سے یہ خیال چلا آتا ہے کہ جو لوگ پیغمبر ہوتے ہیں، ان میں کوئی نہ کوئی مافوق الفطرت قوت ضرور ہوتی ہے اور وہی پیغمبر کو عام لوگوں سے ممتاز کرتی ہے، اسی بنا پر جب کوئی پیغمبر کسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے تو اس موروثی اور مسلم عقیدہ کی بنا پر تمام لوگ اس سے معجزہ طلب کرتے ہیں اور پیغمبر کو مجبوراً دکھانا پڑتا ہے، یہ معجزہ اگرچہ ایک فلسفی کے لئے دلیل و حجت نہیں ہو سکتا، تاہم جو لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ معجزہ دلیلِ نبوت ہے اور ان ہی کے طلب و اصرار سے اس معجزہ کا ظہور ہوا ہے، ان کو اس کے ذریعہ سے ساکت کیا جاسکتا ہے اور وہ انہی کے لئے دلیل ہو سکتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان اس بحث میں خلط مبحث ہوگیا ہے، اشاعرہ کا یہ کہنا کہ معجزہ دلیلِ نبوت ہے، اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ منطقی دلیل ہے اور معتزلہ کا اعتراض اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب اشاعرہ اس کو منطقی دلیل کہیں، دلیل کا لفظ یہاں منطقی محاورہ میں نہیں بلکہ عام اور لغوی معنی (نشان) میں استعمال ہوا ہے، اس بنا پر جب معجزہ سرے سے دلیل منطقی ہی نہیں تو یہ تلاش کہ وہ انواع دلیل کی کس قسم میں داخل ہے، بے سود ہے، چنانچہ اشاعرہ خود کہتے ہیں کہ معجزہ کی دلالت نبوت پر دلالت عقلی نہیں بلکہ عادی ہے، شرح مواقف، بحثِ معجزات میں ہے۔

وھذہ الدلالۃ لیست دلالۃ عقلیۃ محضۃ کدلالۃ الفعل علی وجود الفاعل و دلالۃ احکامہ واتقانہ علی کونہ عالما بما صدر عنہ فان ھذہ الدلالۃ العقلیۃ ترتبط لنفسہ بمدلولاتھا ولا یجوز تقدیرھا غیر دالۃ علیھا ولیست المعجزۃ کذالک بل ھی دلالۃ عادیۃ کما اشار الیہ بقولہ وھی عند ناای الاشاعرۃ اجراء اللہ عادتہ بخلق العلم

معجزہ کی دلالت نبوت پر محض دلالت عقلی نہیں ہے جیسے فعل کی دلالت وجود فاعل پر یا فعل کے استحکام و نظم کی دلالت فاعل کے علم پر عقلی ہے کیونکہ دلائل عقل اپنے مدلولات کے ساتھ مربوط ہیں اور یہ فرض ناممکن ہے کہ وہ اپنے مدلول پر دال نہ ہوں اور معجزہ کی دلالت کی صورت ایسی نہیں ہے بلکہ معجزہ کی دلالت، دلالت عادیہ ہے جیسا کہ صاحب مواقف نے اپنے ان لفظوں میں کہا ہے کہ یہ دلالت ہمارے (اشاعرہ کے نزدیک) اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جب معجزہ صادر ہوتا ہے تو

بالصدق عقیبۃ ای عقیب ظہور المعجزات۔

صاحب معجزہ کی سچائی کا علم وہ لوگوں کے دلوں میں پیدا کردیتا ہے۔

آج کل کے محاورۂ علمی میں اشاعرہ کے اس قول کی تشریح کہ معجزہ کی دلالت عقلی نہیں بلکہ عادی ہے یہ ہے کہ معجزہ منطقی نہیں بلکہ نفسیاتی (سایئکالوجیکل) دلیل ہے، عادتِ انسانی یہ ہے کہ جب کسی شخص سے کوئی غیر معمولی کارنامہ ظہور پذیر ہوتا ہے تو نفوس اس کی عظمت و کبریائی کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں، جب ایک شخص عام انسانی حالت سے بلند تر سطح میں آکر منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور خوارقِ عادت اس سے ظاہر ہوتے ہیں تو عام متاثر طبع فوراً اس کے دعویٰ کو تسلیم کر لیتے ہیں۔

آج گو نبوت نہیں مگر ولایت ہے، آج بھی جس شخص کی نسبت باخدا اور ولی کامل ہونے کا خیال لوگوں میں ہوتا ہے تو فوراً یہ سوال ہوتا ہے کہ ان سے کچھ کرامتیں بھی صادر ہوتی ہیں؟ اگر جواب ہاں میں ملا اور خود ذاتی مشاہدہ بھی ہوا تو اس شخص کی نسبت حسن اعتقاد بڑھ جاتا ہے یہ عام تقاضائے انسانی ہے، اس میں مومن و کافر عقل مند و بیوقوف اور زنگی و فرنگی کی کوئی تخصیص نہیں، لیکن جو طبیعتیں فطرتاً اثر پذیر نہیں بلکہ معاند، متعصب اور کور باطن ہیں ان کے لئے یہ خوارق و معجزات قطعاً بے سود ہوتے ہیں، کیونکہ ان کا عناد، تعصب اور کور باطنی حسن ظن کے بجائے ہمیشہ سوء ظن کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور وہ بڑے سے بڑے معجزہ کو دیکھ کر بھی یہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ سحر و جادو اور طلسم و نیرنگ ہے، اس لئے صحیح راستہ یہ ہے کہ مدعی نبوت کے اخلاق، خلوص، پاکیزگی و طہارت کا امتحان کیا جائے جس میں یہ باتیں ثابت ہو جائیں گی عادۃً ناممکن ہے کہ وہ کاذب اور جھوٹا ہو، امام غزالی اس نے منقذ میں، امام رازی نے مطالب عالیہ میں اور عارف روم نے مثنوی میں نہایت تفصیل سے اس بحث کو لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ نبوت کی اصلی دلیل معجزہ نہیں بلکہ تعلیم و ارشاد اور قوت علم و عمل کا کمال ہے۔

امام غزالی کی تقریر

نبوت کے کچھ آثار و خواص ہیں، اگر کسی شخص کی نسبت یہ شبہ ہو کہ یہ پیغمبر ہے یا نہیں؟ تو اس کا علم صرف اس کے احوال کی معرفت سے ہو سکتا ہے، یہ معرفت یا تو ذاتی مشاہدہ سے حاصل ہو جیسی صحابہ کو تھی یا خبر متواتر سے اور سن کر ہو، جیسی اب عام لوگوں کی ہے، نبوت کے آثار و کیفیات کی ذوق شناسی جس میں ہوتی ہے وہی آمادۂ تصدیق ہوتا ہے مثلاً اگر تم کو طب اور فقہ سے کچھ واقفیت ہے اور ان کا ذوق رکھتے ہو تو جو شخص فقیہ یا طبیب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تم اس کے احوال کو دیکھ کر اور اس کی باتیں سن کر فوراً یہ فیصلہ کر سکتے ہو کہ یہ طبیب یا فقیہ ہے یا نہیں، اور اسی طرح تم امام شافعیؒ کی فقاہت اور جالینوس کی طبابت کی تصدیق تقلید سے نہیں بلکہ اپنی ذاتی تحقیق سے کر سکتے ہو، گو آج امام شافعیؒ اور جالینوس کا وجود نہیں مگر ان کے سوانح اور تصنیفات پڑھ کر اب بھی تم کہہ سکتے ہو کہ امام شافعیؒ فقیہ کامل اور جالینوس طبیب حاذق تھے یا نہیں، اسی طرح گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان نہیں مگر آپ کی سیرت مبارکہ، آپ کی شریعت، آپ کی تعلیمات، آپ کے ارشادات موجود ہیں جن سے آپ کی نبوت کی تصدیق ہر شخص کر سکتا ہے، اسی معیار سے کسی مدعی نبوت کے دعویٰ پر یقین کرنا چاہیے، لاٹھی کے سانپ اور قمر کے شق ہونے سے نہیں، کیونکہ اگر ان خوارق پر نظر رکھ اور دوسرے بے شمار قرائن اور شہادتوں کو ان کے ساتھ نہ ملاؤ تو ممکن ہے کہ یہ خطرہ پیدا ہو کہ جادوگری

اور نظر بندی ہے۔

امام رازی کی تقریر

امام رازی نے مطالب عالیہ میں نبوت اور متعلقات نبوت کی بحث سب سے زیادہ استیعاب سے لکھی ہے ان کی تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ نبوت تسلیم کرتے ہیں ان میں دو جماعتیں ہیں ایک کا مذہب یہ ہے کہ نبوت کی دلیل معجزہ ہے، یہ جمہور اہل مذاہب کا مسلک ہے، دوسرا مذہب یہ ہے کہ سب سے پہلے ہم کو خود غور کرنا چاہیئے کہ صداقت و راستی کیا ہے، اس کے بعد ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں جو نبوت کے دعویٰ کے ساتھ لوگوں کو دین حق کی دعوت دیتا ہے، اس کی دعوت مؤثر ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو باطل پرستی سے ہٹا کر حق پرستی کی طرف لا رہا ہے تو ہم یقین کر لیں گے کہ یہ سچا پیغمبر ہے، یہ مذہب عقل سے قریب تر ہے اور اس راہ میں شکوک و شبہات کم ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانیت کا کمال، قوت علمی و عملی کی تصحیح تکمیل اور تزکیہ ہے، اس قوت کے لحاظ سے انسان کے تین طبقے ہیں، ایک وہ جو اس میں ناقص ہے یا عام انسان ہیں، دوسرا وہ جو خود کامل ہے مگر دوسروں کو کامل نہیں بنا سکتا، یہ خواص اور صلحاء کا درجہ ہے، تیسرا وہ جو خود کامل ہے، مگر دوسروں کو بھی کامل کر دیتا ہے، یہ انبیاء ہیں، اس کمال و نقص کے ہزاروں متفاوت درجے اور مرتبے ہیں اور انہی کے لحاظ سے ان کی قوت و مرتبہ کا اندازہ ہوگا، ان کی قوت علمی کے سامنے تمام مقدمات بدیہی ہوتے ہیں اور معارف الٰہی پر ان کو عبور ہوتا ہے اور ان کی قوت عملی اس عالم جسمانی میں تصرفات کرتی ہے اور یہی معجزات کا مقصد ہے، اس قوت علمی و عملی کے کمال کے ساتھ یہ نظر آتا ہے کہ وہ ان دونوں کو جو ان لوگوں میں پست اور ناقص ہیں اپنے فیض صحبت اور فیض تعلیم سے کامل کر دیتے ہیں اور امراض قلبی کا وہ علاج کرتے ہیں تو یہی ان کی نبوت کی دلیل ہے

امام رازی نے اس تفصیل کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ اثبات نبوت کا یہی طریقہ قرآن مجید نے اختیار کیا ہے اور چند سورتوں کی تفسیر لکھ کر دکھایا ہے کہ ان میں نبوت کے یہی آثار و خصائص بیان ہوئے ہیں[1]

مولانا روم کے حقائق

مولانا روم نے اس بحث کو عمدہ تشبیہات اور تمثیلات سے اس درجہ قریب الفہم بنا دیا ہے کہ تمام شکوک و شبہات رفع ہو جاتے ہیں، اس سے پہلے مولانا کے وہ اشعار لکھے جا چکے ہیں جن میں یہ دکھایا ہے کہ نبوت کی تصدیق کے لئے سب سے پہلی چیز حسن ذوق ہے، آب شیریں اور آب شور، صورت و شکل اور رنگ و بو دونوں میں ایک ہوتے ہیں، مگر صرف صاحب ذوق ان دونوں کا فرق محسوس کر سکتا ہے اسی طرح نبی اور متنبی گو ظاہری شکل و صورت اور دعوائے نبوت میں یکساں نظر آتے ہیں مگر صاحب ذوق ان دونوں کے آثار و خصائص سے فوراً تمیز کر لیتا ہے۔

جز کہ صاحب ذوق کہ شناسد بیاب	غور کرو! صاحب ذوق کے سوا اور کون پہچان سکتا ہے؟
او شناسا آب خوش از شور آب	وہی تمیز کر سکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا ہے اور یہ کھاری ہے۔

[1] المنقذ من الضلال ص ۲۵، ۴۹ مصر کہ مطالب عالیہ کا پیش نظر نسخہ ناقص ہے، یہ فصل راغب پاشا نے اپنے سفینہ میں بہ تمام و کمال نقل کی ہے اور مولانا شبلی نے الکلام کے ضمیمہ میں اس کو شائع کر دیا ہے، دیکھو سفینہ راغب پاشا، مطبوعہ مصر ص ۳۰۶۔

جز کہ صاحب ذوق کہ شناسد طعوم	صاحب ذوق کے سوا مزے کی تمیز اور کون کر سکتا ہے؟
شہد را ناخوردہ کے دانی ز موم	اگر شہد نہ کھایا ہو تو موم اور شہد میں تمیز کیوں کر کر سکتے ہو۔
سحر را با معجزہ کردہ قیاس	اس نے سحر کو معجزے پر قیاس کیا اور یہ سمجھا کہ ان
ہر دو را بر مکر پندار و اساس	دونوں کی بنیاد فریب پر ہے۔
زر قلب و زر نیکو در عیار	تم کھرے اور کھوٹے سونے کا فرق کسوٹی پر پرکھے
بے محک ہرگز نہ دانی ز اعتبار	بغیر نہیں کر سکتے۔
ہر کرا در جاں خدا بنہد محک	خدا نے جس کی روح میں یہ کسوٹی رکھی ہے۔
ہر یقین را باز داند او ز شک	وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہے۔
چوں شود از رنج و علت دل سلیم	جب آدمی کا دل بیماری سے پاک ہو۔
طعم صدق و کذب را باشد علیم	تو وہ صدق و کذب کے مزہ کو پہچان لے گا۔

دوسری چیز طلب ہے، جب تک دل میں کسی چیز کی طلب نہیں ہوتی، اس کی طرف التفات نہیں ہوتا جس کا دل صداقت و راستی کا بھوکا نہیں وہ غذائے روحانی کا طالب نہیں اور جب دل میں طلب اور روح میں بے قراری پیدا ہو جاتی ہے اس وقت وہ دلیل و برہان کے لفظی مباحث سے بہت بلند ہو جاتا ہے، کسی کو اگر پیاس ہو اور وہ تم سے پانی طلب کرے اور تم پانی کے گلاس کی طرف اشارہ کرو کہ یہ پانی ہے تو کیا وہ تمہارے اس دعویٰ پر دلیل مانگے گا کہ پہلے یہ ثابت کرو کہ یہ پانی ہے؟ نہیں، بلکہ وہ بلا دلیل نہایت شوق سے اپنا ہاتھ بڑھائے گا اور پانی پینے لگے گا۔

تشنہ را چوں بگوئی رو شتاب	جب کسی پیاسے کو کہو کہ جلد جاؤ،
در قدح آب است بستاں زود آب	دیکھو وہ پیالہ میں پانی ہے۔
ہیچ گوید تشنہ کیں دعویٰ است رو	کیا کوئی اس وقت پیاسا یہ کہتا ہے کہ
از برم اے مدعی مہجور شو	یہ فقط تمہارا دعویٰ ہے چلو ہٹو۔
یا گواہ و حجتی بنما کہ ایں	یا کیا وہ یہ کہتا ہے کہ پہلے اس دعویٰ کی دلیل لاؤ
جنس آب است و ازاں ماء معین	کہ یہ پانی ہے۔
یا بہ طفل شیر مادر بانگ زد	یا جب شیر خوار بچہ کو اس کی ماں بلا کر کہتی ہے کہ اے
کہ بیا من مادرم ہاں اے ولد	بچہ! میں تیری ماں ہوں۔
طفل گوید مادرا حجت بیار	تو بچہ یہ کہتا ہے اپنی ماں ہونے پر دلیل پیش کرو تب
تا کہ با شیرت بگیرم من قرار	میں تمہارا دودھ پیوں گا۔
در دل ہر امتی کز حق مزہ است	جس کے دل میں حق کا مزہ ہوتا ہے اس کے لئے خود پیغمبر
روئے و آواز پیغمبر معجزہ است	کا چہرہ اور پیغمبر کی آواز معجزہ ہوتی ہے۔

چوں پیمبر از بروں بانگے زند — جب پیغمبر باہر سے آواز بلند کرتا ہے تو
جانِ امت در دروں سجدہ کند — امت کی روح اندر ہی اندر سجدہ کرتی ہے
زانکہ جنس بانگ او اندر جہاں — سبب یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اس کی آواز کی سی کوئی آواز
از کسے نشنیدہ باشد گوشِ جاں — روح کے کانوں نے اس سے پہلے نہیں سنی تھی۔

تیسری چیز اتحادِ جنسیت ہے، معجزات کا مقصد عموماً معارضین کو لاجواب اور خاموش کرنا ہوتا ہے، لاجواب و خاموش کرکے تم خصم کو زیر کرسکتے ہو مگر اس کے دل میں تشفی نہیں پیدا کرسکتے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں سچائی اور راستی کا عنصر ہے وہ خود اپنی ہم جنس شے کے طلب گار اور خریدار ہوتے ہیں۔

موجبِ ایماں نباشد معجزات — درحقیقت معجزات ایمان کا باعث نہیں ہوتے بلکہ اتحادِ جنسیت
بوے جنسیت کند جذبِ صفات — کی بُو اس کے صفات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔
معجزات از بہر قہرِ دشمن است — معجزات تو مخالف کو دبانے کے لئے ہوتے ہیں اور
بوے جنسیت سوئے دل بردن است — اتحادِ جنسیت کی بو دل کو متاثر کرنے کے لئے ہے۔
قہر گردد دشمن امّا دوست نے — دبا کر تم دشمن کو زیر کرسکتے ہو مگر دوست نہیں بناسکتے جس کو
دوست کے گردد بہ بستہ گردنے — زبردستی گردن باندھ کر زیر کردو وہ دوست کیونکر ہوسکتا ہے۔

معجزات کا صدور اکثر اس طرح ہوتا ہے کہ معاندین یہ سمجھ کر کہ پیغمبر کاذب ہے اس سے کسی خرقِ عادت کا مطالبہ کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ اس کو پیش نہیں کرسکتا اور اس طریقہ سے لوگوں میں اس کی رسوائی ہوگی اور اس کے دعویٰ کی تکذیب ہوجائے گی لیکن اللہ تعالیٰ اس خرقِ عادت کو ظاہر کردیتا ہے اور اس سے پیغمبر کی رسوائی اور فضیحت کے بجائے اس کی صداقت اور راست بازی اور عالم آشکارا ہوجاتی ہے اور اس بنا پر معجزہ اس کے صدق پر ایک نشانی اور آیت بن جاتی ہے، فرعون نے جادوگروں کو جمع کرکے چاہا کہ حضرت موسیٰؑ کو رسوا کرے مگر یہی واقعہ حضرت موسیٰؑ کی کامیابی اور فرعون کی ناکامی کا سبب بن گیا اور سینکڑوں جادوگروں نے حضرت موسیٰؑ کی دعوت پر صدائے لبیک بلند کردی، اس بنا پر معاندین کا وجود اعلان نبوت کی بلند آہنگی اور شہرت کے لئے ضروری ہے:

منکراں را قصدِ اذلالِ ثقات — مخالفوں کا یہ ارادہ کہ طلب معجزہ سے نیکوکاروں کو لغزش میں ڈ
ذل شدہ عزّ و ظہورِ معجزات — دیں ا۔ ذلت اور معجزات کے غلبہ پر عزت کا باعث ہوگا۔
قصد شانِ زاں کارِ ذل ایں بُدہ — ان کا ارادہ اس طلب معجزہ سے پیغمبر کی ذلت تھی لیکن یہی تذلیل
عین ذل عزِ رسولاں آمدہ — کا ارادہ پیغمبروں کی عزت کا باعث ہوجاتا ہے۔
گر نہ انکار آمدے از ہر بدے — اگر کوئی بدکار پیغمبر کا انکار نہ کرتا
معجزہ برہان چرا نازل شدے — تو معجزہ برہان بن کر کیوں نازل ہوتا۔
خصم منکر تا نہ شد مصداق خواہ — جب تک فریق دوم دعویٰ سے منکر اور خواہان تصدیق نہ
کے کند قاضی تقاضائے گواہ — ہو قاضی گواہ و شاہد کب طلب کرتا ہے؟

معجزہ ہمچو گواہ آمد زکی! — اسی طرح اے عقلمند! معجزہ بھی پیغمبر کا گواہ ہے
بہرِ صدق مدعی در پیشگی — جو مدعی کی تصدیق کے لئے سامنے آیا ہے۔
طعنہ چوں می آمد از ہر ناشناخت — جب کوئی ناشناس طعنہ کرتا تھا
معجزہ می داد حق و بنواخت — تو پیغمبر کو معجزہ دے کر نوازش فرماتا تھا۔
مکرِ آں فرعون سی صد تو شدہ — فرعون موسیٰؑ کے مقابلہ میں سینکڑوں چالیں چلا مگر ان میں سے
جملہ ذلِّ او و قمع او شدہ — ہر ایک خود اس کی ذلت اور بیخ کنی کا باعث ہوتی۔
ساحراں آوردہ حاضر نیک و بد — اس نے اچھے بُرے ہر قسم کے جادوگر جمع کئے
تا کہ جرح معجزہ موسیٰ کند — تاکہ موسیٰؑ کے معجزہ کو باطل کردے۔
تا عصا را باطل و رسوا کند — اور عصائے موسیٰؑ کی قوت کو باطل و رسوا کرے
اعتبارِ او ز دلہا برکند — اور لوگوں کے دلوں سے اس کے اعتبار کو کھوتے۔
عینِ آں مکر آیتِ موسیٰ شدہ — لیکن عین یہی سازش موسیٰؑ کی صداقت کی نشانی ہوگئی
اعتبارِ آں عصا بالا شدہ — اور اس سے اس عصا کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔

معجزہ سے مقصود اگر معاندین کو خاموش اور رسوا کرنے کے علاوہ ان کے دلوں کو متاثر کرنا ہوتا تو اس کے لئے اس کی ضرورت نہ تھی کہ عصا کو سانپ بنایا جاتے اور قمر کو دو ٹکڑے کردیا جاتے اور اس کے ذریعے قلوب کو متاثر کیا جاتے، ان جمادات و نباتات پر تصرف کرکے قلوب میں تصرف کرنے سے زیادہ صاف اور سیدھا راستہ یہ تھا کہ براہِ راست خود دلوں میں تصرف کیا جائے کہ وہ صدائے نبوت کے سننے کے ساتھ لبیک پکار اٹھیں معاندین کا معجزہ طلب فرقہ جو انبیاء سے جمادات و نباتات پر ان کے اثرات کا طالب ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے قبولِ ایمان پر آمادگی ظاہر کرتا ہے، خود ان کی یہ طلب، ان کے ضمیر کی پستی اور قلب کی سیاہی کی دلیل ہے جن کے آئینہ دل پاک و صاف ہوتے ہیں، وہ بلاواسطہ جمادات و نباتات پیغمبر سے براہِ راست خود اس اثر کو قبول کرتے ہیں، اس کے علاوہ [illegible] ہر شخص کو ہدایت نہیں ملتی، اس کے لئے بھی استعداد کی ضرورت ہے، دریا کی طراوت اور اس کے روح افزا ہونے میں شک نہیں، لیکن اس میں خشکی کے پرند زندہ نہیں رہ سکتے۔

معجزہ کاں بر جمادات اثر — یا عصا یا بحر یا شق القمر
معجزہ جو بے جان چیزوں پر اثر و تصرف کرتا ہے مثلاً عصا کا سانپ ہوجانا، سمندر کا پھٹ جانا، چاند کا دو ٹکڑے ہونا۔
گر اثر بر جاں زند بے واسطہ — متصل گردد بہ پنہاں رابطہ
اگر وہ معجزہ براہِ راست روح کو متاثر کرے تو اندر اندر روح سے اس کا رابطہ پیدا ہو۔
بر جمادات آں اثر ہا عاریہ است — آں پئے رُوحِ خوش متواریہ است
لیکن غیر ذی روح چیزوں پر اس کا اثر عاریۃً ہے اور روح کے لئے پوشیدہ ہے۔

تا ازاں جامد اثر گیرد ضمیر　　جنداناں بے ہیولائے خمیر

مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس غیر ذی روح شے کی اثر پذیری کو دیکھ کر روحِ انسانی اثر پذیر ہو۔

بر زند از جانِ کامل معجزات　　بر ضمیرِ جانِ طالب چوں حیات

لیکن معجزہ روحِ کامل کو خود بے واسطہ اور براہِ راست متاثر کرتا ہے اور طالب کے لئے زندگی ہوتا ہے۔

معجزہ بحر است و ناقص مرغِ خاک　　مرغِ خاکی رفت در یم شد ہلاک

معجزہ کی مثال دریا کی ہے اور ناقص کی خشکی کی پرندہ کی، خشکی کا پرندہ دریا میں جائے گا تو ڈوب جائے گا۔

مرغِ آبی در وے ایمن از ہلاک　　ماہیاں را مرگ بے دریاست خاک

لیکن آبی پرندہ اس میں جاتے تو موت سے بے پروا ہے گا بلکہ مچھلیوں کے لئے تو دریا کے بغیر خشکی موت ہے۔

الغرض ناقصین اور معاندین کے لئے جس طرح صدقِ نبوت کے دوسرے دلائل بے کار ہوتے ہیں معجزہ کی شہادت بھی بیکار ہوتی ہے، معجزہ طلب فرقہ شاذ و نادر ہی دولتِ ایمان پاتا ہے لیکن وہ ہستیاں جو براہ راست پیغمبر کے وجود سے اثر پذیر ہوتی ہیں، ان کو قبولِ اثر کے لئے معجزہ کے واسطہ کی حاجت نہیں، ابوجہل معجزہ جمادات دیکھ کر بھی کافر ہی رہا اور ابوبکرؓ معجزہ دل سے صدیقِ اکبر ہوئے۔

از ستیزہ خواست بوجہل لعین　　معجزات از مصطفےٰؐ شاہ مبین

ابوجہل نے عناد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا۔

معجزہ جست از نبی ابوجہل سگ　　دید و نفزودش ازاں الا کہ شک

لیکن یہ معجزہ دیکھ کر بھی شک کے سوا اس کو یقین نہ پیدا ہوا۔

لیک آں صدیقِ حق معجز نخواست　　گفت ایں رو خود نہ گوید غیر راست

لیکن ابوبکر صدیقؓ نے معجزہ طلب نہ کیا، انہوں نے کہا کہ یہ چہرہ نبوی سچ کے سوا جھوٹ کہہ ہی نہیں سکتا۔

صحابہ کو کیونکر رسالت کا یقین آیا

اب یہاں پہنچ کر مفروضات اور نظریات کو جانے دیجئے، واقعات کو لیجئے، آنحضرتؐ نے جب آوازۂ نبوت بلند کیا تو اس آواز کی تائید کرنیوالا کوئی دوسرا نہ تھا، عرب کا ذرہ ذرہ اس صدائے حق کا دشمن تھا، آپ پشت ہا پشت کے خوگردہ عادات کے ترک کی دعوت دیتے تھے، موروثی مذہب جو لوگوں کی رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے تھا آپ اسکی مذمت کرتے تھے، جن بتوں اور دیوتاؤں کے رعب و ہیبت سے وہ کانپتے تھے آپ ان کو منہدم کرنے کا حکم دیتے تھے، سرقہ، ڈاکہ، لوٹ مار، قتل، خونریزی، کینہ، عداوت، سود، قمار، زنا، شراب، غرض وہ تمام افعال جو عرب کے خصائص بن گئے تھے، آپ ان کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے، علاوہ بریں آپؐ کے دستِ مبارک میں کوئی ظاہری مادی طاقت نہ تھی، دولت و خزانہ نہ تھا، اس دعوت کو قبول کرنے والوں کے لئے بجز مصائب وبلا کے، آپ کے پاس کوئی ظاہری قابلِ معاوضہ چیز نہ تھی، ہر شخص کو معلوم تھا کہ اسلام کا نام لینے کے ساتھ وہ اپنے گھر سے بیگانہ، اپنی جائیداد سے محروم اپنے خاندان سے ناآشنا، اپنے وطن سے مہجور اور اکابر شہر اور رؤسائے قریش میں رسوا و بدنام اور ہر قسم کی مصیبتوں کا ہدف اور نشانہ بن جائیگا، غریب مسلمانوں کیساتھ جو کچھ بے رحمیاں اور سفاکیاں کی جارہی تھیں وہ سب کے سامنے تھیں، بایں ہمہ ایک خلقت تھی کہ آستانۂ

محمدیؐ کی تلاش میں چلی آتی تھی، عرب کے دور دور کے قبائل سے لوگ چھپ چھپ کر پہنچتے تھے اور بیعت کر کے واپس جاتے تھے اور آخر وہ بھی جو سالہا سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے، اسلام کے شدید مخالف اور بدر و احد اور خندق کے بانی تھے، وہ بھی ایک روز سرِ اطاعت جھکانے پر مجبور ہوئے۔

آخر اس کے کیا اسباب تھے؟ اور کیونکر ان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور صداقت کا یقین آیا۔ عیسائیوں کی طرح یہ کہنا آسان ہے کہ محمدؐ نے لڑ کر لوگوں کو مطیع بنالیا، لیکن سوال یہ ہے کہ ہزاروں جاں نثار لڑنے والے کہاں سے اور کیونکر پیدا ہوئے، ان کو کس نے لڑ کر مطیع بنایا، اب اگر اسلام لانے والوں کے اسباب پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ سب کے اسلام لانے کا ایک ہی سبب نہ تھا، سینکڑوں ہزاروں آدمی ایک متحد نتیجہ کا یقین رکھتے ہیں لیکن ان کے یقین کے اسباب و علل کی تلاش کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کے یقین کے اسباب و علل اور اذعان کے طرق اور ذریعے مختلف ہیں، ہزاروں صحابہؓ نے آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی، آپ کی رسالت پر ایمان لاتے، آپ کی صداقت پر یقین کیا، مگر یہ تصدیق، یہ ایمان اور یہ یقین کسی ایک سبب کا نتیجہ نہ تھا، اس سے معلوم ہوا کہ صرف معجزہ ہی نبوت کی دلیل نہیں ہے بلکہ ہر طبیعتِ صالحہ اور قلبِ سلیم کے لئے پیغمبر کی صداقت کی مختلف دلیلیں متوثر اور کارگر ہوتی ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ صرف دعوئے نبوت کو سن کر ایمان لے آئے، محض دعوئی کی صداقت نے ان کو ہر دلیل و برہان سے بے نیاز کر دیا، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبیدہؓ بن جراح یہ دیکھ کر اسلام لے آئے کہ ابوبکرؓ سا دانشمند اس صداقت سے متاثر ہے، خدیجہؓ ایمان لائیں، مگر یہ کہہ کر آپؐ جیسے اخلاق گراں مایہ کا انسان جو غریبوں کا مولیٰ، مقروضوں کا ماویٰ اور مسافروں کا ملجا ہے، کبھی شیطان کے پنجہ میں نہیں گرفتار ہو سکتا، حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت عمرو بن عبسہ سلمیؓ یہ دیکھ کر اسلام لائے کہ آپؐ مکارمِ اخلاق کا حکم دیتے ہیں، حضرت عمرؓ، حضرت طفیلؓ بن عمر و دوسی، حضرت جبیرؓ بن مطعم، نجاشی شاہِ حبش وغیرہ سینکڑوں اشخاص کلامِ ربانی سن کر حلقہ بگوش ہوگئے، حضرت ضماد بن ثعلبہ ازدی نے نفس کلمہ طیبہ سننے کے ساتھ نعرہ حق بلند کر دیا، حضرت عبداللہؓ بن سلام چہرۂ انور کو دیکھتے ہی پکار اٹھے کہ "یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں" حضرت ضمامؓ بن ثعلبہ رئیس بنی سعد اس طرح اسلام لائے کہ انہوں نے بے تکلفی کے ساتھ دربارِ نبوی میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم دلائی کہ تم کو سچ مچ خدا نے بھیجا ہے اور جب آپ نے قسم کھائی تو وہ مسلمان ہوگئے۔

اوس و خزرج کے بہت سے لوگ اپنے یہودی ہمسایوں سے سنا کرتے تھے کہ ایک نبی آخر الزمان کا ظہور ہونے والا ہے، جب انہوں نے آپؐ کی تقریر سنی تو پہچان لیا کہ یہ وہی پیغمبر ہیں، فتح مکہ کے بعد سینکڑوں قبائل اسلام لانے پر اس لئے مجبور ہوئے کہ خانۂ خلیل کسی جھوٹے پیغمبر کے قبضہ میں نہیں جا سکتا، ایک پورا قبیلہ صرف آپؐ کی فیاضی سے متاثر ہو کر کلمہ لا الٰہ الا اللہ پکار اٹھا، متعدد شعرائے عرب اور اصحابِ علم صرف قرآن مجید کے اثر کو دیکھ کر دل کو قابو میں نہ رکھ سکے، متعدد قریشی جانباز جو معرکۂ بدر سے مرعوب نہیں ہوئے تھے، مسلمانوں کے آداب و اخلاق کو دیکھ کر اسلام لے آئے، صلح حدیبیہ کے بعد ہزاروں مکہ کے آدمیوں کو جب مسلمانوں سے بے تکلف میل جول

کا موقع ملا تو وہ اسلام کی صداقت کے اعتراف پر مجبور ہو گئے۔ ابوسفیان جس کو نہ تو معجزات اور خوارقِ عادات متاثر کر سکے اور نہ بدر و خندق کی تلواریں اس کو مرعوب کر سکیں، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتۂ دامادی اس کے سخت دل کو نرم کر سکا، وہ اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے ضمیر کے اعتراف کو نہ روک سکا کہ قیصر روم اپنے تختِ جلال پر بیٹھ کر مکہ کے بوریانشین پیغمبر کے پاؤں دھونے کی آرزو رکھتا ہے۔ ثمامہ بن آثال، ہند زوجۂ ابوسفیان، ہبار بن الاسود، وحشی قاتلِ حمزہؓ یہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا کہ آپؐ دشمنوں کے ساتھ بھی کس محبت سے پیش آئے، قیصر روم صرف آپؐ کے چند اوصاف اور اسلام کے چند مناقب سُن کر اظہارِ حق پر مائل ہو گیا۔ حضرت عدی بن حاتم قبیلۂ طے کے عیسائی رئیس تھے، وہ آپؐ کو بادشاہ سمجھ کر مدینہ آئے، مگر یہاں انھوں نے دیکھا کہ مکہ کی ایک لونڈی آتی ہے اور آپؐ اس کی حاجت روائی کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کا دل اندر سے پکار اٹھا کہ آپؐ بادشاہ نہیں پیغمبر ہیں۔

ایسے لوگ بھی تھے جو اِن روحانی و اخلاقی معجزات کے مقابلہ میں مادی معجزات سے متاثر ہونے کی زیادہ قابلیت رکھتے تھے، قریش کے بہت سے لوگ فتح روم کی پیشین گوئی کو پوری ہوتے دیکھ کر اسلام لے آئے، ایک سفر میں ایک قبیلہ کی عورت آپؐ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہتے دیکھ کر اپنے قبیلہ میں جا کر کہتی ہے کہ آج میں نے عرب کے سب سے بڑے جادوگر کو دیکھا اور اسی استعجاب نے پورے قبیلہ کو مسلمان کر دیا۔ متعدد یہودی اس لئے مسلمان ہو گئے کہ گزشتہ انبیاء کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کی جو نشانیاں بتائی گئی تھیں، وہ حرف بحرف آپؐ میں صحیح نظر آتی تھیں متعدد یہودی علماء نے اگر آپؐ کا امتحان لیا اور جب آپؐ نے از روئے وحی ان کے جوابات صحیح دیئے تو وہ آپؐ کی نبوت پر ایمان لائے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں اس وقت آپؐ کو سچا رسول تسلیم کر دوں گا، جب یہ خرمے کا خوشہ آپؐ کے پاس آکر آپؐ کی رسالت کی شہادت دے اور جب یہ تماشا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو مسلمان ہو گیا[1]۔ ایک سفر میں ایک اعرابی نظر آیا، آپؐ نے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے کہا، آپ کی صداقت کی شہادت کون دیتا ہے، آپؐ نے فرمایا "سامنے کا درخت"، اور یہ کہہ کر آپؐ نے اس درخت کو بلایا، وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر آپؐ کے پاس کھڑا ہو گیا اور تین بار اس کے اندر سے کلمۂ توحید کی آواز آئی، یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا[2]۔ سراقہ بن مالک جو ہجرت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتے آرہے تھے، جب انھوں نے دیکھا کہ آپؐ کی دعا سے تین دفعہ ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تو ان کو یقین ہو گیا کہ اسلام کے اقبال کا ستارہ نقطۂ اوج پر پہنچ کر رہے گا، چنانچہ خطِ امان حاصل کیا اور بعد کو مسلمان ہو گئے[3]۔

چوں پیمبر از بروں بانگے زند | جانِ امت در دروں سجدہ کند
برزند از جانِ کامل معجزات | بر ضمیرِ جانِ طالب چوں حیات

*

[1] جامع ترمذی معجزات ص ۶۰۳ [2] مسند دارمی باب ما اکرم اللہ نبیہ من ایمان الشجر [3] صحیح بخاری جلد اول ہجرت۔

دلائل و معجزات اور عقلیات جدیدہ

نوشتہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی سابق استاد فلسفہ جدیدہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن۔

وَمَا تُغْنِي الْاٰيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔

جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے آیات و نذر بیکار ہیں۔

لیکن

در دلِ ہر کس کہ دانش را مزہ است | روئے و آوازِ پیمبر معجزہ است (عارف رومؒ)

متکلمین و حکمائے اسلام نے عقلی حیثیت سے معجزہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ گزشتہ مباحث میں نظر سے گزر چکا ہے۔ سیرت کے اس حصہ کو اصلاً معجزاتِ نبویؐ کی نقلی اور روایاتی تحقیق سے تعلق تھا، تاہم ضمناً قدیم کلامی مباحث بھی ایک حد تک آگئے ہیں۔ ذیل میں اس موضوع پر صرف عقلائے مغرب کی ترجمانی کرنی ہے اور جدید تحقیقات و خیالات کی روشنی میں جو نتائج نکلتے ہیں ان کو پیش کرنا ہے۔ آغازِ کتاب میں نبوت اور معجزہ کے مفہوم کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے، سب سے پہلے اس پر ایک نظر اور ڈال لو۔

مفہوم نبوت جس طرح رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی کا آنا قانونِ قدرت ہے اسی طرح یہ بھی ایک سنۃ الٰہی ہے کہ جب عالمِ انسانیت پر ضلالت و گمراہی کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس کے مطلع سے ہدایت و رحمانی کا نور طلوع کرتا ہے اور اگرچہ جس طرح ظلمتِ شب میں چھوٹے بڑے ستارے اپنی جھلملاہٹ سے کچھ نہ کچھ روشنی پیدا کرتے رہتے ہیں، اسی طرح عام مصلحین و مجددین کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی حد تک ضلالتِ انسانی کی سیاہی کو کم کرتا رہتا ہے تاہم آفتاب کی ضیا پاشی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے اس کے سامنے ستاروں کی جھلملاہٹ بالکل ماند پڑ جاتی ہے اور گویا دفعۃً بقعۂ نور بن جاتا ہے۔

سلسلۂ مصلحین کے اسی آفتابِ ہدایت کا نام ادیان و شرائع کی اصطلاح میں نبی، پیغمبر یا رسول ہے، عام مصلحین کے ہاتھ میں صرف انسانی عقل و بصیرت کی مشعل ہوتی ہے لیکن مشکوٰۃ نبوت سے جو نورِ ہدایت اُبلتا ہے اس کا سرچشمہ وہ "نور السموات والارض" ہوتا ہے جس سے عام مادی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں، پیغمبر وہ کچھ دیکھتا ہے جو ہم نہیں دیکھتے، وہ کچھ سنتا ہے جو ہم نہیں سنتے، اس کے احوال و کوائف سے ہم ناآشنا اور اس کے عقل و حواس سے بیگانہ ہوتے ہیں، مختصراً یوں سمجھو کہ پیمبرانہ خصائص کی اصلی روح عالمِ ناسوت سے ماورا کسی عالمِ غیب کے ساتھ تعلق و ربط ہے۔ انسان اسی عالمِ اسرار و غیوب کو اپنی محدود تعبیر میں عالمِ قدس، عالمِ روح، عالمِ مثال وغیرہ سے موسوم کرتا ہے۔

مفہوم معجزہ حاملِ رسالت اپنے ابنائے جنس کو جو دعوت دیتا ہے اور دنیا کو جو پیام پہنچاتا ہے، اس کی سچائی کی واضح ترین دلیل یا آیت، اگرچہ خود یہ پیام اور اس کے حامل کا مجسم وجود ہوتا ہے تاہم بہ اقتضائے

لیکن تقلبی یا بہ لحاظ اتمام حجت اس داعی حق کے تعلق سے کچھ ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں جو عام حالات میں انسانی دسترس سے باہر نظر آتے ہیں اور ان کی توجیہ و تعلیل سے انسانی عقل اپنے کو درماندہ پاتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ پر آگ سرد ہوگئی، حضرت موسیٰؑ کا عصا اژدہا بن گیا، حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم زدن میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ و سدرۃ المنتہیٰ تک کی سیر کرلی، ان واقعات کی توجیہ سے چونکہ عقل انسانی عاجز ہے، اس لئے ان میں ایک طرح کا غیب نظر آتا ہے اور جس شخص کے تعلق سے ان کا ظہور ہوتا ہے، عالم غیب کے ساتھ اس کے روابط کی نشانی و آیت یا تائید غیبی کا کام دیتے ہیں، قرآن مجید کی زبان میں اس قسم کے واقعات کا نام بینات، براہین یا زیادہ تر آیات (یا آیات بینات) ہے، محدثین ان کو دلائل نبوت سے تعبیر کرتے ہیں اور حکما۔ و متکلمین کی اصطلاح میں ان ہی کو معجزات کہا جاتا ہے۔

ترتیب مباحث معجزات کی جو نوعیت ہے اس کے لحاظ سے سب سے پہلی بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ آیا ان کا وقوع ممکن بھی ہے یا نہیں؟ قدما۔ نے علل مخفیہ وغیرہ سے توجیہ معجزات کی جو کوششیں کی ہیں ان کا مدعا حقیقۃً امکان ہی کو ثابت کرنا ہے، مگر حکمت و فلسفہ کے دور جدید میں امکان کیساتھ ایک دوسری زیادہ اہم بحث شہادت کی پیدا ہوگئی ہے، نفس امکان سے تو اب شاید ہی کسی حکیم یا فلسفی کا انکار ہو، البتہ یہ امکان اس قدر بعید الوقوع معلوم ہوتا ہے کہ یقین وقوع کے لئے عام واقعات تاریخی کے درجہ کی شہادت کافی نہیں خیال کی جاتی۔

لیکن چونکہ امکان اور شہادت دونوں کی بحث کا اصلی مرجع معجزانہ واقعات کا قابل یقین و اذعان ہونا یا نہ ہونا ہے، اس لئے امکان و شہادت دونوں سے زیادہ اہم سوال خود یقین کی ماہیت و اسباب کا ہے، تعجب ہوتا ہے کہ اس طرف بحث معجزات کے ضمن میں متقدمین و متاخرین میں سے جہاں تک علم ہے، کسی کا بھی ذہن نہیں گیا، صفحات ذیل میں نہ صرف اس اہم سوال کا مستقلاً جواب دیا گیا ہے، بلکہ دراصل یہی جواب معجزہ کے متعلق تمام مباحث کا مقطع اور خاتمہ سخن ہے۔

بہرکیف اس خاکہ کی بنا۔ پر ترتیب مباحث یہ ہوگی۔

(۱) امکان معجزات (۲) شہادت معجزات (۳) استبعاد معجزات

(۴) یقین معجزات (۵) غایت معجزات۔

امکان معجزات

یوں تو یورپ میں معجزات پر بیسیوں مستقل کتابیں تصنیف ہوچکی ہیں، لیکن سچ یہ ہے کہ اس بحث پر ہیوم نے جو چند اوراق لکھے تھے، وہ سارے طومار پر بھاری ہیں، اور گو فلسفیانہ نقطہ نظر سے اس موضوع پر یہ سب سے پہلی تحریر تھی، تاہم وقوع معجزات کے خلاف جو آخری حربہ استعمال کیا جاسکتا ہے وہ بھی یہی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان اوراق پر کم و بیش دو صدیاں گزر جانے پر بھی موافق و مخالف دونوں کے قلم کی روشنائی ان ہی نقوش کے ماننے

Human understanding "فہم انسانی" (باب بحث معجزات)

یا اجاگر کرنے میں صرف ہوتی رہی ہے۔

ہیوم کا استدلال ہیوم کے استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ:۔

(۱) انسان کے علم و یقین کا مدار تمام تر تجربہ پر ہے، جس طرح آدمی تجربہ سے یہ جانتا ہے کہ آگ لکڑی کو جلاتی اور پانی سے بجھ جاتی ہے، اسی طرح تجربہ ہی کی بنا پر وہ اس کا بھی یقین رکھتا ہے کہ جب تک دروغ بیانی کا کوئی خاص سبب نہ ہو لوگ علی العموم سچ بولتے ہیں، یعنی جس چیز کی روایت یا تصدیق کرتے ہیں وہ عام طور پر تحقیق کے بعد صحیح ثابت ہوتی ہے۔

(۲) جس نسبت سے کسی امر کے متعلق گزشتہ تجربات کی شہادت قوی یا ضعیف ہوتی ہے، اسی نسبت سے ہمارے دل میں اذعان، شک یا انکار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے۔

فرض کرو کہ تمہارے محلہ میں ساٹھ ستر برس کی عمر کا ایک بوڑھا فقیر رہتا ہے جس کو تم بچپن سے دیکھتے ہو کہ چیتھڑے لپیٹے ہوئے بھیک مانگ کر زندگی بسر کرتا ہے، پیری و فاقہ کشی سے ہڈیوں کا صرف ڈھانچہ رہ گیا ہے کل تک تم نے اس کو اسی حال میں دیکھا تھا، آج تمہارا ایک پڑوسی آکر کہتا ہے کہ وہ بیچارا بڈھا فقیر رات کو مرگیا، تم کو اس بیان کے باور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا، لیکن یہی پڑوسی اگر یہ بیان کرے کہ میں نے اس فقیر کو نہایت قیمتی لباس میں اعلیٰ درجہ کی موٹر پر سوار وائٹ وے کی دوکان پر کچھ چیزیں خریدتے دیکھا تو تم کو سخت اچنبھا ہوگا اور اگر پڑوسی کی صداقت کا غیر معمولی طور پر تم کو اعتبار نہیں ہے یا اور بہت سے معتبر لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے تو اس بیان کے قبول کرنے میں تم بہت زیادہ پس و پیش کروگے، تیسری صورت یہ فرض کرو کہ اس پڑوسی نے یہ بیان کیا کہ میں نے اس پیر فرتوت، پوست و استخوان فقیر کو آج دیکھا کہ بیس پچیس برس کا جوان رعنا ہے، اب تم اپنے پڑوسی کو یا تو مخض لاف زن سمجھو گے یا یہ خیال کروگے کہ اس کو کچھ نہ کچھ دھوکا ہوا ہے، لیکن اس بیان کی واقعیت کا اذعان ہرگز تمہارے دل میں نہ پیدا ہوگا، کیوں؟

صرف اس لئے کہ اس قسم کی مثال انسان کے گزشتہ تجربات میں ایک بھی نہیں ملتی، اسی بنا پر اس کو خلاف فطرت یا خارق عادت قرار دیا جاتا ہے جس کو تسلیم کرنے کے بجائے یہ سمجھ لینا کہیں زیادہ قرین قیاس ہے کہ راوی کو کوئی دھوکہ ہوا یا وہ دانستہ جھوٹ بول رہا ہے، کیونکہ سچے سے سچے آدمی کا جھوٹ بول دینا یا عاقل سے عاقل انسان کا دھوکہ کھا جانا، بجائے خود ایک نادر الوقوع شے سہی، تاہم عدیم الوقوع نہیں ہے اور خرق عادت کے مقابل میں اس کا وقوع بہت زیادہ ممکن و قابل قبول ہے۔

(۳) معجزہ اسی ضعف کے عدیم الوقوع یا قانون فطرت کے خارق واقعہ سے عبارت ہوتا ہے ورنہ پھر وہ معجزہ نہیں رہتا، اس لئے کہ اگر یہ محض نادر الوقوع شے کا نام ہو جس طرح کہ کسی آخری درجہ کے مدقوق کا صحت یاب ہو جانا یا ایک مفلس کا رات بھر میں دولت مند ہو جانا، تو یہ ایسے واقعات ہیں جن کی توجیہ کے لئے عام انسانی زندگی ہی میں کچھ نہ کچھ تجربات ملتے ہیں، مثلاً مفلس کے گھر میں کوئی دفینہ نکل آسکتا ہے بخلاف اس کے معجزہ کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تعلیل و توجیہ عام تجربات کی دسترس سے باہر ہو، اس لئے معجزہ گویا بذاتہ خود آپ

اپنی تردید ہے۔

اس استدلال کو خود ہیوم کے الفاظ میں بھی سن لینا چاہیئے۔

"معجزہ نام ہے قوانینِ فطرت کے خرق کا اور چونکہ یہ قوانین مستحکم اور اٹل تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے معجزہ خود اپنے خلاف اتنا زبردست ثبوت ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی تجربی ثبوت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان باتوں پر قطعی یقین رکھتے ہیں کہ تمام انسان فانی ہیں، سیسہ آپ ہی آپ ہوا میں معلق نہیں رہ سکتا، آگ لکڑی کو جلاتی اور پانی سے بجھ جاتی ہے، صرف یہی کہ یہ امور قوانینِ فطرت کے مطابق ثابت ہو چکے ہیں اور اب ان کا توڑنا بغیر قوانینِ فطرت کے توڑے، یا بہ الفاظ دیگر یوں کہو کہ بلا معجزہ کے ناممکن ہے، جو چیز عام قانونِ فطرت کے اندر واقع ہوتی ہے وہ کبھی معجزہ نہیں خیال کی جاتی مثلاً یہ کوئی معجزہ نہ ہوگا کہ ایک آدمی جو دیکھنے میں تندرست و توانا ہے اچانک مر جاتے کیونکہ اس قسم کی موت گو نسبتاً قلیل الوقوع سہی لیکن پھر بھی بارہا مشاہدہ میں آ چکی ہے، البتہ یہ معجزہ ہوگا کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے، کیونکہ ایسی کبھی کسی ملک میں نہیں دیکھا گیا ہے، لہٰذا جس واقعہ کو معجزہ کہا جاتا ہے اس کے خلاف تجربہ کا مستمر و متواتر ہو جانا ضروری ہے ورنہ پھر یہ معجزہ کے نام سے نہ موسوم ہوگا اور چونکہ کسی شے کا متواتر تجربہ خود ایک قطعی ثبوت ہے، تو گویا معجزہ کی نفس حقیقت و ماہیت ہی میں اس کے وجود کے خلاف ایک قطعی و براہِ راست ثبوت موجود ہے اور ایسا ثبوت جو نہ اس وقت تک معجزہ کو ثابت ہونے دے سکتا ہے اور نہ خود باطل کیا جا سکتا ہے جب تک اس کے خلاف اس سے بڑھ کر ثبوت نہ پیدا کیا جائے۔

لہٰذا صریح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو ایک کلی اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ کوئی تصدیق و شہادت معجزہ کے اثبات کے لئے کافی نہیں ہو سکتی، تاوقتیکہ یہ ایسی نہ ہو جس کی تکذیب خود اس معجزہ سے بڑھ کر معجزہ ہو جس کو یہ ثابت کرنا چاہتی ہے اور اس صورت میں بھی دلائل میں باہم تصادم ہوگا جو دلیل جتنی زیادہ قوی ہوگی، اپنی زائد قوت کے مناسب یقین پیدا کرے گی۔ فرض کرو کہ ایک شخص آکر مجھ سے کہتا ہے کہ اس نے ایک مردہ کو دیکھا کہ زندہ ہو گیا تو میں ذرا سوچنے لگتا ہوں کہ آیا یہ زیادہ ممکن ہے کہ یہ شخص دھوکہ دینا چاہتا ہو یا خود دھوکہ کھا گیا ہو، یا یہ اغلب ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہا ہے صحیح ہو، میں ان دونوں معجزوں میں موازنہ کرتا ہوں اور جدھر کا پلہ زیادہ جھکتا معلوم ہوتا ہے اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں اور ہمیشہ اسی احتمال کو رد کرنا پڑتا ہے جس میں معجزہ پن زیادہ نظر آتا ہے، البتہ اگر روایت کی تکذیب واقعہ روایت سے بڑھ کر معجزہ ہو تو اس صورت میں بے شک مجھ کو روایت کے یقین پر مجبور ہو جانا پڑے گا لیکن اس کے بغیر قطعاً ناممکن ہے۔" (فہم انسانی، باب معجزات)

غرض ہیوم کے استدلال اور اس کی تعریف معجزہ کی رو سے اگر ایک طرف ہم اپنی میزانِ عقل میں کسی خارقِ عادت واقعہ کی شہادت و روایت کو رکھیں اور دوسری طرف اس کے خلاف دنیا کے ہزارہا سال کے مستمر و متواتر تجربہ کو

تو ظاہر ہے کہ یہ شہادت چاہے کتنی ہی معتبر و قیمتی کیوں نہ ہو تاہم اس متواتر تجربہ کے ہم وزن کسی حال میں نہیں ٹھہر سکتی، لہٰذا انسانی شہادت کی کوئی کمیت و کیفیت بھی معجزہ کے یقین و اثبات کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔

حضرت موسیٰ کا ایک معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنی جان کے دشمن اور اپنے سب سے بڑے منکر فرعون کے گھر میں پرورش پائی، ہیوم سے بڑھ کر معجزہ کا کون دشمن و منکر ہوگا۔ لیکن اس انکار کو جب اس کے پورے فلسفہ کی روشنی میں دیکھو تو نظر آتا ہے کہ قبول معجزات کی راہ میں عقل کی خود فریبی کا جو سب سے زبردست طلسم حائل تھا، اس کو ہیوم ہی نے توڑا اور ہمیشہ کے لئے برباد کر دیا ہے جس کے بعد راستہ کے صرف چند کانٹوں کا ہٹانا باقی رہ جاتا ہے، چراغ کے تلے اندھیرا، آدمی بارہا اپنے ہاتھ کی مشعل سے دوسروں کو راستہ دکھلاتا ہے اور خود نہیں دیکھ سکتا۔

انسان کے ذہن میں جس قدر یہ اعتقاد راسخ ہے، شاید ہی کوئی اور ہو کہ کائنات کا ذرہ ذرہ مادی علل و اسباب اور قویٰ و خواص کی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے، چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اپنے ظہور کے لئے ایک اٹل اور غیر متغیر علت رکھتا ہے، ہر شے اپنے اندر کوئی نہ کوئی ایسی قوت یا خاصہ رکھتی ہے جس سے اس وقت تک اس کا انفکاک ناممکن ہے جب تک یہ خود اپنی ذات و حقیقت سے منفک نہ ہو جائے۔ یہ ناممکن ہے کہ میرا قلم میز کی ایک جانب سے دوسری جانب کو چلا گیا ہو، بے اس کے کہ کسی ہاتھ یا کسی اور مادی شے نے اس کو حرکت دی ہو، اس کاغذ پر جو نقوش تم کو نظر آ رہے ہیں ضرور ہے کہ ان کو کسی نہ کسی قلم نے کھینچا ہے۔ اسی طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ انار کے درخت سے آم کا پھل یا آم کے درخت سے انار کا پھل پیدا ہو، آم کے درخت سے ہمیشہ آم اور انار کے درخت سے ہمیشہ انار ہی پیدا ہوگا۔

غور کرو جب تم سے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ نہ جلا سکی تو تم کو اس کے باور کرنے میں کیوں پس و پیش ہوتا ہے؟ اسی لئے کہ آگ جب تک آگ ہے جلانے کا خاصہ اس سے منفک نہیں ہو سکتا، اس کو ابراہیمؑ اور غیر ابراہیم کی تمیز نہیں، اژدہا ایک جاندار مخلوق ہے جو تولید مثل کے قاعدے سے اپنی ہی جیسی جاندار مخلوق سے وجود میں آتا ہے اس لئے یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا کیونکر اژدہا بن گیا۔ انسان کا بچہ اپنے والدین کے بندھے ہوئے اور مشترک عمل توالد و تناسل کا نتیجہ ہوتا ہے، پھر یہ کیونکر مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے؟ دس قدم کی مسافت طے کرنے کے لئے بھی آدمی اپنے پاؤں یا کسی اور مادی وسیلہ کی احتیاج ہوتی ہے اور جس قدر مسافت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر اس کو قطع کرنے میں زیادہ وقت لگتا ہے، لہٰذا یہ کیونکر یقین کیا جائے کہ پیغمبر اسلام نے بلا معمولی وسائل مادی کے استعمال کے طرفۃ العین میں "مسجد حرام" سے "مسجد اقصیٰ" اور "سدرۃ المنتہیٰ" تک کی سیر کر لی، زمین و آسمان کی آیات کا مشاہدہ کیا اور تمام انبیائے سابقین سے گفتگو فرمائی، پھر یہ تمام مراحل اتنے وقفہ میں کیونکر طے ہو سکتے ہیں کہ واپسی پر کواڑ کی زنجیر ہل رہی ہو اور بستر کی گرمی ہنوز قائم ہو۔

سلسلۂ علل و اسباب اور اشیاء کے افعال و خواص ہی کے اصول و قوانین کا نام حکماء و فلاسفہ کی اصطلاح میں قوانینِ فطرت ہے جن کا خرق محال خیال کیا جاتا ہے، مثلاً کشش ثقل ایک قانونِ فطرت ہے جس کا یہ اقتضاء ہے کہ جب تم ڈھیلے کو اوپر پھینکو گے تو وہ لوٹ کر ہمیشہ نیچے آ جائے گا، فضا میں اس کا معلق رہنا ناممکن ہے، ہائیڈروجن اور

آکسیجن دو عناصر کے ایک خاص مقدار میں ملنے کا خاصہ یہ ہے کہ پانی بن جاتا ہے، جس کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا۔

قوانین فطرت کی حقیقت

اب دیکھو کہ جن چیزوں کو تم قوانین فطرت کا لقب دیتے ہو اور جو بظاہر اس قدر قطعی اور اٹل نظر آتے ہیں، واقعات کی کسوٹی پر ان کی کیا بساط ٹھہرتی ہے؟

اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ نمک نمکین اور شکر میٹھی کیوں ہوتی ہے؟ تو یہ سوال تم کو ایسا ہی مہمل و مضحک معلوم ہوگا جیسے کوئی یہ سوال کرے کہ جزء کل سے چھوٹا کیوں ہوتا ہے؟ جزء کی حقیقت ہی یہ ہے کہ کل سے چھوٹا ہو، اسی طرح لوگ سمجھتے ہیں کہ نمکینی اور مٹھاس نمک اور شکر کی حقیقت میں داخل ہیں، لیکن سوچو کہ کیا نمک کی نفس ذات میں تم کو کوئی ایسی شے نظر آتی ہے جس کی بنا پر بلا اس کو چکھے ہوئے تم یہ حکم لگا سکو کہ اس کا مزہ بالضرورت شکر کے مزہ سے مختلف ہونا چاہیے۔ صرف دونوں کے چکھنے اور تجربہ کی بنا پر نمک کو نمکین اور شکر کو شیریں یقین کیا جاتا ہے۔ سنکھیا زہر ہے جس کے کھانے سے آدمی مر جاتا ہے، سنکھیا کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو خوب الٹ پلٹ کر دیکھو، اس کی ذات یا حقیقت میں کہیں کوئی ایسی شے محسوس ہوتی ہے جس کی وجہ سے تم بلا تجربہ اس کو موت کی علت قرار دے سکو، جس شخص نے سنکھیا کبھی نہیں دیکھی یا اس کے اثر سے ناواقف ہے اس کو تم بہ آسانی کھلا سکتے ہو، کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس کو خود سنکھیا کے اندر کوئی ایسی شے نہیں نظر آتی جس سے بلا سابق تجربہ کے وہ اس کے زہر قاتل یا علت موت ہونے کا علم و یقین حاصل کر سکے۔ بیسویں صدی کے سائنسدان کے لئے یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ پانی دو مختلف اجزا یا عناصر سے مرکب ہے لیکن جب تک اس حقیقت کا تجربہ نہیں ہوا تھا، ڈھائی ہزار سال تک حکما اور عقلائے عالم پانی کو ایک مفرد و بسیط عنصر یقین کرتے رہے، حالانکہ پانی کی جو صورت و شکل کاونڈش[1] کے سامنے تھی وہی طالیس[2] ملطی کے سامنے بھی تھی۔ سنکھیا اور شکر کے بجائے اگر ہم کو سمیت اور شیرینی کا تجربہ پتھر کی کنکریوں میں ہوتا تو ہم ان کو اسی طرح مہلک و ہلاکت کی علت اور شیریں یقین کرتے جس طرح آپ سنکھیا اور شکر کو کرتے ہیں۔

جان اسٹورٹ مل نے اپنی مشہور کتاب "نظام منطق"[3] میں اس کی نہایت عمدہ مثال دی ہے کہ:

"آج سے پچاس سال پہلے وسط افریقہ کے باشندوں کے نزدیک غالباً کوئی واقعہ اس سے زیادہ تجربہ کی قطعیت و یکسانی پر مبنی نہ تھا، جتنا یہ کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں، اسی طرح کچھ زیادہ دن نہیں گزرے کہ اہل یورپ اس کو فطرت کی یکسانی کی ایک بالکل قطعی و غیر مشتبہ مثال سمجھتے ہیں کہ تمام ہنس سفید ہوتے ہیں، مزید تجربہ کے بعد افریقہ و یورپ والوں دونوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ خیال غلط تھے، لیکن اس تجربہ کے لئے ان کو پانچ ہزار برس انتظار کرنا پڑا اور اس طویل مدت میں انسانی آبادی کے دو براعظم فطرت کی ایک ایسی یکسانی پر یقین کرتے رہے جس کا حقیقۃً کوئی وجود نہ تھا۔"

کائنات فطرت کی وسعت بیکراں کو دیکھتے ہوئے آج بھی نوع انسان کے تجربہ پر مبنی قوانین فطرت کی بساط اس سے زیادہ نہیں ہے جتنی کہ اس تجربہ کی تھی کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں اور تمام ہنس سفید۔ انیسویں صدی کے ایک

[1] جس نے پانی کو بسیط عنصر کی بجائے آکسیجن و ہائیڈروجن سے مرکب ثابت کیا۔ [2] یونان کا پہلا فلسفی جو پانی کو مبدء عالم جانتا تھا۔ [3] سسٹم آف لاجک کتاب سوم باب ۳ فصل دوم عہ وسط افریقہ کے آدمی کالے اور یورپ کے ہنس سفید ہوتے ہیں۔

مشہور فلسفی ڈاکٹر وارڈ نے اسی حقیقت کو ایک مفروض مثال کے پیرایہ میں اس طرح بیان کیا کہ فرض کرو کہ:

"افریقہ کے کسی صحرا میں ایک نہایت عظیم الشان سلسلہ عمارت ہے جو چاروں طرف ایک چار دیواری سے گھرا ہوا ہے، اس کے اندر ایک خاص ذی عقل مخلوق آباد ہے جو اس احاطہ سے باہر نہیں جا سکتی، یہ عمارت ایک ہزار سے زائد کمروں پر مشتمل ہے جو سب مقفل ہیں اور کنجیوں کا پتہ نہیں کہ کہاں ہیں، بڑی محنت و جستجو کے بعد کل پچیس کنجیاں ملتی ہیں جن سے ادھر ادھر کے پچیس کمرے کھل جاتے ہیں جو سب ہم شکل ہیں لہٰذا کیا اس بنا پر اس احاطہ کے اندر رہنے والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ یہ دعویٰ کر دیں کہ بقیہ ۹۷۵ کمرے بھی اسی شکل کے ہیں؟"

قوانین فطرت یا خواص اشیاء و علاقہ تعلیل (علت و معلول) کی مذکورہ بالا حقیقت اگرچہ اب حکمت (سائنس) و فلسفہ دونوں کے مسلمات میں داخل ہے، لیکن اس حقیقت کو سب سے پہلے جس شخص نے اجاگر کیا، وہ معجزات کا منکر ہیوم ہی تھا، اس لئے خود اسی کی زبان سے سنو کہ جس چیز کو وہ خرق عادت کہہ کر ناممکن قرار دیتا ہے، اس کے عدم امکان کا کیا وزن ہے؟

"جب ہم اپنے آس پاس کی خارجی چیزوں پر نظر کرتے ہیں اور مختلف علتوں کے افعال کو غور سے دیکھتے ہیں تو ان میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس کے اندر کسی قوت یا لزوم کا پتہ چلتا ہو، نہ ان کی کوئی ایسی صفت نظر آتی ہے جو معلول کو اس طرح علت سے جکڑے ہوئے ہو کہ ایک کو دوسرے سے مستنبط کرنے میں خطا کا امکان نہ ہو، ہم کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ ایک واقعہ کا ظہور دوسرے کے بعد ہوتا ہے۔ بلیرڈ کے ایک گیند میں ضرب لگانے سے دوسرے میں حرکت ظاہر ہوتی ہے بس حواس ظاہری سے جو کچھ نظر آتا ہے اس کی بساط اسی قدر ہے، اشیاء میں اس تقدم و تاخر یا تبعیت کے پائے جانے سے ذہن کو نفس تبعیت کے علاوہ کوئی اور احساس یا ارتسام باطنی نہیں حاصل ہوتا، کسی شے کو پہلی دفعہ دیکھنے سے ہم کبھی قیاس نہیں کر سکتے کہ اس سے کیا معلول یا نتیجہ ظاہر ہوگا حالانکہ اگر علت کے اندر کسی قوت یا انرجی کا پتہ محض ذہن دوڑانے سے چل سکتا تو بلا کسی سابق تجربہ کے ہم اس نتیجہ و معلول کی پیشین گوئی کر دیتے اور پہلی ہی نظر میں قطعی حکم لگا دیتے۔"

حقیقت امر یہ ہے کہ کائنات مادی کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے صفات محسوسہ کی بنا پر ہم اس کے اندر کسی قوت کا سراغ لگا سکیں یا قیاس سے بتلا سکیں کہ اس سے کوئی اور شے دوسری ایسی وجود پذیر ہو سکتی ہے جس کو معلول کا لقب دیا جاتا ہے، صلابت، امتداد، حرکت، یہ چیزیں بجائے خود مستقل صفات اور ایسے واقعہ کا نشان نہیں دیتیں جس کو ان کا نتیجہ کہا جا سکے، موجودات عالم میں ہر آن تغیر و تبدل جاری ہے، ایک چیز دوسری چیز کے بعد برابر آتی جاتی رہتی ہے لیکن وہ قوت و طاقت جو اس ساری مشین کو چلاتی رہتی ہے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور اجسام کی کسی محسوس صفت میں

[1] مل کی منطق کتاب سوم، باب ۱۲ فصل ۴ حاشیہ عہ فہم انسانی باب ۷، فصل ۱۔

اپنا کوئی نشان نہیں رکھتی، ہم یہ واقعہ جانتے ہیں کہ آگ کے شعلہ میں گرمی پائی جاتی ہے لیکن ان دونوں (گرمی و شعلہ) میں کیا لزوم ہے، اس کے قیاس سے ہمارا تخیل قطعاً عاجز ہے۔"

اسی سلسلہ میں چند صفحات بعد کی ایک اور طویل عبارت[1] کا یہاں اقتباس مناسب ہے، جس سے آگے چل کر کام پڑے گا۔

"عام طور پر لوگوں کو فطرت کے پیش پا افتادہ اور مانوس واقعات و افعال کی توجیہ میں کوئی دشواری نہیں نظر آتی (مثلاً بھاری چیزوں کا نیچے آجانا، درختوں کی بالیدگی، حیوانات میں توالد و تناسل یا غذا سے جسم کی پرورش وغیرہ کے واقعات) بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان صورتوں میں ان کو علت کی بذات خود اس قوت کا علم و احساس ہے جس کی بنا پر یہ اپنے معلول کو مستلزم ہے اور اس لئے ظہور معلول میں خطا کا امکان نہیں، بات یہ ہے کہ تجربہ یا عادت دراز کی وجہ سے ان کے ذہن میں ایک ایسا میلان و رجحان پیدا ہو جاتا ہے کہ علت کے سامنے آتے ہی اس نتیجہ کا یقین ہو جاتا ہے جو معمولاً اس کے ساتھ پایا گیا ہے اور یہ مشکل سے ممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور نتیجہ ظاہر ہو سکتا تھا صرف اس صورت میں جبکہ غیر معمولی واقعات و حوادث ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً زلزلہ، وبا یا کوئی اور عجیب و غریب بات، تو البتہ ان کی صحیح علت کا پتہ نہیں لگتا اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی توجیہ و تشریح کیسے کی جائے، اس مشکل میں پڑ کر لوگ علی العموم کسی ان دیکھی صاحب عقل و ارادہ ذات کے قائل ہو جاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ یہ ناقابل توجیہ ناگہانی واقعات اسی ذات کے پیدا کردہ ہیں، لیکن فلاسفہ کی باریک بین نگاہ کو نظر آتا ہے کہ روزمرہ کے معمولی واقعات کی پیدا کرنے والی قوت بھی اسی طرح نامعلوم ناقابل توجیہ ہے جس طرح کہ انتہائی سے انتہائی غیر معمولی واقعات کی، چنانچہ بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ بلا استثناء تمام واقعات عالم کا مبداء اسی ذات کو قرار دیں جس کی طرف عوام صرف معجزات اور فوق الفطرت واقعات و حوادث کے ظہور کو منسوب کرتے ہیں (ان کے نزدیک) ہر معلول کی واقعی و براہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہی برابر کا ارادہ ہوتا ہے، بلیرڈ کا ایک گیند جب دوسرے گیند سے ٹکراتا ہے تو خود خدا اپنے ارادۂ خاص سے اس کو متحرک کر دیتا ہے اور یہ ارادہ ان عام قوانین کے مطابق ہوتا ہے جو اس نے اپنی مشیت سے کائنات پر حکم فرمائی کے لئے مقرر کر دیئے ہیں۔"

جب یہ مسلم ہو چکا کہ قوانین فطرت کی بنیاد تمام تر تجربہ پر ہے اور تجربہ کے ناقابل خطا ہونے کا کبھی کسی حالت میں بھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا تو پھر ظاہر ہے کہ کسی شے کو خلاف فطرت یا خارق عادت کہہ کر اس کو غلط یا ناممکن کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے، چنانچہ خود ہیوم کا اپنا[2] اسی اصول پر دعویٰ ہے کہ جس شے کا تصور ممکن ہے وہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہو سکتی اور جو شے مستلزم تناقض نہ ہو اس کو کسی حجت و برہان یا عقلی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا۔"

[1] فہم انسانی باب ۷ فصل ۱ [2] فہم انسانی باب ۴۔

پروفیسر ہکسلے جو فلسفی سے زیادہ حکیم (سائنٹسٹ) ہے اور جس کی جگہ حکماء کی صف اول میں ہے، اس نے ہیوم کے اس قول کو اپنی تحریروں میں جا بجا نقل کر کے اس کی نہایت شدت سے تائید کی ہے، خود ہیوم کے نظریۂ معجزات[1] پر بحث کرتے ہوئے پہلے تو معجزہ کے متعلق اس کی اس تعریف کی تغلیط کی ہے کہ وہ نام ہے "قوانین فطرت کے خرق کا" اور بتایا ہے کہ معجزات کے معنی زیادہ سے زیادہ "انتہائی حیرت انگیز واقعات"[2] کے ہو سکتے ہیں پھر اسی ضمن میں ہیوم کے مذکورہ بالا قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ:

"لیکن معجزہ کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہے، الہذا خود ہیوم ہی کے دعویٰ کے مطابق معجزہ کو کسی برہانی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا، بایں ہمہ ہیوم خود اپنے ہی اصول کے خلاف اور بالکل متناقض ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ مردہ کا زندہ ہو جانا معجزہ ہے کیونکہ ایسا پہلے کبھی کسی زمانہ اور کسی ملک میں نہیں ہوا ہے۔"

اس ارتکاب تناقض کی تشریح کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے طنزاً لکھا ہے کہ اگر ہیوم کے استدلال کی مہملیت کو برہنہ کر کے دیکھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ جو چیز پہلے کبھی نہیں واقع ہوئی وہ آئندہ بغیر قوانین فطرت کے خرق کے نہیں واقع ہو سکتی۔"

ہکسلے کا ایک نہایت دلچسپ مضمون "ممکنات و ناممکنات" ہے اس میں بھی ہیوم اس کے پیش نظر ہے اور اپنی حکیمانہ ذمہ داری کے پورے احساس و شعور کے ساتھ لکھتا ہے کہ[3]:

"صحیح معنی میں بجز تناقض کے اور کسی بھی ایسی چیز سے میں واقف نہیں ہوں جس کو ناممکن کہنا حق بجانب ہو، منطقی ناممکنات کا وجود ہے لیکن طبعی ناممکنات کا قطعاً کوئی وجود نہیں "مربع مدور" "ماضی موجود" "دو متوازی خطوط کا تقاطع" یہ چیزیں ناممکنات سے ہیں اس لئے کہ مدور، موجود یا حاضر اور تقاطع کا تصور ہی "مربع" "ماضی" اور "متوازی" کے تصور کے متناقض ہے، لیکن پانی پر چلنا یا پانی کو شراب بنا دینا، بچہ کا بے باپ کے پیدا ہونا، مردہ کو زندہ کر دینا یہ چیزیں مفہوم بالا کی رو سے ناممکنات سے نہیں ہیں، ہاں اگر ہم یہ دعویٰ کر سکتے کہ فطرت اشیاء کے متعلق ہمارے علم نے تمام ممکنات کا کامل لحاظ کر لیا ہے تو شاید یہ کہنا بجا ہوتا کہ آدمی کے صفات جو کہ پانی پر چلنے یا ہوا میں اڑنے کے متناقض ہیں اس لئے یہ افعال اس کے لئے ناممکن ہیں، لیکن یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ علم فطرت کی انتہا تک پہنچنا کیسا ابھی تک ہم اس کی ابتداء اور ابجد سے آگے نہیں بڑھے ہیں، بلکہ ہماری قوتیں اس قدر محدود ہیں کہ کبھی بھی ہم ممکنات فطرت کی حد بندی نہیں کر سکتے، جو کچھ واقع ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے اس کا ہم کو علم ہے، باقی جو کچھ واقع ہونے والا ہے اس کی نسبت ہم صرف ایک توقع قائم کر سکتے ہیں جس کی بنا کم و بیش گزشتہ تجربہ کے صحیح سمجھنے پر ہے جس سے ہم کو خیال ہوتا ہے کہ مستقبل ماضی کے مماثل ہوگا۔"

[1] ہکسلے کی کتاب ہیوم باب ۷ (متعلق معجزات) [2] انگریزی میں معجزہ کے لئے جو لفظ مستعمل ہے (مریکل) اس کے لغوی معنی بھی "حیرت انگیز" کے ہیں [3] ۱۹۰۸ء

اس میں شک نہیں کہ کچھ دن پہلے بعض گوشوں سے اس قسم کی آوازیں سنائی دیتی تھیں کہ کائنات کا ہر ذرہ قانون کا پابند ہے، اور وہم و بے عقلی انسان کی بدترین دشمن ہے اور عقل و حکمت بہترین دوست، لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ جہاں کہیں عقیدۂ معجزات کا پتہ چلے اس پر حملہ کریں[1]۔

لیکن یہ باتیں قریباً چوتھائی صدی قبل کی ہیں[2]۔ ۱۹۲۶ء کے بعد کوانٹم نظریہ کی بدولت سائنس میں جو مجبو سنبھال آیا ہے اس نے سائنس کی دنیا میں بھی اب ایسے بے باکانہ و مدعیانہ نعروں کی گنجائش نہیں چھوڑی، فلسفہ میں تو علت و معلول کے لزوم و وجوب کی بنیادوں کو ہیوم کیا، ہیوم سے صدیوں پہلے امام ابوالحسن اشعری ہی نے کھوکھلا کر دیا تھا البتہ سائنس کی بنیاد ہی فطرت کی یکسانی یا علیت کے اٹل قانون پر رکھی اور رکھی جاتی تھی، اس ستم ظریفی کو کیا کہیئے کہ خود سائنسی تجربات و اختبارات ہی کی راہ سے یہ اٹل قانون نہ صرف مجروح و متزلزل ہو گیا ہے بلکہ سر آرتھر ایڈنگٹن جیسے اکابر سائنس کے نزدیک اس کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دینا پڑا ہے، چند سال قبل دنیا کے سائنس کے تازہ ترین معلومات و خیالات پر "ماڈرن بلیف" کے نام سے رسائل کا ایک سلسلہ شائع ہوا تھا اس کے جستہ جستہ یہ اقتباسات پڑھو۔

"کوانٹم نظریہ نے بڑا زبردست انقلاب برپا کر دیا ہے کہ مادی دنیا میں اب تک علل و معلول کے قانون کی فرمانروائی کو اٹل تصور کیا جاتا تھا، سارے طبعی واقعات و حوادث بالکلیہ جبری یا وجوبی قوانین کے تابع یقین کئے جاتے تھے، سلسلۂ علل و معلولات میں کہیں کوئی خلل و رخنہ نہ تھا مگر ۱۹۲۶ء میں اس خیال و یقین کو سخت دھکا لگا اور ماہرین طبیعیات نے دیکھا کہ علیت کے وجوب و کلیت کو مادی دنیا سے رخصت کرنا پڑا اور سارے قرائن اسی کے نظر آتے ہیں کہ وجوبی و قطعی علیت کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو گیا۔

ابھی بالکل حال تک قانون علیت کو سائنسی تحقیقات کا بالاتفاق بنیادی اصول قرار دیا جاتا تھا لیکن اب اسی اصول کو ترک کر دینے کا سوال پیدا ہو گیا ہے کہ آیا کارخانۂ فطرت میں ہر واقعہ لزوماً کسی ایسے دوسرے واقعہ ہی سے پیدا ہوتا ہے جس کو علت کہا جاتا ہے؟ یا اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حوادث فطرت کی تہہ میں کوئی ایسی شے کارفرما ہے جس کو اختیار یا آزادی ارادہ کہا جاتا ہے، ماحصل یہ کہ اس وقت تک طبعی مظاہر کی تحلیل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ ہم کو کہیں بھی وجوبی یا جبری قانون کی موجودگی کی شہادت نہیں ملتی۔" (بحوالہ جرنل آف فلاسفی بابتہ ۱۹۳۲ء)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ قوانین فطرت کا سرے سے کوئی وجود نہیں بلکہ "ان" کی حیثیت اعداد و شمار کے لئے قوانین کی رہ جاتی ہے، زندگی کا بیمہ کرنے والی کمپنیاں کوئی ایسا قانون نہیں جانتی ہیں کہ فلاں شخص چالیس سال کی عمر میں مر جائے گا لیکن اتنا جانتی ہیں کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فیصد آدمی چالیس کے سن میں مر جائیں گے یعنی افراد کا مل ناقابل پیش بینی ہونے کے باوجود جماعت کی نسبت پیش بینی ممکن ہے، پس قوانین فطرت صرف اسی

[1] عجائبات حیات (WONDER OF LIFE) از ہیکل باب ۲ معجزات [2] معجزات پر سیرت کا یہ حصہ آج (۱۳۵۴ھ) سے ۱۳ سال قبل لکھا گیا تھا۔

معنی میں موجود ہیں اور سائنسی پیش گوئی یا پیش بینی ہو سکتی ہے۔

بالفاظ دیگر قانون فطرت کی نوعیت دراصل قانون عادت کی ہے یعنی کسی خاص فرد کے بارے میں وجوباً پیش گوئی نہیں کی جا سکتی کہ وہ فلاں عمر میں مر جائے گا، البتہ عادۃً یہ معلوم ہے کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فیصد چالیس سال کی عمر میں مر جائیں گے، مذہب کی زبان میں اسی قانون عادت کو عادۃ اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی بنا پر بھی عمل فطرت کی یکسانی یا قوانین فطرت کے نفس وجود کا انکار نہیں لازم آتا۔ البتہ ان قوانین کا منشا یہ ہے بہرے بے علم و اختیار مادہ کا اٹل وجوب و لزوم سے نہیں، بلکہ ایک علم و اختیار والی ذات (اللہ تعالیٰ) کی عادت جاریہ سے ہے جو کسی حکمت و مشیت کے تحت کبھی کبھی اس عادت جاریہ کے خلاف بھی کر سکتی اور کرتی ہے یہی معجزہ ہے اور بقول مشہور سائنسدان ڈاکٹر کارنیٹر[1] کے کہ قائل مذہب سائنسداں کو اس کے ماننے میں کوئی عقلی دشواری نہیں پیش آسکتی کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف بھی کر سکتا ہے، ہم کو معجزات کے خلاف اگر سائنس کے کسی ایسے فتوی کا علم نہیں جو معتبر شہادت کی موجودگی میں ان کے قبول سے مانع ہو۔

جب کارنیٹر کے زمانہ ہی میں سائنس کا کوئی ایسا فتوی معلوم نہ تھا تو اب کوانٹم نظریہ کے بعد جب کہ کلام و فلسفہ کے نرے قیاسات سے گزر کر خود سائنس کی دنیا میں اور سائنس ہی کی راہ سے فطرت یا علیت کے نام نہاد اٹل قوانین کا وجود اتنا مشتبہ ہو گیا ہے کہ مادی دنیا سے بظاہر ان کو ہمیشہ کے لئے رخصت کرنا پڑ رہا ہے تو اب بھی سائنس کا یا قوانین فطرت کے خرق کا نام لے کر کسی معجزہ کا انکار کس منہ سے کیا جا سکتا ہے؟ لہٰذا بقول کارنیٹر ہی کے اصل سوال صرف یہ ہے کہ آیا اس قسم کی تاریخی شہادت موجود ہے یا نہیں، جس سے معلوم ہو کہ خالق فطرت کبھی کبھی خلاف فطرت بھی کر دیا کرتا ہے۔

یہ صرف ممکن ہی نہیں ہے کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف کر سکتا ہے یعنی معمولی سلسلۂ علل و اسباب و معلولات کو توڑ سکتا ہے بلکہ ایک اور نامور عالم طبیعیات پروفیسر ڈالبیر[2] کا اعتراف یہ ہے کہ اس امر کی ہمارے پاس خاصی شہادت موجود ہے جس کو آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ بعض طبعی حوادث اس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ ان کے تمام معمولی علل و اسباب غائب ہوتے ہیں، اجسام حرکت کرتے ہیں، دراں حالیکہ نہ کوئی شخص ان کو چھو رہا ہے اور نہ برقی یا مقناطیسی عوامل کا پتہ ہے، اس کی بھی شہادت موجود ہے کہ ایک نفس کا خیال دوسرے نفس میں (بلا کسی وساطت کے) پہنچ جا سکتا ہے اور جس قسم کے واقعات کو معجزہ سمجھا جاتا تھا ان کا وقوع اب غیر اغلب نہیں رہا ہے۔

ہکسلے کو اگرچہ اس بارے میں ہیوم سے شدید اختلاف ہے کہ معجزہ نام قوانین فطرت کے خرق کا ہے، لیکن تصریحات بالا سے قانون فطرت کی جو حقیقت ثابت ہوتی ہے اس کو اگر وضاحت کے ساتھ سامنے رکھا جائے تو

[1] پورا نام (SULIVAN) ہے، مرتبہ جے ڈبلیو این سولیوان ONTLINE OF MODERN BELIEF ووائز گریرسن (GRIERSON) حصہ چہارم باب ۳ ص ۲۸ [2] دیکھو فرانک بیلارڈ کی THE MIRACLE OF UNBELIEF [3] ایضاً [4] دیکھو اس کی کتاب MATTER ETHER MOTION (مادہ، ایتھر، حرکت)

ہمارے نزدیک معجزہ کی یہ تعریف چنداں قابلِ اعتراض نہیں رہ جاتی۔

(۱) قوانینِ فطرت عبارت ہیں قوانینِ عادت سے۔

(۲) جو ہم کو بذاتِ خود اشیاء کے اندر نہیں معلوم بلکہ ان کی بنیاد تمام تر گزشتہ تجربہ پر ہوتی ہے جس کے خلاف ہونا ہمیشہ ممکن ہے اور کسی اصلی استحالہ کو مستلزم نہیں۔

(۳) لہذا قوانینِ فطرت کے خلاف ہونا (یعنی ان کا خرق)، بذاتِ خود ممکن، عقلاً جائز، بالفاظِ دیگر یہ کہ معجزہ عقلاً بالکل جائز و ممکن ہے۔

شہادتِ معجزات

امکان وقوع کے لئے کافی نہیں

لیکن کسی امر کا صرف عقلاً جائز و ممکن ہونا اس کے وقوع کی دلیل نہیں یہ عقلاً بالکل جائز و ممکن تھا کہ اکبر ہندوستان کے ساتھ انگلستان کا بھی بادشاہ ہوتا، مگر واقعاً ایسا نہیں، کسی شے کے وقوع کو قبول کرنے کے لئے دو صورتیں ہیں (۱) غیر مشتبہ مشاہدہ یا (۲) تشفی بخش شہادت، غیر مشتبہ مشاہدہ کی صورت میں کوئی شے بحثِ طلب نہیں رہ جاتی، مثلاً۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا، انہوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈا پانی نہیں ملا، انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آپ کے لئے پانی ٹھنڈا کر کے رکھتے تھے، حضرت جابرؓ نے آپ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی آپ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی نکلا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ ہی میں جذب ہو کر رہ جاتا، حضرت جابرؓ نے آنحضرت کو اس کی خبر دی تو آپ نے اس برتن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو ہاتھ سے دبا دیا، پھر حضرت جابرؓ کو برتن دیا اور طشت طلب فرمایا، آپ نے ہاتھ کی انگلیاں پھیلائیں اور اس طشت کے اندر رکھ کر حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کہہ کر آپ کے ہاتھ پر پانی گرائیں حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا پہلے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ابلا، پھر تمام طشت بھر گیا، یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے، اس کے بعد آپ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرا رہ گیا۔"

اب اگر حضرت جابرؓ نے اس واقعہ کو بچشم خود مشاہدہ کیا اور ان کو اس میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں تھا تو ظاہر ہے کہ ان کو اس کے یقین و قبول میں کیا تامل ہو سکتا تھا، البتہ ہمارے لئے اس کے باور کرنے میں یہ بحث پیدا ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ فی نفسہٖ ممکن ہے یا ناممکن اور حضرت جابرؓ کی شہادت کہاں تک قابلِ اعتبار ہو سکتی ہے، لہذا امکانِ معجزات کا مرحلہ طے ہو چکنے کے بعد دوسری بحث شہادتِ معجزات کی پیدا ہوتی ہے۔

ہیوم کا فتویٰ

ہیوم کا روایاتِ معجزہ کے متعلق اگرچہ آخری فتویٰ یہی ہے کہ اس کے اثبات کے لئے انسانی شہادت

لہ دیکھو کتاب ہذا، بیان عام معجزات۔

کی کوئی کمیت و کیفیت نہیں کافی ہو سکتی، تاہم نفسِ خارقِ فطرت واقعات کے لئے اس کے نزدیک بھی انسانی شہادت کا ایک درجہ ایسا موجود ہے جس کی بنا پر ان کو قبول کیا جا سکتا ہے۔

"فرض کرو کہ تمام زبانوں کے تمام مصنفین اس پر متفق ہوں کہ یکم جنوری ۱۶۰۰ء سے لے کر آٹھ دن تک برابر تمام روئے زمین پر تاریکی چھائی رہی، یہ بھی فرض کرو کہ اس خارقِ عادت واقعہ کی روایت آج تک لوگوں کی زبان پر ہے اور دوسرے ممالک سے جو سیاح آتے ہیں وہ بے کم و کاست اور بلا شائبہ تناقض وہاں کے لوگوں کی یہی روایت بیان کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہمارے زمانہ کے حکماء کا کام شک کے بجائے اس واقعہ کا یقین کر کے اس کی توجیہ اور اس کے علل و اسباب کی جستجو ہوگی، کائناتِ فطرت میں زور و انحطاط، فنا و فساد کی مثالیں اس کثرت سے ملتی ہیں کہ اگر کسی حادثہ سے اس کی تباہی کے آثار پائے جائیں تو اس کے بارے میں انسانی شہادت قابلِ قبول ہوگی، بشرطیکہ یہ نہایت وسیع، متواتر اور متفق علیہ ہو۔[1]"

ہیوم کا تعصب

اب اگر یہی واقعہ کسی نبی کی طرف منسوب کر کے معجزہ قرار دیا جائے تو ہیوم کے نزدیک اس پر یقین کرنے کے لئے کوئی انسانی شہادت قابلِ قبول نہ ہوگی کیوں؟ اس لئے کہ "اس قسم کی شہادت خود اپنی تکذیب ہے، حتیٰ کہ جس معجزہ کی بنا کسی انسانی شہادت پر ہو وہ حجت و استدلال کے بجائے محض تمسخر انگیز چیز ہے، مذہب کے نام سے لوگ ہمیشہ مضحک و خرافات افسانوں کے دام میں آجاتے ہیں، لہذا مذہب کی طرف نفسِ انتساب ہی معجزہ کے حیلہ و فریب ہونے کا پورا ثبوت ہے۔ مذہب جیسی مقدس شے کی تائید میں لوگ بے ضرر کذب و افترا سے باک نہیں کرتے پیمبر (معاذ اللہ) عزتِ پیمبری کے شوق میں ہر طرح کے خطرات کو گوارا کر سکتا، اور مکر و احتیال پر آمادہ ہو سکتا ہے، انسان زود اعتقاد اور بالطبع عجائب پسند ہے، معجزات کا قبولِ عام اور بہ آسانی شائع و ذائع ہو جانا خود اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ انسان میں عجائب پرستی کا کیسا شدید میلان ہے اور اس لئے عجائب پرستی کے تمام بیانات کو بجا طور پر اشتباہ کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے، معجزات اور فوق الفطرت باتوں کے خلاف ایک قوی قرینہ یہ ہے کہ ان کا اعتقاد زیادہ تر جاہل اور وحشی اقوام میں پایا جاتا ہے، ایک عقلمند آدمی پرانے زمانہ کی حیرت زا تاریخوں کو پڑھ کر پکار اٹھتا ہے کہ عجب بات ہے کہ اس قسم کے خارقِ عادت واقعات ہمارے زمانہ میں نہیں ظاہر ہوتے، ان ہی وجوہ کی بنا پر دعویٰ ہے کہ مذہب کے نام سے جتنے معجزات بیان کئے جاتے ہیں وہ سب کے سب محض خرافات اور انسان کی اوہام پرست فطرت کا ڈھکوسلا ہیں۔[2]

بلا شبہ شہادت کی جرح و تعدیل اور تحقیق و تنقیح کے وقت یہ تمام امور قابلِ لحاظ ہیں لیکن کیا ان میں سے کوئی ایک شے بھی ایسی ہے جس کی بنا پر محض معجزہ یا مذہب کے نام آتے ہی ہیوم کا یہ ایسا ناقابلِ حمایت اور صریح تعصب تھا جس کے لئے صدائے تائید حکمت و فلسفہ کے سنجیدہ حلقوں سے نہیں اٹھ سکتی تھی اور اگر کسی معجزہ کی تصدیق میں تشفی شہادت موجود ہو تو اس کے قبول سے محض معجزہ ہونے کی بنا پر کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا، مثلاً ایک سفر میں۔

"صحابہؓ بھوک سے اس قدر بے تاب ہوئے کہ اونٹنیاں ذبح کرنا چاہیں، لیکن آپ نے تمام لوگوں کے

[1] فہم انسانی باب ۱۰ [2] یہ تمام قریب قریب ہیوم ہی کے الفاظ ہیں جو تم کو اس کے مضمون "معجزات" میں جا بجا ملیں گے۔

زاد راہ کے جمع کرنے کا حکم دیا، ایک چادر بچھائی گئی اور اس پر تمام زاد راہ ڈھیر کیا گیا، اس تمام سامان کی مجموعی تعداد نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی اور اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی، لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھا لیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے[1]۔"

کافی شہادت

اب اس روایت میں اگر ان امور کی کافی شہادت مل جائے کہ (۱) تمام زاد راہ صرف ایک بکری کے بیٹھنے بھر کی جگہ میں آ گیا تھا (۲) اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی (۳) سب لوگوں نے یہ سیر ہو کر کھا لیا (۴) اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے تو بکسلے جیسے حکیم و فلسفی تک کو اس روایت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔

چنانچہ اسی نوعیت کا ایک معجزہ حضرت مسیحؑ کا انجیل میں مذکور ہے کہ پانچ روٹیوں اور مچھلیوں سے پانچ ہزار آدمیوں کا پیٹ بھر گیا اور پھر بھی اتنے ٹکڑے بچ رہے جن کو جمع کرنے سے بارہ ٹوکریاں بھر گئیں[2]، لیکن اس معجزہ کے باور کرنے میں روایۃً و درایۃً جو دشواریاں نظر آتی ہیں ان کو پوری طرح واضح کرنے کے بعد بکسلے نے لکھا ہے۔

"اگر یہ ثابت ہو جائے کہ (۱) کھانا شروع کرتے وقت روٹیوں اور مچھلیوں کا وزن کیا تھا (۲) پانچ ہزار آدمیوں میں یہ تقسیم کی گئیں، بلا اس کے کہ ان کی کمیت یا کیفیت میں کوئی اضافہ ہوا ہو (۳) تمام آدمی واقعی پوری طرح آسودہ ہو گئے (۴) اس کے بعد ٹوکریوں میں جو ٹکڑے جمع کئے گئے ان کا وزن کیا تھا؟ تو پھر ممکنات و ناممکنات کے بارہ میں میرے موجودہ خیالات کچھ ہی ہوں، لیکن مذکورہ بالا چار چیزوں کی تشفی بخش شہادت کے بعد مجھ کو ماننا پڑے گا کہ پہلے خیالات غلط تھے اور اس معجزہ کو ممکنات فطرت کی ایک نئی اور خلاف توقع مثال سمجھوں گا[3]۔"

غرض معجزہ نہ صرف فی نفسہ ایک ممکن الوقوع شے ہے بلکہ تشفی بخش شہادت کی بنا پر اس کے وقوع کا یقین بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد یہ بحث رہ جاتی ہے کہ آیا مذہبی یا تاریخی کتابوں میں جو معجزات مذکور ہیں ان کے یقین کرنے کے لئے تشفی بخش شہادت موجود ہے۔

اس سوال کا جواب ہیوم کو نفی میں دینا ہی چاہیے تھا لیکن یہاں پہنچ کر بکسلے بھی سپر افگندہ ہو جاتا ہے اور ہیوم کے جواب سے لفظاً و معنیً کامل طور پر اتفاق کر لیتا ہے[4]۔

"یہ سچ ہے کہ معجزات کے ناممکن ہونے کا دعویٰ نہیں ثابت کیا جا سکتا، لیکن مجھ کو کوئی ایسی شے قطعاً نہیں معلوم جس کی بنا پر میں ہیوم کے اس وزنی فتوے میں کہ "میں کہہ سکوں کہ تاریخ کے سارے دفتر میں ایک بھی ایسا معجزہ نہیں ملتا جس کی تصدیق و تائید میں ایسے فہمیدہ، باہوش اور تعلیم یافتہ لوگوں کی کافی تعداد موجود ہو جن کے خود فریب و مغالطہ میں پڑنے کا ہم کو اندیشہ نہ ہو، جن کی راست بازی اس درجہ غیر مشتبہ ہو کہ کسی مصلحت کی بنا پر دوسروں کو فریب دہی کا ان پر گمان نہ ہو سکے جو لوگوں کی نگاہ میں ایسی عزت و شہرت رکھتے ہوں کہ اگر ان کا جھوٹ کھل جائے تو ساری عزت خاک میں مل جائے، ساتھ ہی جن واقعات کی وہ روایت یا تصدیق کر رہے ہیں، وہ ایسے علی الاعلان طریقے سے اور ایسے مشہور مقام

---

[1] دیکھو کتاب ہذا بیان عام معجزات [2] یوحنا باب ۶ آیات ۵ تا ۱۴ [3] مقالات بکسلے ج ۵ ص ۲۰۳ [4] ایضاً ص ۲۰۰۔

پر واقع ہوتے ہوں کہ ان کی نسبت دروغ بیانی چھپ ہی نہ سکے، حالانکہ انسانی شہادت کو قطعی بنانے کے لئے یہ تمام باتیں ضروری ہیں۔"

ہیوم نے کہنے کو تو کہہ دیا کہ قبول معجزات کے لئے جس درجہ کی شہادت درکار ہے اس کا تاریخ کے دفتر میں کہیں پتہ نہیں، لیکن معجزات کے عدم قبول کی کیا واقعی یہی وجہ ہے؟ اور کیا اس نے اپنے اس دعوے کی چند ہی صفحات آگے بڑھ کر خود تردید نہیں کر دی ہے؟ فرانس میں کوئی مشہور درگاہ ہے، جس کے تقدس پر (بقول ہیوم) لوگ مدتوں فریفتہ رہے ہیں۔

"بہروں کو سماعت، اندھوں کو بصارت مل جانا اور بیماروں کا اچھا ہو جانا، اس مقدس درگاہ کی معمولی کرامتیں تھیں، جن کا ہر گلی کوچے میں چرچا رہتا تھا، لیکن سب سے حیرت انگیز اور غیر معمولی بات یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی کرامتیں ایسے اشخاص کو حکم یا ثالث بنا کر ان کے روبرو ثابت کر دکھائی گئی ہیں جن کی دیانت پر حرف رکھنا ناممکن ہے، پھر ان پر ایسے گواہوں کی مہر تصدیق ثبت ہے جن کی شہرت و سند مسلم ہے جس زمانہ میں ان کرامتوں کا ظہور ہوا وہ علم کا زمانہ ہے اور جگہ بھی ایسی جو دنیا کا مشہور ترین خطہ ہے اتنا ہی نہیں بلکہ یہ کرامتیں چھاپ چھاپ کر ہر جگہ شائع کی گئیں، بایں ہمہ یسوعی فرقہ تک کو ان کی تکذیب یا پردہ دری کی مجال نہ ہوئی، حالانکہ یہ لوگ خود اہل علم تھے، مجسٹریٹ ان کی حمایت پر تھا اور ان خیالات کے جانی دشمن تھے، جن کی تائید میں یہ معجزات پیش کئے جاتے تھے، اب یہ بتاؤ کہ کسی امر کی توضیح و تنقیح کے لئے اتنی تعداد میں موافق حالات ہم کو کہاں میسر آ سکتے ہیں اور ان دل بادل شہادتوں کے خلاف ہمارے پاس بجز اس کے اور کیا دلیل ہے کہ یہ واقعات بذات خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارق فطرت ہیں اور معقول پسند آدمیوں کی نگاہ میں ان کی تردید کے لئے بس یہی ایک دلیل کافی ہے۔ الخ (اختصار من شرو والفسا)

ہیوم کا صریح تناقض

ایک ہی مضمون کے اندر ایسے زبردست فلسفی کی ایسی صریح تناقض بیانی جس قدر حیرت افزا ہے اس سے کہیں زیادہ عبرت انگیز ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان کا یقین ہمیشہ اس کی منطق کا ساتھ نہیں دیتا۔ جبر یہ اس کے قائل ہیں کہ انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے اور اس دعوے پر انہوں نے اٹل سے اٹل دلائل قائم کر دیتے ہیں، تاہم دیکھو کہ ۲۴ گھنٹے کی زندگی میں وہ خود کتنے لمحے ان دلائل کی بنا پر اپنے کو مجبور محض یقین کرتے ہیں، ہیوم کے دلائل فلسفہ نے بے شک یہ ثابت کر دیا کہ معجزہ فی نفسہ ناممکن نہیں لیکن پھر بھی دل سے یہ کھٹک نہیں نکلی کہ واقعات (معجزات) بذات خود ناممکن اور سراسر خارق عادت ہیں، اور ان کی تردید کے لئے بس یہی ایک دلیل کافی ہے، فرانس کی درگاہ کے متعلق جو کرامتیں مشہور ہیں ان کی توثیق و تصدیق کے لئے اسی درجہ کی شہادت اس کو مل گئی جس کا چند صفحے پہلے اس کے نزدیک سارے تاریخ کے دفتر میں وجود نہ تھا لیکن پھر بھی ان کرامتوں سے قطعی انکار ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ معجزات کا یقین کرانے کے لئے کسی معجزہ یا کرامت کی تائید میں صرف ممکن سے ممکن انسانی شہادت کا مہیا کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ پہلے اس کے عدم امکان کا وسوسہ پوری طرح ذہن سے نکالنا چاہیے اور پھر خود یقین کی ماہیت

---

[1] فہم انسانی باب ۱۰۔ قابل توجہ فقرات کو زیر خط ہم نے کیا ہے۔

واسباب پر بحث کرنی چاہیئے۔

انتہائی استبعاد اوپر اگرچہ ہم نے ہیوم کی اس تعریف میں چنداں مضائقہ نہیں خیال کیا تھا کہ معجزات نام ہے خارقِ فطرت واقعات کا، لیکن تم نے اقتباس بالا کے آخری زیر خط جملہ میں دیکھ لیا کہ "خارق" کا لفظ کس قدر گمراہ کن ہے، خود ہیوم جن کے فلسفہ کی رو سے معجزات کا بالذات ممکن ہونا قطعی طور پر محقق ہو چکا ہے، پھر بھی اس کی زبان قلم اس لغزش سے اپنے کو نہیں بچا سکی کہ واقعات (معجزات) بذات خود "قطعاً" ناممکن اور سراسر خارقِ فطرت ہیں، اصل یہ ہے کہ نفسی ایتلافات کی بنا پر ہمارے ذہن میں یہ غلط خیال بے طرح جاگزین ہو چکا ہے کہ فطرت یا قانونِ فطرت ایک اٹل اور ناممکن التغیر شے ہے، اس لئے کسی واقعہ کو خارقِ فطرت کہتے ہی اس کے ناممکن ہونے کا تصور ذہن پر مسلط ہو جاتا ہے۔

لہٰذا جب یہ محتمم طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ خود معجزہ کی ذات میں عدم امکان داخل نہیں ہے بلکہ تشفی بخش شہادت کی موجودگی میں اس کا یقین کیا جا سکتا ہے تو اس کو خارقِ فطرت کی گمراہ کن تعبیر کے بجائے زیادہ سے زیادہ کے الفاظ میں زیادہ سے زیادہ انتہائی حیرت انگیز واقعہ کہا جا سکتا ہے، لیکن انتہائی حیرت انگیز سے بھی مناسب تر تعبیر انتہائی مستبعد کی ہوگی۔

استبعادِ معجزات

فطرت کی یکسانی ایک عام خیال جو اس حیرت انگیزی میں اضافہ کرتا ہے، یہ ہے کہ کارخانۂ فطرت کے تمام اجزا ہمیشہ اور ہر حالت میں یکساں ہی نتائج پیدا کرتے ہیں، حکما جب تک فطرت کی ایک رنگی پر زور دیتے ہیں تو اسی مغالطہ میں مبتلا نظر آتے ہیں حتیٰ کہ مل کو اپنی "منطق"[1] میں اس خیال کی تردید کرنی پڑی کہ فطرت کی کارفرمائی ہمیشہ یکسانی پر مبنی ہوتی ہے، ہم خود غور کریں تو کچھ نہ کچھ مثالیں ایسی سامنے آتی رہتی ہیں جن سے یہ مغالطہ دور ہو جانا چاہیئے، ابھی آج ہی اخبار پڑھتے وقت اس قسم کے دو واقعے نظر پڑے[2]۔

عورتوں کے علی العموم بوقت واحد ایک لڑکا ہوتا ہے یا کبھی کبھی دو، لیکن حال میں مکسکو (امریکہ) میں ایک عورت کے ایک ساتھ آٹھ لڑکے پیدا ہوئے، ایک دوست سے اس واقعہ کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا، کچھ عرصہ ہوا کہ برہما میں ایک عورت سے چھ لڑکے ہونے کی خبر شائع ہوئی تھی، طبی دنیا کا عام تجربہ ہے کہ جب خون کی حرارت ۱۰۷ یا ۱۰۸ درجے پہنچ جاتی ہے تو آدمی نہیں بچتا لیکن برسٹل میں انفلوئنزا کی مریض ایک لڑکی کا بخار ۱۱۲ درجہ تک پہنچ گیا، پھر بھی وہ اچھی ہوگئی اور زندہ ہے، خود حیرت زدہ ڈاکٹر کی شہادت ہے کہ:۔

"جب وہ پہلی دفعہ اس لڑکی کو دیکھنے کے لئے بلایا گیا تو اس کی حرارت ۱۱۲ نکلی، خیال ہوا کہ تھرمامیٹر میں کچھ نقص ہے، دوسرا تھرمامیٹر منگا کر لگایا تو پھر وہی ۱۱۲۔ ڈاکٹر کو اب بھی یقین نہ آیا، اس نے دو تھرمامیٹر اور منگائے، بالآخر یقین کرنا پڑا، کچھ علاج سے بخار اپنی معتدل حالت پر آگیا لیکن رات کو پھر بڑھ گیا اور

[1] نظام منطق کتاب ۳ باب ۸۔ [2] یہ دونوں واقعے ۲۰ فروری ۱۹۲۳ء کے لیڈر میں مذکور ہیں۔

دوسرے دن صبح کو جب ڈاکٹر نے دیکھا تو ۱۱۴ تھا، حیرت کی انتہا نہ رہی، بہرحال علاج سے فائدہ ہوا اور اب مریضہ خاصی روبصحت ہے"۔

ٹریگن متی (ٹرگنامیٹری) یا مساحۃ المثلثات وغیرہ ریاضیات عالیہ کی وہ شاخیں ہیں جن کی کالجوں میں ریاضیات کے اعلیٰ مدارج میں تعلیم دی جاتی ہے، ۱۰، ۱۱ برس کے بچے جو علی العموم زیادہ سے زیادہ اسکول کی چوتھی پانچویں جماعت میں پڑھتے ہیں، ان کی ریاضی دانی بس حساب کے چند ابتدائی قواعد تک محدود ہوتی ہے جو لڑکے غیر معمولی طور پر ذہین و محنتی اور جن کی تعلیم کا گھر پر معلم رکھ کر کچھ خاص اہتمام کیا جاتا ہے وہ بہت ترقی کرتے ہیں تو ۱۳، ۱۴ برس کی عمر میں اسکول کی تعلیم پوری کر پاتے ہیں۔

لیکن گزشتہ سال اکتوبر میں (۷ اکتوبر، لیڈر) راج نرائن نامی ۱۱ برس کے ایک مدراسی لڑکے کا معجزۂ ریاضیات (اسی عنوان سے) یہ چھپا تھا کہ اس نے بلا کسی معلم کی مدد کے اعلیٰ الجبرا، ٹریگن متی، تحلیلی اقلیدس (جامیٹری) وغیرہ از خود حاصل کی ہے۔

ولادتِ مسیح (بے باپ کے) یا احیائے موتیٰ سے بڑھ کر کس شے میں انتہائی استبعاد یا اعجاز ہو سکتا ہے لیکن سائنس کی تحقیقات نے (جس کے نزدیک انسان کی حقیقت حیوانِ عالم سے زیادہ نہیں) حیوانات ہی کے اندر اس کے نظائر بھی تلاش کر لئے، چنانچہ جیسے سائنس داں نے معجزات ہی کے ضمن میں لکھا ہے۔

"(مامریم کے کنوارپن میں مسیح کا پیدا ہونا تو یہ نہ صرف ممکن التصور شے ہے بلکہ علم الحیات کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ بعض اصناف حیوانات میں یہ روزانہ کا واقعہ ہے، یہی حال احیائے موتیٰ کا ہے بعض جانور مر کر مومیات کی طرح بالکل خشک ہو جاتے ہیں اور عرصہ تک اسی حالت میں رہتے ہیں لیکن جب ان کو مناسب حالات میں رکھ دیا جاتا ہے تو پھر جان آجاتی ہے"[1]۔

ایجاداتِ سائنس یہ تو سائنس کا علمی و تحقیقاتی پہلو تھا، ایجادی و اختراعی پہلو نے بھی اس سے کم انتہائی حیرت انگیز اعجاز نمایاں نہیں کی ہیں۔ لاسلکی ذریعہ پیغام رسانی کی ایجاد سے پہلے یہ کس قدر مستبعد بلکہ ایک حد تک ناقابلِ تصور بات تھی کہ آپ بمبئی میں بیٹھے ہیں اور آپ کا دوست لندن میں، درمیان میں ہزاروں میل سمندروں کی پہنائی حائل ہے، تار وغیرہ کوئی محسوس شے آپ دونوں کے مابین رابطہ نہیں، پھر بھی چشم زدن میں آپ اس کو اپنا پیام پہنچا دے سکتے ہیں، ایک منٹ میں ۶۰ سیکنڈ ہوتے ہیں، ایک سیکنڈ کے بھی ۱۶ حصے کیجئے اور اس سولہویں حصہ میں یہ پیام ۱۲ ہزار میل سے زائد کی مسافت طے کر سکتا ہے[2]۔

حیرت پر حیرت یہ ہے کہ آپ صرف پیام ہی نہیں پہنچا سکتے ہیں، بلکہ حال ہی میں ایک فرانسیسی سائنسداں نے اس معجزہ کا دعویٰ کیا ہے کہ بمبئی میں اپنے میز پر بیٹھے بیٹھے آپ اسی لاسلکی کے ذریعہ سے لندن، پیرس یا نیویارک میں چک پر اپنے دستخط ثبت کر سکتے ہیں، قریب قریب (یعنی سینکڑوں میل) کے مقامات پر اس کے کامیاب تجربات ہو بھی چکے ہیں[3]۔

[1] مقالات جلد ۲ ص ۱۹۹ [2] معارف [3] انڈین ریویو بابت جنوری ۱۹۲۴ء

تنویم

طبیعیات کے ان کرشموں کو دیکھ چکنے کے بعد اب ذرا نفسیات کے اس شعبہ کی تحقیقات کو سامنے لایئے جس کا نام ہپناٹزم ہے، عربی میں اس کو تنویم مقناطیسی کہتے ہیں لیکن ہم صرف تنویم یا عملِ تنویم سے تعبیر کریں گے اس عمل کی کرامات ہمارے زمانہ کے ایک نہایت ہی بلند پایہ محققِ نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کے الفاظ میں یہ ہے۔

"عاملِ تنویم اپنے معمول سے جو کچھ بھی کہتا ہے اس کو وہ یقین کر لیتا ہے اور جس چیز کا حکم کرتا ہے اس کو بجا لاتا ہے حتیٰ کہ جو چیزیں معمولی حالت میں آدمی کے اختیار سے باہر ہوتی ہیں وہ بھی عامل کے حکم سے واقع ہو سکتی ہیں، مثلاً چھینک، چہرے کا سرخ یا زرد پڑ جانا، حرارتِ خون کا کم یا زیادہ ہو جانا، حرکتِ قلب میں تیزی یا سستی پیدا ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔

تم معمول کو یقین دلا سکتے ہو کہ وہ یخ ہوا جا رہا یا آگ میں جلا جا رہا ہے، تم اس کو آلو کھلاؤ لیکن یہ یقین دلا سکتے ہو کہ شفتالو کھا رہا ہے، تم اس کو سرکہ پلا کر یقین دلا سکتے ہو کہ شراب پی رہا ہے، نوسادر میں اس کو کالونی کی بو محسوس ہو سکتی ہے، کرسی اس کو شیر نظر آسکتی ہے، جھاڑو اس کیلئے خوبصورت عورت بن جا سکتی ہے، راستہ کا شور اس کو موسیقی معلوم ہو سکتا ہے جوان آدمی اپنے کو بچہ یا بوڑھا یا نپولین اعظم سمجھنے لگ سکتا ہے، سر یا دانتوں کا درد، دور کر دیا جا سکتا ہے، وجع مفاصل وغیرہ کے مریض کو اچھا کیا جا سکتا ہے، بھوک فنا کر دی جا سکتی ہے یہاں تک کہ ایک شخص نے ۱۴ دن تک کھانا نہیں کھایا جس چیز سے تم چاہو اسی چیز سے معمول بہرا یا اندھا ہو جا سکتا ہے مثلاً فلاں لفظ وہ نہ سُنے لاکھ اس کے سامنے چیخو نہ سُنے گا یا فلاں آدمی کو وہ نہ دیکھے، اس کے سامنے کھڑا کرو، وہ نہ دیکھ سکے گا۔[1]"

اس عمل کے وقت معمول پر ایک نیند کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اسی لئے اس کا نام تنویم ہے لیکن عمل کا اثر اس کیفیت کے بعد بھی قائم رہ سکتا ہے، مثلاً جس مرض کے لئے تم عمل کرو وہ ہمیشہ کے لئے دور ہو سکتا ہے یا فرض کرو کہ معمول سے تم یہ کہہ دو کہ آئندہ سال جنوری کی ۲۰ تاریخ کو صبح ۹ بجے اپنے پلنگ کے پاس ایک شیر کھڑا دیکھو گے، سال بھر کے بعد ٹھیک اسی وقت پلنگ کے پاس معمول کو شیر دکھائی دے گا۔

گو عملِ تنویم کے تجربات زیادہ تر نیند کی کیفیت طاری کرنے کے بعد ہی کئے جاتے ہیں لیکن اس کیفیت کا نمایاں طور پر طاری ہونا کامیابی عمل کے لازمی شرائط میں نہیں ہے، بلکہ ڈاکٹر مول کا خیال تو یہ ہے کہ ایسے معمول نسبۃً کم ہوتے ہیں، جن پر کیفیت نوم طاری ہوتی ہو۔[2] ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس عمل کا اثر افراد ہی تک محدود نہیں بلکہ جماعتوں اور مجمعوں کو بھی متاثر کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر البرٹ مول کا ابھی نام لیا جا چکا ہے، اس جرمن فاضل کی کتاب "ہپناٹزم" اپنے موضوع پر سب سے بہتر نہایت محققانہ اور مستند خیال کی جاتی ہے، ڈاکٹر موصوف نے اس کتاب میں دکھلایا ہے کہ بہت سے معجزات کی توجیہہ نہایت آسانی کے ساتھ تنویم مقناطیسی سے کی جا سکتی ہے، معجزات ہی پر کیا موقوف ہے، سحر و عملیات

[1] دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب پرنسپلس آف سائیکلوجی (اصول نفسیات، جلد دوم باب ۲۰ [2] ڈاکٹر مول کی کتاب ہپناٹزم ص ۴۹۰ مطبوعہ ۱۹۰۹ء۔

تک کے صدہا عجائب کی گرہ کھل جاتی ہے اور جن واقعات پر عقلاء نے اوہام و اباطیل کی مہر ثبت کر دی تھی وہ قوانین مادی کی طرح قوانینِ نفسی کے حقائق بن گئے ہیں۔

معجزاتِ شفا

بہت سے معجزات و کرامات کا تعلق امراض کی ایسی شفا سے ہے جو طب کے مادی وسائل علاج پر مبنی نہیں اور اس کے لئے مدعیانِ عقل کے ہاں اس کا نام "وہم پرستی" تھا لیکن آج تنویمی تحقیقات نے ایک نیا اور نہایت کامیاب اصولِ علاج منکشف کر دیا ہے جو عام مادی وسائل اور استعمال ادویہ سے قطعاً مستغنی ہے اور اس بے دوا کے علاج سے بہرے شنوا ہو جاتے ہیں، پھیپھڑے اور سل کے امراض میں شفا حاصل ہوتی ہے، آنکھوں کی بیماریاں جاتی رہتی ہیں، وجع مفاصل دور ہو جاتا ہے، زخم بھر آتے ہیں۔[1] کیا اس کے بعد بھی انجیل کی روایاتِ مسیحائی کو محض خوش اعتقادی یا اکاذیب کا طومار کہنا خود اپنے جہل مرکب کی گواہی نہ ہوگی

فرانس کی جس مشہور درگاہ کی کراماتِ شفا کا اوپر ذکر گزر رہا ہے، ہیوم نے معتبر سے معتبر شہادت کے باوجود ان کو قطعاً ناممکن قرار دیا تھا، لیکن ڈاکٹر مول بلا کسی مطالبہ شہادت کے قدیم مصری اور یونانی مندروں کی کراماتِ شفا کو تنویم ہی کا معجزہ نما نفسی اثر سمجھتا ہے۔[2] غرض جو چیز ہیوم کے نزدیک قطعاً ناممکن تھی، آج کل کے نزدیک اب اس میں اتنا استبعاد بھی باقی نہیں کہ کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کرے۔

جان اسٹورٹ مل نے معجزہ کی تعریف یہ کی تھی کہ وہ عبارت ہے ایسے واقعہ سے جس کے پہلے وہ لوازم و شرائط نہ پائے جاتے ہوں جو دوبارہ اس کو وجود میں لانے کے لئے کافی ہوتے ہیں لیکن آج ہمارے سامنے وہ لوازم و شرائط موجود ہیں جن کی بنا پر عصا اسی طرح اژدہا بن جاتا ہے جس طرح کرسی شیر نظر آسکتی ہے اگر تم کہوگے کہ پھر اس صورت میں حضرت موسیٰ کا اعجاز کیا رہا؟ اس کا جواب آئے گا، سر دست تم صرف اتنا سمجھ لو کہ عصا کا اژدہا بن جانا اتنا مستبعد واقعہ نہیں ہے جس پر یقین کے لئے نفس نوعیت واقعہ کی بنا پر کسی غیر معمولی شہادت کی احتیاج ہو۔

عام تجربات

تنویمی تجربات کے علاوہ یوں بھی کچھ نہ کچھ ایسے پُر اسرار واقعات مشاہدہ و مسموع ہوتے رہتے ہیں جن کی توجیہ عام قوانینِ فطرت سے نہیں ہوتی اور جو بہت سے معجزات کے متعلق ہماری حیرت و استبعاد میں کمی پیدا کرتے رہتے ہیں ہمارے صوبہ کے مشہور انگریزی اخبار "لیڈر" نے پچھلے سال اپریل میں بردوان کا ایک عجیب و غریب واقعہ چھاپا تھا جو نامہ نگار کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

"بردوان میں ایک عجیب پُر اسرار واقعہ پیش آیا جس نے لوگوں میں کافی سنسنی پیدا کر دی ہے لالہ کندن لعل کپور ایک کھتری زمیندار ۱۱ ماہ حال کو ۶ بجے شام کے وقت مرا، متوفی چونکہ سورج بنسی کھتری تھا اس لئے جب تک دوسرے دن صبح آفتاب نہ نکل لیا اس کی لاش جلائی نہیں گئی، جلانے سے پہلے اس کے لڑکے (نند لال) نے ایک خالی کمرہ میں جہاں کوئی اور نہ تھا لاش کا فوٹو لیا، لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس کے فوٹو پر پانچ اور دھندلی تصویریں آگئی ہیں، ان تصویروں میں

[1] ڈاکٹر مول کی کتاب ہپناٹزم ص ۳۵۵ ۱۹۰۹ء [2] ہپناٹزم ص ۳۵۶۔

سے دو کو تو خاندان کے لوگوں نے پہچانا تھا کہ متوفی کی پہلی بیوی اور لڑکی کی ہیں، جن کو مرے ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں، باقی تین تصویریں جو زیادہ روشن نہ تھیں پہچانی نہ جا سکیں۔"

"ٹائمس آف سیلون" میں ایک انگریز پلانٹر (چائے کا کاشتکار) نے اپنے قلیوں کی قربانی اور پوجا کے کچھ مشاہدات لکھے تھے جو اس کو عجیب معلوم ہوتے تھے، ان میں یہ بھی تھا۔[1]

"ایک شخص آگ کی سو رانج وار چٹی، ہتھیلی پر رکھ کر مندر کے گرد رقص و طواف کرتا تھا، اس نے مجھ کو یقین دلایا کہ یہ چٹی اس کو بالکل گرم نہیں محسوس ہوتی تھی، حالانکہ جب میں نے تجربۃً چٹی کے اسی حصہ کو جو اس شخص کی ہتھیلی پر تھی چھوا تو میری انگلی جل گئی، ان کا بڑا پجاری کم و بیش ایک منٹ تک آگ میں ہاتھ ڈالے رہا اور کوئی اثر نہ ہوا، اسی طرح اور بھی کئی قلیوں نے نہایت غیر معمولی حرکتیں کیں۔"

ان چشم دید عجائب کو لکھ کر پلانٹر نے ناظرین اخبار سے درخواست کی ہے کہ اگر کسی اور صاحب نے اس قسم کے واقعات دیکھے ہوں تو براہ مہربانی اطلاع دیں یا اگر ان کی کوئی توجیہ، تشریح ہو سکتی ہو تو کریں، اس پر خود ٹائمس نے لکھا ہے کہ سیلون اور ہندوستان دونوں جگہ مذہبی رسوم کے مواقع پر اس قسم کے واقعات اکثر دیکھنے میں آتے ہیں مثلاً کولمبو میں محرم کے موقع پر لوگ آگ میں چلتے ہیں، ہم کو نہیں معلوم کہ ایسے واقعات کی اب تک علمی توجیہ ہو سکی ہے، ایک نظریہ یہ ہے کہ لوگ اپنے آپ پر عمل تنویم کر لیتے ہیں۔[2]

بہر حال توجیہ ہو سکے یا نہ ہو سکے لیکن اڈیٹر ٹائمس نے پلانٹر کے بیان کی تکذیب نہیں کی، نہ کسی مزید شہادت کا مطالبہ کیا، کیوں؟ اس لئے کہ اس طرح کے واقعات اور بھی وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں جن کو سامنے رکھنے کے بعد پلانٹر کا بیان اتنا مستبعد نہیں رہتا کہ نفس نوعیت واقعات ہی کی بنا پر ان کی تغلیط و تردید کر دی جائے یا کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کیا جائے، پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس واقعہ کو غلط سمجھو کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ نہ جلا سکی، زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی بنا پر تم ان کی نبوت کا اقرار نہ کرو، لیکن نفس واقعہ سے انکار کا کیا حق حاصل ہے؟

رویائے صادقہ

رویا یا خواب کی تشفی بخش عقدہ کشائی سے حکمت و فلسفہ کا ناخن اب تک عاجز ہے مختلف اصناف خواب کی توجیہ کے لئے جو جو نظریات فرض کئے گئے ہیں وہ خود ایک خواب پریشان معلوم ہوتے ہیں لیکن قدرت اپنی عجائب آفرینیوں کے لئے انسانی توجیہات کا انتظار نہیں کرتی۔

تم کسی معمر آدمی سے دریافت کرو، اس کو اپنی زندگی کے بہت سے ایسے خواب یاد ہوں گے جو واقعات مستقبل کی تمثیلی یا صریحی پیش بینی تھے، میرے ایک فلسفی دوست کو اپنے خوابوں کی صحت کا اس قدر تجربہ ہے کہ جب کسی شخص سے خواب میں ان سے بے لطفی ہو جاتی ہے تو بیداری میں اس کے نتیجہ کے لئے وہ تیار رہتے ہیں اور اکثر کچھ نہ کچھ بدمزگی کی نوبت آ ہی جاتی ہے، مجھ کو اپنے خواب بہت ہی کم یاد رہتے ہیں لیکن جو جس قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ یاد رہتا ہے، اسی قدر زیادہ صحیح نکلتا ہے، سنہ ۱۹۲۰ء کے روزنامچہ میں (۱۵) اپریل

[1] لیڈر نے ٹائمس آف سیلون کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ [2] تنویم مقناطیسی کی تحقیقات کی رو سے آدمی خود اپنے اوپر بھی عمل کر سکتا ہے۔

ایک جگہ لکھا ہے کہ:-

"آج دوپہر کو سویا تو کیا خواب دیکھتا ہوں کہ "ح" کا خط آیا ہے جس میں "س" کا بھی ایک خط ملفوف ہے، اٹھنے کے بعد ڈاک آئی تو یہ خواب بالکل واقعہ تھا، انتہا یہ کہ خطوں کا جو مضمون خواب میں دیکھا تھا وہی قریب قریب بیداری میں بھی پایا، حالانکہ مجھ کو "ح" کے خط کا کوئی انتظار نہ تھا اور "س" کا خط تو حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا۔"

پروفیسر ہلپرکت امیریا کے آثار قدیمہ کا ایک مشہور ماہر ہے، اس نے دو بابلی کتبات کے متعلق ایک اشکال کو جو بیداری میں حل نہیں ہو سکا تھا خواب میں حل کیا اور وہ بھی اس طرح کہ بابل کے ایک پرانے کاہن نے خواب میں آ کر اس کی رہنمائی کی۔[1]

جب عام لوگوں کے یہ تجربات ہیں، تو پھر اس میں کیا استعجاب و استبعاد رہ جاتا ہے کہ بعض نفوس قدسیہ (انبیاء) کے تمام خواب رویائے صادقہ یا ایک طرح کا وحی و الہام ہوتے ہیں، رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء رویائے صادقہ (صالحہ) سے ہوئی تھی، اخبار بالغیب کی گرہ بھی بڑی حد تک رویائے صادقہ سے کھل جاتی ہے۔

حقیقی اسرار نبوت

اسرار نبوت میں سب سے زیادہ پراسرار مقام وہ ہے جہاں ابراہیمؑ کو خدا خود ندا دیتا ہے (وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ) جہاں سے موسیٰؑ کو (وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا) کی بنا پر کلیم اللہ کا شرف عطا ہوتا ہے اور جہاں محمدؐ اور خدا میں قَابَ قَوْسَيْنِ یا اس سے بھی کم کی دوری رہ جاتی ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں منطق و استدلال کا حجاب اکبر اٹھ جاتا ہے اور ظنی علم کی جگہ کشف و مشاہدہ کا حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے ابراہیمؑ کو کس نے ندا دی؟ موسیٰؑ نے طور پر کس سے کلام کیا اور "لن ترانی" کے باوجود کیا دیکھا؟ وہ کون سی ہستی تھی جس میں اور محمدؐ میں صرف قاب قوسین کی دوری تھی؟ اور "أَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ" کا ماجرا کیونکر پورا ہوا؟ ان سوالات کا جواب جامۂ تحریر میں رہ کر نہ دیا جا سکتا ہے اور نہ سمجھا جا سکتا ہے۔

حقیقی آیات نبوت کی عام مثالیں

عام معجزات کی نوعیت سے، چونکہ اس کی مثالیں جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، معمولی واقعات زندگی میں بھی ملتی رہتی ہیں، لہذا اسی نسبت سے ان کے استبعاد میں بھی بہت کچھ کمی ہو جاتی ہے، لیکن "وادی ایمن" اور "سدرۃ المنتہیٰ" کی واردات جو اصلی معجزات اور مقام نبوت کی حقیقی "آیات کبریٰ" ہیں، ان کی بظاہر کوئی مثال اس عالم ناسوت میں نہیں نظر آتی، جس سے عام انسانوں کو ان کی فہم میں مدد ملے، بے شک لنریک من آیاتنا الکبریٰ کا رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا، اور یہ سچ ہے کہ آفتاب کی عالم افروزی کا اندازہ ستاروں کی چمک سے نہیں ہو سکتا، تاہم بہ قدر استعداد تجلی طور کا ہلکا سا پر تو ذرات پر کبھی کبھی پڑ ہی جاتا ہے اور چشم بینا کی ہدایت کے لئے اتنا ہی بس ہے، انبیائے مرسلین کے بعد اولیائے مقربین کے ہاں ان تجلیات کی کافی شہادتیں ملتی ہیں، لیکن عام انسانی سطح سے چونکہ یہ درجہ بھی بہت بلند ہے، اس لئے اور نیچے اتر کر ہم کو اپنی سطح کی کچھ مثالیں تلاش کرنی چاہئیں۔

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون "ڈریم" "دیا تبرل ہی تس"

پروفیسر ولیم جمیس جو ہمارے زمانہ کا سب سے نامور محقق نفسیات اور جس کا شمار اکابر فلاسفہ میں ہے، اس نے لوگوں کے ذاتی واردات مذہب، یا مذہبی تجربہ و شعور کے مختلف اصناف پر ۵۰۰ صفحات سے زائد کی ایک کتاب لکھی ہے، اس میں بلا قید مشرق و مغرب انبیاء و اولیاء، عوام و خواص، علماء، حکماء، سب کے تجربات مذہبی کی آپ بیتی واردات کو یکجا کیا، اسی ذخیرہ میں سے ہم صرف عام انسانی سطح کے چند واقعات کا بہ ترتیب ذیل انتخاب کرتے ہیں،

سب سے پہلے جمیس نے اپنے ایک بے تکلف اور نہایت ہی ذہین و زیرک دوست کے متعدد تجربات لکھے ہیں، اس دوست کو کبھی کبھی رات کے وقت جب کہ یہ کتب بینی میں مشغول ہے یا خالی بیٹھا ہے، ایسا معلوم ہوا کہ کمرے کے اندر کوئی موجود ہے، پلنگ کے پاس ہے، اپنی گود میں اس کو دبا رہا ہے، گو وہ نہیں جانتا کہ یہ کون ہے یا کیا ہے تاہم نفس اس کی موجودگی کا اس سے کہیں زیادہ اس کو یقین ہے جتنا کہ دن کی روشنی میں کسی ذی روح کی موجودگی کا ہو سکتا ہے، وہ اس کو کسی متشخص ذات یا انسان کی طرح نہیں دیکھ رہا ہے، پھر بھی اپنے تمام محسوسات سے زیادہ اس کے حقیقی و واقعی ہونے کا اذعان ہے،

"اس کی موجودگی میں نہ کوئی ابہام و التباس ہے، نہ یہ شعر یا موسیقی کے وجد و کیف کا سا پیدا کردہ کوئی جذبہ ہے، بلکہ یہ ایک قوی شخصیت کی نہایت قریب موجودگی کا قطعی علم و یقین ہے اور اس کے چلے جانے کے بعد میرے حافظہ میں اس کی یاد ایک حقیقت کی طرح تازہ ہے، ہر چیز جو میں دیکھتا یا سنتا ہوں خواب ہو سکتی ہے، لیکن یہ واقعہ خواب نہ تھا" (صفحہ ۶۰، ۶۱)

یہ دوست کوئی وہم پرست نہیں ہے بلکہ جمیس کو اس بات پر حیرت ہے کہ وہ ان تجربات کو مذہبی رنگ میں کیوں نہیں تعبیر کرتا، اس کے بعد ایک اور شخص کا بیان ہے،

"میری آنکھ بہت رات رہے کھل گئی، ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے جان بوجھ کر جگا دیا اور پہلے میں یہی سمجھا کہ کوئی شخص اندر گھس آیا ہے، میں نے پھر سونے کے لئے کروٹ بدل لی، فوراً ہی محسوس ہوا کہ کمرے میں کوئی موجود ہے اور یہ کچھ عجیب احساس تھا، کسی عام ذی حیات شخص کی موجودگی کا نہیں بلکہ ایک روحانی وجود کا احساس تھا، ممکن ہے کہ تم کو اس پر ہنسی معلوم ہوتی ہو لیکن میں وہ بیان کرتا ہوں جو مجھ پر گزری بجز اس کے کہ میں ایک روحانی وجود سے اس کو تعبیر کروں اور کوئی بہتر صورت مجھ کو اپنے احساس کے ادا کرنے کی نہیں ملتی، ساتھ ہی مجھ کو ایک یہ دہشت بھی محسوس ہوئی کہ کوئی عجیب و خوفناک واقعہ ظاہر ہوا چاہتا ہے" (ص ۶۱)

ایک سائنس دان کے اعترافات سنو!

"بیس اور تیس سال کی عمر کے مابین میں بتدریج لاادری اور لامذہب ہو گیا تھا تاہم اس "غیر متعین شعور" سے میں کبھی خالی نہیں رہا، جس کا نام ہربرٹ اسپنسر نے حقیقۂ مطلقہ رکھا ہے، لیکن اسپنسر کی طرح

لہ اس نام THE VIREETIES OF RELGISVS EXPRERIENCE تجربۂ مذہبی کے اصناف پروفیسر موصوف کا انتقال ابھی ۱۹۱۰ء میں ہوا ہے،

یہ حقیقت میرے لئے محض نا ممکن التعلم نہ تھی، کیونکہ گو میں نے طفلانہ طریقہ سے خدا سے دعائیں مانگنا چھوڑ دیا تھا اور مذہبی رسم کے مطابق کبھی نماز نہیں پڑھی، مدت بڑھا ہوا تاہم میرا زیادہ حال کا تجربہ بتلاتا ہے کہ عملاً اس ذات کے ساتھ مجھ کو وہی تعلق رہا ہے جو دعا اور نماز کا ہوتا ہے، جب مجھ پر کوئی مصیبت پڑی خواہ وہ خانگی ہو یا کاروباری، یا جب میں کسی معاملہ کے متعلق پریشان و متردد ہوا اور میرا دل بیٹھنے لگا تو اعتراف کرتا ہوں کہ استعانت کے لئے میں اسی تعلق کی طرف بھاگا جو مجھ کو اس ذات کے ساتھ حاصل تھا، اس نے ہمیشہ میری نصرت کی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی تائید غیبی نے مجھ کو بے انتہا قوی کر دیا ہے، میں پاتا ہوں کہ اس کے ساتھ میرا تعلق درحقیقت شخصی تھا کیونکہ ادھر چند سال سے اس ذات سے استعانت کی قوت نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے، جس سے مجھ کو ایک صریح فقدان کا شعور ہے اور اقرار ہے کہ میں اپنی زندگی میں ایک بڑی قوت و نصرت سے محروم ہو گیا ہوں، جس ذات کو میں اس نام سے تعبیر کر رہا ہوں، وہ اسپنسر کی نامعلوم حقیقت نہ تھی بلکہ وہ میرا خدا تھا جس کی تائید پر مجھ کو بھروسہ تھا لیکن جس کو نہیں معلوم میں نے کس طرح گم کر دیا" (ص ۷۰، ۷۱)

سوئٹزرلینڈ کے ایک شخص کی آپ بیتی یہ ہے:-

"میں پوری طرح صحیح و تندرست تھا، کسی قسم کی تھکن، بھوک یا پیاس قطعاً نہ تھی، طبیعت بالکل چاق اور شگفتہ تھی، گھر سے جو خبر ملی تھی اچھی تھی، غرض دور و نزدیک کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ تھی، ہوشیار رہنما ہم لوگوں کے ساتھ تھا، راستے میں بھٹکنے کا بھی مطلقاً اندیشہ نہ تھا، مختصر طور پر اپنی اس حالت کو یوں ادا کر سکتا ہوں کہ میرا دل و دماغ اس وقت کامل توازن کی حالت میں تھا کہ یکایک مجھ کو اپنے اندر ایک طرح کا ارتفاع محسوس ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ خدا موجود ہو گیا، اس کی رحمت و قوت میرے سارے وجود میں نفوذ کر رہی ہے، یہ کیفیت اس درجہ شدید تھی کہ ساتھیوں سے بمشکل اتنا کہہ سکا کہ آگے بڑھو میرا انتظار نہ کرو، مجھ میں کھڑے ہونے کی تاب نہ تھی، ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور آنکھوں سے آنسو کا دریا امنڈ آیا، میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایک حقیر اور میرے جیسے گناہگار مخلوق پر اتنا بڑا رحم و فضل فرمایا کہ زندگی ہی میں اپنے کو پہچنوا کر اپنی ربوبیت کا کرشمہ دکھلایا، میں نے اس سے نہایت الحاح کے ساتھ دعا کی کہ میری زندگی تمام تر اس کی رضا جوئی میں بسر ہو، جواب ملا کہ بس تو روز بروز عاجزی و محبت کے ساتھ میری رضا پر چلنے کی کوشش کر اور اس کا فیصلہ مجھ خدئے قادر و توانا پر چھوڑ دے کہ اس سے بھی زیادہ شعور کے ساتھ تو مشاہدۂ حق کے قابل ہوا ہے یا نہیں، یہ احساس دائرہ اس قدر گہرا اور واضح تھا کہ میں نے اپنے دل سے سوال کیا کہ کیا موسیٰ نے کوہ طور پر کچھ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ دیکھا تھا، اس قدر بیان کر دینا اور مناسب ہوگا کہ اس عالم وجد میں خدا کسی شکل و صورت اور رنگ و بو سے متصف نہ تھا، نہ میں اس کی موجودگی کی کوئی خاص جگہ محسوس کر رہا تھا" (ص ۶۶-۶۷)

لہ اس حالت کو سامنے رکھ کر قرآن آیات کو پڑھیے، ایاک نستعین، نعم المولیٰ، اللہ ولی، وما النصر الا من عند اللہ،

جیمس نے تو اس قسم کے تجربات کا ایک انبار لگا دیا ہے، لیکن ہم ایک طویل بیان کے دو جملوں کے اقتباس پر بس کرتے ہیں، قیاس اور اخذ نتائج کے لئے امید ہے کہ یہی تین چار مثالیں کافی ہوں گی۔ امراض دماغی کے ایک ماہر ڈاکٹر نے خود اپنا تجربہ لکھا ہے۔

"اس کے بعد مجھ پر ایک نہایت فرحت و انبساط کی کیفیت طاری ہوئی جس کے ساتھ ہی ایک ایسی اشراقی یا انشراحی حالت پیدا ہوئی جس کا بیان ناممکن ہے، اس حالت میں دوسری چیزوں کے ساتھ اس بات کا بھی مجھ کو صرف یقین نہیں بلکہ عینی مشاہدہ ہوا کہ کائنات بے جان مادہ سے نہیں بنی ہے بلکہ ایک ذی حیات وجود ہے، مجھ کو خود اپنے اندر ایک ابدی حیات کا احساس ہوا، یہ کیفیت صرف چند سکنڈ تک رہی لیکن اس کی یاد اور حقیقت کا احساس آج چوتھائی صدی گزر جانے پر بھی اسی طرح تازہ ہے۔" (ص ۲۹۹)

ان مثالوں کو سامنے رکھ کر اب یہ حدیث پڑھو:۔

"ایک دفعہ صبح کی نماز کے لئے آپ دیر سے برآمد ہوئے، نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی جگہ ٹھہر جائیں، پھر فرمایا کہ آج شب کو میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں جتنی کہ میرے لئے مقدر تھیں، آخر نماز میں کچھ اونگھ سا گیا (نعست) اس حالت میں، میں نے دیکھا کہ جلال الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہے، خطاب ہوا، اے محمدؐ! تم جانتے ہو کہ فرشتگانِ خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی نہیں اے میرے رب! میں نہیں جانتا، اس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچ گئی اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئیں، سوال ہوا، یا محمدؐ! تم جانتے ہو کہ فرشتگانِ خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی، ہاں میرے رب"۔۔۔ الخ[1]

اس میں کلام نہیں کہ مکالمۂ طور اور ماجرائے اسراء (معراج) کا مقام مذکورہ بالا مثالوں سے اتنا ہی بلند ہے جتنا کہ انبیاء کا مقام انسانوں سے بلند ہونا چاہیئے۔ "تا ہم عالمے ہست کہ ایں عالم ازاں تمثالے است"، ان مثالوں سے ایک نہ ایک حد تک اس مقام برتر کا دھندلا سا تصور پیدا کیا جا سکتا ہے اور ہمارے مدعا کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

مقدمات ثلثہ

یقین معجزات کے لئے ہماری منطقِ استدلال کے تین مقدمات تھے جن میں سے دو کو تو ہیوم اور ہکسلے نے بترتیب پورا کر دیا تھا، تیسرا مختلف اصنافِ استبعاد کے شواہد سے پورا ہو جاتا ہے ان مقدمات ثلثہ کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) معجزات بذات خود کوئی ناقابل تصور یا ناممکن الوقوع شے نہیں ہیں (ہیوم)

(۲) زیادہ سے زیادہ ان کو "انتہائی حیرت انگیز" یا "انتہائی مستبعد" واقعات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اس لئے (الف) انسانی شہادت کی بنا پر ان کو قبول کیا جا سکتا ہے (ب) "بہ انتہائی حیرت انگیزی" و استبعاد کی وجہ سے بظاہر ان کو قبول کرنے کے لئے جو شہادت مطلوب ہے اس کو بھی ہر لحاظ سے انتہائی حد تک قابل اعتبار

[1] پوری حدیث کے لئے دیکھو آگے ذکر مشاہدات۔

ہونا چاہیئے (ہکسلے)

(۳) لیکن معجزات میں جس قسم کا استبعاد یا حیرت انگیزی پائی جاتی ہے، اس کے شواہد چونکہ عام انسانوں کے مادی، نفسی یا روحانی تجربات میں بھی ملتے رہتے ہیں جن کے قبول و یقین کے لئے لوگ کوئی غیر معمولی شہادت طلب نہیں کرتے۔

لہٰذا یقین معجزات کے لئے بھی کسی غیر معمولی شہادت کی ضرورت نہیں!۔

اصلی بحث یقین کی ہے

لیکن سوال یہ ہے کہ ہیوم و ہکسلے کی ناتمام منطق سے اگر کوئی شخص گمراہ ہو گیا تھا تو کیا وہ اس منطق کا صرف تیسرا مقدمہ پورا کر دینے سے راہ راست پر آجائے گا اور کیا اب صفحات بالا کے پڑھ لینے سے معجزہ کا کوئی منکر نہ رہ جائے گا؟ مجھ کو تو اندیشہ ہے کہ محض یہ سیاہ نقوش ایک منکر کو بھی مومن نہ بنا سکیں گے، آپ کہیں گے کہ شاید استدلال ہی بودا ہے، لیکن کیا دنیا کا کوئی قوی سے قوی استدلال بھی نفس اپنی قوت استدلال کی بنا پر کسی کو معجزات کا یقین دلا سکتا ہے؟ ارسطو، مل اور ہیگل[1] جو منطق کے اقانیم ثلثہ ہیں، کیا یہ سب کے مل کر بھی کوئی ایسی منطق یا عقلی استدلال پیدا کر سکتے تھے جو بذاتہ ہر عام و خاص کو معجزات کا یقین دلا دیتا؟۔

ان سوالات کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر معجزات کے متعلق خالی امکان و وقوع اور شہادت وقوع کی بحث چنداں اہم نہیں رہ جاتی، بلکہ اصلی بحث یقین کی ماہیت اور اس کے علل و اسباب کی ہے۔

یقین معجزات

یقین کی ماہیت

یقین کی فلسفیانہ ماہیت پر کوئی مفصل و مستقل بحث چھیڑنا مقصود نہیں ہے، نہ یہاں چنداں اس کی ضرورت ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ نفس تصور اور اس کے یقین میں کیا فرق ہے؟

یہاں ہمارے مقصد کے لئے صرف اتنا جان لینا چاہیئے کہ ریاضی کے تصورات مجردہ[2] کی طرح امور واقعیہ (واقعات) کے متعلق ہمارا یقین ناقابل تغیر یا اطلاقی نوعیت کا نہیں ہوتا، بلکہ لذت و الم، حیرت و استعجاب، رنج و غم

[1] ارسطو، و مل علی الترتیب قیاسی و استقرائی منطق کے امام ہیں جن کا تعلق اضافی حقائق و علوم سے ہے، لیکن ہیگل (جرمنی) نے منطق کے
کا سراغ لگانا چاہا ہے۔
زمین و آسمان ہی بدل دیئے یعنی منطق کو مابعد الطبیعیات بنا کر اس کے ذریعہ حقیقۃ مطلقہ

[2] معجزات کا تعلق چونکہ تاریخ اور روایت کے واقعات سے ہے نہ کہ ریاضی کی مجردات سے، اس لئے ہم مجردات ریاضیہ کے علم و یقین کی جو نوعیت ہے اس کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے ورنہ در اصل یہ یقین بھی کسی ایسی اطلاقی اور ذاتی یا ناقابل تغیر بنیاد پر نہیں قائم ہے جس کا انکار ہو سکے بکول جیسے منطقی و فلسفی کا تو یہ دعوی ہے کہ ریاضیات کی مفروضہ قطعیت محض ایک وہم و فریب ہے جس طرح براق کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے آدھے گھوڑے اور آدھے انسان کا، یہ نہیں لازم آتا کہ براق کا وجود یقینی اور واقعی ہے، اسی طرح دائرہ کی اس تعریف
انتہا یہ کہ مل کے
سے کہ وہ نام ہے ایسی شکل کا جس کے نصف قطر تمام برابر ہیں، یہ نہیں لازم آتا کہ واقعتاً ایسا کوئی دائرہ موجود بھی ہے،
نزدیک اس میں بھی کوئی تناقض نہیں کہ دو اور تین مل کر چھ ہو سکتے ہیں۔

محبت ونفرت، ارادہ وخواہش وغیرہ دیگر کیفیاتِ نفسی کی طرح محض ایک اضافی وتغیر پذیر ذہنی کیفیت کی حیثیت رکھتا ہے جس طرح کسی واقعہ سے ہر شخص کے نفس میں کیفیاتِ بالا کا پیدا ہونا یا یکساں طور پر پیدا ہونا ضروری نہیں ہے اسی طرح ہر آدمی کے دل میں اس واقعہ کا یقین یا ایک ہی معنی میں یقین پیدا ہونا بھی لازمی نہیں، تاریخ کی بعض کتابوں میں ایک روایت مذکور ہے کہ اسکندریہ کا کتب خانہ حضرت عمرؓ کے حکم سے اس بے دردی کے ساتھ جلایا گیا کہ چھ مہینے تک مصر کے حماموں کا ایندھن بنا رہا، علم کی فدائی اور حکمت وفلسفہ کا عاشق اس روایت کو پڑھ کر کفِ افسوس ملنے لگتا ہے اور اس کے دل میں نفرت وغصہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، بخلاف اس کے اسی روایت کو اگر ایک سپاہی پڑھتا ہے تو نہ وہ اپنے اندر کوئی نفرت وغصہ پاتا ہے اور نہ اتنا افسوس کرتا ہے، اس کے نزدیک قلعہ انتورپ کی بربادی کتب خانہ اسکندریہ سے کہیں زیادہ ماتم انگیز ہے لیکن یہی روایت اگر کسی صوفی عارف کی نظر سے گزرے تو رنج وغصہ کی جگہ اس کو انتہائی مسرت ہو سکتی ہے کہ حجابِ اکبر کا یہ دفتر بے معنی اسی سلوک کا مستحق تھا، صد کتاب وصد ورق در نار کن۔

تم نے دیکھا کہ ایک ہی چیز سے مختلف اشخاص پر مختلف بلکہ متضاد جذبات طاری ہوتے، جذبات کی طرح یقین وعدم یقین کے بھی متضاد اثرات طاری ہوتے ہیں، جن اہل یورپ کے دل میں مسلمانوں کی وحشت وجہالت کا تعصب راسخ تھا اور جن کی طبیعت تنقیص اسلام کی ہر شہادت کو قبول کرنے پر حریص تھی انہوں نے نہ صرف شہادت کی تحقیق وتفتیش کے بغیر اس خبر کا یقین کر لیا بلکہ اس کی روایتی ودرایتی تضعیف کے بعد بھی ان کا یقین قائم رہا، لیکن انہی اہل یورپ میں جو گروہ اس درجہ اسلام کے ساتھ عداوت نہیں رکھتا تھا کہ اس کے جذبہ انصاف پسندی کو تعصب نے مغلوب کر لیا ہو، اس کو تحقیق کے بعد یہ روایت ہی سرے سے بے اصل ومضحکہ خیز نظر آئی، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایک مسلمان مورخ جو کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کو دامنِ اسلام پر وحشت وجہالت کا ایک بدنما داغ سمجھتا تھا اور کسی طرح ان کا محبتِ اسلام سے لبریز دل اس کے قبول کرنے پر آمادہ نہ تھا، اس کی تحقیقات نے اس روایت کو نہ صرف دشمنوں کا صریح افترا وبہتان قرار دیا بلکہ الٹے خود ان ہی افترا پردازدشمنوں کو اصلی مجرم ثابت کر دکھایا۔

"ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا"

نظریاتِ حکمت کا یقین

یقین کی یہ جذباتی واضافی حیثیت صرف واقعات، تاریخ وروایت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ فلسفہ وحکمت (سائنس) کے نظریات ونظامات کا یقین بھی یہی حیثیت رکھتا ہے، پروفیسر جیمس نے "ارادۂ یقین" اور "جذبۂ عقل پرستی"[1] کے عنوان سے دو نہایت دلچسپ مضمون لکھے ہیں، ان میں اس نے دکھایا ہے کہ ہمارا یقین کس قدر خواہش وارادہ یا جذبات کی اضافی کیفیات کا پابند ہے اور سائنس وفلسفہ کی بنیاد جس عقل پرستی پر ہے وہ بھی دراصل مذہب پرستی یا عجائب پرستی کی نوعیت کا محض ایک جذبہ ہے۔

یکسانی کا جذبہ

ایک فلسفی یا حکیم فلسفیانہ یا حکیمانہ فکر وتفحص میں کیوں اپنا سر کھپاتا ہے؟ زیادہ تر اس خواہش کی بنا پر کہ عالم میں جو ایک تشتت وپریشانی، کثرت وپراگندگی نظر آتی ہے، کوئی ایسا اصول یا قانون دریافت

[1] جیمس کا مضمون جذبۂ عقلیت SENTIMENT OF RATIONALITY

ہو جائے جو اس کثرت وپراگندگی کو وحدت ویکسانی کے رشتہ سے مربوط ومسلسل کر دے، اس قانون واصول کے عقلی یا صحیح ہونے کا کیا معیار ہے؟ صرف یہی کہ اس کے قبول وباور کرنے سے ہمارے دماغ کی حیرانی وپریشانی رفع ہو جاتی ہے اور کارخانۂ فطرت میں یکسانی وہمواری کی موجودگی کا ایک خوشگوار ولذیذ احساس یا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

یہ لذت کہ پراگندہ واقعات دراصل کسی ایک ہی مخفی واقعہ کے مظاہر ہیں، اسی طرح کی لذت ہے جو کسی توجیہ کو پراگندہ آوازوں کے ایک نغمہ یا راگ میں منتظم کر دینے سے حاصل ہوتی ہے، کون شخص اس امر کی دلفریبی کو نہ محسوس کرے گا کہ سیب کو زمین کے ساتھ وہی تعلق ہے جو چاند کو اس کے ساتھ ہے، غبارہ اسی قانون کے ماتحت اوپر چڑھتا ہے جس کے تحت پتھر نیچے گرتا ہے، اس یقین میں کس کے لئے لذت نہ ہوگی کہ پہاڑ پر چڑھنے یا درخت کے کاٹنے میں جس طاقت سے ہم کام لیتے ہیں وہ وہی ہے جو آفتاب کی ان کرنوں میں پائی جاتی ہے جو اس غذا کو بناتی ہیں جس کا صبح ہم نے ناشتہ کیا ہے۔

نظم ویکسانی کی لذت کے لئے انسان کی فطرت جس درجہ حریص ہے اسی کو ملحوظ رکھ کر ہمارے زمانہ کے ایک زبردست معلمِ فلسفہ پروفیسر روائس نے تنبیہ کی ہے کہ جہاں کہیں بھی ہم کو کسی قانونِ فطرت کی وحدت ویکسانی کا یقین محسوس ہو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس احساسِ وحدت کا بڑا حصہ اصل فطرت کی واقعی وحدت کے بجائے اس ناقابلِ استیصال جذبہ پر مبنی ہو سکتا ہے جو وحدت ونظم کی پسندیدگی کے لئے خود ہمارے نفوس کے اندر موجود ہے[1]۔ یہی تعصب تھا جس کی بنا پر ایک بڑے سائنسدان نے جیمس سے کہا کہ کلام نفسی کا دعوٰی اگر صحیح بھی ہو تو بھی تمام اہل سائنس کو اس کے دبانے اور چھپانے پر ایکا کر لینا چاہیئے، کیونکہ اس سے فطرت کی یکسانی اور نیز بہت سی ایسی چیزوں کی تکذیب ہوتی ہے جن کے مانے بغیر سائنسدان اپنا کام نہیں چلا سکتے، اس قول کو نقل کر کے جیمس نے لکھا ہے کہ اگر یہی سائنس داں حضرات کلام نفسی کو سائنس کے حق میں مفید مطلب پاتے تو اس سے اغماض کے بجائے نہ صرف اس کی شہادت کی تحقیق پر آمادہ ہو جاتے بلکہ یہی شہادت یقین کے لئے کافی ہوتی[2]، اب تم ہی فیصلہ کرو کہ کیا عقل پرست سائنس کے تعصبات وہم پرست مذہب کے تعصبات سے کچھ بھی کم یا مختلف ہیں؟ اور کیا اہل سائنس کا انکارِ معجزات وحدت ویکسانی کے مذکورۂ بالا تعصب کا نتیجہ نہیں ہے؟

نظریاتِ فلسفہ کا یقین

خیر اہل سائنس یا حکماء کو تو خود ہی بڑی حد تک اس امر کا اعتراف ہے کہ سائنس کے نظریات دلوامیں زیادہ تر اضافی اور مفروضی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن فلاسفہ یا متالہین جو حقائقِ عالیہ اور صداقتِ مطلقہ کے چہرہ سے پردہ اٹھانے کا دعوٰی رکھتے ہیں، ان کے اصول ونظریات پر تو انسانی جذبات یا ذاتی میلانات کا سایہ تک نہ پڑنا چاہیئے تھا، مگر یہ کس قدر حسرت انگیز منظر ہے کہ سب سے زیادہ فلسفہ ہی کے مذاہب ونظامات شخصی جذبات وخواہشات کا عکس نظر آتے ہیں، بلکہ سچ یہ ہے کہ جتنے فلاسفہ تھے

[1] دیکھو اصول نفسیات جلد دوم صفحہ ۳۱۹، فلسفہ کا مذہبی پہلو، مصنفہ پروفیسر روائس THE RELIGIOUS ASPECT OF PHILOSOPHY

[2] ارادۂ یقین صفحہ ۱۰، طبع جدید ۱۹۱۷ء

ہی مذاہب، حتیٰ کہ ایک عام دلچسپ تقسیم کی رو سے فلاسفہ کی دو قسمیں برقرار باقی ہیں کہ رونے والے (بکائیہ) اور ہنسنے والے (ضحکیہ)، فلاسفہ جن کو زیادہ سنجیدہ اصطلاح میں علی الترتیب "متشریہ" اور "خیریہ"[1] کہا جاتا ہے یا اس کو "یاسیہ" اور "رجائیہ" بھی کہہ سکتے ہو، اگر نفسیاتی تحلیل کی جائے تو اس اختلاف کا بانی رونے اور ہنسنے، یاس و رجاء، امید و بیم وغیرہ کے ذاتی جذبات و احوال ہی ثابت ہوں گے۔

دور جدید کا ایک زبردست فلسفی شوپنہار جس کا شمار فلسفہ کے اکابر ائمہ میں ہے اور جو فلاسفہ کی رونی جماعت کا ایک نامور فرد ہے، اس کا سارا فلسفہ ہی یہ ہے کہ "صداقت مطلقہ" صرف ارادہ یا خواہش ہے نہ کہ عقل یا فکر، اور یہ ارادہ چونکہ "بے عقل" ہے، اس لئے اس کی کوئی غایت نہیں، دنیا میں کوئی فلاح و سعادت نہیں بلکہ یہ تمام تر بے مقصد آزادہ کا ایک کھلونا یا تماشہ ہے، خارجی عالم اسی بے عقل و بے مقصد ارادہ کی محض ایک تصویر ہے۔

کرۂ عقل کی سب سے اونچی سطح پر بسنے والے ان فلاسفہ کے باہمی اختلافات بلکہ تضاد آراء کا یہ عالم ہے کہ جتنے منہ اتنی باتیں، کوئی کہتا ہے کہ دنیا تمام تر عقل پر مبنی ہے کوئی مدعی ہے کہ اس کا وجود سراپا بے عقلی ہے کوئی شخصی خدا کا یقین رکھتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ شخصی خدا ناقابل تصور ہے، کسی کو ذہن سے باہر خارجی دنیا کا اذعان ہے کوئی ثابت کرتا ہے کہ خارجی دنیا کا وجود محض وہم و فریب ہے کسی کی زبان پر ہے کہ ایک مستقل و قائم بالذات روح ہے، کوئی پکارتا ہے کہ نفس کے تغیر پذیر احوال کے سوا کچھ نہیں ہے، کسی کا دعویٰ ہے کہ سلسلہ علل لامتناہی ہے، کوئی مانتا ہے کہ نہیں، ایک علۃ العلل ہے، کوئی انسان کو مجبور محض پاتا ہے اور کوئی مختار، کوئی جسد و عالم کی وحدت کا قائل ہے اور کوئی کثرت کا، بظاہر مہمل سے مہمل بات بھی تم کو ایسی نہ ملے گی جس کا باور کرنے والا عاقل سے عاقل فلسفی نہ ملتا ہو۔

عقل انسانی کی ان ہی حیرانیوں کو دیکھ کر آدمی پکار اٹھتا ہے کہ کسی چیز کو حق کہنے کے صرف یہ معنی ہیں کہ جب تم اس کو حق یقین کرو تو حق ہے ورنہ نہیں، اور خصوصاً موجودہ زمانہ میں تو اس سرعت و کثرت کے ساتھ نظریات ابل پڑے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے زیادہ واقعی خیال کرنا قریباً ناممکن ہو گیا ہے، اس قدر مختلف ہندسات اس قدر مختلف منطقیں، اس قدر مختلف طبیعیاتی و کیمیاوی مفروضات پیدا ہو گئے ہیں کہ صحیح سے صحیح اصول کی نسبت بھی گمان ہوتا ہے کہ وہ کسی واقعیت کا پرتو ہونے کے بجائے محض انسانی ذہن کی ایجاد ہے[2]۔

مشاہدات کا یقین تم سمجھتے ہو گے کہ غیر یقین کی یہ اضافی یا ذہنی نوعیت زیادہ سے زیادہ اصول و نظریات تک محدود ہو گی، باقی مشاہدات و محسوسات جو ان اصول و نظریات کا آخری مرجع ہیں تو وہ بہرحال کوئی اضافی شے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے متعلق زید و عمرو کی نوعیت یقین میں کوئی تفاوت ناممکن ہے لیکن تمہارا یہ "ناممکن" نہ صرف "ممکن" بلکہ واقعہ ہے۔

دن رات کے ان معمولی تجربات کا تو ذکر ہی کیا کہ ایک چیز جو ایک آدمی کو خوبصورت معلوم ہوتی ہے دوسرے

---

[1] انگریزی میں ان کو لقب علی الترتیب OPTIMISTS اور PESSIMISTS ہے۔ تمام ذر و یقین THEORIES OF KNOWLEDGE (نظریات علم) از پروفیسر و کرمہ ۲۳ بحوالہ THE MEANING OF TRUTH (معنی صداقت) ص ۵

کو بدصورت نظر آتی ہے، ایک کو خوش مزہ محسوس ہوتی ہے، دوسرے کو بدمزہ، آلات حس و مشاہدہ کی ساری دنیا عبارت ہے، رنگ و بو، آواز و مزہ، سردی و گرمی، شکل و صورت، طول و عرض (امتداد) پستی و بلندی، دوری و نزدیکی سے، لیکن کیا ان میں سے ایک شے کے متعلق بھی عامی، حکیم اور فلسفی سب کا یقین یکساں نوعیت رکھتا ہے۔

عامی آدمی اپنے حواس کی مذکورۂ بالا ساری دنیا کو ٹھوس خارجی حقائق یقین کرتا ہے لیکن حکیم یا سائنسدان کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کا بھی خارج میں کوئی وجود نہیں اور آج کل کے سائنسدان تو بار بار اس حقیقت کو دہراتے رہتے ہیں کہ اشیاء دراصل وہ یا ویسی نہیں جیسی کہ ہمارے حواس کو محسوس ہوتی ہیں (ماڈرن بلیف ص ۱۶۰)، ذہن یا احساس سے باہر نہ کوئی رنگ ہے نہ بو، نہ کوئی آواز ہے نہ مزہ، لیکن حکمت کو چونکہ اپنی تحقیقات میں قدم قدم پر مادہ و قوت کے الفاظ دہرانا پڑتے ہیں، اس لئے خالص حکیم کے دل میں مادہ پرستی کا ایک ایسا جذبہ و میلان پیدا ہو جاتا ہے کہ باوجود اس اقرار کے کہ مادہ کسی نامعلوم شے کا نام ہے پھر بھی کسی نہ کسی مفہوم میں اس کے وجود خارجی کے یقین پر اپنے کو مجبور پاتا ہے، بخلاف اس کے فلسفہ یا مابعد الطبیعیات کا عالم چونکہ حکیمانہ تعصبات سے بالاتر ہے لہٰذا بے جھجک سرے سے وجود مادہ ہی کا انکار کر دیتا ہے، اس کے نزدیک بس جو کچھ وجود ہے وہ ذہن یا نفس کا، مگر یقین کی گردن دلائل سے کب جھکتی ہے، ممکن ہے کہ چند لمحات کے لئے حکیم یا فلسفی عالم رنگ و بو یا مادہ کے وجود فی الخارج کے خلاف یقین پر قائم رہ سکتا ہو لیکن بالآخر اس کو جبلت کی حکومت قاہرہ اسی نقطہ پر واپس لاتی ہے جہاں سے غور و فکر نے اس کو منحرف کیا تھا اور شب و روز کی زندگی میں وہ عالم رنگ و بو کے وجود خارجی پر اسی طرح اذعان رکھتا ہے جس طرح ایک عامی آدمی۔

غرض یقین اپنی ماہیت کی رو سے تمام تر صرف ایک نفسی میلان ہے، جو نہ علم کا پابند ہے نہ جہل کا جس کا انحصار نہ عقل پر ہے نہ بے عقلی پر، جو نہ سچ پر موقوف ہے نہ جھوٹ پر، وہ فلسفہ، حکمت، علم و عقل سب چیزوں سے پیدا ہو سکتا ہے اور کسی سے بھی نہیں پیدا ہو سکتا اور جب پیدا ہونا چاہتا ہے تو کلیفرڈ کے اس مشورہ کا منہ نہیں دیکھتا کہ "جھوٹ پر یقین کرنے سے بہتر ہے کہ ہمیشہ یقین کے بغیر رہو"۔

کیا عجیب بات ہے کہ یقین کی اس ماہیت پر بھی کہ وہ دلائل کا کوئی منطقی نتیجہ نہیں بلکہ محض ایک ذہنی میلان ہے خود اسی شخص کی نکتہ رس نظر پڑی تھی جو یقین معجزات کا سب سے بڑا مخالف ہے، چنانچہ "ارشاٹیلین" سوسائٹی کے ایک ممبر براڈ نامی نے ۴۰-۲ سال ہوئے، ہیوم کے نظریہ معجزات پر ایک مضمون کے ضمن میں خود ہیوم کے اصول کی بنا پر لکھا ہے[1] کہ:

"ہیوم کو یقین معجزہ سے اس لئے انکار ہے کہ معجزہ گزشتہ مستمر تجربہ کے منافی ہوتا ہے مثلاً گزشتہ تجربہ یہ ہے کہ الف کے بعد ہمیشہ ب ظاہر ہوتا رہا ہے جس سے ہمارے اندر ایک قوی یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی ب ہمیشہ الف کے تابع ہو گا، ایک مذہبی آدمی معجزہ پر اس لئے یقین کرتا ہے کہ اس کے اندر عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے یقین کا ایک فطری میلان موجود ہے جس سے مذہب

---

[1] دیکھو ارشاٹیلین سوسائٹی (جمعیۃ ارسطاطالیسیہ) لندن کی روداد بابت ۱۹۱۶ء ص ۹۲

کی تائید ہوتی ہو، دونوں صورتوں میں یقین کا نفسیاتی سبب ظاہر ہے، ہیوم کا عدمِ یقین اس کے اس فطری میلان پر مبنی ہے کہ جو کچھ پہلے ہوا ہے وہی آئندہ بھی ہوگا اور مذہبی آدمی کا یقین اس کی عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے قبول کرنے کے فطری میلان پر مبنی ہے جن سے مذہب کی تائید ہوتی ہو لیکن خود ہیوم کو تسلیم ہے کہ گزشتہ مستمر تجربہ سے آئندہ پر حکم لگانے کا ہم کو کوئی منطقی حق حاصل نہیں ہے، لہٰذا مذہبی آدمی کا یقین معجزات پر اور ہیوم کا یقین قوانینِ فطرت پر (جس کا نتیجہ معجزات کا عدمِ یقین ہے) منطق کی نگاہ میں دونوں بالکل یکساں حیثیت رکھتے ہیں، دونوں صورتوں میں یقین نفسیاتی علت پر مبنی ہے اور کسی صورت میں بھی کوئی منطقی علت ہیوم نہیں پیش کر سکتا۔

جب یہ معلوم ہو چکا کہ یقین کی ماہیت صرف ایک طرح کا غیر منطقی میلانِ نفسی ہے تو اس کے اسباب کی جستجو منطق و فلسفہ کے دلائل میں بے سود ہے، منطقی یا فلسفیانہ دلائل زیادہ سے زیادہ میلانِ یقین کی تقویت و تضعیف کا کام دے سکتے ہیں، لیکن خود اس میلان کی تخلیق ان کے بس سے باہر ہے۔ یہ میلان بذاتِ خود ایک نفسی حقیقت ہے، لہٰذا اس کے اسبابِ تخلیق کا سراغ نفسیات (علم النفس) ہی کے اوراق میں مل سکتا ہے، گزشتہ تمام علمائے نفسیات نے یقین کی ماہیت و اسباب پر بحث کی ہے لیکن ہمارے لئے یہاں علم النفس کے نام تفصیل طلب طرزِ بحث سے ہٹ کر کسی قدر مختلف اور مختصر راہ زیادہ مناسب ہوگی۔

نفسیاتِ یقین

البتہ بنیادِ بحث کے لئے استناداً کسی معتبر شہادت کا سامنے رکھنا ضروری ہے، جس کے لئے عہدِ حاضر میں امریکہ کے سب سے بڑے استادِ نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کا نام مستند ترین ضمانت ہو سکتا ہے، اس لئے پہلے ہم پروفیسر موصوف کی کتاب "اصول نفسیات" کے باب احساسِ حقیقت (جلد دوم) سے اسبابِ یقین کے متعلق چند اصولی باتیں بلفظہٖ نقل کرتے ہیں:-

(۱) "معالجات (تدابیرِ شفا طلبی) کے بارے میں انسان کی زود اعتقادی اسی قسم کے نفسی اسباب یعنی جذباتی (احوال) پر مبنی ہے، حتیٰ کہ جب کوئی محبوب و عزیز شخص خطرناک بیماری یا تکلیف میں مبتلا ہو تو ناگوار سے ناگوار شے بھی زود اعتقادی کی راہ میں نہیں حائل ہو سکتی، بخصوص عورتوں کے لئے جس شے میں کچھ بھی امیدِ شفا ہو اس کے کرنے سے تسلی حاصل ہوتی ہے لہٰذا جو علاج بھی ایسی حالت میں تجویز کیا جائے وہ آتش گیر مادہ کے لئے چنگاری کا کام دیتا ہے۔ طبیعت فوراً اس پر عمل کے لئے آمادہ ہو جاتی ہے۔ آدمی اس علاج کا سامان کرتا ہے اور کم از کم ایک دن کیلئے اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ خطرہ جاتا رہا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ یقین آفرینی کے بڑے اسباب امید و بیم وغیرہ کے جذبات ہیں جن کے احاطۂ اقتدار میں ماضی، مستقبل اور حال تینوں داخل ہیں" (ص ۳۰۱، ۳۰۲)

اس کے بعد دوسرے ہی صفحہ پر ہے کہ:-

(۲) "سب سے زیادہ یقین آفرین وہ نظریہ ہوتا ہے جو ہمارے محسوسات کی تشفی بخش توجیہ کے علاوہ ایسی چیزیں ہمارے سامنے پیش کرتا ہو جو سب سے زیادہ دلچسپ ہوں اور جو ہمارے حاسۂ

جمال پرستی اور جذباتی و عملی ضروریات کو سب سے زیادہ متاثر کرتی ہوں"

لیکن ہم کو یہاں نفسیاتِ یقین کے متعلق اصل میں جس مختصر متن کی شرح کرنی ہے وہ یہ ہے کہ:-

(۳) "ارادہ (خواہش) اور یقین (جس کے معنی نفس اور اشیاء کے مابین ایک خاص تعلق کے ہیں) ایک ہی نفسیاتی واقعہ کے دو نام ہیں" (ص ۳۲۱)

خواہشِ یقین

ارادہ اور یقین کے ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے یقین کے لئے لازمی ہے کہ پہلے دل میں اس کے یقین کا ارادہ یا خواہش پیدا ہو، یقین ایک قسم کی تشنگی ہے، جب تک اس کے لئے طلب و تشنگی نہ موجود ہو یہ نہیں حاصل ہوتا۔ پانی پینے اور اس سے سیراب ہونے تک کے لئے ضروری ہے کہ پہلے پیاس لگے، لیکن اکثر پیاس لگنا ہی پانی پی لینے کے لئے کافی نہیں ہوتا بلکہ شرط یہ ہے کہ اس کے پینے سے کوئی روکنے والا خیال نہ موجود ہو، مثلاً پانی کا دشمن کے ہاتھ سے ملنا، اس کی ناپاکی کا شبہ یا کسی بیماری کے سبب اس کے مضر ہونے کا اندیشہ، اسی طرح نفسِ پیاس کے علاوہ کبھی کبھی ترغیبات کی موجودگی بھی پانی پینے پر آمادہ کر دیتی ہے، مثلاً گرمی کے موسم میں کسی دوست کے یہاں صفائی و نفاست کے ساتھ کوری کوری صراحیوں میں ٹھنڈا پانی رکھا ہو اور کسی کے پاس لکھنؤ کے نازک کاغذی آبخورے چنے ہوں تو بے پیاس کے پیاس لگ آتی ہے۔

موانع و مویداتِ یقین

یقین کی صورت میں ہم ان دونوں چیزوں کو علی الترتیب خواہشِ یقین کے موانع اور مویدات سے تعبیر کریں گے، جب کوئی چیز یقین و اذعان کے لئے پیش کی جاتی ہے تو خواہش اور اس کے موانع و مویدات میں باہم ایک نفسی معرکہ آرائی ہوتی ہے اور یقین یا عدمِ یقین کا فیصلہ اس معرکہ آرائی کے آخری نتیجہ پر منحصر ہوتا ہے، اگر خواہشِ یقین زیادہ قوی ہے تو وہ بلا مویدات کی اعانت کے موانع پر غالب آ جاتی ہے، اگر موانع زیادہ قوی ہیں تو وہ خواہش کو مغلوب کر دیتے ہیں، اگر موانع سرے سے نہیں موجود ہیں تو تنہا خواہش کافی ہو سکتی ہے، یا اگر موانع بہت ہی معمولی درجہ کے ہیں تو ضعیف سے ضعیف خواہش بھی اپنے مویدات کی مدد سے ان کو دبا لے گی، عقلی یا منطقی دلائل کو زیادہ سے زیادہ ان ہی موانع و مویدات کی صف میں جگہ مل سکتی ہے، لیکن اصل یہ ہے کہ اس معرکہ کے تینوں (خواہش، موانع اور مویدات) پہلوانوں کا اصل حربہ جذبات ہی ہوتے ہیں۔

اب اوپر اقتباس اول میں جیمس نے جو مثال دی ہے اسی کو سامنے رکھ کر دیکھو کہ یقین کے پیدا کرنے میں خواہش و ارادہ کو کیا دخل ہے اور مویدات و موانع کا اس پر کیا اثر پڑتا ہے؟

فرض کرو کہ زید کے گھر میں ایک شخص مہینوں سے مریض پڑا ہے، طبی علاج کوئی کارگر نہیں ہوتا، ایک دوست آ کر کہتا ہے کہ شہر میں ایک متقی، پرہیزگار، بے طمع بزرگ ہیں جن کی دعا سے بہتوں کو فائدہ ہوا ہے، تم بھی ان ہی کی طرف کیوں نہ رجوع کرو۔ ظاہر ہے کہ زید کے دل میں اس مریض کے لئے شفا طلبی کی خواہش موجود ہے اب اگر اس کو بزرگوں سے بدعقیدگی (مانع) نہیں ہے تو بے تکلف دوست کے مشورہ پر عمل کے لئے آمادہ ہو جائے گا اور طبیعت میں کم از کم کچھ دیر کے لئے شفا کی ایک امید بندھ جائے گی جس کا نام میلانِ یقین ہے، اب بزرگ

موصوف کے پاس پہنچ کر وہ دیکھتا ہے کہ اہلِ حاجت کا میلہ لگا ہوا ہے، مہمان کے آثار، اور بے لوثی کی کچھ مثالیں آنکھ کے سامنے آتی ہیں لازماً ان چیزوں سے زید کے میلانِ یقین کی اور تائید و تقویت ہوتی ہے لیکن اگر اس کو بزرگوں سے بدعقیدگی ہے وہ نہایت سخت ملحد و مادہ پرست ہے تو ایسی حالت میں وہ دوست کے مشورہ پر عمل کرنے کی جگہ الٹے اس سے طرح طرح کی بحثیں کرنے پر آمادہ ہو جائے گا، دعا کے اثر کو قانونِ فطرت کے منافی بتائے گا، اس کی شہادت پر جرح کرے گا، جو لوگ ان بزرگ کے پاس حاجت لے کر جاتے ہیں ان کو اوہام پرست کہے گا اور اپنے اندر کوئی میلانِ یقین نہ محسوس کرے گا۔

البتہ اگر یہی مادہ پرست و بدعقیدہ زید ایک دولت مند آدمی ہے، مریض خود اس کا اکلوتا، نوجوان ہونہار لڑکا ہے، جو اس کی دولت کا تنہا وارث اور خاندان کا ایک ہی چراغ ہے، جس مرض میں اپنے بوڑھے باپ کی تمام امیدوں اور آرزوؤں کا یہ مرکز مبتلا ہے وہ نہایت خطرناک ہے، ڈاکٹر اور اطباء علاج کرتے کرتے تھک گئے اور جواب دے چکے ہیں، ان حالات میں زید کی خواہش شفا طلبی جس درجہ قوی ہوگی، معلوم ہے ان ہی مواقع کے لئے کہا جاتا ہے کہ مصیبت میں خدا یاد آتا ہے، اب زید کی ساری بدعقیدگی دھری رہ جائے گی، دوست کا مشورہ اس کی مایوسیوں میں امید کی ایک جھلک ثابت ہوگا، اس کی انتہائی طلب و تشنگی، الحاد و مادہ پرستی کے تمام دلائل و موانع پر غالب آئے گی اور وہ بلا بحث و حجت دوست کے ساتھ ہو جائے گا اور جتنی ہی زیادہ اس کی خواہش قوی ہوگی اتنی ہی زیادہ امید و یقین کے ساتھ یہ ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوگا، لیکن اگر زید کے الحاد و بدعقیدگی کا جذبہ اتنا زبردست ہے کہ وہ اس کی قوی سے قوی خواہش شفا طلبی کو بھی زیر کر سکتا ہے تو بڑے سے بڑے بزرگ کی بزرگی بھی بے کار ثابت ہوگی اور دوست کی جانب سے دعا کی شفا بخشی کے دلائل و شواہد کا اگر انبار بھی لگا دیا جائے تو رائیگاں جائے گا۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ میں غالباً اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے، ایمان و یقین کا حاسہ قلب ہے، اگر وہ مختوم ہے تو پھر عقلِ انسانی کی کوئی منطق اس مختومیت کا ازالہ نہیں کر سکتی۔

ساحروں کے دل میں ذوقِ ایمان کی کچھ نہ کچھ تشنگی موجود تھی، حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دیکھ کر بے اختیار سربسجود ہو گئے اور پکار اٹھے اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى لیکن کیا فرعون کے معاند و مختوم قلب پر بھی کوئی معجزہ اثر کر سکا؟ انبیائے کرام خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ تمہارے سامنے ہے، سیرت النبیؐ میں ابتدائی نبوت و اسلام کے صفحات پڑھو، ہر سطر ذوقِ ایمان و طلبِ یقین کے مذکورۂ بالا نفسی حقائق سے معمور ملے گی۔

نفسیاتِ یقین کی شہادت واقعاتِ سیرت سے

حضرت ابوذر غفاریؓ کے قبول اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ وہ بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے، انہوں نے اپنے بھائی انیس سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی تعلیم و تلقین کیا ہے؟ انیس مکہ آئے اور واپس جا کر بیان کیا کہ وہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو

کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے۔ ان مؤیداتِ یقین کے بعد حضرت ابوذرؓ خود مکہ گئے اور گو اس وقت مکہ کی سرزمین پر اعلانِ اسلام کے لئے نہایت خطرناک مواقع موجود تھے، تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے بعد ذوقِ ایمان کی تشنگی نے اتنا جوش پیدا کر دیا کہ عین حرم کے اندر حضرت ابوذرؓ نے نہایت بلند آہنگی سے اعلان کر دیا کہ اشهد ان لا الٰه الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله۔ اس اعلان کی بدولت جان بچنی مشکل ہو گئی۔[1]

حضرت حمزہؓ کو آپ سے خاص محبت تھی، آپ سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کھیلے تھے، وہ گو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے، لیکن آپ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، دل میں نورِ حق موجود تھا، بالآخر ان بے رحمانہ ایذاؤں نے جو دشمنانِ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے تھے، اظہارِ اسلام پر بے تاب کر دیا، اظہار تو کر دیا، لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے کہ آبائی دین کو دفعۃً کیونکر چھوڑ دوں، تمام دن سوچتے رہے، آخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دین حق یہی ہے، موانع یقیناً موجود تھے لیکن دینِ حق کے قبول اور اس کے داعی کی حمایت کا جذبہ ان موانع سے قوی تر تھا۔

قیصر روم کے پاس جس وقت داعیِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نامہ مبارک پہنچا اور قیصر و ابوسفیان میں باہم جو گفتگو ہوئی اس کے بعد گو قیصر کے ضمیر میں ایمان و ایقان کی روشنی پیدا ہوئی اور اس نے کہا کہ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا، میں اگر وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا، لیکن قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اس سے بطارقہ اور اہلِ دربار سخت برہم ہو چکے تھے نامہ مبارک پڑھے جانے کے بعد اور بھی برہم ہوئے، یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہلِ عرب کو دربار سے اٹھا دیا اور گو ان کے دل میں نورِ ایمان آ چکا تھا لیکن تاج و تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی، تخت و تاج کی حرص، دولتِ ایمان کی ترغیب سے قوی تر ثابت ہوئی۔

خسرو پرویز کے تاریک دل میں قیصر روم کے برابر بھی ایمان کی روشنی نہ تھی، اس پر طرہ یہ ہوا کہ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھے جاتے تھے ان میں عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا، بخلاف اس کے نامہ مبارک پر پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا، خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے، پھر نامہ مبارک چاک کر ڈالا، لیکن چند روز کے بعد خود سلطنتِ عجم کے پرزے اڑ گئے۔

اسی قسم کے واقعات کی بنا پر مصنفِ سیرت نے اوائلِ دعوت میں اسلام لانے والوں اور اس کے مخالفین کے جو مشترک خصائص گنائے ہیں ان سے بھی تمام تر یقین کے انہی اصول و اسباب کی تائید ہوتی ہے جو اوپر بیان ہوئے ہیں تفصیل کے لئے خود سیرت (جلد اول) کی طرف رجوع کرنا چاہئے، یہاں اختصار کے ساتھ صرف

---

[1] یہ پورا واقعہ پڑھنے کے لائق ہے دیکھو سیرت النبی جلد دوم [2] سیرت النبی جلد اول [3] ایضاً۔ پورا مکالمہ پڑھو۔
[4] سیرت النبی جلد اول۔

ضروری خلاصہ کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

اسلام لانے والوں کے خصائص مشترک۔

(۱) اکثر وہ لوگ اسلام لائے جو پہلے سے تلاشِ حق میں سرگرداں اور فطرۃً نیک طبع و پاکیزہ اخلاق تھے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت ابوذرؓ وغیرہ کا شمار ان ہی طالبانِ حق میں ہے۔ (خواہشِ یقین)

(۲) بعض صحابہ ایسے تھے جو احناف کے تربیت یافتہ تھے، یعنی وہ لوگ جو زمانۂ اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کرچکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو کہتے تھے (موانعِ یقین کی کمی)

(۳) یہ امر سب میں مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب نظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر ایسے تھے مثلاً عمارؓ، خبابؓ، ابوفکیہؓ، صہیبؓ وغیرہ جن کو دولت و جاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی (موانع کی کمی)

قریش سے بڑھ کر اسلام کا کون دشمن ہوگا، لیکن ان کی دشمنی کے کیا اسباب تھے؟

(۱) مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی، قریش ہمسایگان خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندانِ الٰہی کہلاتے تھے، جس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور و کلید بردار تھے، عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا، خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ معبودوں سے معمور تھی۔

اسلام کا اصلی فرض اس طلسم کو برباد کرنا تھا، لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور جاہ و ریاست کا بھی خاتمہ تھا، اس لئے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا، اسی قدر وہ مخالفت میں سرگرم تھے۔

(۲) قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی، لیکن اسلام اور عیسائیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا، ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی، قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف مقابل تھے، بنو ہاشم اور بنو امیہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو خاندان بنو امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتے تھے، اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔

(۴) ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں، بڑے بڑے اربابِ اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیوں کے مرتکب تھے، ابولہب نے حرم محترم کا غزال زریں چرا کر بیچ ڈالا تھا، اخنس بن شریق نمام و کذاب تھا، نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے، دوسری طرف ان بداخلاقیوں پر سخت دارو گیر کرتے تھے جس سے ان کی عظمت و اقتدار کی شہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی، قرآن مجید میں پیہم علانیہ ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں۔

غرض اولاً تو ان قریش میں ایمان و یقین کی خواہش کا کوئی نشان نہیں ملتا، ثانیاً اگر نفس خواہش کچھ

موجود بھی ہوتی تو مذکورہ بالا موانع اس قدر زبردست تھے کہ جب تک یہ نہ ہٹا دیئے جاتے، اس خواہش کا ظہور ناممکن تھا۔

یقین کے متعلق اس ساری گفتگو کا ماحصل یہ ٹھہرتا ہے۔

(۱) بذاتِ خود یقین، عام انسانی جذبات و احساسات ہی کی طرح کا ایک نفسی میلان یا ذہنی کیفیت ہے، فلسفہ و حکمت بلکہ ریاضی تک کے منطقی دلائل سے جو یقین پیدا ہوتا ہے، اس کی ماہیت بھی اسی نفسی میلان سے زیادہ میلان نہیں ہے۔

(۲) یقین کی بنیاد عقلی و نقلی تمام چیزوں میں یقین کی نفس خواہش اور پھر اس خواہش کے موانع و مؤیدات کا توازن ہے۔

(۳) ان بنیادی اسباب یقین کی تعمیر تمام تر ان جذبات و معتقدات اور مزعومات و مفروضات (علوم متعلیہ) سے ہوتی ہے جو کسی شے کے قبول و یقین کو پیش کرنے سے پہلے افراد یا جماعت کے نفس میں جاگزین ہوتے ہیں۔

لہٰذا اب دیکھنا یہ ہے کہ معجزات کے یقین و قبول کے لئے کس قسم کے معتقدات کی نفس میں پہلے سے موجودگی لازمی ہے۔

غایت معجزات

معجزہ منطقی دلیل نہیں

اوپر آغاز کلام میں معجزہ کا جو مفہوم بیان کیا جا چکا ہے، اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ معجزہ، نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے، البتہ جو شخص مذہب کا قائل ہے غیب پر ایمان رکھتا ہے اور اس سنتِ الٰہی کا معتقد ہے کہ بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے خدا ان ہی کے اندر سے کسی نہ کسی برگزیدہ بندہ کو اپنے پیام کے ساتھ بھیجتا رہا ہے، اس کے سامنے جب کسی مقدس انسان کی طرف سے اس پیام کے حامل یا نبی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور یہ داعی الی اللہ اپنے ظاہری و باطنی کمالات اخلاقیہ و اوصاف حمیدہ کے لحاظ سے عام انسانوں سے برتر نظر آتا ہے تو اس شخص کے دل میں ایمان کی ایک لہر پیدا ہوتی ہے اب اگر اس پیغمبر سے کوئی معجزہ نما واقعہ ظاہر ہوتا ہے یا اس کی طرف کسی معجزہ کا انتساب کیا جاتا ہے تو وہ اس کی صداقت کی ایک آیت یا نشانی کا کام دیتا ہے جس سے ذوقِ ایمان کی تقویت ہوتی ہے اور اس طرح ایمان کے تشنہ کام نفوس کے لئے ایک معنی کر کے معجزہ براہ راست خود ثبوت کی نہیں، البتہ مدعی نبوت کی صداقت کی ایک نفسی دلیل بن جاتا ہے۔

معجزہ کی اصل غایت

اس دلیل یا آیت کی جو غرض و غایت ہو سکتی ہے اس کی نفسی حقیقت کو یوں سمجھو کہ مذہب کی بنیاد تمام تر اسرار و غیوب پر ہے، سب سے بڑا سر یا غیب بلکہ غیب الغیب خود خدا کا وجود اور اس کی ذات ہے، حشر و نشر، جن و ملک، وحی و الہام تمام چیزیں ایک عالم غیب ہیں، نبوت نام ہے اسی

عالمِ غیب کے ساتھ رابطہ و علائق کا، معجزہ میں بھی چونکہ ایک طرح کا غیب پایا جاتا ہے، یعنی وہ عالمِ ظاہری کے سلسلۂ علل و اسباب سے الگ معلوم ہوتا ہے، اس لئے جو شخص غیب پر ایمان رکھتا ہے اس کا نفس قدرتاً اسی یقین کی جانب مائل ہو جاتا ہے کہ جس برگزیدہ انسان سے معجزہ ظاہر ہوا ہے وہ عالمِ غیب سے خاص تعلق رکھتا ہے لیکن اگر کوئی شخص سرے سے ایمان نہیں رکھتا یعنی سرے سے خدا اور مذہب ہی کا منکر ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے معجزہ تصدیقِ نبوت کی، نہ کوئی دلیل بن سکتا ہے اور نہ آیت، کسی نبی کے صادق یا کاذب ہونے کا تصفیہ تو اس کے بعد کی شے ہے کہ پہلے آدمی کا نفس اس امر کا قائل ہو کہ خدا کا کوئی وجود ہے اور وہ ہدایتِ خلق کے لئے انبیاء کو بھیجتا یا بھیج سکتا ہے، جو آدمی نقطہ، خط یا سطح وغیرہ مبادیِ اقلیدس ہی کا قائل نہیں اس کو تم اقلیدس کی کوئی شکل کیسے سمجھا سکتے ہو، جس طرح علوم کی فرعی تفصیلات کے ماننے کے لئے پہلے ان کے مبادی کا ماننا لازم ہے، اسی طرح تفصیلاتِ مذہب پر یقین کرنے کے لئے پہلے نفسِ مذہب کا یقین ضروری ہے۔

مل نے ہیوم کے انکارِ معجزات کی تنقیح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"جو شخص کسی فوق الفطرت ہستی اور انسانی معاملات میں اس کی مداخلت کا پہلے ہی سے قائل نہیں ہے اس کے سامنے اگر کسی انسان کی نسبت فوق الفطرت یا خارق عادت باتوں کی روایت کی جائے تو وہ ان کو معجزہ نہ مانے گا، معجزات سے خود خدا کا وجود نہیں ثابت کیا جا سکتا، اس لئے اگر خدا کا اعتقاد پہلے ہی سے نہ موجود ہو تو کسی فوق الفطرت ہستی کی مداخلت کے علاوہ معجز نما واقعات کی اور بھی توجیہات ممکن ہیں، یہاں تک تو ہیوم کی دلیل بامعنی کہی جا سکتی ہے لیکن اگر ایک ایسی ذات کا وجود قطعی یا غالب طور پر بھی مان لیا جائے جو موجودہ نظامِ فطرت کی خالق ہے، اور اس لئے اس میں تغیر و ترمیم بھی کر سکتی ہے تو ہیوم کی دلیل بے معنی ہو جاتی ہے جب تم نے خدا کو مان لیا تو پھر جس شے کو اس کے ارادہ نے پیدا کیا تھا اس پر اس ارادہ کا براہ راست عمل و اثر خواہ مخواہ کا فرض نہیں رہتا بلکہ ایک سنجیدہ "امکان" بن جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں سوال کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے اور خدا کی مداخلت یا عدمِ مداخلت کا فیصلہ اس بحث پر ٹھہرتا ہے کہ کائناتِ فطرت میں اس کی سنتِ عمل کیا رہی ہے یا عقلاً کیا رہنا چاہیئے۔"[1]

غرض معجزہ کو معجزہ سمجھ کر اس کے یقین و قبول کی اولین شرط یہ ہے کہ آدمی پہلے غیب (خدا و مذہب) پر ایمان رکھتا ہو، اس کے بعد دیکھو کہ معجزہ کی مذکورہ بالا غایت اور اس پر یقین کی اولین شرط کو پیش نظر رکھ کر وقوعِ معجزہ

[1] دیکھو مذہب پر تین مضامین THREE ESSAYS ON RELIGION مطبوعہ ایشیاٹک پریس ص ۹۵ نیز نظامِ منطق کتاب سوم باب ۲۵ فصل ۳، اسی میں مل نے ایک اور غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے وہ یہ کہ خدا کو مان لینے کے بعد معجزہ کو قانونِ فطرت کا سرے سے خارق ہی نہیں کہا جا سکتا، پتھر کو اوپر پھینکو اور کوئی شے بیچ میں مانع یا عائق نہ ہو تو اس صورت میں اس کا زمین پر لوٹ کر نہ گرنا یا ہوا میں معلق رہنا بے شک خلافِ فطرت ہو گا لیکن اگر اس کو بیچ میں کوئی روک لے تو زمین پر نہ گرنا بالکل خارقِ عادت نہ ہو گا کیونکہ مانع موجود ہے، معجزہ کی صورت میں جو ارادۂ خداوندی معمولی سلسلۂ علل و اسباب کا خالق ہے وہی اس کے عمل سے مانع ہو جاتا ہے، لہٰذا معجزہ نہ خلافِ فطرت ہے اور نہ بلا علت، کیونکہ علت کی شرط تو یہ ہے کہ کوئی مانع نہ موجود ہو اور یہاں موجود ہے۔

کی مختلف صورتیں یا توجیہات کیا ہو سکتی ہیں؟ جزئی شقوق یا فروعی احتمالات سے قطع نظر کر کے جن سے قدیم و جدید علمِ کلام کا دفتر پُر ہے، اصولی طور پر صرف وہی دو صورتیں نکلتی ہیں جن کی جانب مل نے اقتباس بالا میں اشارہ کیا ہے۔

پہلی صورت

یہ ہے کہ خدا نے کارخانۂ عالم چلانے کے لئے کچھ اصول و قوانین مقرر کر دیئے ہیں جن کے مطابق اس کل کا ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ پر کام کرتا رہتا ہے اور ارادۂ الٰہی اپنی اس سنتِ جاریہ میں کبھی کسی حالت میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کرتا، بقول اسپنوزا کے کہ خدا کی خدائی اور اس کی حقیقی عظمت و حکمت کا اظہار اسی سے ہوتا ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو، قدرتِ خداوندی کے معنی یہی ہیں کہ کارخانۂ فطرت اپنے ازلی یا اٹل قوانین کا تابع ہے۔[1]

اس احتمال کی رُو سے معجزہ کا وقوع بھی ان ہی ازلی قوانین کی کسی نہ کسی ایسی کارفرمائی کے ماتحت ہونا چاہیئے جس کا کم از کم ظہورِ معجزہ کے وقت عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا اور اس لئے معجزہ جو در اصل محض ایک فطری واقعہ ہوتا ہے، بظاہر لوگوں کو معجزہ نظر آتا ہے، مثلاً جس وقت تک عمل تنویم کے نفسی قوانینِ فطرت کا انکشاف نہیں ہوا تھا عصائے موسوی کا اژدہا بن جانا معجزہ تھا، لیکن آج اس نفسی قانون کے جاننے والوں کے لئے کرسی کا شیر بن جانا فطری واقعہ ہے اور عصائے موسوی کے اژدہا نظر آنے کی بھی اس سے توجیہ کی جا سکتی ہے۔

لیکن اس توجیہ سے یہ کسی طرح نہیں نکلتا کہ حضرت موسیٰؑ کے عہد میں یہ واقعہ معجزہ نہ تھا، اس لئے کہ اس زمانہ تک معجزہ کی وہ غایت جس کا ابھی اوپر ذکر آ چکا ہے، اس واقعہ سے پوری طرح حاصل تھی، یعنی اس میں ایک طرح کا غیب پایا جاتا تھا اور اس کا وقوع عالمِ ظاہری کے سلسلۂ علل و اسباب سے الگ معلوم ہوتا تھا، لہٰذا اس سے نبی کی تصدیق کا، جو عالمِ غیب سے تعلق رکھتا ہے، نفس میں میلان پیدا ہو سکتا تھا جیسا کہ ساحروں کے نفس میں پیدا ہوا، انہوں نے حضرت موسیٰؑ کے نبی ہونے کی تصدیق کی۔

البتہ آج یہ واقعہ البرٹ مول یا ولیم جیمس کے سامنے بیان کیا جائے تو وہ اس کو بجائے معجزہ کے صرف ایک فطری واقعہ سمجھنے کا حق رکھتے ہیں، اس لئے اب اگر کوئی نبی یا ولی اپنی نبوت یا ولایت کی تصدیق کا میلان کسی معجزہ یا کرامت کے ذریعہ سے مول اور جیمس وغیرہ کے دل میں پیدا کرنا چاہے تو کوئی ایسی نشانی ظاہر کرنا ہو گی جس کی توجیہ سے ان کا موجودہ علم اسی طرح عاجز ہو جس طرح کہ انبیائے سابقین کے زمانہ میں ان کے معجزات کی توجیہ سے اس وقت کا علم عاجز تھا یا بعض کی توجیہ سے اب بھی عاجز ہے مثلاً شق قمر۔ لیکن اصل یہ ہے کہ عمل تنویم کے تجربات میں اگر تھوڑی سی قیاسی وسعت اور پیدا کر لی جائے تو شق قمر وغیرہ تقریباً ہر قسم کے خوارق کی توجیہ ہو سکتی ہے کیونکہ اس عمل کا دار و مدار تمام تر عامل کی قوت اثر آفرینی اور معمول کی اثر پذیری پر ہے، یہ نفسی تاثیر و تاثر کم و بیش ہر انسان میں موجود ہے جس کی ادنیٰ مثالیں ہم کو روزانہ کی معمولی زندگی میں ملتی رہتی ہیں، ہماری زبان کی ایک عامیانہ مثل ہے کہ "خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے" جس کے یہی معنی ہیں کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے اوضاع و اطوار سے

[1] اسپنوزا جدید فلسفہ کا ایک نامور امام ہے دیکھو اس کا مجموعہ تصنیفات SPINOSARS WORK جلد اول باب ۲ بحث معجزات۔

اثر پذیر ہوتا ہے۔ نیک صحبت کے فوائد اور بری صحبت کے مضار کا بھید بھی انھوں تاثر ہے۔ جس قدر کسی شخص کی قوت ارادی یا قوت تاثیر زبردست ہوتی ہے اسی قدر زیادہ وہ دوسروں پر اثر ڈال سکتا ہے۔ دنیا کے اکابر رجال کی کامیابی کا ایک بڑا راز یہی قوت رہی ہے۔ ان کے صرف کہنے کا لوگوں پر جو اثر پڑتا ہے وہ دوسروں کے دلائل و براہین کا نہیں پڑتا۔ اس کی بہترین زندہ مثال گاندھی جی ہیں۔ انھوں نے جس درجہ کے امراؤ اعیان ملک سے چرخہ کتوا لیا ہے اور اپنی سیدھی سادی گفتگو اور تحریروں سے جس طرح اس کی خوبیوں کا یقین ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دل میں پیدا کر دیا ہے، وہ بڑی حد تک اسی قوت کا کرشمہ ہے، ورنہ ملک میں ان سے زبردست خطیب انشا پرداز اور منطقی سینکڑوں ملیں گے لیکن اثر آفرینی کا یہ سحر و جادو کسی کی تقریر کسی کی تحریر اور کسی کے دلائل میں نہیں ملتا۔ غرض اثر آفرینی کی یہی قوت ہے جس کو عامل تنویم عشق سے بڑھا کر کرسی کو شیر اور جھاڑو کو حسین عورت بنا دے سکتا ہے۔

ان واقعات کی بنا پر ہم کو یقیناً اپنے قیاس میں اتنی توسیع کا حق حاصل ہے کہ ماہرین تنویم یا عام اکابر رجال و مصلحین کی قوت اثر آفرینی کے مقابلہ میں انبیائے کرام کی وہبی و روحانی قوت تاثیر و نفوذ کا مرتبہ بہت زیادہ اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے اور اس لئے وہ ان سے بھی بدرجہا زیادہ عجیب تر و محیر العقول امور کا یقین لوگوں کے دل میں پیدا کر دے سکتے ہیں، عامل تنویم اثر آفرینی کے لئے کچھ نہ کچھ ظاہری حرکات و سکنات یا الفاظ و خطاب کا محتاج ہوتا ہے اور اس کا زیادہ تر اثر افراد تک محدود رہتا ہے لیکن نبی کی اعلیٰ اور روحانی قوت تاثیر کے لئے صرف باطنی ارادہ کافی ہوسکتا ہے اور اس کا اثر افراد سے بڑھ کر جماعت تک کو محیط ہوسکتا ہے۔

البتہ یہاں ایک وسوسہ دل میں پیدا ہوگا جس کا دور کرلینا ضروری ہے وہ یہ کہ معجزہ کی اس توجیہ کو قبول کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کی حقیقت ایک طرح کے سحر، نظر بندی یا فریب حواس سے زیادہ نہیں ہے، یعنی جس شخص کو کوئی معجزہ نظر آتا ہے، اس کا وجود خود اس شخص کی نظر، حواس یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ ذہن سے باہر کسی خارجی و حقیقی شے کی صورت میں نہیں ہوتا۔

بعض وسوسوں کا جواب

اوپر معجزہ کی جو غایت معلوم ہوچکی ہے اس کے لحاظ سے اس وسوسہ کا صاف جواب تو یہ ہوگا کہ وہ غایت ہر نوع حاصل ہے، معجزہ فی نفسہ چاہے کوئی خارجی شے ہو یا محض ذہنی، اصلی غرض صرف اتنی ہے کہ جس فرد یا جماعت کے سامنے کوئی معجزہ پیش کیا جائے اس کے عزم کے لحاظ سے وہ اپنے اندر کچھ نہ کچھ غیب رکھتا ہو، ہاں بظاہر اس سے بھی ایک اور قوی تر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں پیغمبر اور عامل تنویم یا ساحر میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اس اشکال کا حل بھی ضمناً اوپر ہی گزر چکا ہے (معجزہ بجائے خود نبوت کی کوئی مستقل دلیل نہیں ہے، بلکہ جس شخص میں ظاہری و باطنی کمالات یعنی اصلی خصائص نبوت و اوصاف حمیدہ عام انسانوں کے مقابلہ میں خرق العادۃ حد تک مجتمع ہوتے ہیں، اس کے حق میں معجزہ محض تائید

(۱) انگریزی میں اس اثر آفرینی کے لئے (SUGGESTION) کی اصطلاح ہے جس کی پوری حقیقت کو تجربات اور مثالوں سے سمجھنے کیلئے انگریزی داں حضرات ڈاکٹر سیڈس کی دلچسپ کتاب "نفسیات اثر آفرینی" (THE PSYCHOLOGY OF SUGGESTION) کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔

مزید کا کام دے سکتا ہے اور جس شخص پر نبوت کے یہ اصلی خصائص و کمالات روحانی موثر نہ ہوں وہ بلا شبہ نبی کو بھی زیادہ سے زیادہ ایک بڑا ساحر قرار دے گا جیسا کہ منکرین نے ہمیشہ کہا ہے کہ هٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ۔ إِنَّ هٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ۔ قَالُوا هٰذَا سِحْرٌ مُبِينٌ۔ وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ۔

لیکن اس وسوسہ کا کہ توجیہ بالا کی بنا پر معجزہ کی حقیقت کسی خارجی و واقعی وجود کی جگہ محض ایک ذہنی یا خیالی وہم کی رہ جاتی ہے، تحقیقی جواب دراصل مابعد الطبیعیات سے متعلق ہے جو تمام عقلی موشگافیوں کی آخری عدالت مرافعہ ہے، مگر اس عدالت کا آخری فیصلہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ حقیقی یا واقعی وجود صرف خارجی چیزوں کا ہے، بلکہ اس کے نزدیک تو یہی امر سرے سے مشتبہ ہے کہ خود خارج کا کوئی وجود ہے اور اساطین فلسفہ کی ایک بڑی جماعت (تصوریین) کا مسلک یہ ہے کہ عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے۔ حقیقی وجود صرف روح، ذہن یا نفس کا ہے، باقی دریا، پہاڑ، چاند، سورج زمین و آسمان جو کچھ دیکھتے ہو یہ سب تمہارے ذہن ہی کے اندر ہیں، مادہ اور عالم مادی محض ایک "وہم و گمان" ہے۔ اس جماعت نے عالم خارجی کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ جن چیزوں کو ہم موجودات خارجی سمجھتے ہیں وہ صرف ذہن کے تصورات ہیں جو خدا ہمارے اندر پیدا کر دیتا ہے، اسی راز کی طرف اکبر مرحوم نے باتوں باتوں میں اس طرح اشارہ کیا ہے کہ جو کچھ ہے سب خدا کا وہم و گمان ہمارا۔ لہٰذا جس ذات یا قوت نے سارے ذہن میں "عصائے موسیٰ" اور ثابت و مسلم قمر کا تصور پیدا کیا تھا، اسی نے اگر تھوڑی دیر کے لئے عصا کی جگہ اژدہا اور قمر مسلم کی جگہ شق قمر کا تصور پیدا کر دیا تو دونوں کے وجود کی حقیقت و نوعیت میں کیا فرق پڑا؟

سائنس جس کا جذبۂ مادہ پرستی دلائل سے لاجواب اور خود مادہ کو غیر مادی و غیر جوہری کہنے کے باوجود مادیات کے وجود خارجی سے یک قلم دست برداری پر راضی نہیں اور اس تار عنکبوت میں کسی نہ کسی طرح الجھا رہنا ہی پسند کرتا ہے

(۱) متکلمین اسلام کے ہاں سحر و معجزہ کی بحث ایک مستقل مسئلہ ہے لیکن ان میں بھی اہل تحقیق کا مسلک یہی ہے کہ دونوں میں کوئی نوعی فرق نہیں ہے بعضوں کے نزدیک تو محض استعمال کا فرق ہے یعنی انبیاء اور اولیاء اپنے نفس کی قوت معجز نمائی کو مقاصد خیر کے لئے استعمال کرتے ہیں اور ساحر مقاصد شر کے لئے (مفردات راغب ص ۲۰) مولانا حمید الدین فراہی جن سے بڑھ کر موجودہ دنیائے اسلام میں شاید ہی کسی کو فہم قرآنی کی سعادت حاصل ہوئی ہو، لا یفلح الساحرون سے یہی نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ معجزہ اور سحر میں صرف یہ فرق ہے کہ ساحر فلاح یاب نہیں ہوتا یعنی وہ اپنی قوت سحر کو خود اپنے یا دوسروں کے لئے فلاح وغیرہ کے اغراض میں استعمال نہیں کرتا بلکہ علی العموم جادوگروں کی اخلاقی حالت نہایت پست ہوتی ہے لیکن "لا یفلح الساحر حیث اتی" کی نص قرآنی کا زیادہ صاف و صحیح مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساحر کا سحر جب نبی اور اس کے معجزہ کے مقابلہ میں آتا ہے تو وہ مغلوب و ناکام رہتا ہے جیسا کہ عصائے موسیٰ کے مقابلہ میں ظاہر ہوا، اس سے سحر و معجزہ میں جب کہ دونوں میں مقابلہ ہو ظاہری فرق و تمیز کا بھی ایک یقینی معیار ہاتھ آجاتا ہے، باقی دونوں کی باطنی حقیقت میں کیا فرق ہے، یہ تو فن سحر کا عالم ہی جان سکتا ہے جیسا کہ تمام فنی حقائق میں معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ حضرت موسیٰ کے مقابل ساحروں نے فرق جان لیا تھا، مابعد الطبیعیات کے اس نازک مسئلہ کی توضیح کی گنجائش یہاں نہیں نکالی جاسکتی، البتہ دور جدید میں تصوریت کے بانی اول برکلے کا فلسفہ اردو میں منتقل ہوچکا ہے جو لوگ فلسفہ کا ذوق رکھتے ہیں وہ تو اس کی اصل کتاب "مکالمات" مبادی کا مطالعہ کر سکتے ہیں عام لوگ شاید فلسفہ برکلے سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے (مطبوعہ دار المصنفین)

وہ بھی کم از کم محسوسات کی نسبت تو یہ ماننے پر مجبور ہی ہے کہ رنگ و بو، آواز و مزہ، سردی و گرمی وغیرہ کا وجود صرف ایک ذہنی احساس یا تصور ہے جس کو مادہ نامی کوئی "نامعلوم شے" ہمارے ذہن میں خلق کر دیتی ہے اور جس کا ذہن سے باہر کوئی وجود نہیں، جب رنگ اور آواز جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں، اس کے حقیقی و واقعی وجود کے صرف اتنے ہی معنی ہیں کہ ہم اس کا احساس و تصور رکھتے ہیں، تو پھر کیا ضرورت ہے کہ معجزات کے وجود کو ہم اس سے زیادہ حقیقی و واقعی ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

ایک اور اعتراض

یہ تو وہ شبہات تھے جو معجزہ اور سحر و تنویم کی یکسانی یا معجزات کے محض ذہنی وجود کی بنا پر پیدا ہوتے تھے، لیکن ایک اور اعتراض معجزہ کی تمام ان توجیہات پر وارد ہوتا ہے جن کی رو سے یہ فطرت کے معمولی غیر متغیر قوانین اور علل و اسباب (چاہے وہ نفسی ہوں یا طبعی و مادی) ہی کے کسی نہ کسی ایسے مخفی عمل کا معلول کیا جاتا ہے، جس کا ظہور معجزہ کے وقت تک عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا، یہ ایک اعتراض معجزہ کے اضافی ہونے کا ہے۔ فرض کرو کہ شق قمر کی علت خواہ تنویم کی طرح کوئی نفسی قانون ہو یا کیمیاوی جذب و اتصال کی طرح جو چاند کے مختلف اجزاء کو باہم ملحق کئے ہوتے ہے، کوئی ایسا مادی قانون دفع و افتراق ہو جس نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے ہوں، ان دونوں صورتوں میں شق قمر صرف اسی وقت تک معجزہ ہے جب تک کہ اس کے نفسی یا مادی قوانین و علل کا انکشاف نہیں ہوتا، لاسلکی پیام رسانی کے انکشاف سے پہلے اگر کوئی شخص ہندوستان میں بیٹھ کر ایک سکنڈ میں امریکہ کا کوئی واقعہ معلوم کر لیتا تو یہ کسی معجزہ سے کم نہ ہوتا، لیکن اب معمولی بات ہے۔

بے شبہ اس معنی کر کے معجزہ یقیناً اضافی شے ہے اور ہمیشہ رہے گا، کوئی معجزہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جو اس احتمال اضافیت سے خالی ہو کیونکہ انسان کا علم ہی تمام تر اضافی ہے اگر اس کا علم قطعی و مختتم طور پر تمام قوانین فطرت کا احاطہ کر سکتا تو البتہ کسی حد تک معجزہ کی نسبت یہ مطالبہ بجا ہو سکتا تھا کہ ابدالآباد تک کسی قانون فطرت سے اس کی توجیہ نہ ہونی چاہیئے، لیکن جب ہمارا علم ہی اضافی ہے تو کوئی معجزہ احتمالِ اضافیت سے کیسے خالی ہو سکتا ہے؟ ایک مدعی نبوت یہ اعجاز دکھلا سکتا ہے کہ ایک ہفتہ تک آفتاب غروب نہ ہو لیکن اس کا قطعی یقین کیسے دلایا جا سکتا ہے کہ آگے چل کر علم ہیئت کے انکشافات سے اس اعجاز کی توجیہ نہ ہو سکے گی؟ لہٰذا جو شے آج معجزہ ہے بالفرض کل وہ طبعی واقعہ ثابت ہو جائے تو بھی اس سے آج اس کے معجزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور معجزہ کی غرض و غایت کو پورا کرنے کے لئے اسی قدر کافی ہے (دیکھو صفحہ ۱۷۳)

۲۔ دوسری صورت

یہ ہے کہ عام طور پر تو کارخانۂ کائنات ایک مقررہ سنت پابند ہے ہوئے قوانین ہی کے ماتحت چلتا رہتا ہے، لیکن کبھی کبھی خدا اپنے مرسلین و مقربین کی تائید غیبی کے لئے اس سنت جاریہ میں مداخلت اور تغیر و تبدل کو بھی جائز رکھتا ہے، خواہ یہ تغیر و تبدل فطرت میں کسی نئے حذف و اضافہ کی وساطت سے ہو، یا اس کا منشا براہِ راست ارادۂ الٰہی ہو اور جس طرح اسپنوزا کے نزدیک، خدا کی خدائی اس میں نظر آتی ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو، اسی طرح بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ ہر معلول کی براہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہستی برتر کا ارادہ ہے۔ ان

فلاسفہ کے نزدیک وقوعِ معجزہ کے لئے بھی ارادۂ الٰہی کی براہِ راست مداخلت ہی والا احتمال زیادہ قابل قبول ہو گا۔

اس صورت کے مختلف احتمالات

صورتِ مداخلت کے ان احتمالات ثلثہ میں اگرچہ کوئی قطعی تفریق ہر جگہ نہیں کی جا سکتی، تاہم جو موٹا سا فرق کیا جا سکتا ہے اس کو ان مثالوں سے سمجھ لینا چاہیئے۔

(۱) عام قانونِ فطرت یہ ہے کہ انسان کا بچہ بلا اتصال جنسی نہیں پیدا ہوتا، لیکن اس اتصالِ جنسی سے جو مادہ تولید رحمِ مادر میں داخل ہوتا ہے، اس کو اگر خدا خود رحم کے اندر ہی پیدا کر دے جس طرح کہ اور بہت سی رطوبات جسم میں پیدا ہوتی رہتی ہیں تو بلا اتصالِ جنسی لڑکا پیدا ہو سکتا ہے اور مداخلت خداوندی کی یہ صورت فطرت میں ایک نئے عارضی اضافہ کی وساطت پر مبنی ہو گی، ممکن ہے کہ ولادتِ مسیح میں خدا نے اپنی مداخلت کی اسی صورت سے کام لیا ہو۔

(۲) اسی طرح اضافہ کے بجائے حذف کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ چاند کے مختلف اجزاء جس کیمیاوی جذب و اتصال کی قوت سے آپس میں پیوستہ ہیں، ان میں سے صرف اس حصہ قوت کو جو چاند کے نصفین میں موجب اتصال ہے تھوڑی دیر کے لئے خدا حذف یا سلب کر لے جس سے شق قمر کا معجزہ ظاہر ہو سکتا ہے۔

(۳) تیسرا احتمال یہ ہے کہ کسی مادی واسطہ کا حذف و اضافہ کئے بغیر براہِ راست خدا نے صرف ارادہ "کن فیکون" سے قمر کو شق اور مسیح کو پیدا کر دیا ہو۔

یہی آخری صورت عمیق النظر فلاسفہ و متکلمین اور اہل حق کا مذہب ہے، بلکہ تنویمی احتمال کی تو خود کلام مجید کی رو سے گنجائش نہیں، اس لئے کہ تنویم کا عمل اس کے عامل کے علم و ارادہ کے تحت ہوتا ہے اور معجزات میں انبیاء علیہم السلام کے علم و ارادہ کو قطعاً دخل نہیں ہوتا، اسی لئے وہ فرمائش و تعدی پر کسی آیت یا معجزہ کو خود پیش کر سکنے سے عجز کا صاف اعتراف اور اس امر کا غیر مشکوک اعلان کرتے ہیں کہ آیات تو صرف اللہ ہی کے اختیار میں ہیں (انما الآیات عند اللہ، انما الآیات عند ربی) اور اگر رسول ان کو پیش کرتا یا کر سکتا ہے تو صرف اللہ ہی کے براہِ راست حکم و اذن سے، خود کسی رسول میں ہرگز اس کی طاقت نہیں کہ اللہ کی مرضی و مشیت کے بغیر کوئی آیت یا معجزہ پیش کر سکے۔ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

اگر عامل تنویم کی طرح انبیاء علیہم السلام اپنے ہی علم و ارادہ سے معجزات ظاہر کرتے ہوتے تو حضرت موسیٰ اپنے عصا کو سانپ کی صورت میں ظاہر فرما کر خود اسی سے کیوں ڈرتے اور پھر اس کے عصا بنا دینے کو اللہ تعالیٰ براہِ راست اپنی طرف کیوں منسوب فرماتا کہ ڈرو نہیں ہم اس کو پھر ابھی چھڑی ہی بنا دیں گے۔ لا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ۔

باقی اور جتنے احتمالات اوپر بیان ہوئے وہ بھی بس احتمالات و تاویلات ہی کے درجہ میں ہیں لیکن تاویل خواہ بعید ہی ہو تکذیب کے مقابلہ میں اہون ہے۔ لہٰذا یہ درحقیقت ایسے طفل مزاج عقل پرستوں پر

اتمام حجت اور انکار و تکذیب کی راہ سے ان کو بچانے کے لئے ہیں، جو بچوں کی طرح مٹھائی و عقل کا نام لئے بغیر کسی اعلیٰ حقیقت کی طرف ملتفت ہی نہیں ہوتے اور جن کی عقل، عقل کے نام سے اتنی مرعوب ہے کہ خود عقل کی نارسائی تک بھی رسائی نہیں پا سکتے ہیں۔

اصل بحث و توجہ کی بات ایک ہی ہے کہ سارے کارخانۂ فطرت کی اساس و بنیاد کوئی بے شعور و بے ارادہ مبدء ہے یا اندر باہر انفس و آفاق میں جو کچھ بھی ہے اور ہوتا ہے تمام تر بالذات و براہِ راست کسی علم و ارادہ والی ذات کی مشیت و قدرت کا ظہور ہے۔ فلسفہ اور فلسفیانہ عقل کے لئے ایک طرف تو یہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے کہ جہاں کہیں جو کچھ بھی ہے یا ہو رہا ہے، وہ ایک ہی ہستی کی جلوہ فرمائی و کارفرمائی کے مظاہر ہیں اور فلسفہ تصوریت کی رُو سے (جس کا جدید فلسفہ میں خصوصاً دور دورہ رہا ہے) یہ ہستی اسی نوعیت کی ہے جس کو ہم شاعر الذات، نفس و روح یا انا و ایغو سے تعبیر کرتے ہیں۔ باقی مادہ و طبیعت یا مادی و طبعی عوامل و قوانین کی ساری تعبیرات و اصطلاحات دفترِ بے معنی ہیں۔ ؎

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

نئی بات جو سائنس اور سائنس دانوں کے نام سے مرعوب ذہنوں اور عقلوں کے لئے خصوصاً لائق توجہ ہے یہ ہے کہ مادہ کی بظاہر جس ٹھوس چٹان پر مادیت یا طبعی عوامل و قوانین کی پوری عمارت کھڑی تھی وہ خود نئی طبیعیات ہی میں برف کی طرح پگھل رہی ہے، اب ازلی و غیر فانی مادہ اور ٹھوس سالمات پرانا افسانہ ہو چکے ہیں قائم بالذات جوہر کی حیثیت سے مادہ کو اب کوئی اساسی حقیقت نہیں تسلیم کیا جاتا۔ وہ اب عملاً برقی توانائی یا برقیات میں گم ہو کر رہ گیا ہے، لیکن خود برق یا برقیات کی انتہائی حقیقت کیا ہے، اکوئی نہیں جانتا، یہی نہیں بلکہ مادہ کو کسی معنی میں بھی موجود جاننے کے لئے عام انسانی ذہن و دماغ کے لئے کم از کم اتنا سہارا ناگزیر تھا کہ وہ کسی جگہ (یا مکان میں) موجود ہے۔ لیکن نظریۂ اضافیت نے اس آخری سہارے کو بھی چھین لیا۔

"مادہ جو ہماری عام عقل و فہم کے لئے ایک موجود فی المکان اور قائم فی الزمان جوہر تھا اور کائنات نام تھا مادہ کے ڈھیروں ڈلوں یا ایسے مادی جوہروں کا جو خاص خاص قوانین کے مطابق زمان و مکان میں ادھر سے اُدھر مارے مارے پھرتے تھے، اب جو بڑا انقلاب سائنس کے نقطۂ نظر سے برپا ہوا ہے وہ صحیح معنی میں اسی واقعہ کا نتیجہ ہے کہ ما... اور زمان و مکان سرے سے مین جداگانہ حقائق ہی نہیں قرار دیئے جاتے"[1]

ایک عامی آدمی عریاں الفاظ میں اس کے سوا کیا سمجھ سکتا ہے کہ مادہ نہ کسی جگہ ہے نہ کسی وقت میں یعنی نہ کسی زمان میں، تو پھر "ہے" کے کیا معنی؟ اضافیت کے اس شاہکار کو پوری طرح سمجھنا سمجھانا تو اعلیٰ ریاضیات کے ماہرین ہی کا کام ہے، ہم عامیوں کو سچ پوچھئے تو ایسے مادہ کی نسبت جو زمان و مکان سے الگ یا مستقل بالذات ہو کر کسی جگہ اور وقت میں یا زمان و مکان کے مظروف کی حیثیت سے نہ پایا جاتا ہو بے ساختہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ

[1] ماڈرن بلیف مقدمہ صفحہ ۱۵۱۔

ریاضیات نے تحلیل کرتے کرتے ہماری خارجی (یا مادی) دنیا کو قریباً عدم تک پہنچا دیا ہے۔[1] اور یہ تو بہر حال واضح ہو گیا ہے کہ کائنات کو کوئی مشین نہیں قرار دیا جا سکتا۔ پرانی مادیت دیوالیہ ہو چکی ہے یعنی وہ مادیت جو کائنات، زندگی اور ذہن سب کا محض ایک مادی تصور رکھتی تھی۔[2] اسی طرح سائنس و ریاضی کے بعض رکوں سے بھی فلسفیانہ تصوریت ہی جھانکنے لگی ہے حتیٰ کہ:۔

"سائنس دانوں کو طبعی کائنات میں کسی اساسی خارجی یا معروضی حقیقت کی جستجو میں معلوم ہوا ہے کہ کوئی خارجی حقیقت اگر سرے سے ہو بھی، تو وہ کوئی ایسی نہایت ہی عجیب و غریب شے ہوگی جو کبھی خواب و خیال میں بھی نہ آتی تھی۔ ایڈنگٹن نے نظریۂ اضافیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو طبیعیات کی بلکہ دوسری جدید ترقی کو انٹم تھیوری تک پہنچ کر ہم نے خارجی حقیقت کی جستجو کے مقصد کو ترک کر دیا ہے اور طبعی کائنات کی ایسے عناصر میں تحلیل کرنا پڑی ہے جو صراحتہً ذہنی (SUBJECTIVE) ہیں، اگر خارجی دنیا کو جاننے میں ہمارے لئے خود اپنے ذہنی عنصر کو جدا کرنا مشکل ہے تو خود ان (SELF KNOWING) شعور کے مسئلہ میں جہاں ذہن و خارج (یعنی جاننے والا اور جانا گیا)، حقیقتہً ایک ہو جاتے ہیں اس کو جدا یا ممتاز کرنا کہیں زیادہ مشکل ہوگا"۔[3]

غرض فلسفہ کے بعد سائنس میں بھی ہوا کا رُخ جس طرح تصوریت یعنی اس خیال کی طرف جا رہا ہے کہ جاری کائنات اور اس کی نیرنگیاں بے شعور مادہ کی میکانکی کارستانیاں نہیں بلکہ ذہن و شعور کی کارفرمائیاں ہیں، اور تمام سائنسدان نہ سہی لیکن سائنسدان فلسفی کی حیثیت سے سر جیمس جینس، ماکس پلانک، شروڈنگر، آئینسٹائن وغیرہ جیسے رجالِ سائنس کا تصوریت کی جانب رجحان بڑھتا جا رہا ہے اور کائنات کا اساسی سرچشمہ شعور کو قرار دینے لگے ہیں، جیسا کہ سر جیمس جینس کا صاف اعتراف ہے کہ میرا رجحان تصوریہ کے اسی نظریہ کی طرف ہے کہ اساسی و بنیادی حقیقت شعور ہے اور مادی کائنات اس سے ماخوذ ہے (ماڈرن بلیف ص ۵۲۰)

مذاہب کا وجود اسی ذی شعور و ذی علم اساسی سرچشمۂ کائنات کے سوا کیا ہے اور جب ساری کائنات ہی کسی نہ کسی طرح اس کے علم و شعور سے ماخوذ یا اس کی مخلوق ہے تو معجزات کے مادی یا میکانکی عوامل و قوانین کی جستجو خود عقل کی رُو سے کون سی عقلمندی کا کارنامہ ہے۔[4] عقل و دانش کی بات تو بس وہی اکبر الہ آبادی کی ہے۔ ؎

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

یقینِ معجزہ کے شرائط

غرض یقینِ معجزہ کی اولین شرط خدا اور غیب کا یقین ہے اس کے بعد اپنے اپنے علم و مذاق کے مطابق توجیہ معجزات کی جس طرح یہ "پہلی صورت" ممکن ہے کہ وہ عام قوانینِ فطرت (خواہ نفسی یا مادی)، ہی کے کسی مخفی عمل کا نتیجہ ہوں، اسی طرح مداخلت کی (خواہ براہ راست ہو یا بواسطہ حذف و اضافہ) "دوسری صورت" بھی قابلِ قبول ہے، انگلستان کے مشہور منطقی ولیم اسٹال جیونس نے ایک

[1] ماڈرن بلیف مقدمہ صفحہ ۱۴۳ [2] ماڈرن بلیف مقدمہ صفحہ ۱۴۳ [3] ماڈرن بلیف مقدمہ ص ۸ [4] ان مباحث کی کامل و تشفی ان شاء اللہ فلسفۂ اسلام کے ذیل میں بشرطِ صحت و حیات ملے گی۔

نہایت ضخیم کتاب "اصول سائنس"[1] کے نام سے لکھی ہے جس میں آخری نتیجہ یہ نکالا ہے۔

"اوپر علم سائنس کی حقیقت و نوعیت کے متعلق جو بحثیں گزری ہیں ان سے ایک نتیجہ جو نہایت صاف طور پر نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کارخانۂ فطرت میں مداخلت خداوندی کے امکان کو کسی طرح باطل نہیں ٹھہرا سکتے، جس قوت نے کائنات مادی کو خلق کیا ہے وہ میرے نزدیک اس میں حذف و اضافہ بھی کر سکتی ہے، اس قسم کے واقعات ایک معنی کر کے ہمارے لئے ناقابلِ تصور کہے جا سکتے ہیں، پھر بھی یہ اس سے زیادہ ناقابلِ تصور نہیں ہیں جتنا کہ خود عالم کا وجود ہے۔"

مگر جو شخص اس خالقِ کائنات قوت ہی کا قطعاً منکر ہوا جو سرے سے غیب ہی پر ایمان نہ رکھتا ہو اور جو ارنسٹ ہیگل (جرمنی کا مشہور ملحد و مادہ پرست) کی طرح خود خدا، روح، حشر و نشر وغیرہ کو معجزات (یعنی اوہام و خرافات) قرار دیتا ہو، اور جس کے نزدیک "معجزات کا یقین جہالت و بربریت کی آخری نشانی ہو، جس کا فنا کر دینا ہی علم و تمدن کی فتح ہوگی"[2] تو ایسے آدمی کو آپ کسی معجزہ کا اس معنی میں کیونکر یقین دلا سکتے ہیں کہ وہ کسی غیبی قوت کا آفریدہ ہے، یا جس شخص سے وہ ظاہر ہوا ہے اس کے عالمِ غیب کے ساتھ رابطہ و تعلق (نبوت) کی آیت یا نشانی ہے؟

یقین کی اوپر جو حقیقت بیان کی گئی ہے، اس کے لحاظ سے معجزہ پر بہ حیثیت آیت نبوت کے یقین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ غیب پر ایمان ہو جس کے بغیر یقینِ معجزہ کی خواہش کا پیدا ہونا ناممکن ہے، پھر بھی جس شخص کی نسبت کوئی معجزہ بیان کیا جاتا ہو یا جس سے یہ ظاہر ہوا ہو اس کی زندگی اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ کی تفسیر اور ظاہری و باطنی کمالات کا بجائے خود ایک معجزہ ہو، یہ چیزیں خواہشِ یقین کے لئے مؤیدات کا کام دیں گی، اور سب سے آخری لیکن سب سے مقدم شرط یہ ہے کہ فرعون و ابوجہل کی طرح دل میں خصومت و عناد، خود سری و خود بینی، ذاتی اغراض یا ہوا و ہوس کے موانعِ یقین نہ موجود ہوں، جس طرح ان شرائط کی عدم موجودگی میں کوئی دلیل یقینِ معجزات پر آمادہ نہیں کر سکتی، بالکل اسی طرح ان کی موجودگی میں کوئی دلیل یقینِ معجزات سے باز نہیں رکھ سکتی۔

میرے ایک دوست جن کا شمار کم از کم مسلمانوں میں تعلیم جدید کے مستثنیٰ افراد میں سے ہے، آج سے چند برس پہلے مغربی عقل و حکمت کے شدید پرستار تھے اور وجودِ خدا کا ان سے اقرار کرانا اس لئے ناممکن تھا کہ وہ مِل کی منطق اور ہکسلے و ہیگل کی تحقیقات سے نہیں ثابت ہوا تھا، قرآن میں ان کے نزدیک علم النفس کے بیسیوں دقائق مرعی تھے اور اس کا پیش کرنے والا پیغمبر اسلام (علیہ السلام)، سکندر، سیزر، سقراط و نپولین وغیرہ قائدین عظام و مصلحین عالم کی صف اول میں اپنی جگہ رکھتا تھا، تاہم اگر آیاتِ قرآنی کو بحیثیت کلام الٰہی ان کے سامنے تلاوت کیا جاتا یا پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مکارمِ اخلاق سے معمور زندگی کو آپ کی پیغمبری کے ثبوت میں بیان کیا جاتا تو وہ "جواب جاہلاں" کی باتمکین "خاموشی" یا زیادہ سے زیادہ ایک خندۂ تحقیر کی سزاوار تھی، ظاہر ہے کہ بدعقیدگی

[1] THE PRINDEPLE OF SCIENCE (حاشیہ) طبع آخر ۱۹۱۳ء ص ۷۶۶۔
[2] دیکھو ہیگل کی کتاب WONDARS OF LIFE (عجائبات حیات) باب ۳ معجزات۔

کے اس عالم میں روایاتِ معجزہ کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ٹھہر سکتی ہے کہ وہ محض اپنے رواۃ کی خوش اعتقادیوں یا بجا بلا عجائب پرستیوں کا مجموعہ ہیں، لیکن ادھر ان کی اس درجہ حیرت انگیز کایا پلٹ ہوئی ہے کہ عقلیاتِ مغرب کا سارا طومار ان کے نزدیک "صد کتاب و صد ورق در نار کن" سے زیادہ مستحق نہیں ہے، قرآن کریم دقائقِ نفسیہ کی جگہ "حقائق النبیہ" کا منبع بن گیا ہے، "سیرتِ نبویہ" کا ایک ایک حرف نبوت پر شاہدِ عدل ہے جو زبان جیمس اور ونٹ کی نفسیاتی تحقیقات سے رطب اللسان رہتی تھی اس کو انتہائی لذت اب صرف بزرگانِ دین کے مناقب، کشف و کرامات اور مسائلِ تصوف کے ذکر میں ملتی ہے، حتیٰ کہ دورِ اول کے ناصح احباب کو اب خود ان پر "خوش اعتقادی" کا گمان ہونے لگا ہے۔

اس قلبِ ماہیت کا نتیجہ یہ ہے کہ انبیائے عظام علیہم السلام کا ذکر ہی کیا، ملک کی موجودہ "تحریک ترک موالات" کے بانی کی ذرا غیر معمولی اخلاق سے آراستہ زندگی بھی ان کو روحانی کمالات ہی کا پرتو نظر آتا ہے انتہا یہ کہ ان کی طرف جو طرح طرح کی کرامتیں منسوب کی جاتی ہیں[1]، ان میں ایک مشہور واقعہ بعض درختوں سے روئی جیسی ایک چیز کا نکلنا تھا، میرے یہ دوست بھی اس کو تائید غیبی کی ایک نشانی سمجھنے میں شریک تھے میں نے کہا کچھ لوگ اس روئی کو کسی کیڑے کی رطوبت بتلاتے ہیں، کہا، اس سے کیا ہوتا ہے خدا نے اسی وساطت سے تائید کی ہوگی۔

شرائطِ یقین و غایتِ معجزات کے مقدمات بالا کو سامنے رکھ کر اب ذرا ریگستانِ عرب کے اس اُمّی انسان کی زندگی، دعوت اور تعلیمات پر ایک سرسری نظر کرو جس نے ساڑھے تیرہ صدی ادھر کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا، اس قدسی صفات انسان کی امانت و دیانت نے ہم وطنوں کی طرف سے اس کے لئے امین کا لقب حاصل کیا تھا، اس کی راست گوئی، دوست و دشمن سب کو یکساں تسلیم تھی، حضرت خدیجہؓ جن کو پچیس برس تک آپ کی زوجیت کا شرف حاصل رہا، وہ ایک موقع پر آپ کو تسلی دیتی ہیں کہ ہرگز نہیں، خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا، آپ صلہ رحم کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔

اس اپنے پرائے کے "امین" کی دعوت صرف یہ تھی کہ لوگو لا الٰہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے، اس دعوت سے باز رکھنے میں رؤسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے تو انہوں نے آپ کے سامنے حکومت کا تخت، زر و جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم و دمساز یعنی ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا، جس کا جواب اولوالعزم من الرسل کی زبان سے فقط یہ ملا کہ چچا جان اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں، تب بھی اپنے اعلانِ حق سے باز نہ آؤں گا، نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا یعنی حق کامیاب ہوا، لیکن کیا اس کامیابی سے داعیِ حق صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی فائدہ حاصل کیا؟

مسجد نبوی کے صحن میں آپ کے سامنے مالِ غنیمت کے انبار لگ جاتے تھے، مگر خود اس انبار کو تقسیم

[1] یہ تحریر گزشتہ تحریک ترک موالات کے شباب کے زمانہ میں لکھی گئی تھی، اس وقت طرح طرح کی یہ کرامتیں ملک میں پھیلی تھیں۔

کرنے والے شاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی یہ تھی کہ آپ کھال کی چٹائی یا خالی زمین پر آرام فرماتے تھے کاشانۂ نبوت گو انوار الٰہی کا مظہر تھا، تاہم اس میں رات کو چراغ نہیں جلتا تھا، کئی کئی دن تک فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے، گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑوں میں پیوند خود لگاتے، گھر میں خود جھاڑو دیتے، دودھ دوھ لیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے، اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھتے، اس کو چارہ دیتے، غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے، حضرت فاطمہؓ آپ کی محبوب ترین اولاد تھیں، جن کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیسنے سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، بار بار مشک میں پانی بھرنے سے سینہ پر گھٹے پڑ گئے تھے، گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چکٹ ہو جاتے تھے، لیکن بایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لئے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقرا... اور یتامیٰ کا حق ہے۔

اتنا ہی نہیں کہ آپ دنیاوی عیش و آرام سے دست بردار تھے، بلکہ دشمنانِ دین طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے، گالیاں دیتے تھے مگر رحمۃ للعالمین کا ہاتھ ان کے حق میں بھی ہمیشہ صرف دعا ہی کے لئے اٹھتا تھا اور ان کے ساتھ نیکی ہی کا حکم فرماتے تھے، راہ میں کانٹے بچھا دیتے تھے، نماز پڑھتے میں جسم مبارک پر نجاست ڈالتے تھے، ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے، یہ سب کچھ تھا، لیکن دعوتِ حق، نوع انسان کی ہدایت اور فلاح و بہبود کی تعلیمات کا کام بلا شائبہ تنزل جاری تھا، کیوں؟ اس لئے کہ آپ کو اپنے فرستادۂ خدا ہونے کا اذعان ہر وقت اس کی نصرت و معیت پر اعتماد اور بالآخر باطل کے زہوق اور حق کے غلبہ کا اسی طرح یقین تھا جس طرح تم کو رات کی تاریکی کے بعد طلوعِ صبح کا یقین ہوتا ہے، کفار کی دشمنی اور ایذا رسانی سے تنگ آ کر ابوطالب سمجھاتے ہیں کہ جانِ پدر! اس کام سے ہاتھ اٹھالو۔ آپ فرماتے ہیں کہ عم محترم! میری تنہائی کا خیال نہ کیجئے، حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا، عجم و عرب ایک دن اس کے ساتھ ہو گا۔ کفار قریش: بدنیتی (قتل) کے ساتھ آپ کے تعاقب میں نکلے ہیں، غار ثور جس میں آپ مخفی ہیں، اس کے قریب پہنچ گئے ہیں رفیقہ فی الغار (حضرت ابوبکرؓ) نے گھبرا کر عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دشمن اس قدر قریب ہیں کہ ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔ آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ غم نہ کرو، خدا ہمارے ساتھ ہے۔ ایک موقع پر آپ کسی درخت کے نیچے تنہا استراحت فرما رہے تھے کہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا چپکے سے آیا اور آپ کی تلوار درخت سے اتار کر نیام سے باہر کھینچ لی اور آپ کے سامنے آیا کہ دفعۃً آپ ہوشیار ہو گئے، دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے جس نے پوچھا کہ اے محمدؐ! اب تم کو کون بچا سکتا ہے؟ ایک پُر اطمینان صدا آئی کہ "اللہ"!

کیا تشنگانِ ایمان کے لئے خود یہ صدا معجزہ نہیں ہے؟ اور کیا جن لبوں سے یہ صدا نکلی تھی ان کو کوئی دیکھنے والا کاذب تصور کر سکتا تھا، اسی کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن سلام پکار اٹھے کہ لیس ھذا بوجہ

کذاب (یہ جھوٹے کا منہ نہیں ہے)

یہ سمندر کے صرف چند قطرے تھے اور اگرچہ انسان کا ناقص قلم پیغمبرانہ سیرت کے تمام خط و خال کا کامل طور پر نمایاں نہیں کر سکتا، تاہم سیرۃ النبی کے گزشتہ دو حصوں میں (جہاں سے یہ چند منتشر قطرات ماخوذ ہیں) انسانی ہاتھ سے جو ناتمام مرقع کھنچ سکا ہے، اسی سے تم بڑی حد تک اندازہ کر سکتے ہو کہ کسی پیکر بشری کے اندر اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کی اس جامعیت کبریٰ کا ظہور بجائے خود اتنا بڑا اعجاز ہے جس سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہ طلب کیا جا سکتا ہے اور نہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

ایسی اعجاز مجسم، جامع ہستی کے متعلق جو صاحبِ شمشیر و نگیں بھی ہو اور گوشہ نشین بھی، بادشاہِ کشور کش بھی ہو اور گدائے بینوا بھی، فرمانروائے جہاں بھی ہو اور سجہ گرداں بھی، مفلس قانع بھی ہو اور غنی دریادل بھی جس کی زبان ہمہ وقت ذکر الٰہی اور تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو جس کے پاؤں رات رات بھر نماز میں کھڑے رہنے سے آماس کر آتے ہوں، اگر کوئی ایسا واقعہ بیان کیا جائے جو خدا کی طرف سے تائید غیبی کی نشانی یا آیت معلوم ہو تو اس شخص کو اس کے یقین و قبول میں کیا تامل ہو سکتا ہے جو خدا اور غیب پر ایمان رکھتا ہے، لیکن جو شخص ہیگل کی طرح خدا اور غیب ہی کا منکر ہو یا فرعون کی طرح خود اپنے کو خدا کہتا ہو (انا ربکم الاعلیٰ) یا جس کے قلب کو ابوجہل و ابولہب کی طرح کفر و عناد کی تاریکی نے سیاہ کر رکھا ہو، اس کے سامنے بڑے سے بڑا معجزہ پیش کرنے پر بھی زیادہ سے زیادہ یہ جواب مل سکتا ہے کہ "سحر مستمر"۔

یہی راز تھا کہ سیرتِ نبویہؐ کے سارے دفتر میں بمشکل ایک آدھ ایسا واقعہ ملتا ہے کہ معجزات کی بنا پر لوگوں نے رسالت کی تصدیق کی ہو، بلکہ عہدِ رسالت کے ہزاروں ایمان لانے والے وہی ہیں جن کے دل میں ایمان کا مزہ تھا اور جن کے لئے "روئے و آواز پیمبر" ہی اصل معجزہ تھا۔ گو آج ظاہری روئے و آواز ہم سے مستور ہے، لیکن معنوی آدمی قرآن اور حقیقی "روئے پیمبر" سیرتِ طیبہ ابد الآباد تک ذوقِ ایمان رکھنے والوں کے لئے معجزہ نمائی کرتی رہے گی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

لُبِ لُباب

گزشتہ مباحث کا لُب لباب یہ ہے۔

(۱) معجزہ نام ہے پیمبرانہ اوصاف و مکارمِ اخلاق کے جامع انسان کے تعلق سے کسی ایسے واقعہ کے ظہور کا جس کی کم از کم بوقتِ ظہور عام عقل و اسباب سے توجیہ نہ ہو سکے۔

(۲) ایسے واقعات بذاتِ خود عقلاً ناممکن نہیں، ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ "انتہائی حیرت انگیز یا مستبعد واقعات کی ہوتی ہے، اس لئے بظاہر ان کو قبول کرنے کے لئے بھی نہایت غیر معمولی شہادت کی ضرورت نظر آتی ہے۔

(۳) لیکن دراصل یہ استبعاد ایسا نہیں ہوتا جس کی کافی مثالیں عام زندگی میں بھی نہ ملتی ہوں اور جن کے

قبول کے لئے کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ نہیں کیا جاتا، لہذا یقین معجزات کے لئے بھی معمولی درجہ کی قابلِ اعتماد شہادت کافی ہو سکتی ہے۔

(۴) مگر یقین صرف شہادت وغیرہ خارجی چیزوں سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس کا دار و مدار زیادہ تر یقین کی خواہش اور اس کے مواقع و مؤیدات پر ہے جس کا تعلق بڑی حد تک خود یقین کرنے والے کے گزشتہ معتقدات اور مزعومات سے ہوتا ہے۔

(۵) یقینِ معجزات کی خواہش کا پیدا ہونا موقوف ہے "ایمان بالغیب پر"

(۶) اگر غیب پر ایمان ہے اور فرعون و ابوجہل کی طرح عناد و تعصب کے موانع موجود نہیں ہیں، ساتھ ہی انبیاء کی نبوت کی زندگی اپنے احوال و اخلاق کے لحاظ سے بجائے خود اس کی نبوت کی مؤید ہے تو معجزہ (بمعنی خارق عادت) کا کیا ذکر ہے، خود پیمبر کی آواز و اصوات ہی معجزہ ہے۔

در دلِ ہر کس کہ دانش را مزہ است
روئے و آواز پیمبر معجزہ است

آیات و دلائل اور قرآن مجید

انبیا اور آیات و دلائل

گزشتہ صفحات میں جو کچھ پھیلایا گیا ہے، وہ انسانی افکار و خیالات کی جہاں تک دسترس ہے اس کی تشریح ہے، لیکن مسلمانوں کے نزدیک ہدایت و ارشاد کا اصلی سرچشمہ قرآن مجید ہے، اس لئے آیات و دلائل کی نسبت آخیر فیصلہ اسی کی عدالت میں ہونا چاہیئے۔ قرآن مجید میں اکثر انبیاء کے سوانح و حالات کے ضمن میں ان آیات اور معجزات کا بھی بیان ہے جو ان کو خدا کی بارگاہ سے عطا ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات اور دلائل انبیاء کے سوانح کا ضروری جز ہیں، خصوصاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے معجزات سب سے زیادہ تفصیل اور تکرار کے ساتھ قرآن میں بیان ہوئے ہیں کہ نزولِ قرآن کے وقت ان ہی دونوں انبیاء کی امتیں عرب میں موجود تھیں اور ان ہی کے سامنے اسلام اپنے دعووں کو پیش کر رہا تھا۔

قرآن مجید میں جن انبیاء کا تذکرہ ہے ان میں سے کم و بیش حسب ذیل انبیاء کے آیات و دلائل بیان ہوئے ہیں، حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت شعیب، حضرت زکریا، حضرت یونس، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ بعض ایسے انبیاء بھی ہیں جن کے آیات و دلائل کے ذکر سے قرآن خاموش ہے، مثلاً حضرت اسحاق، حضرت اسماعیل، ذوالکفل الیسع وغیرہ۔ لیکن اس خاموشی سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان کو کسی قسم کی نشانی اور دلیل نہیں عطا ہوئی تھی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

ما من الانبیاء نبی الا اُعطی من الایات ما مثلہ اُومن اَو اٰمَنَ علیہ البشر۔

ہر نبی کو کچھ ایسی باتیں دی گئیں جس کو دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے۔

البتہ انبیائے کرام کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غیر معمولی آیات و دلائل ان ہی انبیا کو مرحمت ہوئے جن کو سخت و شدید معاندین اور منکرین کا سامنا کرنا پڑا اور ضرورت بھی ان ہی کو تھی کہ ان کے عناد و انکار کا وہ ان کے ذریعہ سے جواب دے سکتے، باقی وہ انبیاء جو اپنی جماعتوں میں صرف تجدید و اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے، ان کو اس قسم کے دلائل کی حاجت نہ تھی کہ ان کی جماعتوں نے ان کی دعوت کے مقابلے میں عناد و انکار کا اظہار نہیں کیا تھا۔

قرآن مجید اور اصطلاح آیات و دلائل

قرآن مجید نے انبیا کے ان معجزات کو عموماً آیت یعنی نشانی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

لہ کتاب الاعتصام باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت بجوامع الکلم۔ لہ کتاب الایمان باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم الی جمیع الناس ونسخ الملل بملتہ

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى (قصص ۴)

جب موسیٰ ان کے پاس ہماری آیات لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو صرف مصنوعی جادو ہے

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ (اعراف ۱۶)

تو ہم نے فرعون کی قوم پر طوفان، ٹڈی، جوں، مینڈک اور خون کی کھلی ہوئی آیتیں بھیجیں۔

فرعون حضرت موسیٰؑ سے کہتا ہے۔

اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ (اعراف ۱۳)

اگر تم کوئی آیت لے کر آئے ہو تو اب لاؤ اگر تم سچے ہو! موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ دفعۃً سانپ بن گئی۔

کفار معجزہ طلب کرتے ہیں تو اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (انعام ۴)

آیتیں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔

اِنَّمَا الْاٰيَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ (عنکبوت ۵)

آیتیں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔

کفار کہتے ہیں۔

فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ (انبیاء ۱)

چاہیئے کہ وہ ہمارے پاس کوئی آیت لائیں جیسے پہلے پیغمبر بھیجے گئے

حضرت صالحؑ اپنے معجزہ کی نسبت کہتے ہیں۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (ہود ۶)

اور اے لوگو! یہ خدا کی اونٹنی آیت ہے۔

لفظ آیت اور معجزہ کی حقیقت آیت کے معنی "نشانی" اور "علامت" کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو علم و احساس کے جو ذرائع عطا کئے ہیں وہ حقیقت میں صرف آیات و علامات کی شناخت اور یاد ہے۔ دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں تم ان کو کس طرح جانتے اور پہچانتے ہو، صرف آیات و علامات سے، کلیات سے لے کر جزئیات تک جو کچھ ہم کو خارج سے علم حاصل ہوا ہے وہ محض نشانیوں کو دیکھ کر، ہم جانتے ہیں کہ یہ گھوڑا ہے، یہ انسان ہے، یہ درخت ہے، یہ سیب ہے، یہ انگور ہے، لیکن ہم کیونکر جانتے ہیں؟ اس طرح کہ ان چیزوں کی جو مخصوص نشانیاں ہیں وہ الگ الگ ہمارے ذہن میں محفوظ ہو گئی ہیں اور اب ان ہی کی مدد سے ہم کہتے ہیں کہ یہ فلاں چیز ہے! ہم پہچانتے ہیں کہ یہ زید ہے، یہ عمر ہے، یہ میرا عزیز ہے، یہ میرا گھر ہے، یہ میرا گھوڑا ہے، مگر یہ تمام شناختیں آیات و علامات ہی کی مدد سے ہیں اگر دنیا میں ہر شے کی مخصوص آیات و علامات مٹا دی جائیں تو ہم یقیناً کسی چیز کو نہ شناخت کر سکتے، نہ جان سکتے نہ پہچان سکتے ہیں۔

یہی آیات و علامات کی جان پہچان اور شناخت ہے جو حیوان و انسان اور عقلمند و بے وقوف میں فرق پیدا کرتی ہے جس میں ان آیات و علامات کی شناخت، تمیز اور یاد کی قوت جس قدر زیادہ ہوگی، اسی قدر اس کی عقل و دانائی کا کمال زیادہ ہوگا۔ ہماری منطق کا تمام تر استدلال بجز آیات و علامات کے اور کیا ہے، ہم اپنے جس دعویٰ پر جو دلیل قائم کرنا چاہتے ہیں وہ ان ہی آیات و علامات کی مدد سے کرتے ہیں، بلکہ ہمارے تمام تجربے اور مشاہدے بلکہ طبعیات، کیمیائیات، نباتات، حیوانات، ارضیات، ہندسیات، ریاضیات وغیرہ جو کچھ اور جس قدر

علوم بھی ہیں وہ صرف علامات شناسی کا مجموعہ ہیں جن سے ہم براہ راست جزئیات کا علم حاصل کرتے ہیں اور پھر ہم ان سے کلیات تیار کر لیتے ہیں۔

غرض ہمارا تمام تر فن استدلال دراصل ان ہی آیات و علامات پر موقوف ہے، اگر اشیاء کی علامات و آیات محو کر دی جائیں تو ہم نہ کسی چیز کو پہچان سکیں گے اور نہ کسی دعویٰ پر کوئی دلیل قائم کر سکیں گے، ہم علت سے معلول پر اور معلول سے علت پر استدلال کرتے ہیں، مگر ان ہی آثار و علامات کے ذریعہ سے ہم کو تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ شے جب پیدا ہوتی ہے تو اس کے ساتھ یہ آثار و آیات ظاہر ہوتے ہیں، اب کبھی ہم اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ یہ شے پیدا ہو گئی ہے اس لئے اس کا فلاں نشان اور اثر بھی ضرور پیدا ہوا، یہ علت سے معلول پر استدلال ہے اور کبھی ہم اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ فلاں نشان اور علامت ظاہر ہے اس لئے وہ شے بھی ہے، یہ معلول سے علت پر استدلال ہے، کبھی ہم آگ کے وجود سے حرارت کے وجود پر اور کبھی حرارت کے وجود سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔

ہم کسی غیر آباد مکان میں پہنچ جاتے ہیں، وہاں ہم کو ایک شاندار عمارت نظر آتی ہے، اگرچہ ہم نے اس عمارت کے بنانے والوں کو نہیں دیکھا ہے، مگر اس عمارت کو دیکھ کر ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کسی معمار کی صنعت ہے، ایک جنگل میں ایک جھونپڑے کے اندر ایک تنہا زخمی پڑا ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے زخم صاف ہیں، مرہم پٹی ٹھیک ہے، اس کے آرام و آسائش کے تمام سامان قرینہ سے رکھے ہوتے ہیں، ہم نے گو اس کے تیمار دار کو نہیں دیکھا، مگر آس پاس کے علامات و آثار بتاتے ہیں کہ اس بیمار کا کوئی تیمار دار ہے اور وہ نہایت رحم و مہربانی سے اس کی دیکھ بھال کر رہا ہے، ایک شخص اگر کہتا ہے میں طبیب ہوں، اس کے پاس جو مریض آتے ہیں وہ اس کے نسخہ سے شفا بھی پاتے ہیں، اب گو ہم نے اس کو طب کی تحصیل کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر اس کے آثار و علامات کو دیکھ کر اس کے دعوے کی تصدیق کر سکتے ہیں، یہی ہمارا فن استدلال ہے اور اسی پر ہمارے تمام حصول علوم کی بنیاد ہے۔

آیات اللہ قرآن مجید میں آیت کا لفظ اس معنی میں اس کثرت سے آیا ہے کہ ہم یہاں ان کا استقصا بھی نہیں کر سکتے، صرف متفرق سورتوں سے چند آیات یہاں نقل کرتے ہیں جن سے مفہوم کی تشریح ہو جائے گی۔

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ (جاثیہ ۱)

آسمانوں میں اور زمین میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور تمہاری پیدائش میں اور زمین میں جو چوپائے چلتے ہیں، ان میں ان کے لئے جو یقین کرتے ہیں نشانیاں ہیں اور رات دن کے الٹ پھیر اور آسمان سے جو خدا روزی برساتا ہے اور جس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور ہواؤں کے پھیرنے میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں، یہ آیتیں ہیں جن کو ہم سچائی کیساتھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں تو پھر خدا اور اس کی نشانیوں کے بعد وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيٰتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (بقرہ۔۲۰)

بے شک آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے الٹ پھیر اور ان کشتیوں میں جو دریا کے اندر انسانوں کو فائدہ پہنچانے والے سامان لیکر چلتی ہیں اور خدا جو آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے وہ زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور زمین میں جو چوپائے اس نے پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کو مختلف سمتوں میں چلاتے ہیں اور ان بادلوں میں جو آسمان و زمین کے بیچ میں مسخر ہیں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنّٰتٍ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انْظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ إِنَّ فِي ذٰلِكُمْ لَآيٰتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (انعام۔۱۲)

اور وہی خدا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس سے ہر چیز کی نشو و نما کو ظاہر کیا پھر اس سے سبزے پیدا کئے جس سے ہم تہ بہ تہ دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے سے خوشے نیچے لٹکے ہوتے ہیں اور انگوروں کے باغوں کو اور زیتون اور انار کو اس نے پیدا کیا جو باہم ملے جلے ہوتے ہیں اور ان میل بھی ہوتے ہیں ان کے پھلنے اور پکنے کو دیکھو ان چیزوں میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ (یونس۔۷)

اس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو لے روشن بنایا اس میں ان کے لئے جو سنتے ہیں نشانیاں ہیں۔

وَمِنْ آيٰتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ وَمِنْ آيٰتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِلْعٰلِمِينَ وَمِنْ آيٰتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ، وَمِنْ آيٰتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ وَمِنْ آيٰتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ۔ (روم۔۳)

اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے خود تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے کہ تم کو ان کے پاس سکون اور قرار حاصل ہو اور تم دونوں کے لئے لطف و محبت پیدا کر دیا، اس میں سوچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کی پیدائش اور تمہاری زبانوں کا اور رنگوں کا ایک دوسرے سے الگ ہونا ہے اس میں جاننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں رات اور دن کو تمہاری نیند ہے اور تمہارا اس کی مہربانی (روزی) کی تلاش کرنا ہے اس میں ان کے لئے جو سنتے ہیں نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے جس میں (عذاب) کا خوف اور (رحمت کی) امید دونوں ہیں اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔

وَمِنْ آيٰتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (فصلت ۵)

اور اس کی نشانیوں میں سے رات، دن، سورج اور چاند ہیں۔

یہ آیات اللہ یعنی خدا کی نشانیاں، خدا کے وجود اور اس کے صفات کمالیہ کی علامات ہیں جس طرح ویرانہ کی عمارت معمار کے وجود کو اور ایک زخمی کی مرہم پٹی اور اس کے آرام و آسائش کا اہتمام تیماردار کے رحم و کرم کے صفات کو ظاہر کرتا ہے، اسی طرح اس عالم کی یہ عظیم الشان عمارت جس کی چھت آسمان اور صحن زمین ہے، ایک خالق و صانع کے وجود کو بتاتی ہے اور زمین کے اندر و باہر ابر، بارش، دن رات، چاند سورج، درخت، میوے، پھل غلہ کے اقسام وغیرہ، زمین کے جانداروں کی زندگی کے سامان آرام و آسائش اس خالق و صانع کے رحم و کرم، عطا و بخشش اور دیگر اوصاف کمال کو نمایاں کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ خالق کو اپنے تمام مخلوقات کے ساتھ ایک خاص تعلق اور اعتنا ہے، کفر ان ہی کے دلوں میں پرورش پاتا ہے جو ان آیات الٰہی میں غور و فکر نہیں کرتے اور ان کی جلوہ گری سے حقیقی جلوہ آرا ہستی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ (ہود ۵)

اور یہ عاد کا قبیلہ ہے جس نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔

أُولٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ (کہف۔۱۲)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيٰتِ اللّٰهِ (یونس۔۱۰)

اور ان لوگوں میں نہ ہو جنہوں نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيٰتِ اللّٰهِ (انعام۔۲۰)

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا!

جس طرح یہ آیات الٰہی عام بندہ اور خدا اور خالق و مخلوق کے تعلق اور رابطہ کو نمایاں کرتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی خاص بندہ سے اپنے تعلق اور رابطہ کو اپنے مخصوص علامات و آیات کے ذریعہ سے نمایاں کرتا رہتا ہے۔

(۱) انبیا قوموں کے تاریک ترین زمانوں میں نور الٰہی کا مشعل ہاتھ میں لے کر تنہا مجمعوں کے اندر آتے ہیں، لوگ اس نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور تیغ و خنجر سے مشعل کے تھامنے والے کے دست و بازو کو زخمی کرنا چاہتے ہیں مگر وہ شمع الٰہی بجھنے کے بجائے رفتہ رفتہ اپنے دائرہ نورانی کو وسیع کرتی جاتی ہے اور بالآخر سطح ارض کے کناروں تک پہنچ جاتی ہے۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (صف ۱)

وہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے خدا کے نور کو بجھا دیں اور خدا اپنے نور کو پورا روشن کرنے والا ہے گو کافر اس سے خوش نہ ہوں اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا مذہب دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو ہر مذہب پر غالب کر دے، گو مشرک اس سے ناراض ہوں۔

(۲) باوجود تمام معاندانہ کوششوں اور مخالفانہ جد و جہد کے اس نور الٰہی کا پھیلتا جانا خود اس بات کی شہادت ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور اس مشعل گیر دست و بازو میں خدا کی غیر مرئی قوت کام کر رہی ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال۔۲)

اور تم نے وہ مٹھی بھر کنکریاں نہیں پھینکیں بلکہ خدا نے پھینکیں۔

قدم قدم پر تائیدات الٰہی اس کے ساتھ دیتی ہیں۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ

ہم نے اس نصیحت کو اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس

لَحٰافِظُوْنَ (حجر-۱) — کی حفاظت کرنے والے۔

(۳) پیغمبر کے صحیفۂ زندگی کا صفحہ صفحہ ہر قسم کے اخلاقی داغ سے پاک ہوتا ہے اس کی سچائی اور راست بازی عالم آشکارا اور دوست و دشمن سب کے نزدیک بے عیب ہوتی ہے، حضرت صالحؑ کی نسبت کافروں نے گواہی دی۔

يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ (ہود-۶) — اے صالح پہلے تم سے بڑی بڑی امیدیں تھیں

حضرت شعیب کی مخالفت کے باوجود ان کو اقرار کرنا پڑا کہ وہ بڑے عبادت گزار ہیں۔

يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ (ہود-۸) — اے شعیب! کیا یہ تمہاری عبادت گزاری تم کو کہتی ہے کہ اس کو چھوڑ دیں جس کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شہادت میں خود اپنی زندگی کو پیش کرتے ہیں۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس-۲) — میں نے تمہارے درمیان مدت تک عمر گزاری ہے کیا تم سمجھتے ہو۔

(۴) سب سے آخر یہ کہ تبلیغ و دعوت میں دینِ الٰہی کی نصرت اور اشاعت میں مخالفین کی شکست اور ہزیمت میں صلحاء کو مزید ایمان اور تسکین کے حصول میں عجیب و غریب مافوق فہم نشانات ظہور پذیر ہوتے ہیں، جن کو عرفِ عام میں معجزات کہتے ہیں۔

غرض یہی وہ مہر ہیں جو خالقِ فطرت اور داعیِ حق کے درمیان رابطۂ خاص اور علاقۂ مخصوص کو نمایاں کرتے ہیں اور جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرستادۂ الٰہی ہے۔

آیات و دلائل کی دو قسمیں، ظاہری اور باطنی

تفصیلِ بالا سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آیات اور نشانات دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک ظاہری اور مادی اور دوسری باطنی اور روحانی، ظاہری اور مادی آیات و دلائل تو وہ خوارق ہیں جن کو لوگ عام طور پر معجزات کہتے ہیں، مثلاً مردہ کا زندہ کرنا، عصا کا سانپ بن جانا، انگلیوں سے پانی کا چشمہ ابلنا، بیمار کو اچھا کرنا وغیرہ، باطنی اور روحانی آیات و دلائل مدعیِ نبوت کی صداقت، معصومیت، تزکیہ، تاثیرِ تعلیم، ہدایت، ارشاد، فلاح اور تائید ہے، اہلِ نظر اور حقیقت شناس کے لئے یہی باطنی آثار و آیاتِ نبوت کی حقیقی نشانیاں ہیں، باقی ظاہری نشانیاں صرف سطحی اور ظاہر بین نگاہوں کے لئے ہیں جو ہر چیز کو ان ظاہری ہی آنکھوں سے دیکھ کر پہچانتی ہیں۔

نبوت کی باطنی نشانیاں واقعات کی روشنی میں

ہم نے نبوت کی ظاہری اور باطنی دو نشانیاں قرار دی ہیں اور باطنی نشانیوں کو ظاہری علامات پر ترجیح دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ حقیقت شناس صرف باطنی نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں، آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ قرآن مجید بھی انہی کو نبوت کی اصل علامات قرار دیتا ہے، یہاں واقعات کی روشنی میں یہ واضح کرنا ہے کہ عہدِ نبوی میں بھی جو لوگ اہلِ نظر تھے وہ انہی علامات کی تلاش کرتے تھے، چنانچہ ان لوگوں کو بھی چھوڑ دو جنہوں نے بالآخر نبوت کی تصدیق کی، اس عہد کے ان یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھو جنہوں نے گو کسی سبب سے علی الاعلان اس کی تصدیق کی جرأت

نہیں کی، مگر وہ اندرونی طور سے متاثر ہو چکے تھے۔

بنی اسرائیل سے بڑھ کر عرب میں علاماتِ الٰہی کا رازداں کوئی اور نہ تھا، سینکڑوں یہودی متشککانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے، امتحانات لیتے، تجربات کرتے، مگر ان کا امتحان و تجربہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ وہ آپ کے اخلاق کی آزمائش کرتے تھے، صحفِ انبیائے بنی اسرائیل کے سوالات دریافت کرتے تھے، آپ کی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کرتے تھے، ان میں سے کسی نے آکر آپ سے خارقِ عادت معجزہ کا مطالبہ نہیں کیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ تماشے بظاہر اور لوگ بھی دکھا سکتے ہیں اور یہ خوارق نبوت کی باطنی اور اندرونی علامات نہیں ہیں، آنے والے نبی کی بشارتیں اور صفتیں توراۃ اور انجیل دونوں میں مذکور تھیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی صاحبِ خوارق ہونا اور ظاہری معجزات دکھانا ان کی صفت نہیں بتائی گئی تھی، بلکہ توراۃ میں اس کے اوصاف یہ بتائے گئے ہیں کہ وہ فاران سے طلوع ہوگا، دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آئے گا، اس کے ہاتھ میں آتشیں شریعت ہوگی، وہ غریبوں اور مسکینوں کا مددگار ہوگا اور بدکاروں کو جنگی مرد کے مانند ہلاک کرے گا، وہ عبادت گزار اور خدا کے احکام کا مطیع ہوگا، مختون قوم (عرب) میں پیدا ہوگا، انجیل نے بتایا تھا کہ وہ تسلی کی روح ہوگا، وہ مسیحؑ کی نامکمل تعلیم کی تکمیل کرے گا، خدا کی زبان اس کے منہ میں ہوگی۔

سینکڑوں یہود و نصاریٰ آپ کی خدمت میں آتے اور انہوں نے آپ کی نبوت کا امتحان لیا، مگر امتحان کے پرچہ میں مادی معجزات کا سوال شامل نہ تھا، بلکہ عام علمی اور مذہبی باتوں کی نسبت استفسار تھا، قرآن مجید نے ان کے دو سوالوں کو دہرایا يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ (کہف) اور يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ، پہلے سوال میں ذی القرنین کا قصہ پوچھا گیا ہے اور دوسرے سوال میں "روح" کی حقیقت دریافت کی گئی ہے، ان کے علاوہ قرآن مجید میں اہلِ کتاب کے متعدد اعتراضات اور سوالات مذکور ہیں، مگر ان میں سے ایک میں بھی یہ نہیں کہ تم کوئی نبوت کی صداقت کے ثبوت میں کوئی خارقِ عادت تماشا دکھاؤ، بلکہ وہی سوالات کرتے تھے جن کو پیغمبر کے علم و عمل یا تعلیم و تزکیہ سے تعلق تھا، آگے چل کر ایک خاص باب میں ہم نے یہودیوں کے امتحانی سوالات جمع کر دیئے ہیں ان کو پڑھ کر تم بہتر فیصلہ کر سکتے ہو، قرآن مجید میں ان کا ایک سوال بے شبہ ایسا مذکور ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی مادی معجزہ کی خواہش رکھتے تھے اور وہ یہ ہے۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ (نساء-۲۲) — اہلِ کتاب تجھ سے فرمائش کرتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے کتاب اتارے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں کی معجزہ طلبی نہ تھی بلکہ چونکہ توراۃ کے متعلق ان کا یہ خیال تھا کہ اس کی چند لوحیں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے لکھ کر حضرت موسیٰؑ کو دی تھیں اس لئے وہ اسی تخیل کے مطابق قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے لئے اس کے نزول کو بھی اسی طرح چاہتے تھے، اب اس عہد کے عیسائیوں کو دو۔ قیصرِ روم کے دربار میں جب قاصدِ نبویؐ پہنچا تو ابو سفیان کو (جو اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے) بلوا کر قیصر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوالات کئے، وہ حسبِ ذیل ہیں۔

قیصر:	مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟	ابو سفیان:	شریف ہے۔
"	اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟	"	نہیں۔
"	اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟	"	نہیں۔
"	جن لوگوں نے اس مذہب کو قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر؟	"	کمزور لوگ ہیں۔
"	اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟	"	بڑھتے جاتے ہیں۔
"	کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟	"	نہیں۔
"	وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟	"	ابھی تک تو نہیں لیکن اب جو معاہدہ ہوا ہے دیکھیں وہ اس پر قائم رہتا ہے یا نہیں؟
"	تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟	ابوسفیان:	ہاں۔
"	نتیجہ جنگ کیا رہا؟	"	کبھی ہم غالب رہے کبھی وہ۔
"	وہ کیا سکھاتا ہے؟	"	کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی

اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلۂ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے کہا کہ تم نے اس کو شریف النسب بتایا، پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندان سے پیدا ہوتے ہیں، تم نے کہا کہ اس کے خاندان میں کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے، تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے، تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے، پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے، سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں دیا، پیغمبر کبھی فریب نہیں دیتے، تم کہتے ہو کہ وہ نماز و تقویٰ اور عفاف کی ہدایت کرتا ہے اور اگر یہ سچ ہے تو وہ یقیناً پیغمبر ہے۔

باوجود طول کلام کے ہم نے یہ تمام سوالات و جوابات نقل کر دیئے ہیں، غور کرو یہ تمام سوالات صرف پیغمبر کے حقیقی آثار و علامات سے متعلق ہیں۔ ان میں سے ایک سوال بھی ایسا نہیں ہے جس میں یہ مذکور ہو کہ یہ مدعی نبوت کوئی معجزہ بھی پیش کرتا ہے؟ حالانکہ اگر نبوت کی حقیقی علامت خوارق عادت ہوتے تو سب سے پہلے عیسائی قیصر کو یہی سوال پوچھنا چاہیئے تھا۔

حضرت جعفرؓ، نجاشی کے دربار میں اسلام پر تقریر کرتے ہیں تو فرماتے ہیں ایہا الملک ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، اس اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت

سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے، اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو تکلیف نہ دیں، عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں۔ ہم ان پر ایمان لائے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے۔[1]

نجران کے عیسائی علماء جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو انہوں نے قرآن کی آیتیں سنیں مسلمانوں کی روحانی کیفیتوں کا مشاہدہ کیا، حضرت عیسیٰؑ کی نسبت اسلام کا فیصلہ دریافت کیا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے حکم کے مطابق ان سے مباہلہ کرنا چاہا، مگر انھوں نے منظور نہیں کیا، اور آپس میں کہا کہ اگر یہ واقعی پیغمبر ہے تو ہم تباہ ہو جائیں گے، بالآخر سالانہ خراج پر صلح کر لی، دیکھو انہوں نے اسلام کی تعلیمات کا ہر طرح امتحان کیا لیکن دعویٰ کے ثبوت میں انہوں نے ظاہری نشان نہیں مانگا۔

اب خاص عرب کے حقیقت شناس افراد کا مطالعہ کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ان میں سے ہزاروں اشخاص نے تصدیق کی، جن کے فضل و کمال، عقل و ہوش اور فہم و تدبر ان کے حالات و واقعات گواہ ہیں مگر ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو باطنی علامات کے دیکھ لینے کے بعد ظاہری نشانوں کا طلب گار ہوا ہو۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ اسلام لائیں۔ چنانچہ آغاز وحی ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خدیجہؓ سے اپنے مشاہدات روحانی کا تذکرہ فرمایا تو وہ ایمان لے آئیں، مگر کس اثر سے؟ اس کی توضیح اس سے ہوتی ہے کہ جب آپ نے بتقاضائے بشریت ان سے اپنے خوف جان کا تذکرہ کیا تو انہوں نے جواب دیا۔

واللہ ما یخزیک اللہ ابداً انک لتصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق (بخاری بدء الوحی)	خدا کی قسم، خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا، آپ صلۂ رحم کرتے ہیں اور قرضداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، حق کی مصیبتوں پر لوگوں کی اعانت کرتے ہیں

حضرت ابوذرؓ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا حال معلوم ہوا تو، انہوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ ذرا اس شخص کے پاس جا کر دیکھو جو دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے، وہ مکہ آئے اور تحقیق حال کر کے واپس گئے اور حضرت ابوذرؓ سے جا کر کہا۔

رأیتہ یامر بمکارم الاخلاق و کلاما ما ھو بالشعر (مسلم مناقب ابی ذر)	میں نے اس کو دیکھا وہ مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے اور ایک کلام پیش کرتا ہے جو شعر نہیں۔

اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن سے حقیقت حال کی تشریح ہوتی ہے اور جن کی تفصیل سے سیرۃ نبوی کی گزشتہ جلدیں بھری پڑی ہیں۔

قرآن مجید اور نبوت کی باطنی علامات

یہ تمام بیانات درحقیقت قرآن مجید کی ان آیتوں کی تشریح ہیں جن میں نبوت کی حقیقت اور اس کے اصلی آثار و علامات بتائے گئے ہیں۔

---

[1] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۲۰۲۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (مائدہ - ۳)

اے یہود و نصاریٰ! تمہارے پاس ہمارا رسول آچکا جو تمہاری کتاب کی بہت سی باتیں جن کو تم چھپاتے ہو، صاف صاف بیان کرتا ہے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے، اللہ کی طرف سے تمہارے پاس روشنی اور قرآن آچکا، خدا اس کے ذریعہ سے انکو جو اس کی خوشنودی کے پیرو ہیں، سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور انکو اپنے حکم سے وہ اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور ان کو سیدھا راستہ بتاتا ہے۔

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (جمعہ - ۱)

خود امیوں میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو انکو خدا کی آیتیں سناتا ہے انکو پاک و صاف کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی ان کو تعلیم دیتا ہے۔

رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران - ۱۷)

خود امیوں میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو خدا کی آیتیں سناتا ہے ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی انکو تعلیم دیتا ہے۔

اَلرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (اعراف - ۱۹)

اس امی فرستادۂ الٰہی اور پیغامبر کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ توراۃ و انجیل میں لکھا پاتے ہیں، وہ ان کو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور رسم و رواج کے، جو بوجھ اور بیڑیاں ان پر پڑی ہوئی تھیں وہ ان سے دور کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (احزاب - ۶)

اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو (اپنا) گواہ اور نیکوکاروں کو خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو، ڈرانے والا، خدا کی طرف اس کے حکم سے پکارنے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

الغرض مبعوث کے اصلی آثار و علامات یہ ہیں کہ وہ آیات الٰہی تلاوت کرتا ہے، زنگ آلود نفوس اور سیہ کار قلوب کو جلا دیتا ہے، لوگوں کو کتاب و حکمت اور اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، اچھی باتوں کو پھیلاتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے، وہ طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرتا ہے، وہ قوموں کے بوجھ کو اتارتا ہے اور ان کے پاؤں کی بیڑیوں کو کاٹ ڈالتا ہے وہ خدا کا گواہ بن کر اس دنیا میں آتا ہے۔ لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتا ہے نیکوکاروں کو بشارت سناتا ہے، بدکاروں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے اور اس ظلمت کدہ عالم میں وہ ہدایت کا چراغ بن کر چمکتا ہے۔ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ کے طالب ہوتے ہیں، اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ

اور جن کو علم نہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا خود ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی، ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا دونوں کے دل ایک ہی قسم کے ہوگئے۔ ہم نے نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں کھول کر رکھ دیں ہے

بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (بقرہ - ۱۴)

محمد! ہم نے تجھ کو سچائی دے کر نیکوکاروں کو خوشخبری سنانے والا بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور جن کو اب بھی یہ نشانیاں باور نہ آئیں، ان دوزخیوں کی تجھ سے بازپرس نہ ہوگی۔

کفار پیغمبر کی صداقت کی نشانی پوچھتے ہیں، اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی صداقت کی روشنی تو اس کا سرتاپا وجود ہے اور اہل یقین کے لئے اس کی سچائی کی تمام نشانیاں ظاہر کردی گئی ہیں، اس کی حقانیت نیکوکاروں کو خوشخبری سنانا اور بدکاروں کو ڈرانا اور متنبہ کرنا اور اس سے انقلاب انسانی اور نتائج روحانی کا ظہور یہ خود اس کی صداقت کی کھلی نشانیاں ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (عنکبوت - ۵)

اور وہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتریں، کہدے کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں، ان کافروں کو یہ نشانی کافی نہیں کہ تجھ پر ہم نے کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

یعنی خود یہ دعوت الٰہی اور پیغام ربانی آیت و نشانی ہے اور اہل بصیرت کے لئے یہی معجزہ ہے۔

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (شعراء - ۱۱)

کیا ان کافروں کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے عالم لوگ اس کو جانتے ہیں۔

یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ یہ ہے کہ ایک امی ہو کر وہ ایک ایسی کتاب اور ایسی تعلیم پیش کرتا ہے جس کی صداقت کو علمائے بنی اسرائیل جانتے اور سمجھتے ہیں، کیا یہ معجزہ جہلائے قریش کی تسلی کے لئے کافی نہیں ہے کہ بڑے بڑے علما، اس کی سچائی کے دل سے معترف ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ (طٰہٰ - ۸)

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا کیا انکو اگلی کتابوں کی گواہی نہیں پہنچی اور اگر ہم انکو اس سے پہلے ہلاک کردیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! کیوں تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر نہیں بھیجا کہ ہم تیری نشانیوں کی پیروی کرتے۔

یعنی گزشتہ انبیاء کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کے جو صفات اور نشانیاں مذکور تھیں، پیغمبر اسلام کا ان کا مصداق کامل ہونا یہی سب سے بڑی نشانی ہے۔ یا اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ کفار بار بار یہی کہتے ہیں کہ معجزہ دکھاؤ، معجزے تو انہیں دکھائے جا چکے، کیا یہ نہیں معلوم کہ گزشتہ قومیں معجزات دیکھ کر بھی جب ایمان نہ لائیں تو ان کا کیا حشر ہوا۔ کفار کا سوال تھا۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (رعد - ۱)

کہ اس پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری

اس کے جواب میں خدا نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد-۱)

اے محمدؐ! تو صرف ڈرانیوالا ہے اور ہر قوم میں ایک ہادی گزرا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ نبوت کی حقیقت معجزہ نہیں بلکہ انذار اور ہدایت ہے۔

ظاہری آیات اور نشانات

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انبیاء ظاہری آیات اور مادی نشانات سے خالی ہوتے ہیں، تمام انبیائے کرام کی سیرتیں بیک زبان اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ باطنی آیتوں کے ساتھ ان کو ظاہری حصہ بھی ملتا ہے، قرآن مجید نے اکثر انبیاء کے سوانح و واقعات کے ضمن میں ان کے ظاہری آثار و دلائل کو بھی بتفصیل بیان کیا ہے، بلکہ کہنا یہ ہے کہ یہ مادی اور ظاہری نشانات نبوت کی اصل حقیقت سے خارج ہیں یہی سبب ہے کہ متعدد مقامات پر قرآن مجید نے کفار کی مادی نشانیوں کی طلب میں آپ کی طرف سے یہ الفاظ کہے۔

هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا (بنی اسرائیل)

میں تو صرف ایک انسان پیغمبر ہوں۔

ظاہری نشانات صرف معاندین طلب کرتے ہیں

لیکن نبوت کے ظاہری اور عامیانہ آثار و علامات یعنی خارق عادت معجزات صرف وہ فرقہ طلب کرتا ہے جس کے دل کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں اور جو تعصب و عناد اور جہل کے باعث حق کے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا چنانچہ انبیائے کرام پر ایمان لانے والوں کے حالات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ معجزات کی طلب نیکوکاروں نے نہیں کی حضرت موسیٰؑ کو معجزہ بنی اسرائیل کے مقابلہ میں نہیں بلکہ فرعون کے مقابلہ میں دیا گیا، حضرت عیسیٰؑ سے ان کے حواریوں نے نہیں بلکہ یہودیوں نے معجزہ طلب کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوبکرؓ و عمرؓ نے نہیں بلکہ ابوجہل و ابولہب نے معجزہ مانگا یہی حال دوسرے انبیاء کا بھی ہے، قرآن مجید نے اس حقیقت کی پوری تصریح کی ہے اور طلب معجزہ کے سوال کو ہمیشہ کفار کی طرف منسوب کیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ۔ (بقرہ-۱۴)

اور جن کو (کتاب الٰہی کا) علم نہیں (یعنی کفار قریش) کہتے ہیں کہ کیوں خدا ہم سے خود باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ (انعام-۴)

اور کفار نے کہا کہ اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ (رعد-۱)

اور کفار کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اترتی۔

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِنْ رَبِّهِ۔ (طٰہٰ-۸)

اور کفار نے کہا کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا۔

دیکھو کہ ہر آیت میں کفار ہی کا معجزہ طلب کرنا ظاہر کیا گیا ہے۔

کفار کا یہ معجزہ طلب کرنا نفی معجزہ کی دلیل نہیں

کفار کے اس بار بار کے اصرار سے کہ پیغمبر ہم کو معجزہ کیوں نہیں دکھاتے، بعض نادان یہ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی معجزہ نہیں دکھایا کہ اگر وہ کوئی معجزہ دیکھ چکے ہوتے تو بار بار معجزہ کے لئے اصرار کیوں کرتے؛ لیکن یہ استدلال سرتاپا غلط ہے، ان کو نفس معجزہ مانگنے پر بھی بلکہ مادی اور ظاہری معجزات طلب کرنے

پر تنبیہ کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ عناد سے طلب معجزہ پر مصر ہیں، چنانچہ ان تمام مقامات میں جہاں کفار کی اس طلب معجزہ کا ذکر ہے یہ تصریح موجود ہے اور انہیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ان خوارق سے انہیں تسلی نہ ہوگی، ان کو چاہیئے کہ نبوت کے اصلی آثار و علامات کی طرف توجہ کریں کہ سعادتمند دلوں کی تسلی ان ہی سے ممکن ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ۔ (البقرہ-۱۴)

اور جو نہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ کیوں خدا ہم سے خود باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی نہیں آتی، ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا دونوں کے دل ایک سے ہیں جو یقین کرتے ہیں ہم نے نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں کھول کر رکھ دی ہیں اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو سچائی دے کر نیکوکاروں کو خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور (جن کو یہ نشانیاں باور نہ آئیں) ان دوزخیوں کی تم سے بازپرس نہ ہوگی۔

اس آیت کریمہ میں صاف موجود ہے کہ ہم نشانیاں کھول کر بتا چکے ہیں، لیکن ان نشانیوں سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اہل یقین ہیں اور جو ہر امر میں شک کرتے ہیں، ان کا علاج صرف دوزخ ہے۔ دوسری آیت یہ ہے:۔

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِنْ رَبِّهِ أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۔ وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ (طٰہٰ-۸)

اور کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا، کیا ان کے پاس گزشتہ کتابوں کی گواہی نہیں پہنچی اگر ہم اس سے پہلے کسی عذاب سے ان کو ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! کیوں ہمارے پاس کوئی رسول تو نے نہیں بھیجا کہ ہم تیری نشانیوں کی پیروی کرتے۔

اس آیت میں بھی معجزات ظاہر ہونے کے بعد مزید معجزات کی طلب پر گزشتہ قوموں کے واقعات کی طرف جو اگلی کتابوں میں مذکور ہیں متوجہ کیا گیا ہے، کہ دیکھ لو دنیا میں ان کا کیا حشر ہوا، جنھوں نے معجزوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں قبول کیا۔

معجزات تو بہرحال کسی نہ کسی آنی زمانہ اور مخصوص وقت میں ظاہر ہوتے ہیں اور پھر دنیا کے دوسرے حوادث کی طرح فنا ہو جاتے ہیں، اس بنا پر اگر ہر معاند کے سوال پر پیغمبر معجزہ ہی دکھاتا رہے تو یہ تسلسل شاید کبھی ختم نہ ہو اور پیغمبر کی زندگی صرف ایک تماشہ گر کی حیثیت اختیار کر لے، اس لئے ظاہری معجزہ طلب کرنے والوں کو دائمی اور مسلسل معجزہ کی طرف ملتفت ہونے کی تاکید ہوتی ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۔ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ

اور وہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اترتی، کہدے کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں میں صرف کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں، کیا یہ ان کو بس نہیں کرتا کہ ہم نے

يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (عنکبوت ۔۵) — تجھ پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

معاندین کو معجزہ سے بھی تسلی نہیں ہوتی

نفسیات انسانی کا خاصا ہے کہ جب کسی طرف سے اس کے جذبات مخالفانہ ہوتے ہیں تو وہ اس کی کسی بات کو حسن ظن پر محمول نہیں کرتا اور اس کو اس کی ہر شے کے اندر شر، خبث اور بدی نظر آتی ہے، جلی سے جلی اور واضح سے واضح برہان بھی اس کے دل کے ریب اور قلب کے شک کو دور نہیں کر سکتے۔ معاندین جو انبیاء کے مکارم اخلاق، حسن عمل، حسن تعلیم اور دیگر علمی و عملی تلقینات کو باور نہیں کرتے اور ان کے کھلے اور بدیہی دعووں کو بھی تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے اور ہر قسم کی دلیلوں کے سن لینے کے بعد بھی وہ اپنے لاعلاج مرض شک سے نجات نہیں پاتے تو آخر الحیل کے طور پر وہ پیغمبروں سے خارق عادت معجزوں کا مطالبہ کرتے ہیں اور چونکہ انہیں بدگمانی سے یقین ہوتا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک مدعی انسان کبھی ایسی عجیب و غریب چیز پر قدرت نہیں رکھتا، اس لئے وہ کبھی کوئی خارق عادت امر پیش نہ کرے گا اور اس طرح اس کی رسوائی عالم آشکارا ہو جائے گی اور خود اسی کے ہاتھوں سے اس کے دعووں کے تار و پود بکھر جائیں گے، لیکن قدرت الٰہی آخری حجت کے طور پر ان کے سامنے معجزات اور خوارق عادت بھی پیش کر دیتی ہے تاہم ان کو دیکھ کر بھی معاندانہ روح، ان کے دلوں میں پیغمبروں کی سچائی کا اعتبار نہیں پیدا ہونے دیتی اور بدگمانی ان کو یہ بتاتی ہے کہ گو اس خارق عادت کے ظہور میں تو شک نہیں مگر یہ خدائی قوت کا کرشمہ نہیں، بلکہ یہ شیطانی عمل اور سحر و جادو کی قوت سے پیدا ہوا ہے اور چونکہ بظاہر معجزہ اور سحر و شعبدہ میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، اس لئے ان کے بدگمان قلب کو اس سے بھی تسلی نہیں ہوتی، حضرت موسیٰ نے فرعون کو متعدد معجزے دکھلائے، مگر ہر ایک کے جواب میں انہیں یہی سننا پڑا کہ "تم جادوگر ہو"۔

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (نمل۔۱) — یہ تو کھلا جادو ہے۔

اِنْ هٰذَانِ لَسَاحِرَانِ (طٰہٰ۔۳) — یہ موسیٰ اور ہارون یقیناً جادوگر ہیں۔

حضرت موسیٰ کے معجزۂ عصا کو دیکھ کر مصر کے جادوگر سجدے میں گر گئے اور حضرت موسیٰؑ کی پیغمبری پر ایمان لے آئے مگر فرعون یہی کہتا رہا۔

اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ (طٰہٰ۔۳) — یہ موسیٰ تم سب کا بڑا جادوگر ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔

توراۃ میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ حضرت موسیٰؑ فرعون کو جب کوئی معجزہ دکھاتے تھے تو ہر معجزہ کے بعد فرعون کے دل کی سختی علیٰ حالہ باقی رہ جاتی تھی چنانچہ توراۃ میں تقریباً ہر معجزہ کے بعد مذکور ہے "لیکن فرعون کا دل سخت رہا اور اس نے ان کی نہ سُنی"۔[1] انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے سب سے زیادہ معجزات دکھلائے لیکن خود انجیل میں مذکور ہے کہ تقریباً ہر معجزہ کے بعد حاضرین کی دو جماعتیں ہو جاتی تھیں، ایک تو ان کی معتقد ہو جاتی تھی اور یقین کرتی تھی کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور دوسری کہتی تھی کہ یسوع کے ساتھ شیطان رہتا ہے تب یہودیوں کے بیچ ان باتوں کے سبب اختلاف ہوا اور بہتوں نے ان میں سے کہا، اس کے ساتھ ایک

---

[1] توراۃ کتاب الخروج۔

دیو تا رہتا ہے اور وہ مجنون ہے۔ تم اس کی سنتے کیوں ہو، اوروں نے کہا، یہ باتیں اس کی ہیں جس میں دیو ہے کیا دیو اندھے کی آنکھیں کھول سکتا ہے۔[1] ایک دفعہ حضرت عیسیٰ نے ایک گونگے کو اچھا کیا، لوگ حیرت زدہ ہو گئے، لیکن فریسی یہودیوں نے کہا، یہ دیوؤں کے سردار کی مدد سے دیوؤں کو نکالتا ہے۔[2] حضرت عیسیٰؑ نے اپنے معاندین کے جواب میں کہا، تم کہتے ہو کہ میں دیوتاؤں کو بعل زبول (ایک دیوتا کا نام) کی مدد سے نکالتا ہوں۔[3] حضرت عیسیٰؑ نے متعدد دفعہ لوگوں سے کہا، "تم معجزات دیکھتے ہو مگر ایمان نہیں لاتے"۔[4]

یسوع نے (عیسیٰ) نے یہ باتیں کہیں اور اپنے تئیں ان سے (فریسی یہودیوں سے) چھپایا، اگرچہ اس نے ان کے روبرو اتنے معجزے دکھلائے پر وہ اس پر ایمان نہ لائے۔[5] تب ان شہروں کو جن میں اس کے بہت سے معجزے ظاہر ہوتے ملامت کرنے لگا کیونکہ انہوں نے توبہ نہ کی تھی۔[6]

کفار قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزوں کے طالب ہوتے تھے، مگر جب معجزے دیکھتے تھے تو کاہن اور جادوگر کہنے لگتے تھے۔ عرب میں پیشین گوئی کاہن کیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کو دیکھ کر معاندین نے آپ کو کاہن کا خطاب دیا تھا، اس لئے قرآن مجید نے کہا۔

فَمَا اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ (طور۔۲) — اے پیغمبر! تو اپنے پروردگار کے فضل سے کاہن نہیں ہے۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ (حاقہ۔۲) — اور یہ کسی کاہن کی بات نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور خوارق کو وہ دیکھتے تھے تو ان کو جادو کا اثر سمجھتے تھے۔

ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ (مدثر۔۱) — پھر پیٹھ پھیر کر چلا اور غرور کیا اور کہا کہ یہ تو جادو ہے جو اگلے وقتوں سے چلا آتا ہے۔

کفار ایک دوسرے کو منع کیا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جایا کرو، کیونکہ وہ جادو کیا کرتے ہیں۔

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ (انبیاء۔۱) — یہ محمد تو تمہاری ہی طرح آدمی ہیں، کیا تم جادو کے پاس آتے ہو اور تم دیکھ رہے ہو۔

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (احقاف۔۱) — حق کے منکرین کے پاس جب حق آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معجزہ شق القمر دکھایا تو کفار نے اس کو بھی جادو کہا۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (قمر۔۱) — نزدیک آگئی قیامت اور چاند پھٹ گیا اور اگر وہ کوئی بھی نشانی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔

---

[1] یوحنا کی انجیل باب ۱۰۔ ۱۹ [2] متی کی انجیل باب ۹۔ ۳۴ [3] لوقا کی انجیل ۱۱۔ ۱۸ [4] یوحنا کی انجیل ۱۳۔ ۳۰ [5] یوحنا کی انجیل ۱۲۔ ۳۷ [6] متی کی انجیل ۱۱۔ ۲۰

سم مناقب ابی ذر۔

دوسرے معجزات کو دیکھ کر وہ یہی کہتے رہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو جادوگر ہے۔

مَا كَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ (یونس-۱)

کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک پر وحی اتاری کہ لوگوں کو ڈرا اور ان کو جو ایمان لائے بشارت دے کہ ان کے پروردگار کی بارگاہ میں اس کی بڑی پایگاہ ہے، کافر کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

معاندین کو معجزہ سے بھی ایمان کی دولت نہیں ملتی

چونکہ معاندین کو حق و باطل کی تمیز کی قوت نہیں ہوتی اور یقین کی سعادت سے وہ محروم ہوتے ہیں اس لئے بڑی سے بڑی نشانی بھی شک و شبہ کے گرداب سے ان کو باہر نہیں نکال سکتی، وہ کبھی اس کو بخت و اتفاق کا نتیجہ سمجھتے ہیں، کبھی اس کو سحر و جادو سمجھ کر اس کی تکذیب کرتے ہیں، کبھی فریب اور قوت شیطانی کا ان کو دھوکہ ہوتا ہے اس لئے معجزات سے بھی ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ حجت کے لئے ایک دفعہ معجزہ ان کو دکھایا گیا تو ان کا شبہ رفع نہیں ہوا، پھر معجزہ طلب کرتے ہیں تو قرآن کہتا ہے کہ اب بھی ان کو تسلی نہ ہوگی، چنانچہ سورۂ انعام کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام مراتب کو بیان کر دیا ہے۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ (انعام-۱)

اور خدا کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان کے پاس نہیں آتی لیکن یہ کہ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (انعام-۱)

اے پیغمبر! اگر ہم تجھ پر ایسی کتاب بھی آسمان سے اتار دیں جو کاغذ میں لکھی ہو کہ وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیں تو وہ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ یہ فقط ایک ساحرانہ تماشا ہے۔

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (انعام-۳)

اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں گے تو وہ ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ وہ جب تیرے پاس آتے ہیں تو وہ تجھ سے جھگڑا کرتے ہیں اور کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صرف اگلوں کی کہانیاں ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ (انعام-۱)

اور کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتار دیا گیا، اگر فرشتہ اتارا جاتا تو ان کو پھر مہلت نہ دی جاسکتی اور بات پوری ہو جاتی، اگر ہم رسول کا ساتھی کسی فرشتہ کو بناتے تو اس کو بھی انسان ہی کی صورت میں بناتے تو پھر وہی شبہ ان کے دلوں میں ہم پیدا کرتے جو اب یہ کر رہے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

اور اگر ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتے بھی اتار کر بھیج دیں اور مردے بھی ان سے باتیں کریں اور ہر چیز ان کے سامنے لا کر کر دیں تو وہ ایمان نہ لائیں گے، لیکن یہ کہ خدا کی مشیت ہو،

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ (انعام-۱۴)

لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرط شفقت سے یہ خیال بار بار آتا تھا کہ یہ رؤسائے قریش ایمان کی دولت سے محروم نہ رہنے پائیں، خدا نے فرمایا کہ ان کو حقیقت میں براہ راست نبوت سے انکار نہیں بلکہ ان کو نبوت سے اس لئے انکار ہے کہ ان کو اولاً نفس خدا پر یقین نہیں، یہ بظاہر نبوت کی نشانیوں کو طلب کرتے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان کو خدا کی نشانیاں بھی تسلیم نہیں، ایسے لوگوں کی قسمت میں ایمان کی سعادت نہیں، ان کے لئے معجزے بیکار ہیں یہ سعادت ان ہی کو ملتی ہے جو حق کے طالب ہیں اور حق باتوں کو سنتے ہیں۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰي مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓي اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَي الْهُدٰي فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ڼ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(انعام-۴)

ہم جانتے ہیں کہ ان کافروں کی باتیں تجھ کو غمگین کرتی ہیں لیکن تجھ کو غمگین نہ ہونا چاہیئے کیونکہ وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے ہیں بلکہ در اصل ان ظالموں کو خدا کی نشانیوں سے انکار ہے۔ تجھ سے پہلے انبیاء بھی جھٹلائے گئے تو انہوں نے اپنی تکذیب پر صبر کیا اور ان کو بھی ایذا پہنچائی گئی، یہاں تک کہ ان کے پاس خدا کی نصرت آئی، خدا کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، گزشتہ پیغمبروں کے واقعات تجھ کو معلوم ہو چکے ہیں اور اگر ان کافروں کی روگردانی تجھ پر گراں ہو تو اگر تجھ میں طاقت ہو تو زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ کر ان کو کوئی نشانی لا کر دے ان نشانیوں سے ان پر کوئی اثر نہ ہوگا، اگر خدا چاہتا تو ان کو راہ ہدایت پر متفق کر دیتا تو غمگین ہو کر جاہلوں میں سے نہ بن، دعوت الٰہی کو وہی قبول کرتے ہیں جو آواز پر کان دھرتے ہیں (اور یہ کافر مردوں کے) مردے ہیں، ان کو خدا ہی اٹھائے گا، پھر اسی کی طرف لائے جائیں گے، یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی کہہ دے کہ خدا نشانی لانے پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نادان ہیں۔

لیکن معجزہ دیکھنے پر بھی ان کے قلوب کو اطمینان حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس شک و شبہ کا منشاء عناد ہے حق طلبی نہیں، اگر حق طلبی مقصود ہوتی تو پہلی ہی دفعہ دیکھ کر وہ ایمان لے آتے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَاۗءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَنُقَلِّبُ اَفْـــِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ

اور یہ کافر خدا کی بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی ان کے پاس آجائے گی تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے، کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں اور تمہیں کس نے بتایا کہ یہ نشانیاں دیکھ کر ایمان لائیں گے، یہ ایمان نہیں لائیں گے اور نشانی کے بعد ہم ان کے

يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ. وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ. وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا۔ (انعام-۱۳)

دلوں کو (حصول یقین سے) اور ان کی آنکھوں کو (اپنے دیکھنے پر اعتبار کرنے سے) پھیر دیتے ہیں، جس طرح کہ یہ پہلے اس پر ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی اسی سرکشی کی حالت میں چھوڑ دیں گے کہ بھٹکتے رہیں، اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی اتار کر بھیجیں اور مردے بھی اٹھ کر ان سے باتیں کریں اور ہر چیز ہم ان کے سامنے بھی کر دیں تو وہ ایمان لانے والے نہیں مگر جو چاہے اللہ، لیکن ان میں اکثر نادان ہیں اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کا معاند انسانوں اور جنوں سے بنایا ہے جو ایک دوسرے کو دھوکے کی نمائشی باتیں سکھایا کرتے ہیں (اسی عناد کے باعث وہ نشانیوں کو نہیں مانتے)

اگر رفع حجت کے لئے ان کو معجزہ دکھایا بھی جاتا ہے تو حیلہ جوئی کر کے کہتے ہیں کہ گزشتہ انبیاء کو جیسے معجزے دیئے جب تک وہی معجزے ہم کو نہ دیے جائیں ہم ایمان نہ لائیں گے۔

فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ۔ (انبیاء-۱)

چاہیئے کہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائے جیسے پہلے لوگ پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔

لیکن فرض کرو کہ وہی معجزات دکھائے بھی جائیں تو ان کی حیلہ جو طبیعت ان سے کب تسلی پائے گی، وہ فوراً یہ کہہ دیں گے جیسا کہ انہوں نے بارہا کہا ہے کہ یہ محض ساحرانہ کرشمہ ہے اور ہماری آنکھوں کو مسحور کر دیا گیا ہے۔

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ. لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ. مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ. إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ. وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ. وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ. كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ. لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ. وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ. لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ۔ (حجر-۱)

اور کافر کہتے ہیں کہ اے وہ جس پر نصیحت اتری ہے تجھ پر کوئی جن سوار ہے، یوں تو فرشتوں کو ہمارے پاس نہیں لے آتا اگر تو سچا ہے (خدا کہتا ہے) ہم فرشتوں کو دنیا میں حق کے ساتھ اتارتے ہیں اگر فرشتے اتار دیئے جائیں تو پھر ان کافروں کو مہلت نہ دی جائے گی اس نصیحت کو ہم نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں، ہم نے تجھ سے پہلی قوموں میں بھی پیغمبر بھیجے اور ان میں سے کسی کے پاس کوئی پیغمبر نہ گیا لیکن انہوں نے اس سے تمسخر کیا، اسی طرح ہم گنہگاروں کے دلوں میں بٹھا دیتے ہیں، وہ اس پر ایمان نہ لائیں گے، یہ اگلوں سے رسم چلی آتی ہے اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور وہ اس میں چڑھ بھی جائیں تو بھی کہتے رہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو متوالا بنایا گیا ہے بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔

حاصل یہ کہ ان معاندین کے شکوک و شبہات کا تیرہ و تار بادل معجزات اور آیات کی روشنی سے بھی نہیں چھٹتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلے پہل اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی تو آپ کو انہوں نے مجنون کا

خطاب دیا۔ قرآن مجید نے ان کی تردید کی۔

مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ (ن)

تو اپنے پروردگار کی عنایت سے مجنون نہیں۔

اس کے بعد آپ نے ان کے سامنے معجزات اور آیات پیش کیے کہ کہیں مجنوں سے بھی یہ افعال صادر ہو سکتے ہیں؟ تو انہوں نے آپ کو مجنون کے ساتھ "کاہن" اور "جادوگر" کہا۔

فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ (طور)

تو اپنے پروردگار کی عنایت سے نہ تو کاہن ہے اور نہ مجنون

قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ مُبِينٌ (یونس-۱)

کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادوگر ہے۔

آپ نے ان کے اس الزام کے جواب میں اپنی تعلیمات و تلقینات کو پیش فرمایا کہ کاہن و جادوگر علم و حکمت کا یہ راز نہیں رکھتے لیکن پر عناد قلوب کو اس سے بھی تسلی نہ ہوئی اور کہا کہ علم و حکمت کے اسرار انہیں کوئی سکھاتا ہے۔

وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ (دخان-۱)

اور ان معاندوں نے کہا کہ یہ سکھایا ہوا مجنون ہے۔

الغرض انسانوں کے افہام و تفہیم اور ہدایت و رہنمائی کے جو اسلوب اور طریق ہو سکتے تھے وہ سب ان کے سامنے پیش کیے گئے مگر انہیں شک و شبہ کی کشمکش سے نجات نہ ملی۔

بایں ہمہ انبیاء معاندین کو معجزات دکھاتے ہیں اور وہ اعراض کرتے ہیں

معاندین کی اس پیہم طلب اور اصرار سے خیال ہو سکتا ہے کہ اگر ان کو کوئی معجزہ دکھایا جاتے تو وہ شاید ایمان لے آئیں، لیکن تمام انبیاء کی سیرتیں شہادت دیتی ہیں کہ ایسا نہیں ہوا، انہوں نے معجزات دیکھے، پھر بھی اپنے انکار و اعراض پر نہایت استقلال کے ساتھ قائم رہے، حضرت موسیٰ نے فرعون کو بار بار معجزہ دکھایا لیکن اس کا انکار ایمان سے متبدل نہ ہوا، جیسا کہ توراۃ اور قرآن دونوں میں بتکرار بیان ہوا ہے، قرآن مجید میں ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ. وَمَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ. وَقَالُوا يَا أَيُّهَ السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ. فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ۔ (زخرف-۵)

جب موسیٰ ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس آیا تو وہ ہنستے ہیں اور ہم انہیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے ہیں لیکن یہ کہ وہ پہلی نشانی سے زیادہ بڑی ہوتی ہے اور ہم نے ان کو بڑے عذاب میں گرفتار کیا کہ شاید وہ رجوع کریں اور انہوں نے موسیٰ سے کہا اے جادوگر! اپنے خدا سے ہمارے لیے دعا کر جیسا کہ اس نے تجھ سے تیری دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے (کہ وہ ہم سے یہ عذاب دور کر دے) ہم راہ راست کو قبول کیے لیتے ہیں، پھر ہم نے ان سے عذاب ہٹا دیا تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے ہیں۔

اس موقع پر ایک نکتہ خاص خیال کے لائق ہے، یہ حکایت حضرت موسیٰ کے قصہ کا ایک ٹکڑا ہے جو زمانہ ماضی کا ایک واقعہ تھا جس کو تمام تر صیغہ ماضی سے ادا ہونا چاہیئے تھا لیکن اس میں تین جگہ اللہ تعالیٰ نے صیغہ مضارع کا استعمال کیا ہے جو واقعہ حال و استقبال کے بیان کے لیے مقرر ہے۔

(۱) ب موسیٰ ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس آئے تو وہ ہنستے ہیں۔
(۲) اور ہم انہیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے ہیں، لیکن وہ پہلی نشانی سے بڑی ہوتی ہے۔
(۳) پہلے انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر موسیٰ کی دعا قبول ہوگئی تو ہم ایمان لے آئیں گے، لیکن جب دعا قبول ہو کر اس کا اثر ہوا تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے ہیں۔

اس موقع پر صیغہ مضارع کے استعمال سے یہ نکتہ پیدا ہوتا ہے کہ گویہ واقعہ خاص فرعون کے ساتھ پیش آیا مگر یہ مخصوص حضرت موسیٰ ہی کے فرعون کے ساتھ نہیں بلکہ ہر عہد کے فرعون اور ہر پیغمبر کے معاندین کی نفسی کیفیت یہی ہوتی ہے کہ جب ان کے پیغمبر خدا کے احکام اور نشانیاں لے کر ان کے پاس جاتے ہیں تو وہ صدائے خندہ تحقیر بلند کرتے ہیں، لیکن خدا ان کو نشانیوں پر نشانیاں دکھاتا جاتا ہے، تاہم ان سے ان کی تسکین نہیں ہوتی اور دوسری کوئی نشانی مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ نشانی ہم کو دکھا دی گئی تو ہم یقیناً ایمان لے آئیں گے، لیکن جب وہ نشانی بھی ان کو دکھا دی جاتی ہے تو ان کو اس سے بھی تسکین نہیں ہوتی اور وہ آخر تک ایمان کی سعادت سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت صالح کی امت نے حضرت صالح سے ایک نشانی طلب کی، انہوں نے کہا یہ اونٹنی تمہاری نشانی ہے جو ایک دن میں ان کے چشمہ یا کنوئیں کا تمام پانی پی جاتی تھی اور دوسرے دن ان کے جانوروں کو پانی ملتا تھا، لیکن اس نشانی کو دیکھ کر کہ اونٹنی تمام چشمہ یا کنوئیں کا پانی پی جاتی ہے، انہیں تسکین نہ ہوئی اور اس اونٹنی کو مار ڈالا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے پاداش میں وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ سورہ شعراء میں ہے۔

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ، قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ، وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ، فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ، فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَّمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (شعراء - ۸)

اے صالح! تم ہماری ہی طرح آدمی ہو، اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو کوئی نشانی لاؤ، صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے اس کے لئے پانی پینے کی ایک باری ہے اور تمہارے لئے ایک مقرر دن کا پانی پینا ہے، اور اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرو ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو آئے گا، تو انہوں نے اس کی کونچ کاٹ ڈالی پھر نادم ہوئے تو عذاب نے انہیں آگھیرا، اس واقعہ میں بڑی نشانی ہے صالح کی قوم کے لوگ اکثر مومن نہ تھے۔

عہد محمدی کے فرعونوں اور معاندوں کی نفسی کیفیت بھی یہی تھی کہ ان کو نشانیاں دکھائی جاتی تھیں مگر انہیں عناد کی کور باطنی کے باعث ان سے تسکین نہیں ہوتی تھی، چنانچہ کفار قریش کے حال میں قرآن مجید کا بیان ہے۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (انعام - ۱)

ان کے پاس خدا کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی لیکن وہ اس سے اعراض کرتے ہیں حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا تو عنقریب جس چیز کا مذاق اڑاتے ہیں اس کی حقیقت ان کو معلوم ہوگی۔

ایک موقع پر قرآن مجید نے اسی واقعہ کو بیان کیا ہے کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق نبوت کی کوئی نشانی ظاہر ہوتی ہے تو معاندین قریش کہتے ہیں کہ ان نشانیوں سے ہم کو تسکین نہ ہوگی جب تک گزشتہ پیغمبروں کی طرح خود ہم کو بھی وہی نشانیاں نہ دی جائیں، یعنی نبوت کے تمام آثار و کیفیات خود ہم پر طاری نہ ہوں تاکہ ہم کو دھوکا اور فریب کا شبہ نہ رہے، خدا نے کہا کہ یہ نبوت ہر ایک کا حصہ نہیں۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ

(انعام - ۱۵)

اور جب ان (کفار قریش) کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک ہم کو بھی وہ کچھ نہ دیا جائے جو خدا کے پیغمبروں کو دیا گیا ہے، خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغامبری کا منصب کس کو عطا کرے۔

اسلئے بالآخر معاندین کی طلب معجزہ سے تغافل برتا جاتا ہے

ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد بالآخر معاندین پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور پھر طلب معجزہ کے لئے ان کے پیہم اصرار الحاح اور طلب کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اور صرف عذاب الٰہی کی آخری نشانی انکے لئے باقی رہ جاتی ہے، انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ نے تمام انبیاء سے زیادہ معجزات اور نشانیاں دکھائیں، تاہم فریسی یہودیوں کو معجزہ کی تشنگی باقی رہ گئی اور ہر ملاقات میں انہوں نے معجزہ کی نئی فرمائش کی۔

"تب فریسی نکلے اور اس سے (حضرت عیسیٰ سے) حجت کر کے اس سے امتحان کے لئے کوئی آسمان سے نشان چاہا۔" (مرقس ۸۔۱۱)

حضرت عیسیٰ نے آہ سرد بھر کر فرمایا۔

"اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں، میں تم سے کہتا ہوں کہ زمانے کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔" (مرقس ۸۔۱۲)

ایک دفعہ حضرت عیسیٰ نے ایک گونگے کو اچھا کیا، بعضوں نے کہا کہ۔

"یہ بعل زبول دیوتا کی مدد سے ایسے عجیب کام کرتا ہے اور اوروں نے آزمائش کے لئے اس سے ایک آسمانی نشان مانگا۔" (لوقا ۱۱۔۱۶)

حضرت عیسیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا۔

"اس زمانہ کے لوگ برے ہیں، وہ نشان ڈھونڈتے ہیں، پر کوئی نشان ان کو نہ دیا جائے گا، مگر یونس نبی کا نشان۔" (لوقا ۱۱۔۲۹)

اللہ تعالیٰ نے معاندین قریش کے جواب میں قرآن مجید میں اسی نکتہ کا اظہار فرمایا۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (بنی اسرائیل - ۶)

اور ہم کو نشانیوں کے بھیجنے سے صرف اس امر نے باز رکھا کہ پہلوں نے ان کو جھٹلایا۔

قرآن مجید میں چار پانچ مقام پر مذکور ہے کہ عہد محمدی کے معاندین نے کہا۔

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (رعد-۴)

محمد پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی،

اس کے جواب میں ان کو نبوت کی اصل حقیقت، انذار، تبشیر اور ہدایت کیطرف متوجہ کیاگیا اور خرق عادت کی کسی مزید نشانی کے دکھانے سے تغافل اور احتراز برتا گیا، عیسائی معترضین قرآن مجید کی ان آیتوں کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزہ دکھانے سے اس لئے انکار کیا کہ ان کو خدا کی طرف سے کوئی معجزہ نہیں ملا تھا، اگر ان آیتوں سے یہ استنباط صحیح ہے تو انجیل کی جو آیتیں ہم نے اوپر نقل کی ہیں ان کا مطلب کیا ہوگا؟ کیا حضرت عیسیٰ کا فریسیوں کو معجزہ دکھانے سے انکار کرنا بھی یہی نتیجہ ظاہر کرتا ہے کہ نعوذ باللہ ان کو کوئی معجزہ خدا کی طرف سے نہیں ملا تھا۔

معجزہ کے انکار یا تاخیر کے اسباب

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات روحانی کو بھی ایک نظام اور اصول کے تحت رکھا ہے اس بنا پر ہم کو ضرورت ہے کہ ان مصالح اور اسباب کا پتہ لگائیں جن کی بنا پر باوجود قدرت اور اشد ضرورت کے معجزات سے کلیۃً انکار کیا گیا ہے یا ان کے ظہور میں تاخیر ہوتی ہے، قرآن مجید کے امعان مطالعہ سے ان اسباب کو ذیل کی صورتوں میں محدود کیا جاسکتا ہے۔

(۱) معجزات کے ذریعہ سے جو لوگ ایمان لاتے ہیں انکا ایمان محض جبری، تقلیدی اور بالواسطہ ہوتا ہے، وہ لوگ اپنے دل میں انبیاء کے محاسن تعلیم کا کوئی خاص ذوق نہیں پاتے، صرف معجزات کی قوت اور اعجاز ان کو متحیر اور مبہوت کر دیتی ہیں، حالانکہ انبیاء کی تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی جماعت میں ایسے افراد شامل ہوں جو شریعت کے رمز شناس اور اس کے اسرار و حکم سے ذوق آشنا ہوں، یہی حالت ہے جس کو قرآن مجید نے "شرح صدر" اور انشراح قلب سے تعبیر کیا ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (انعام-۱۵)

جس کو خدا ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینہ کو قبول اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

اس قسم کے لوگوں کے لئے معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی، ان کے لئے آفتاب و ماہتاب، آسمان و زمین دن اور رات غرض دنیا کا ایک ایک ذرہ معجزہ ہوتا ہے اور خدا کے وجود، خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی نبوت پر بلاواسطہ دلالت کرتا ہے، ان کے لئے صرف تفکر اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے، یہی گروہ ہے جس پر زیادہ سے زیادہ انبیاء کی نگاہ انتخاب پڑتی ہے اور وہ ان کو صرف تفکر و اعتبار کی ترغیب دیتے ہیں، اس گروہ کے بالمقابل ایک کور باطن فرقہ اور بھی ہوتا ہے، جس پر نظام فطرت کے دوسرے شواہد و آیات کی طرح معجزات کا بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑ سکتا، انبیاء کو ابتدائے بعثت میں ان ہی دو گروہوں سے سابقہ پڑتا ہے اور چونکہ فطرۃً ایک معجزات سے بے نیاز ہوتا ہے اور دوسرے پر معجزات کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، اس لئے ان دونوں گروہوں کے لئے معجزات بے کار ہوتے ہیں اور اسی بناء پر انبیاء ان کے پیش کرنے سے انکار کرتے ہیں، اسی نکتہ کو خداوند تعالیٰ نے ان آیتوں میں بیان کیا ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (یونس-۱۰)

کہہ کہ دیکھو زمین و آسمان میں کس قدر نشانیاں ہیں اور نشانیاں اور ڈراوے تو اس قوم کے لئے کچھ بھی مفید نہیں جو ایمان نہیں لانا چاہتی۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ (رعد-۴)

اور کفار کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اترتا، کہہ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت کرتا ہے۔

(۲) بعض دفعہ معاندین ایسی نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں جن کے بار کے متحمل قوت انسانی کے دوش و بازو نہیں ہو سکتے، خدا کا خود انسانوں کے سامنے آنا، خدا کا خود ہر انسان سے باتیں کرنا، فرشتوں کا نظر آنا، آسمان سے کوئی مجسم کتاب اتارنا، بازی گر کی طرح پیغمبر کا آسمان پر چڑھنا، کفار کی طرف سے جب اس قسم کے معجزات طلب کئے جاتے ہیں، تو انبیاء کو ہمیشہ انکار کرنا پڑتا ہے اور اس انکار کا منشا خود منکرین کی فطرت ہے۔

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ (نساء-۲۲)

تم سے یہود کہتے ہیں کہ ان کے اوپر آسمان سے ایک کتاب اتار دو لیکن ان لوگوں نے تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا یعنی ان لوگوں نے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھلا دو، اس ظلم کا جو انہوں نے اپنے اوپر کیا یہ نتیجہ ہوا کہ بجلی کے کڑکے نے ان کو دبا دیا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (بقرہ-۱۴)

اور جن لوگوں کو علم نہیں وہ کہتے ہیں کیوں خدا ہم سے باتیں کرتا یا کوئی نشانی ہمارے پاس نہیں لاتا، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی کہا، دونوں کے دل ایک سے ہیں۔

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ (حجرات-۱)

کیوں نہیں فرشتوں کو ہمارے پاس لے آتے اگر تم سچے ہو (خدا کہتا ہے) ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے لیکن حق کے ساتھ، اگر وہ ان کافروں کے سامنے اتریں تو پھر ان کو مہلت نہ دی جا سکے گی۔

(۳) مادیت کی ترقی کے زمانہ میں تمام فضائل و محاسن کا مرکز صرف دولت، جائیداد، مال و اسباب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عام لوگ اخلاق و عادات، تمدن و معاشرت، رسم و رواج غرض تمام چیزوں میں امراء کی تقلید کرتے ہیں لیکن انبیاء ہمیشہ اپنی معاشرت، اپنی وضع اپنے لباس غرض اپنی ایک ایک ادا سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ فضائل کا منبع صرف روح ہے اور زخارف دنیوی سے ان کو کوئی تعلق نہیں۔

اسی بنا پر جب منکرین انبیاء سے اس قسم کے معجزات طلب کرتے ہیں جو امراء کے ساتھ مخصوص ہیں تو انبیاء کو عموماً ان کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ

اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ پیغمبر کیوں کھاتا ہے اور کیوں بازاروں میں چلتا پھرتا ہے کیوں اس پر ایک فرشتہ نہیں اترتا جو اس کے ساتھ لوگوں کو ڈراتے یا اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ کیوں نہیں ہے جس سے وہ کھاتے اور

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔ (فرقان-۱)

ظالموں نے کہا تم صرف ایک ایسے شخص کا اتباع کرتے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔

(۴) آیت بالا سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس انکار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کفار کا عام خیال یہ تھا کہ خدا کی طرف سے جو قاصد بن کر آئے اس کو مرتبۂ بشریت سے بالاتر ہونا چاہیئے اور اس کو بے انتہا خدائی قدرتیں حاصل ہونی چاہئیں، اس بنا پر جب اس قسم کے معجزے طلب کئے جاتے ہیں جن سے اس ظنِ فاسد کی تائید ہوتی ہے تو انبیاء ان سے انکار کرتے ہیں۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ (انعام-۵)

کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں نے یہ کہا کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف وحی کا اتباع کرتا ہوں۔

(۵) متحدی بہ معجزات یعنی وہ معجزات جو کفار کے مطالبہ پر صادر ہوتے ہیں، ان کی تاخیر کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ایسے معجزات پر ایمان نہ لانے کے بعد پیغمبر کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے اور منکرین کا گروہ ہلاک کر دیا جاتا ہے، چنانچہ اس کی مثالیں قوم نوح، نمرود اور فرعون سے لے کر قریش تک کی تمام تاریخیں پیش کرتی ہیں اور قرآن مجید نے اس کو بتصریح بیان کر دیا ہے، حضرت صالح کی امت نے ان سے نشانی طلب کی، خدا نے کہا، نشانی تمہیں دکھائی جائے گی، لیکن اس کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو تمہاری ہلاکت یقینی ہے۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ کَذَّبَ بِہَا الْاَوَّلُوْنَ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَۃَ مُبْصِرَۃً فَظَلَمُوْا بِہَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا۔ (بنی اسرائیل-۶)

اور ہم نے نشانیاں بھیجنا اس لئے موقوف کیا کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا اور ہم نے ثمود کو اونٹنی کی نشانی دی سمجھانے کو اور پھر اس کا حق نہ مانا اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں تو ڈرانے کو۔

لیکن جس طرح افراد کی موت و حیات کا ایک زمانہ ہے اسی طرح قوموں کی ہلاکت و بربادی کی بھی ایک خاص مدت متعین ہے۔

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ (اعراف و یونس)

ہر قوم کا ایک زمانہ مقرر ہے۔

اس لئے اس قسم کے معجزات کے ظہور میں اس مدتِ معینہ تک کے لئے تاخیر کی جاتی ہے اور پیغمبر اور معاندین دونوں اس کے منتظر رہتے ہیں۔

وَیَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰہِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ (یونس-۲)

اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشان نہیں اترتا، کہہ کہ غیب صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے تم لوگ اس کے ظہور کا انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

یہی سبب ہے کہ جن انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا مظہرِ اتم بنایا، ان کے ہاتھوں سے تحدی اور مطالبہ کے معجزوں کے صدور میں تاخیر برتی جاتی تھی، حضرت عیسیٰؑ کے متعلق انجیل کی آیتیں گزر چکی ہیں کہ یوں تو ان سے جیسوں

معجزے سرزد ہوتے تھے، مگر تحدی اور مطالبہ کے معجزہ سے انہوں نے بالعموم انکار کیا کہ وہ بنی اسرائیل کو تباہ و برباد دیکھنا نہیں چاہتے تھے، یہاں تک کہ حواریین نے جب زیادتِ ایمان اور ترقیِ ایمان کے لئے معجزہ کی فرمائش کی تو خدا نے جواب دیا۔

اِنِّیْ مُنَزِّلُہَا عَلَیْکُمْ فَمَنْ یَّکْفُرْ بَعْدُ مِنْکُمْ فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُہٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُہٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ (مائدہ-۱۵)

میں یہ آسمانی خوان تم پر اتار سکتا ہوں لیکن اس کے بعد اگر تم میں سے کسی نے انکار کیا تو میں اس کو ایسا سخت عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی کو نہ دیا ہو گا۔

غرض کائناتِ روحانی کا یہی اصول پیشِ نظر تھا جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے مطالب کی پرواہ نہیں کرتے تھے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ان کے مطالبہ اور تحدی کے مطابق معجزہ آنے کے بعد ان کو پھر فرصت نہ دی جا سکے گی اور وہ برباد ہو جائیں گے، چنانچہ معاندینِ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معجزہ طلب کرتے تھے کہ فرشتوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے لے آؤ، خدا نے کہا کہ اگر وہ سامنے آئیں بھی تو انسانوں کی صورت میں آئیں گے اور تم کو پھر وہی شبہ رہ جائے گا، علاوہ ازیں قانونِ الٰہی میں یہ آخری حجت ہے، اگر فرشتے اتر آئے اور اس سے بھی تمہاری تسلی نہ ہوئی تو پھر تم کو اس مطالبہ کے معجزہ کے بعد مہلت نہ مل سکے گی اور تم ہلاک و برباد کر دیئے جاؤ گے۔

لَوْ مَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِکَۃِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا کَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِیْنَ (حجر-۱)

کیوں تم فرشتوں کو ہمارے پاس نہیں لے آتے اگر تم سچے ہو، خدا کہتا ہے فرشتوں کو حق کے ساتھ اتارتے ہیں اگر وہ اتریں تو پھر تم کو اس وقت مہلت نہ دی جا سکے گی۔

(۶) معاندین عموماً پیغمبروں کو جھوٹا جان کر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جس آخری معجزۂ عذاب کی تم دھمکی دیتے ہو وہ آخر کب آئے گا اور وہ جلد کیوں نہیں آتا؟ چونکہ اپنی نافہمی سے ان کو یقین ہوتا ہے کہ یہ معجزانہ عذاب ظاہر نہ ہو گا اس لئے وہ اس کا مطالبہ بار بار کرتے ہیں تاکہ لوگوں میں پیغمبر کی سبکی ہو اور ہماری طرح اور لوگ بھی اس کو کاذب تسلیم کریں، چنانچہ قرآن مجید میں بار بار ہر قرن کے کافروں کے اس مقولہ کو دہرایا گیا ہے اور اس کا جواب دیا گیا ہے حضرت شعیبؑ کی امت نے کہا۔

وَاِنْ نَّظُنُّکَ لَمِنَ الْکٰذِبِیْنَ فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ (شعراء-۱۰)

اور ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو۔

لیکن اس کے لئے خدا کے ہاں ایک قانون مقرر ہے۔

لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ اِذَا جَآءَ اَجَلُہُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَتٰىکُمْ عَذَابُہٗ بَیَاتًا اَوْ نَہَارًا مَّاذَا یَسْتَعْجِلُ مِنْہُ الْمُجْرِمُوْنَ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِہٖ آٰلْـٰٔنَ

ہر قوم کا ایک وقت مقرر ہے تو جب اس کا مقرر وقت آ جاتا ہے تو پھر نہ ایک گھڑی وہ دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی، اے پیغمبر! بھلا دیکھو تو اگر خدا کا عذاب راتوں رات یا دن کو آ پہنچے تو یہ گنہگار جلدی کر کے کیا کر لیں گے، کیا جب آنے

وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ۔ (یونس۔۵)

والا واقعہ آجائے گا تب تم ایمان لاؤ گے، اب ایمان لاتے ہو حالانکہ تم تو اسی کی جلدی کر رہے تھے۔

عقیدہ و معجزات کی اصلاح

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے کہ اس کی نظر میں ان ظاہری معجزات کی چنداں وقعت نہیں، وہ لوگوں کو ہمیشہ اصل روح نبوت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کے خاص اسباب ہیں، اسلام دنیا میں دین الٰہی کی تکمیل اور گزشتہ مذہبی اغلاط کی تصحیح کے لئے آیا تھا، ان ظاہری معجزات نے گزشتہ قوموں میں بہت سے فاسد عقیدے پیدا کر دیئے تھے، جن انبیا اور بزرگوں سے بکثرت معجزات صادر ہوتے۔ ان میں الوہیت اور خدائی کا عنصر تسلیم کیا گیا اور اس طرح توحید اور نبوت کی اصل حقیقت جس پر دین الٰہی کی بنیاد ہے متزلزل ہو گئی اس لئے قرآن مجید نے نہایت وضاحت، نہایت صفائی اور نہایت تصریح کے ساتھ ان غلطیوں کا پردہ چاک کیا اور دنیا میں توحید اور نبوت کی اصل حقیقت اس استواری اور مضبوطی کے ساتھ قائم کر دی کہ آئندہ فساد اور سوء عقیدہ کے سیل و طوفان سے اس کو گزند پہنچنے کا خطرہ باقی نہ رہا۔

(۱) سب سے پہلے اس نے یہ حقیقت واضح کی کہ نبوت اور ظاہری معجزات میں کوئی تلازم نہیں اور یہ آثار و دلائل اصل نبوت سے خارج امور ہیں، نبوت کے اصل لوازم وحی، مخاطبہ الٰہی، تزکیہ، انذار، تبشیر، تعلیم اور ہدایت ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس بنا پر جب معاندین نے معجزہ کا مطالبہ کیا ہے تو قرآن مجید نے اکثر اس کے جواب میں نبوت کی اصل حقیقت کی طرف ان کو متوجہ کیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ۔ (بقرہ۔۱۴)

اور جن کو علم نہیں وہ کہتے ہیں خدا خود ہم سے کیوں باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا دونوں کے دل ایک ہی قسم کے ہو گئے ہم نے تو نشانیاں ان لوگوں کے لئے کھول دی ہیں جو یقین کرتے ہیں اے محمد! ہم نے تجھ کو سچائی دیکر نیکوکاروں کو خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے (جن کو اب بھی یہ نشانیاں نظر نہ آئیں) تو ان دوزخیوں کا حال تجھ سے نہ پوچھا جائے گا۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (عنکبوت۔۵)

اور ... کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اترتیں کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں، کیا ان کافروں کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد۔۱)

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشان اس کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اتارا جاتا، اے محمد! تو تو ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کا ایک ہدایت کرنے والا ہوتا ہے۔

(۲) قرآن مجید نے نہایت وضاحت اور تکرار کے ساتھ اس حقیقت کا اعادہ کیا ہے کہ ہمارا پیغمبر بشر اور خالص بشر ہے اس میں الوہیت کا کوئی شائبہ نہیں ہے اور اس لئے وہ اپنی طرف سے خدا کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ۔ (کہف۔۱۲۰۔ حم السجدہ۔۱)

میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں (البتہ) مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔

کفار قریش کا خیال تھا کہ پیغمبر کے ساتھ فرشتوں کا پرا ہونا چاہیئے، کبھی کبھی خود خدا اس کے سامنے آکر نمایاں ہو اس کے لئے سونے چاندی کا محل ہو عجیب و غریب اقسام کے باغ اس کے قبضہ میں ہوں، ہمارے سامنے وہ آسمان پر چڑھے اور وہاں سے ہمارے لئے کتاب اتار لائے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا۔ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا۔ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا۔ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ۔ (بنی اسرائیل۔۱۰)

اور کافروں نے کہا ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ نہ بہا دو یا تمہارے قبضہ میں کھجور اور انگور کا ایک باغ نہ ہو اور پھر تم اس کے بیچ میں نہریں نہ بہا دو یا جیسا کہا کرتے ہو آسمان کو ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو ضامن بنا کر نہ لے آؤ یا تمہارے لئے سونے کا ایک گھر نہ ہو جائے یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور وہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے کا یقین اس وقت تک ہم کو نہ آئے گا جب تک وہاں سے کوئی ایسی کتاب نہ اتار لاؤ جس کو ہم پڑھ سکیں۔

ان سب کے جواب میں قرآن مجید آپ کو سکھاتا ہے۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل۔۱۰)

کہہ دے اے پیغمبر! سبحان اللہ! میں کون ہوں۔ ایک آدمی پیغمبر۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (انعام۔۵)

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دے کہ میں یہ تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف الہام کیا جاتا ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ؕ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ (اعراف۔۲۳)

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دے خود میرا نفع اور نقصان بھی میرے قبضہ اختیار میں نہیں لیکن جو چاہے خدا، اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھ کو کوئی گزند نہ پہنچتا، میں تو صرف ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

غور کرو کہ زمین سے باغ کا اگا دینا یا سونے کا محل کھڑا کر دینا یا چشمہ بہا دینا یا آسمان سے لکھی لکھائی کتاب اتا

دینا، نہ خدا کی قدرت سے باہر تھا اور نہ اس رسول کے ان معجزات سے مافوق مطالبہ تھا جس کے ہاتھ سے چشمے بہہ چکے تھے، جس کے اشارے سے درخت چل چکے تھے یا جو معراج میں ساتوں آسمانوں کی منزلیں طے کر چکا تھا، لیکن چونکہ اگر ان کے مطالبہ پر یہ امور واقع ہو جاتے تو وہ اگر بدعقیدگی کو راہ دیتے تو وہ آپ کو جادوگر کہہ دیتے اور اگر خوش عقیدگی کا اظہار کرتے تو آپ کو نعوذ باللہ مافوق بشر تسلیم کر لیتے اور یہ دونوں باتیں اصولِ اسلام کے منافی ہیں اس لئے سرے سے ان کے اس جاہلانہ مطالبہ کو رد کر دیا گیا کہ چند لوگوں کے ایمان وعدم ایمان کی خاطر نفس پیغام و دعوت کی اصول کی بیخ کنی نہیں کی جا سکتی۔

(۲) عام لوگوں میں انبیاء کی نسبت یہ غلط عقیدہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ براہِ راست عالم کائنات کے تصرف پر قادر ہیں، چنانچہ موجودہ انجیل کے مصنفوں نے حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کو جس طرح سے پیش کیا ہے اس نے عیسائیوں کے دلوں میں یہ یقین پیدا کر دیا ہے کہ یہ تمام کائنات حضرت عیسیٰ کے قبضۂ قدرت میں تھی اور وہ اس میں جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے، یہی بنیادی پتھر ہے جس پر انجیل کے مصنفوں نے دینِ حق کی دیوار کج کھڑی کی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ توحید کی عمارت اس پر قائم نہ رہ سکی، قرآن مجید نے نہایت شدت اور نہایت اصرار سے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ معجزات اور نشانات، پیغمبر کی قوت اور ارادہ سے نہیں، بلکہ خدا کی قدرت اور مشیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (انعام-۱۳)
کہہ دے اے پیغمبر! کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (عنکبوت-۵)
کہہ دے اے پیغمبر! کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً (انعام-۴)
کہہ دے اے پیغمبر! کہ خدا کو قدرت ہے کہ وہ نشان اتارے۔

سب سے زیادہ صاف اور صریح آیت یہ ہے۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِیَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (رعد-۶)
کسی رسول میں یہ قدرت نہیں کہ وہ خدا کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لاتے۔

انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے معجزات جس عبارت اور لب ولہجہ میں بیان ہوئے ہیں ان کا صاف منشا یہ ہے کہ گویا حضرت عیسیٰؑ کو تمام کائنات کی بادشاہی سپرد کر دی گئی تھی، اس لئے وہ خاص اپنی قدرت اور اختیار سے جو چاہتے تھے کر دیتے تھے، قرآن مجید اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا، اس نے حضرت عیسیٰؑ کے تمام معجزات کو بیان کر دیا ہے مگر اسی کے ساتھ اس عقیدۂ باطل کو بھی رد کرتا گیا ہے اور نہایت تصریح کے ساتھ یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہ جو کچھ تھا خدا کی قدرت سے تھا حضرت عیسیٰؑ کے اختیار سے نہیں، چنانچہ خود حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے قرآن کہتا ہے۔

اِنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ
میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں مٹی سے پرندہ کی صورت کا جانور بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہو جاتا ہے

وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران-۵)
اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا اور مردہ کو زندہ کرتا ہوں خدا کے حکم سے۔

دوسرے موقع پر حضرت عیسیٰؑ پر اپنے احسانات جتاتے ہوئے خدا نے فرمایا۔

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ (مائدہ-۱۹)
اور یاد کر جب تو مٹی سے پرندہ کی طرح صورت میرے حکم سے بناتا تھا، پھر اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہو جاتا تھا اور تو اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا اور جب مردے کو میرے حکم سے زندہ کرتا تھا۔

یہ قرآن مجید کے اسی اظہارِ حقیقت اور خالص تعلیم کا اثر تھا کہ اسلام میں توحید اور نبوت کی حقیقتیں مشتبہ نہ ہوئیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم میں الوہیت کا ادنیٰ سا شائبہ بھی مسلمانوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا اور تمام دنیا کے مذاہب میں توحیدِ کامل کی علمبرداری صرف اسلام کے دست و بازو کو سپرد ہوئی۔

مسئلۂ اسباب وعلل میں افراط وتفریط

عقیدۂ معجزات کے اصلاحات ہی کے تحت میں مسئلۂ اسباب وعلل سے بھی تعرض کرنا ہے جس نے دوسرے مذاہب کی طرح اسلام میں بھی دو فرقے پیدا کر دیتے ہیں، ایک فرقہ وہ ہے جو دنیا میں صرف اسباب وعلل کے اختیارات کو تسلیم کرتا ہے اور ان اعتقادات کو ناقابلِ نسخ وتغیر مانتا ہے، اس کے نزدیک اس عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ان ہی مادی علل واسباب کے ماتحت ہوتا ہے اور ان میں کسی قسم کا رد وبدل اور نسخ وتغیر نہیں ہوتا اور اس لئے وہ خرقِ عادت کو ممتنع اور محال یقین کرتا ہے کیونکہ یہ اسباب وعلل اور عالم کا یہ نظام کار سنۃ الٰہی ہے اور سنن الٰہی میں تغیر وتبدل نہیں ہو سکتا، جیسا کہ قرآن مجید کی حسبِ ذیل آیتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (احزاب-۸)
تم خدا کی سنت (طریقہ) میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (ملئکہ-۵)
تم خدا کی سنت (طریقہ) میں ہرگز تغیر نہ پاؤ گے۔

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (روم-۴)
اللہ کے بنائے کو بدلنا نہیں۔

دوسرا فریق اللہ تعالیٰ کو نظامِ خاص، قوانینِ فطرت اور اسباب وعلل کا پابند ٹھہرانا اس کی شانِ قدرت کے منافی سمجھتا ہے اور وہ ان بیچ کے وسائط کے بغیر اس کو فرمانروائے مطلق یقین کرتا ہے، یہ فریق اپنے دعویٰ پر حسبِ ذیل دلیلیں پیش کرتا ہے۔

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (بروج)
وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (آل عمران-۴)
اسی طرح خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے

وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (ابراہیم-۴)
اور خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (حج-۲)
بے شک خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (بقرہ ۳۳)
لیکن خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ (مائدہ ۔ ۱)
بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ (حج ۔ ۲)
بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ان آیات کے علاوہ حسب ذیل آیت قرآن مجید میں کم و بیش تغیر کے سات آٹھ مقامات پر مذکور ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شے کی علت صرف خدا کی قدرت، مشیت اور ارادہ ہے اور اس لئے ہر قسم کے خرقِ عادت ممکن ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں فریق افراط و تفریط کے دو کناروں پر ہیں اور انہوں نے قرآن مجید کی تمام آیتوں پر غور و تدبر کی نظر نہیں ڈالی ہے، یہی سبب ہے کہ انہوں نے اشیاء کے خواص و طبائع اور عقلی مصالح و حکم کا انکار کیا ہے

قرآن مجید اسباب و مصالح کا قائل ہے

حالانکہ ان آیاتِ بالا کی بنا پر یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن اسباب و علل اور مصالح و حکم کا منکر ہے، کتابِ الٰہی سے اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے صفاتِ کمالیہ اور اس کے حکیم ہونے کی نفی کرنا ہے، قرآن مجید نے جا بجا مخلوقاتِ الٰہی میں تدبر اور تفکر کی دعوت دی ہے، اگر یہ صحیفۂ قدرت اسباب و مصالح سے خالی ہوتا تو یہ دعوت بے سود تھی، قرآن ان عجائبِ قدرت کو آیات اللہ کے نام سے تعبیر کرتا ہے اور ان کے اسرار و حکم پر غور و فکر کرنے کا حکم دیتا ہے اور اسی دلیل سے وہ خدا کی قادر و حکیم ہستی کے وجود پر استدلال کرتا ہے، اگر یہ چیزیں اسباب و مصالح سے خالی ہوتیں تو ان میں غور و فکر کرنا بے کار ہوتا، قرآن نے آسمان و زمین، چاند، سورج، ہوا، بادل، پھول، پھل، جسم و جان، ان میں سے ہر شے کو اللہ کی وسیع قدرت اور دقیق مصلحت کا اعلانِ عام قرار دیا ہے اور انسان کو بار بار ادھر متوجہ کیا ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ، الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران ۔ ۲۰)

آسمان اور زمین کے بنانے اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور جو اللہ کو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار، تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا ہے۔

خدا نے ان لوگوں کو جو اشیاء کی پیدائش کو خالی از مصلحت جانتے ہیں، زجر فرمایا ہے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَّأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ (مومنون ۔ ۶)

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور تم ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ (دخان ۔ ۲) وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے ان کو محض کھیل کے لئے نہیں بنایا اور اسی خدا نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس سے ہر شے کی روئیدگی پیدا کی، پھر ہم

خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا، وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ، انْظُرُوا إِلٰى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ (انعام ۔ ۱۲)

نے اس سے ہری کھیتی نکالی اور اس سے توبرتو دانے پیدا کئے اور کھجوروں کے درخت سے اس کے گپھوں سے نکلے ہوئے خوشے اور انگور اور زیتون اور سیب کے باغ جن کے میوے ایک ہی قسم کے اور مختلف اقسام کے بھی پیدا کئے جب وہ پھلتا ہے تو اس کے پھل اور اس کے پکنے کو دیکھو۔

اگر ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ مصالح و احکام کے آثار پوشیدہ نہ رکھتا تو ان میں نظر و فکر کیوں دیتا، متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مخلوقِ الٰہی کے "منافع" کی خاص تصریح فرمائی ہے۔

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ، وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ، وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ، إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ، وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً، وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ، وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ، وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ، هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ، يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ، إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُونَ، وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ، إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ، وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ، إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُونَ، وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا، وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا

اور خدا نے جانوروں کو پیدا کیا ان کے اون میں خوشگوار گرمی اور بہت سے فائدے ہیں ان میں سے بعض جانور تمہاری خوراک ہیں اور تم کو ان سے رونق ہے جب شام کو ان کو پھیر لاتے ہو اور جب چراتے ہو اور وہ تمہارے مال و اسباب کو اس شہر تک اٹھا لے چلتے ہیں جہاں تم بغیر سخت تکلیف کے نہیں لے جا سکتے تھے بے شک تمہارا رب شفقت والا مہربان ہے اور گھوڑے خچر اور گدھے بنائے کہ تم ان پر سوار ہو اور رونق ہو اور وہ پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے، خدا ہی پر ہے سیدھی راہ اور اس سے ہٹنے والے بھی، اسی نے آسمان سے تمہارے لئے پانی اتارا کچھ اس میں سے پینے کے کام آتا ہے اور کچھ سے درخت اگتے ہیں جن میں تم اپنے جانور چراتے ہو اس پانی سے خدا تمہارے لئے کھیتی اگاتا ہے اور زیتون، چھوارے، انگور اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے بڑی نشانی ہے اور اسی خدا نے رات اور دن اور سورج اور چاند تمہارے کام میں لگائے اور تارے اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں، اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں، اور جو بکھیرا ہے تمہارے لئے زمین میں کئی رنگ کے غلے اور دانے، اس میں ان کے لئے جو سوچتے ہیں نشانی ہے اور وہی خدا ہے جس نے دریا کو کام میں لگایا ہے کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے وہ (موتی اور مونگا) نکالو جس کو زینت کا سامان بنا کر پہنتے ہو اور تم دیکھو کشتیاں اس دریا کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں اور اس واسطے کہ تلاش کرو

مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (نحل ۲۰) — اس کی روزی کو اور شاید احسان مانو۔

غور کرو اگر ان چیزوں میں مصالح و حکم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم انسانوں کو ان چیزوں کی پیدائش پر شکر کا حکم کیوں دیتا! بعض اشیاء کے مصالح اور اسباب کو خود قرآن مجید نے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے

پہاڑوں کی مصلحت یہ ظاہر کی ہے۔

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (نحل ۲۰) — اور اس نے زمین میں بڑے بڑے پہاڑوں کے گردڈال دیتے ہیں کہ زمین تم کو لے کر جھک نہ پڑے۔

ستاروں کی پیدائش کی یہ غرض بتائی۔

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (نحل ۲۰) — اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں۔

رات کی پیدائش کی یہ مصلحت بتائی۔

جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ (یونس ۷) — اور اسی نے رات بنائی کہ تم سکون حاصل کرو۔

چاند کے گھٹنے بڑھنے کی غایت یہ ظاہر کی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ (بقرہ ۲۴) — لوگ تجھ سے چاند کی نسبت دریافت کرتے ہیں کہدے کہ وہ لوگوں کے لئے وقت اور زمانہ کا معیار ہیں۔

سایہ، آفتاب، رات، دن، ہوا اور پانی کے مصالح یہ تعلیم کئے۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا۔ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا۔ وَهُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِىَّ كَثِيْرًا (فرقان ۵)

کیا تونے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے سایہ کو کس طرح پھیلار کھا ہے اور اگر وہ چاہتا تو ایک ہی جگہ ٹھہرا رہتا، پھر سورج کو سایہ کا رہنما بنایا، پھر اس سایہ کو ہم اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیتے ہیں، اسی خدا نے رات کو تمہارا اوڑھنا اور نیند کو آرام اور دن تمہارے جدوجہد کے لئے بنایا، اسی خدا نے اپنے ابر رحمت کے آگے آگے ہواؤں کو خوشخبری سنانے والا بنایا! اور ہم نے آسمان سے ستھرا اور نکھرا پانی اتارا کہ اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیں اور چوپایوں اور بہت سے انسانوں کو اس سے سیراب کریں۔

قرآن مجید نے اشیاء کے علل و اسباب ہونے کا بھی صاف اقرار کیا ہے مثلاً جا بجا بارش کو کھیتی اور پھل پھول کے پیدا ہونے کا سبب بتایا ہے۔

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ (بقرہ ۳) — اور آسمان سے پانی برسایا اور اس پانی سے تمہاری روزی کے لئے پھل نکالے۔

تمام ذی روح چیزیں پانی سے … ندہ ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ (نور ۶) — اور خدا نے ہر چلنے والے کو پانی سے پیدا کیا۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَىٍّ (انبیاء ۳) — اور ہم نے ہر زندہ شے کو پانی سے بنایا۔

ہر قسم کے نباتات پانی سے اگتے ہیں۔

هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَىْءٍ (انعام ۱۲) — اسی نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس سے ہر چیز کی روئیدگی ظاہر کی۔

بادصرصر اور آندھی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ ہے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ (حم السجدہ ۲) — ہم نے عاد کی قوم پر بادصرصر بھیجا منحوس دنوں میں تاکہ ہم ان کو رسوائی کا عذاب چکھائیں۔

رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ تُدَمِّرُ كُلَّ شَىْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا (احقاف ۳) — ایسی آندھی جس میں دردناک عذاب تھا جو خدا کے حکم سے ہر شے کو برباد کر دیتی ہے۔

اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ مَا تَذَرُ مِنْ شَىْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ (الذاریات ۲) — یاد کرو جب ہم نے فائدہ نہ پہنچانے والی آندھی ان پر بھیجی جو جس شے پر گزرتی تھی اس کو بوسیدہ ہڈی کی طرح کر دیتی تھی۔

آگ جلاتی ہے۔

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (مومنین) — آگ ان کے چہروں کو جھلسا دیتی ہے

آگ لکڑی سے پیدا ہوتی ہے

اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا (یٰس ۵) — جس نے ہرے درختوں سے آگ کو پیدا کیا۔

قرآن مجید اشیاء کے طبعی خواص کا بھی منکر نہیں، شراب میں خواص ہیں۔

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (بقرہ ۲۷) — کہدے کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے اور ان میں لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں لیکن انکا گناہ انکے فائدے سے زیادہ ہے

اون میں گرمی کی خاصیت ہے۔

فِيْهَا دِفْءٌ (نحل) — جانوروں کے اون میں خوشگوار گرمی ہے۔

پانی میں پیاس بجھانے اور درخت اگانے کی خاصیت ہے۔

هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ (نحل ۲۰) — وہی خدا آسمان سے پانی برساتا ہے، اس سے پیتا ہے اور اس سے درخت ہیں۔

شہد میں صحت بخشنے اور بیماری دور کرنے کی خاصیت ہے۔

يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (نحل ۲۰) — شہد کی مکھیوں کے پیٹ میں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں ان میں لوگوں کیلئے شفا ہے۔

غرض ان آیات کریمہ سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید | لیکن علت حقیقی قدرت و مشیت ہے

اسباب وعلل مصالح وحکم اور طبائع وخواص کے وجود کو تسلیم کرتا ہے اور اس جماعت کا ساتھ نہیں دیتا جو ان چیزوں کا انکار کرتی ہے، اور یہ جانتی ہے کہ ان چیزوں کے تسلیم کرنے سے قدرت ومشیت الٰہی کے عقیدہ کا ابطال لازم آتا ہے حالانکہ یہ تو اس وقت لازم آتا ہے جب ان اسباب علل اور طبائع وخواص کو خدا سے مستقل اور مستغنی تسلیم کیا جائے اور قرآن اس کی تعلیم نہیں دیتا۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اشیاء اسباب وعلل سے پیدا ہوتی ہیں اور ان میں طبائع و خواص ہیں، لیکن یہ اسباب وعلل اور طبائع وخواص خود خلاقِ عالم کے پیدا کردہ اور مقرر کردہ ہیں اور وہ ان ہی پر عموماً کاربند ہوتا ہے، لیکن وہ اس درجہ ان کا مجبور اور پابند نہیں کہ وہ ان میں تغیر نہ کر سکتا ہو اور کبھی اپنے خاص حکم وارادہ سے بھی وہ ان کو شکست نہ کر سکتا ہو کیونکہ اس عقیدہ سے کفر پرورش پاتا ہے اور خدا کی قدرت اور عظمت میں فرق آجاتا ہے، اسی لئے ہر موقع پر قرآن مجید نے اپنی تعلیم میں اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے کہ اسباب و علل کے ساتھ ساتھ خدا کی مشیت اور ارادہ کو پیش نظر رکھتا ہے تاکہ انسانوں میں خدا کی معذوری، مجبوری اور عدم قدرت کا تصور نہ پیدا ہو اور نہ اس کی مشیت وارادہ پر خود اس کی مشیت وارادہ کے سوا خارجی پابندیاں عائد ہوں، چنانچہ وہ تمام آیتیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ کے متعلق اوپر دوسرے فریق کی طرف سے پیش کی گئی ہیں وہ اسی موقع کی ہیں اور جن سے یہی تعلیم مقصود ہے۔

ہم نے اوپر اسباب وعلل اور طبائع وخواص کے ثبوت میں جس قدر آیتیں لکھی ہیں، غور کرو ان سب میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف کی ہے، جس کا یہ مطلب ہے کہ ان مسببات کے اسباب وعلل اور اشیاء کے طبائع و خواص خود اس نے اپنی مشیت وارادہ اور اپنے حکم وامر سے بنائے ہیں اور ہر جگہ اس کی توضیح کر دی ہے تاکہ ظاہر میں انسان ان ظاہری علل واسباب اور طبائع وخواص کو دیکھ کر اشیاء کی علت حقیقی کا انکار کر کے مبتلائے الحاد یا اسباب وخواص کو مستقلاً شریک تاثیر مان کر گرفتار شرک نہ ہو جاتے، یہ انبیاء کی تعلیم کا خاص طریقہ ہے اور قرآن نے اس نکتہ کو کہیں فراموش نہیں کیا ہے، یہاں تک کہ انبیائے کرام اور بزرگان خاص کو بھی عادت جاریہ اور ظاہری علل و اسباب کے خلاف باور کرنے میں جب استعجاب اور استبعاد ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہ کیا ہے اور ان کے اس استعجاب اور استبعاد کو اپنی قدرت اور مشیت کو یاد دلا کر رفع کیا ہے، حضرت سارہؑ کو پیرانہ سالی میں جب حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی بشارت دی گئی تو توراۃ اور قرآن دونوں میں ہے کہ ان کو اس پر سخت تعجب ہوا، انہوں نے کہا۔

يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ (ہود)	اے خرابی! کیا میں جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور میرا یہ خاوند بڑھا ہے، یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے

فرشتوں نے جواب میں کہا۔

أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ (ہود-۷)	(اے سارہ) کیا تم خدا کے کام سے تعجب کرتی ہو۔

اس قدر تنبیہ ان کے ایمان کے لئے کافی تھی۔

حضرت زکریاؑ بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی بانجھ تھیں، حضرت زکریاؑ کو اپنی اور اپنی بیوی کی حالت کا قطعی علم تھا لیکن وہ اپنی اور اپنی بیوی کی ظاہری عدم استعداد اور اسباب وعلل کے نہ موجود ہونے کی صورت میں بھی

خدا کی قدرت اور مشیت کے موثر حقیقی ہونے پر یقین کامل رکھتے تھے، چنانچہ اسی حالت میں انہوں نے ایک وارث کی دعا مانگی، مگر جب ان کو اجابت دعا کی بشارت دی گئی تو تقاضائے بشریت سے کہ انسان ظاہری اسباب وعلل کے دیکھنے کا عادی ہے اس کمال ایمان کے باوجود ان کو یہ واقعہ مستبعد معلوم ہوا اور انہوں نے عرض کی۔

رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا (مریم-۱)	اے میرے رب! کہاں سے میرے لڑکا ہوگا میری بیوی بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو گیا ہوں یہاں تک کہ بڑھاپے سے اکڑ گیا ہوں۔

خدا نے اس کے جواب میں صرف اسی قدر فرمایا۔

قَالَ كَذَٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا (مریم-۱)	کہا یوں ہی ہے تیرے رب نے کہا یہ مجھ پر آسان ہے زکریا تجھ کو یاد نہیں کہ میں نے تجھ کو پیدا کیا اور تو کچھ نہ تھا۔

حضرت مریمؑ کو جب حضرت عیسیٰؑ کی خوشخبری دی گئی تو انہوں نے بھی ظاہری علل واسباب کے خلاف ہونے پر حیرت ظاہر کی۔

قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا (مریم-۲)	مریم نے کہا میرے لڑکا کہاں سے ہوگا، مجھ کو کسی آدمی نے چھوا بھی نہیں اور نہ میں کبھی بدکار تھی۔

فرشتہ نے جواب میں کہا۔

قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۖ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا (مریم-۲)	بولا یوں ہی ہے تیرے رب نے کہا وہ مجھ پر آسان ہے اور ہم کو لوگوں کے لئے نشانی بنانا چاہتے ہیں اور اپنی طرف سے رحمت۔

قرآن میں سنت اللہ کا مفہوم

وہ فریق جو خرق عادت اور خلاف اسباب وعلل کے محال ہونے پر قرآن مجید کی ان آیتوں سے استدلال کرتا ہے جن میں سنت الٰہی کے عدم تبدیل کا ذکر ہے، درحقیقت دانستہ یا نادانستہ مفہوم قرآن کی تحریف کا مجرم ہے، قرآن مجید میں "سنت الٰہی" کا ایک خاص مفہوم ہے اور اسی اصطلاح خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، خیر وشر، حق وباطل، نور وظلمت اور ظلم و انصاف جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کو شر پر، حق کو باطل پر، نور کو ظلمت پر اور انصاف کو ظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے، گنہگار اور مجرم قومیں جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں اور پند وموعظت ان کے لئے موثر نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک، آسمان کی گرج، زلزلہ کی تھرتھراہٹ آندھی کی گڑگڑاہٹ، دریا کے طوفان، پہاڑ کی آتش فشانی یا دشمن کی تلوار سے ہلاک وبرباد ہو جاتی ہیں، یہ سنت الٰہی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی اور اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا، قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے اسی مفہوم میں آیا ہے، چنانچہ وہ تمام آیتیں ذیل میں لکھ دی جاتی ہیں تاکہ ناظرین کو شک و شبہ نہ رہے، قریش داعی حق کو شہر مکہ سے نکالنے کی تیاری کرتے ہیں اور اس دعوت کو قبول کرنے سے علانیہ انکار کر دیتے ہیں، تو خدا فرماتا ہے۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ	اور وہ (کفار قریش) تو تجھ کو اس شہر سے لگے تھے گھبرانے تاکہ

شُهَادِ اِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا (بنی اسرائیل - ۸)

وہ تجھ کو یہاں سے نکال دیں لیکن اگر ایسا ہو تو وہ تیرے بعد کم ٹھہریں گے، یہ دستور پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا جن کو ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا اور تو اللہ کے دستور کو ٹلتے نہ پائے گا۔

مدینہ کے منافقین اپنی شرارت سے باز نہیں آتے۔ خدا فرماتا ہے۔

اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا (احزاب - ۸)

وہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے، دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے ہو چکے اور تو اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پائے گا۔

اس مفہوم کو واضح کرنے کے لئے سورۂ فاطر کی حسب ذیل آیت سے بڑھ کر اور کون آیت ہو سکتی ہے۔

وَلَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۚ فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا ۔ اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (فاطر - ۵)

اور بری کا داؤ پیچ خود داؤ پیچ کرنے والوں کو الٹ جاتا ہے تو کیا اب یہ کافر پہلی قوموں کے دستور ہی کی راہ دیکھتے ہیں تو تم اللہ کے دستور کو ہرگز نہ بدلتے پاؤ گے اور نہ کبھی اللہ کے دستور کو ٹلتے پاؤ گے، کیا وہ زمین میں پھرے نہیں ہیں کہ دیکھتے کہ اس سے پہلی قوموں کا کیا انجام ہوا۔

حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش کو تنبیہ اور مسلمانوں کو تسکین دی جاتی ہے۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۔ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا (فتح - ۳)

اور اگر یہ کافر تم سے لڑتے تو پیٹھ پھیر دیتے پھر وہ کوئی حامی نہ پاتے اور نہ مددگار، اللہ کا دستور یہ پہلے سے چلا آتا ہے اور تم اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پاؤ گے۔

اب ان آیتوں کے پڑھ لینے کے بعد بھی سنۃ اللہ کے مفہوم کے سمجھنے میں کس کو غلطی ہو سکتی ہے؟

قرآن میں فطرۃ اللہ کا مفہوم

قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے جس کو یہ فریق اپنے ثبوت میں پیش کرتا رہتا ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۚ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (روم - ۴)

خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا، خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں۔

اس موقع پر اس آیت کو پیش کرنا قرآن مجید کی معنوی تحریف ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں فطرۃ اللہ سے مقصود توحید ہے جس کو وہ دین فطری سے تعبیر کرتا ہے، چنانچہ اوپر کی پوری آیت اگر پیش نظر ہو تو یہ مفہوم خود بخود آئینہ ہو جاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۚ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (روم - ۴)

سو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو دین پر سیدھا قائم رکھ، وہی اللہ کی فطرت خاص پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے، خدا کے بنائے میں بدلتا نہیں، یہی سیدھا دین ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

قرآن مجید کی اس اصطلاح کی تفسیر ایک صحیح حدیث سے پوری ہو جاتی ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ کما تنتج البھیمۃ جمعاء ھل تحسون فیھا من جدعاء ثم یقول فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ (الآیۃ)
(بخاری تفسیر سورۂ روم)

کوئی بچہ ایسا نہیں ہے جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا، لیکن ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں، جس طرح ہر جانور صحیح و سالم بچہ پیدا کرتا ہے کیا تم نے دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ بھی وہ جنتا ہے اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی: "خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ...." آخر آیت تک۔

معجزہ کا سبب صرف ارادہ الٰہی ہے

الغرض اس تمام تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید نہ تو اسباب عادیہ کا منکر ہے اور نہ عالم کے نظام کار کو علل و مصالح سے خالی تسلیم کرتا ہے لیکن وہ ان تمام اسباب و علل سے مافوق ایک اور قادر اور ذی ارادہ ہستی کو فرمانروائے کل یقین کرتا ہے جس کی مشیت اور ارادہ کی قوت سے کائنات کی یہ مشین چل رہی ہے۔ معجزہ کا سبب اور علت براہ راست اس کی مشیت اور ارادہ ہے، کبھی یہ مشیت اور ارادہ عادات جاریہ اور ظاہری علل و اسباب کے پردے میں ظاہر ہوتا ہے، مثلاً قوم نوحؑ کے لئے طوفان آنا، قوم ہودؑ کے لئے کوہ آتش فشاں کا پھوٹنا یا زلزلہ آنا، حضرت ایوبؑ کا چشمہ کے پانی سے صحیح و تندرست ہو جانا، قوم صالح کے لئے آندھی آنا، مکہ میں قحط عظیم کا رونما ہونا، غزوہ خندق میں آندھی چلنا، یہ تمام نشانیاں ظاہری اسباب اور عادات جاریہ کے خلاف نہیں، لیکن ان اسباب کے ظاہر ہونے کا سبب جس میں حق کی فتح اور باطل کی شکست، نیکوکاروں کی نجات اور گنہگاروں کی ہلاکت ہوئی محض بخت و اتفاق نہیں بلکہ ارادہ و مشیت الٰہی نے خاص ان قوموں کے لئے بطور نشانی کے ان کو پیدا کیا اور کبھی یہ مشیت الٰہی عادت جاریہ اور اسباب ظاہری کا نقاب اوڑھ کر نہیں، بلکہ بے پردہ نشان بن کر سامنے آتی ہے، مثلاً عصا کا سانپ بن جانا، انگلیوں سے چشمہ کا جاری ہونا، مردہ کا جی اٹھنا، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، پتھر سے چشمہ کا ابلنا، درختوں کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا، بے جان چیزوں میں آواز پیدا ہونا، ان چیزوں کی تشریح موجودہ علم اسباب و علل کی بنا پر نہیں کی جا سکتی اور نہ ان کو عادات جاریہ کے مطابق کہا جا سکتا ہے، اس لئے ان کی علت خدا کی مشیت اور ارادہ کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی، اسی لئے انبیاء نے یہ تصریح کی ہے کہ جو کچھ ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ صرف خدا کی قدرت، مشیت اور اذن سے ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ ظاہری علل و اسباب کے مطابق ہوں تو وہ پیغمبر اور خدا کے باہمی ربط و علاقہ کی دلیل کیونکر بن سکتے ہیں، کفار ان کو دیکھ کر فوراً کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو فلاں سبب سے ہوا ہے اس لئے خدائی نشان ہونے کا ثبوت کیونکر بہم پہنچ سکتا ہے؟

معجزہ کی باعتبار خرق عادت کے چار قسمیں

اس بنا پر یہ ضروری ہے کہ معجزات اور نشانیاں کسی نہ کسی حیثیت سے خارق عادت ہوں، چنانچہ:

(۱) کبھی نفس واقعہ خارق عادت ہوتا ہے، مثلاً عصا کا سانپ بن جانا، چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا، انگلیوں سے چشمہ کا ابلنا، مردہ کا زندہ کرنا وغیرہ۔

(۲) کبھی یہ ہوتا ہے کہ نفس واقعہ خلافِ عادت نہیں ہوتا، مگر اس کا اس وقتِ خاص پر رونما ہونا خرقِ عادت بن جاتا ہے مثلاً طوفان آنا، آندھی آنا، زلزلہ آنا، کفار کا باوجود کثرتِ تعداد سے بے یار و مددگار اہل حق سے خوف کھانا وغیرہ۔ تمام تائیداتِ الٰہی اسی قسم میں داخل ہیں۔

(۳) ایک صورت یہ ہے کہ نفس واقعہ اور اس کے ظہور کا وقت خاص تو عاداتِ جاریہ کے خلاف نہیں ہوتا مگر اس کا طریقہ ظہور خلافِ عادت ہوتا ہے، مثلاً انبیاء کی دعاؤں سے پانی کا برسنا، بیمار کا اچھا ہونا، آفتوں کا ٹل جانا کہ نہ تو پانی کا برسنا یا بیمار کا اچھا ہو جانا یا کسی آئی ہوئی آفت کا ٹل جانا خلافِ عادت ہے اور نہ اسکے ظہور کا کوئی خاص وقت ہے، لیکن جس طریقہ سے اور جن اسباب و علل سے یہ معجزات ظاہر ہوئے وہ خارقِ عادت ہیں، استجابتِ دعا اسی قسم میں داخل ہے۔

(۴) کبھی نہ تو واقعہ خارقِ عادت ہوتا ہے اور نہ اس کا طریقہ ظہور خارقِ عادت ہوتا ہے، بلکہ اس کا قبل از وقت علم، خارقِ عادت ہوتا ہے مثلاً انبیاء کی پیشین گوئیاں، ایک دفعہ زور سے آندھی چلی، آنحضرت مدینہ سے باہر تھے آپ نے فرمایا کہ یہ آندھی ایک منافق کی موت کے لئے چلی ہے، چنانچہ جب لوگ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مدینہ میں ایک منافق اس آندھی سے مرگیا، اس معجزہ میں نہ تو آندھی کا چلنا خرقِ عادت ہے اور نہ آدمی کا آندھی کے صدمہ سے مرجانا خلافِ اسباب ہے بلکہ واقعہ کا قبل از وقت علم خرقِ عادت ہے۔

اہل ایمان پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں

انبیاء کی زندگی علم و عمل دونوں کا مجموعہ ہوتی ہے اور ان کے تمام ارشادات و تعلیمات سے صرف ان ہی دونوں کی ترقی اور تکمیل مقصود ہوتی ہے اس لحاظ سے انبیاء کے بعض معجزات کا اثر صرف علم و یقین پر پڑتا ہے۔ ان سے کوئی عملی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا، ہاتھ کا چمک اٹھنا، عصا کا سانپ بن جانا، چاند کا شق ہو جانا، اگرچہ نہایت عظیم الشان معجزے ہیں لیکن اس کا نتیجہ صرف اس قدر ہے کہ ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے نے انکار کیا، لیکن انبیاء کے بہت سے معجزات ایسے ہوتے ہیں جن سے نہایت عظیم الشان عملی نتائج ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً عصا کے سانپ بن جانے سے بنو اسرائیل کو کوئی عملی فائدہ نہ پہنچ سکا، لیکن اس کے ذریعہ سے پانی کا جو چشمہ ابلا وہ ان کیلئے حیات بخش ثابت ہوا، پہلی قسم کے معجزات کو قرآن میں حجت، برہان اور سلطان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان سے علم و یقین کو ترقی ہوتی ہے اور دوسری قسم کے معجزات کو اس نے تائید اور نصر الٰہی کہا ہے، پہلی قسم کے معجزات طلب اور سوال کے محتاج ہوتے ہیں لیکن تائید اور نصر الٰہی اس کی پابند نہیں ہوتی۔

آغاز نبوت میں چونکہ انبیاء صرف عقائد کی تعلیم دیتے ہیں اور کفار کی طرف سے ان ہی عقائد کا انکار کیا جاتا ہے اور ان ہی کے اثبات پر دلیل طلب کی جاتی ہے اس لئے اول اول انبیاء سے اسی قسم کے معجزات کا ظہور ہوتا ہے جن کا اثر صرف علم و یقین پر پڑ سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اسی قسم کے دو

معجزے دے کر فرعون کے پاس بھیجا اور اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کو معجزہ شق القمر دکھایا، لیکن اس کے بعد انبیاء کی تعلیم و ہدایت سے مومنین مخلصین کا ایک گروہ پیدا ہو جاتا ہے جو عموماً مفلوک الحال خانہ بدوش، بے سرو سامان اور بے یار و مددگار ہوتا ہے، یہ گروہ اگرچہ صفائے باطن، خلوصِ نیت اور شدتِ ایمان کی بنا پر کسی معجزہ کا خواستگار نہیں ہوتا، تاہم تائیدِ الٰہی خود اس کی طلبگار ہوتی ہے اور ہر موقع پر اسکی حفاظت و حمایت کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ تائیداتِ الٰہیہ کا ظہور اکثر بغیر طلب و سوال کے ہوتا ہے، مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معجزہ کا سوال نہیں کیا، لیکن آپ سے اکثر معجزات کا ظہور ان ہی کے درمیان ہوا، بالخصوص غزوات میں اکثر تائیدِ الٰہی نے مسلمانوں کی مدد کی ہے، غزوۂ بدر و حنین میں فرشتوں کا آسمان سے نازل ہونا، تھوڑے سے زادِ راہ کا تمام فوج کے لئے کافی ہونا، آپ کی انگلیوں سے پانی کا نکلنا، اور اس قسم کے بہت سے معجزات غزوات ہی کے زمانہ میں آپ سے ظہور پذیر ہوتے اور ان سے تمام مسلمانوں نے ایسی حالت میں فائدہ اٹھایا جبکہ تمام دنیوی اسباب و وسائل منقطع ہو چکے تھے۔

اسی کا نام قرآن مجید کی زبان میں نصر (مدد) اور تائید ہے اور یہ ہر نبی کو آخر وقت میں عطا کی جاتی ہے، اور عین اس وقت جب بظاہر اسباب مایوسیوں کے تمام مناظر پیش ہوتے ہیں اور تائیدِ حق کا بظاہر کوئی سامان نظر نہیں آتا، دفعۃً نصرتِ الٰہی توقع کے خلاف گرد و پیش کے واقعات کے خلاف بجلی کی طرح ناامیدیوں کے بادل سے چمک اٹھتی ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (بقرہ - ۲۶)

کیا تم کو خیال ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر وہ حالت گزری نہیں جو تم سے پہلوں پر گزری، ان پر مصیبت اور تکلیف آئی اور اس قدر جھنجھوڑے گئے کہ پیغمبر اور اس کے ساتھ مسلمان گھبرا کر پکار اٹھے کہ خدا کی نصرت کہاں ہے، ہاں خدا کی نصرت نزدیک ہے۔

حَتّٰى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ (یوسف - ۲)

یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے نصرت کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا کہ ہماری نصرت آگئی، پھر ہم نے جن کو چاہا وہ بچا دیئے گئے اور پھری نہیں جاتی ہماری آفت گنہگار قوم سے۔

خدا کا یہ قطعی وعدہ ہے کہ وہ حق پرستوں کو ہمیشہ آخر کار نصرت عطا کرے گا۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (روم) — اور ایمان والوں کی مدد ہم پر فرض ہے۔

یہ نصرت مسلمانوں کو ہر قدم پر تسلی کا پیغام سناتی تھی، بدر ہو کہ احد، خندق ہو کہ حنین ہر جگہ وہی انکی دستگیر تھی۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ (توبہ - ۳) — خدا نے بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت کی۔

لیکن سب سے بڑی نصرت بدر کی تھی، جب تین سو بے برگ و ساز نہتوں نے قریش کی ایک ہزار مسلح فوج کو کامل شکست دے دی۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ — اور خدا نے یقیناً بدر میں تمہاری مدد کی جب تمہارے پاس

اَذِلَّۃٌ (آل عمران - ۱۳)

کوئی قوت نہ تھی،

لیکن عام معجزات اور نصرتِ الٰہی میں یہ فرق ہے کہ جو معجزات بطور حجت اور برہان کے پیش کئے جاتے ہیں وہ صرف انبیاء کی روحانی طاقت کا فیض ہوتے ہیں، یعنی ان کا یہ فیض سبب ہوتا ہے ارادۂ الٰہی کے ظہور کا، لیکن نصرتِ الٰہی میں پیغمبر کی روحانی طاقت کے ساتھ مومنین کے کمالِ ایمان، شدتِ یقین، تزکیۂ نفس اور استعدادِ قلب کی شرکت بھی ضروری ہوتی ہے، چنانچہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی امت نے جب سخت فاقہ کی حالت میں نزولِ مائدہ (خوانِ آسمانی) کی درخواست کی تو انہوں نے ان کو تقویٰ اختیار کرنے کی تعلیم دی،

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (مائدہ - ۱۵)

یاد کرو جب حواریوں نے کہا، اے مریم کے بیٹے عیسٰی! کیا آپ کا پروردگار ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار سکتا ہے عیسٰی نے کہا، خدا سے تقویٰ کرو، اگر تم کو یقین ہے،

میدانِ جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو نزولِ ملائکہ کی بشارت سناتے ہیں تو ساتھ ساتھ صبر اور تقویٰ کی بھی تعلیم دیتے ہیں،

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ؕ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ (آل عمران - ۱۳)

یاد کرا ے پیغمبر! جب تو مسلمانوں سے کہہ رہا تھا کہ کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے اتار کر تم کو مدد دے (خدا کہتا ہے) ہاں اگر تم مستقل رہو اور تقویٰ کرو اور وہ فوراً آجائیں تو خدا پانچ ہزار سوار فرشتوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کرے گا،

یہی وہ معجزات تھے جن کی نسبت صحابہ کرامؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کو برکت سمجھا کرتے تھے،

کفار کیلئے نتائج کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں

جس طرح مومنین پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں ہیں، اسی طرح کفار پر نتائج کی حیثیت سے بھی ان کی دو قسمیں ہیں آیتِ ہدایت اور آیتِ ہلاک، انبیاءؑ کفار کو پہلے ہدایت کی نشانیاں دکھاتے ہیں اور ان کو حق کی دعوت دیتے ہیں، کفار کی کثیر تعداد میں جس قدر صالح اجزا ہوتے ہیں، وہ اس دعوت کو قبول کرتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ بالآخر وہ وقت آتا ہے جب مادۂ فاسد کے سوا کفار کی جماعت میں کوئی صلاحیت پذیر عنصر باقی نہیں رہ جاتا تو اس وقت آیتِ ہلاک آسمان کی بجلی، فضا کی آندھی، زمین کا سیلاب، لوہے کی تلوار بن کر رونما ہوتی ہے اور سطحِ خاکی کو ان کے وجود کی نجاست سے پاک کر دیتی ہے،

حضرت موسٰی علیہ السلام کو متعدد معجزے عنایت ہوئے تھے مگر وہ اس لئے تھے کہ ان کو دکھا کر فرعون کو حق کی طرف دعوت دی جائے، جب ایک مدت کے بعد اہلِ مصر میں سے جس قدر لوگ ایمان لا سکتے تھے لے آئے تو حضرت موسٰیؑ کو شقِ بحر کی آیتِ ہلاک عنایت ہوئی اور رودِ قلزم کی لہریں فرعون کو اس کے سارے ساز و سامان اور امرائے دربار کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نگل گئیں، حضرت نوحؑ کو آیتِ طوفان، حضرت صالحؑ کو آیتِ ناقہ، حضرت لوطؑ کو بربادیِ سدوم کی نشانی، حضرت شعیبؑ کو آیتِ صاعقہ بجز، حضرت عیسٰیؑ کو آیتِ رفع اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو معجزۂ بَطْشَۃُ الْکُبْرٰی (بدر) جو دیا گیا تھا وہ اسی دوسری قسم میں داخل تھا، ان میں سے ہر معجزہ اور نشانی کے ظہور کے بعد یا خود اسی معجزہ اور نشانی کے ذریعہ سے معاندین کی ہلاکت استیصال اور بربادی ہوتی اور اسی کو قرآن مجید نے سُنَّۃُ اللہ (خدا کا دستور) اور سُنَّۃُ الاوّلین (پہلوں کا دستور) کہا ہے کہ ہر پیغمبر کی قوم میں یہ اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے۔

وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ (فاطر)

اور بدی کا داؤ پیچ کرنے والوں پر الٹ جاتا ہے تو کیا اب یہ کافر اگلی قوموں کے دستور ہی کی راہ دیکھتے ہیں۔

اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (احزاب - ۸)

یہ جہاں پائے گئے اور پکڑے گئے اور مارے گئے یہ اللہ کا دستور پڑا ہوا ہے اگلی قوموں میں۔

اس معجزۂ عذاب کے ظاہر ہونے میں عموماً ایک وقت معین تک تاخیر کی جاتی ہے جس کے اسباب حسب ذیل ہیں

(۱) یہ معجزۂ عذاب اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتا جب تک آیاتِ ہدایت سے قوم کے تمام صالح اجزاء اس کے فاسد عنصر سے الگ نہیں ہو جاتے اور مومنین اور کافرین ایک دوسرے سے چھٹ کر جدا نہیں ہو جاتے اور رسول کو بقیہ عناصر کے ایمان سے قطعی مایوسی نہیں ہو جاتی، حضرت نوحؑ نے ایک طویل زمانہ تک اپنی قوم کو دعوت دی اور اس کے بعد ناامید ہو کر انہوں نے آخری معجزہ کی دعا مانگی۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۔ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۔ (نوح - ۲)

اے میرے پروردگار! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ، اگر تو ان کو چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور وہ جنیں گے لیکن فاجر اور کافر کو۔

اس کے بعد طوفان آیا اور قومِ نوحؑ کو بہا لے گیا، اسی طرح حضرت موسٰیؑ کو جب فرعون سے پوری مایوسی ہو گئی تو انہوں نے دعا کی۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۔ (یونس - ۹)

اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں شان و شوکت اور دولت عطا کی ہے اے ہمارے رب (وہ اس سے یہ کام لیتے ہیں کہ وہ) لوگوں کو تیرے راستے سے گمراہ کرتے ہیں خداوندا ان کی دولت کو میٹ دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے جب تک وہ تیرے دردناک عذاب کا مزہ نہ دیکھیں گے ایمان نہ لائیں گے۔

اس موقع پر اسی قسم کی دعائیں دیگر انبیاء نے بھی کی ہیں۔

(۲) اس منزل پر پہنچ کر پیغمبر کو اپنے مومنین کی جماعت کو ساتھ لے کر ہجرت کا حکم ہوتا ہے، حضرت نوحؑ کو مع رفقاء کے کشتی پر چڑھا کر کفار سے الگ کیا جاتا ہے، حضرت ابراہیمؑ نمرود کے ملک سے اپنی ہجرت کا اعلان کرتے ہیں اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ (عنکبوت) (میں خدا کی طرف ہجرت کرتا ہوں)، حضرت موسٰیؑ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جاتے

یں حضرت لوطؑ، حضرت ہودؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت صالحؑ سب نے اپنی اپنی جماعتوں کو لے کر اپنی نافرمان قوموں سے علیحدگی اختیار کی اور جب تک یہ ہجرت نہیں ہو لیتی اور مومن و کافر الگ نہیں ہو جاتے، معجزۂ عذاب نہیں بھیجا جاتا، حضرت نوحؑ جب تک کشتی پر سوار ہو کر علیحدہ نہ ہو لئے طوفان نہ آیا، حضرت ابراہیمؑ جب تک کلدانیوں کے ملک (عراق) سے نکل کر شام اور مصر نہ چلے گئے ان پر عذاب نہ آیا، اسی طرح حضرت لوطؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ اور حضرت شعیبؑ اپنی اپنی جماعتوں کو لے کر جب تک الگ نہ ہو گئے، ہلاکت کا عذاب نہیں آیا اور جب انہوں نے ہجرت کر لی تو یہ معجزۂ عذاب مختلف صورتوں میں ان قوموں پر نازل ہوا اور مومنین کی نجات اور کافروں کو ہلاکت نصیب ہوئی۔

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ان واقعات کو بکثرت بیان کیا گیا ہے اور نیز اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دستور اور قانون فرمایا ہے جس میں تغیر اور تبدل ناممکن ہے، جیسا کہ اس سے پہلے قرآن مجید میں سنۃ اللہ کے مفہوم کے ضمن میں آیاتِ قرآنی کے حوالہ سے اس کی پوری تفصیل گزر چکی ہے، سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ اس اصول کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ثُمَّ نُنَجِّىْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ (یونس۔ ۱۰)	کیا یہ کافر گزشتہ قوموں کی طرح واقعہ ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں کہہ دے کہ انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور ایسے ہی ایمان لانے والوں کو ہم پر فرض ہے، ہم نجات دیں گے ایمان والوں کو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور معجزۂ ہدایت

ہدایت کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معجزات اور نشانیاں صادر ہوتی رہتی تھیں، ان کا بڑا حصہ غیر معمولی قوتِ تاثیر استجابتِ دعا اور تائید و نصرت اور پیشین گوئی کا تھا، اسی غیر معمولی قوتِ تاثیر کا نتیجہ تھا کہ قریش لوگوں کو آپؐ کے پاس جانے سے روکتے تھے، سیرت کی کتابوں میں اس قسم کے متعدد واقعات مذکور ہیں، قرآن مجید کی یہ آیت کفار کے اس باطنی اعتراف کا آئینہ ہے۔

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حم السجدہ)	اس قرآن کو نہ سنو، اور اس میں شور و غل کرو شاید تم غالب آؤ۔

قرآن کے اثر کا ان پر یہ رعب چھایا ہوا تھا کہ وہ لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہ دیکھتے تھے کہ وہ شور و غل اور ہنگامہ کر کے لوگوں کو سننے نہ دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استجابتِ دعا کا بھی کفار کو بدرجۂ اتم یقین تھا، ایک دفعہ صحنِ حرم میں جب ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں خلل انداز ہوئے اور آپؐ نے ان پر بددعا کی تو بخاری و مسلم میں یہ تصریح ہے کہ وہ اس کو سن کر کانپ اٹھے[1]، ایک دفعہ جب مکہ میں قحطِ عظیم پڑا تو ابوسفیان نے آپؐ کے پاس آکر کہا کہ محمدؐ تمہاری قوم ہلاک ہو گئی، خدا سے دعا کرو کہ وہ اس بلا کو

[1] صحیح بخاری کتاب الوضوء، و مسلم باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین۔

ان سے دور کر دے[1]، چنانچہ آپؐ نے دعا کی اور وہ بلا دور ہوئی، اسی طرح آپؐ کی پیشین گوئی کی صداقت کا بھی ان کو دل سے اعتراف تھا، یاد ہو گا کہ غزوۂ بدر سے پہلے جب امیہ کو حضرت سعد انصاریؓ کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مارے جانے کی پیشین گوئی کی ہے تو وہ گھبرا اٹھا اور اس کی بیوی پر یہ اثر ہوا کہ اس نے غزوۂ بدر کے موقع پر اپنے شوہر کا دامن تھام لیا کہ محمدؐ کی یہ پیشین گوئی تمہیں یاد نہیں[2]، فتح روم کی مشہور پیشین گوئی جس دن پوری ہوئی، بہت سے لوگ اس نشان صداقت سے ہدایت پا کر مسلمان ہو گئے[3]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و نصرت کے عجائبات بھی قریش کی نظروں سے گزر چکے تھے وہ بار بار آپؐ پر حملے کی تیاریاں کرتے تھے اور ناکام رہتے تھے، ایک دفعہ ابوجہل نے یہ ناپاک ارادہ کیا اور اس نیت سے آگے بڑھا تو فوراً ڈر کر پیچھے ہٹ گیا، ساتھیوں نے واقعہ پوچھا تو بتایا کہ مجھے نظر آیا کہ میرے اور محمدؐ کے درمیان آگ کی خندق ہے اور چند پر دار ہستیاں کھڑی ہیں[4]۔

الغرض ہدایت کے متعدد نشانات تھے جو مکہ میں کفار کو اس غرض سے دکھلائے گئے تھے کہ ان کو دیکھ کر ان کے قلوب میں قبولِ حق کی صلاحیت پیدا ہو۔

شق قمر آخری نشان ہدایت تھا

ہدایت کی ان نشانیوں میں کفارِ مکہ کے لئے سب سے آخری اور فیصلہ کن نشان شق قمر تھا جس کے بعد آیاتِ ہلاکت کا آغاز ہونے والا تھا، احادیث میں ہے کہ کفارِ مکہ آپؐ سے معجزہ کے طالب تھے تو آپ نے ان کو شق قمر کا معجزہ دکھایا، چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، لیکن معاندین کو اس عظیم الشان اور واضح تر معجزہ سے بھی ہدایت نہ ملی، بعضوں نے کہا محمدؐ نے جادو کیا ہے، کسی نے کہا ایسی عجیب عجیب باتیں ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں، چنانچہ قرآن مجید نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (قمر۔ ۱)	قیامت کا وقت قریب آگیا اور چاند شق ہو گیا اور اگر یہ کافر کوئی نشانی دیکھیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔

اب خداوند ذوالجلال کے رحم و کرم نے دوسری شان اختیار کی، یعنی اس کے قہر و غضب نے ان غیر صلاحیت پذیر ہستیوں سے سطح ارضی کو پاک کر دینے کا تہیہ کر لیا اور وہ سنتِ الٰہی جو تمام گزشتہ امتوں کے ساتھ جاری رہی تھی

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان [2] صحیح بخاری اول کتاب المغازی [3] ترمذی تفسیر سورۂ روم [4] صحیح مسلم باب قولہ تعالیٰ وما کان اللہ لیعذبہم [5] ہم نے قرآن مجید کے بتائے ہوئے اصولِ الٰہی کے مطابق اولاً یہ سمجھا تھا کہ شق قمر کا معجزہ، ہجرت سے پہلے ظاہر ہوا ہو گا، لیکن سیر و مغازی اور کتبِ احادیث کا مطبوعہ ذخیرہ اس دعویٰ کے ثبوت اور انکار دونوں سے خاموش تھا، اسی اثنا میں حاکم کی مستدرک کی دوسری جلد حیدرآباد سے چھپ کر پہنچی، اس میں سورۂ قمر کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو واقعہ کے عینی شاہد ہیں یہ تصریح ملی کہ یہ نشان قبل مخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ہجرت سے پہلے ظاہر ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے کچھ ہی پہلے کا ہے، حاکم کی یہ روایت بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور حافظ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس کی تصریح کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ مصنف عبدالرزاق میں بھی موجود ہے (مستدرک ج ۲ ص ۴۷۱ حیدرآباد)

یعنی یہ کہ معجزوں کے دیکھنے کے بعد ایمان نہ لانے پر کفار کی ہلاکت اور بربادی فرض محتم ہو جاتی ہے وہ قریش کے حق میں بھی جاری ہوئی۔ گزشتہ دستورِ الٰہی کی تفصیل کے مطابق اس ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کے لئے پہلے دو چیزوں کی ضرورت تھی۔

(۱) مومنین کی جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرِ مکہ سے ہجرت۔

(۲) ہجرت سے پہلے ہدایت کی کسی آخری کھلی نشانی کا ظاہر ہونا۔

چنانچہ ہجرت سے پہلے شق قمر کا نشان ظاہر ہوا اور اس کو دیکھ کر بھی جب قریش کے رؤساء اسلام نہ لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت کا حکم ہوا اور ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کا وقت قریب آگیا، صحیح میں اسرارِ نبوت کے جو محرم تھے وہ پہلے ہی سمجھ چکے تھے کہ یہ ہجرت قریش کی بربادی کا پیش خیمہ ہے، مستدرک حاکم ہجرت اور مسند ابن حنبل (جلد اصفحہ ۲۱۶) میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا انا للہ مکہ والوں نے اپنے پیغمبر کو نکال دیا، اب یہ ضرور ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ والی قتال کی آیت نازل ہوئی۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور معجزۂ ہلاکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قریش کو تقریباً تیرہ برس تک دعوت دی اور ان تیرہ سالوں کے اندر اس راہ میں ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف برداشت کی اور آیاتِ ہدایت کے مختلف نمونے ان کو دکھلائے، بالآخر شق القمر کا معجزہ بھی ان کی نگاہوں کے سامنے سے گزرا اور آخر وہ وقت آیا جو اپنے اپنے پیغمبروں کے سامنے . . . .

دوسری قوموں پر آچکا تھا یعنی قبیلۂ قریش میں سے وہ افرادِ صالحہ جو بے خوف و خطر حق کو قبول کر سکتے تھے انہوں نے حق کو قبول کر لیا اور صرف وہ رؤسائے قریش رہ گئے جو قبولِ حق کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتے تھے یا وہ ضعفاء تھے جو ان رؤسا کی موجودگی میں حق کا ساتھ دینے کی قوت نہیں رکھتے تھے اور اس لئے ضرورت ہوئی کہ ان رؤساء کے وجود سے ارضِ حرم کو پاک کیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے، لیکن وہاں بھی کوئی حق کا سننے والا نہ تھا، بازار اور راستہ میں شریروں نے آپ کو پتھر مارے، یہاں تک کہ قدم مبارک خون آلود ہو گئے، آپ مکہ واپس آرہے تھے کہ فرشتۂ جبال نے آپ کو ندا دی کہ اگر اجازت ہو تو پہاڑوں سے ان کو چکنا چور کر دیا جائے، رحمتِ عالم اب بھی مایوس نہ ہوتے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ ابھی وہ معجزۂ ہلاکت ظاہر نہ ہو، شاید کہ ان کی نسل سے کوئی توحید کا پرستار پیدا ہو۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اُحد کے علاوہ آپ پر سب سے زیادہ سخت دن کون تھا؟ آپ نے فرمایا، وہ دن جب میں نے طائف کے سردار عبد یالیل کے سامنے اپنے کو پیش کیا اور اس نے انکار کیا، میں مغموم واپس آرہا تھا کہ فرشتۂ جبال نظر آیا اور اس کے بعد آپ نے کفار کی ہلاکت کے لئے فرشتۂ جبال کی اجازت طلبی اور اپنا جواب بیان کیا۔[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کو ایام مصائب کی تاریخ

[1] نسائی کتاب الجہاد اور ترمذی تفسیر آیت بالا میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔ [2] مسلم باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین و بخاری کتاب بدء الخلق۔

میں سب سے زیادہ سخت فرماتے ہیں، بظاہر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ آپ نے طائف کی تکلیف کو سخت ترین دن فرمایا لیکن واقعہ یہ نہیں ہے، اس سے بھی زیادہ تکلیف اور مصیبت کی گھڑیاں آپ پر آئی ہیں بلکہ اس لحاظ سے آپ اس کو سخت ترین دن قرار دیتے تھے کہ یہ قریش کی فرصت اور مہلت کی اخیر گھڑی تھی اور اب معجزۂ ہلاک ان کے سر پر تھا اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا صدمہ تھا، تاہم قریش کو اب آخری عذاب کی اطلاع دے دی گئی تھی اور وہ نادان استہزاء کرتے تھے، جیسا کہ دوسری قومیں بھی اپنے اپنے پیغمبروں کے ساتھ یہی کرتی آئی ہیں، کفارِ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر کہتے تھے، جس عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے وہ کیوں نہیں آتا، اگر تم میں قدرت ہے تو وہ عذاب لاؤ اور اپنی صداقت کی یہ آخری نشانی بھی دکھا دو۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ (یونس-۲)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں اترتا، اے پیغمبر! کہہ دے کہ غیب کی بات خدا کے پاس ہے تم اس کے ظہور کا انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

کبھی اکڑ کر کہتے۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا (بنی اسرائیل)

یا جیسا تم کہا کرتے ہو آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ۔

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (حجر-۱)

اگر تم سچے ہو تو کیوں نہیں ہمارے پاس فرشتوں کو لے آتے ہو؟

خدا نے جواب میں کہا،

وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ (حجر)

جب فرشتے آجائیں گے تو پھر انہیں مہلت نہ دی جائے گی

کفارِ قریش کو معجزۂ عذاب کے دیکھنے کی جلدی تھی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ پیشین گوئی سراسر جھوٹ ہے، خدا نے کہا جب تک پیغمبر کی آمد کی برکات ختم نہ ہو جائیں یعنی تمام افرادِ صالحہ الگ نہ ہو جائیں گے عذاب نہیں آئے گا۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰي ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ (رعد-۱)

اور کفار جلدی چاہتے ہیں تجھ سے بھلائی سے پہلے برائی حالانکہ ان سے پہلے گزشتہ قوموں میں اس قسم کے واقعات گزر چکے ہیں اور تیرا رب لوگوں کی گنہگاری کے باوجود ان کو معاف کرتا ہے اور تیرا رب بڑے عذاب والا بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے معجزہ کو ذکر کر کے کہتا ہے۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۔ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۔ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۔ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۔ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۔ ثُمَّ جَآءَهُمْ

وہ نہ مانیں گے اس کو جب تک دکھ کا عذاب نہ دیکھ لیں گے پھر یہ عذاب اچانک ان پر اس طرح آجائے گا کہ ان کو خبر نہیں ہونے پائے گی تو اس وقت کہیں گے کہ ہم کو مہلت بھی کچھ مل سکتی ہے، کیا یہ کفار ہمارا عذاب جلد مانگتے ہیں بھلا دیکھ تو اگر ہم نے ان

مَا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ. مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ. وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ:

(شعراء - ۱۱)

کو چند سال فائدہ اٹھانے کا موقع دے بھی دیا، پھر ان پر وہ عذاب آگیا جس کا وعدہ تھا تو کیا ان کی یہ دولت ان کے کچھ کام آئے گی، ہم نے کسی آبادی کو ہلاک نہیں کیا لیکن اس کو ڈر سنانے والے پہلے موجود تھے۔

یعنی اس اصول کی بنا پر کہ قوموں کی ہلاکت سے پہلے ان کے اندر ایک ڈر سنانے والا مامور ہوا کرتا ہے قریش میں بھی ایک ڈر سنانے والا آیا، اگر وہ اس کی نہ سنیں گے تو پچھلی قوموں کی طرح وہ بھی نیست و نابود ہو جائیں گے، سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ قریش کو مختلف قوموں کے حالات سنا کر کہتا ہے۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ. اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ. وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ. وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ. قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ.

(حج - ۷)

تو کتنی بستیاں ہم نے برباد کیں اور وہ گنہگار تھیں اور اب وہ اپنی چھتوں پر ڈھی پڑی ہیں اور کتنے کنوئیں بے کار پڑے ہیں اور کتنے اونچے اونچے محل خراب اور ویران ہیں، کیا یہ کافر زمین میں چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ ان کے پاس دل ہوتے جن سے سمجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے، کیونکہ آنکھیں کچھ اندھی نہیں ہوتی ہیں جب کہ ان کو یہ عبرت ناک مناظر سوجھائی نہ دیتے ہوں مگر وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں اور یہ کافر تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب اور اللہ ہرگز اپنا وعدہ نہ ٹالے گا اور تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے ہزار برس کے برابر ہے اور کتنی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو ڈھیل دی اور وہ گنہگار تھیں پھر ان کو پکڑا اور میری طرف پھر آنا ہے کہہ دے اے لوگو! میں تو صاف صاف تم کو ڈر سنانے والا ہوں۔

قرآن نے رؤسائے قریش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ (فاطر - ۵)

کیا وہ پہلی قوموں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں۔

چنانچہ گزشتہ قوموں کے قانون کے پورے ہونے کے دن آگئے، یعنی رسول اور مومنین کو گنہگار قوم کی آبادی کے اندر سے نکل جانے کی اجازت ملی، کیونکہ جیسا پہلے گزر چکا ہے، جب تک رسول اپنی قوم سے ہجرت نہیں کرتا، عذاب و ہلاکت کا نشان ظاہر نہیں ہوتا، چنانچہ کفار قریش کو جو اس نشان کے دیکھنے کے لئے بے تاب تھے پہلے ہی یہ جتا دیا گیا تھا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا. سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ

اور اگر وہ اس زمین سے تجھ کو گھبرانے لگے ہیں تاکہ یہاں سے تجھ کو نکال دیں تو یاد رہے کہ تیرے چلے جانے کے بعد وہ بہت کم پھر ٹھہر سکیں گے تجھ سے پہلے جو رسول گزرے ہیں ان کی یہ

لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا (بنی اسرائیل - ۸)

سنت ہے اور خدا کی سنت کو تم ٹلتا نہ پاؤ گے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے رؤسائے قریش ادھر ادھر بیٹھے ہنسی دل لگی کی باتیں کر رہے تھے، ابوجہل نے کہا کہ کون مذبح جا کر وہاں سے اونٹ کی اوجھڑی اٹھا لائے گا چنانچہ ایک شریر نے یہ خدمت انجام دی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو وہ نجاست آپؐ کی پشت مبارک پر ڈال دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بوجھ سے سر نہیں اٹھا سکتے تھے اور کفار اس منظر کو دیکھ کر ہنسی سے بے خود ہوتے جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو اس موقع پر موجود تھے، کہتے ہیں کہ میں یہ دیکھ رہا تھا لیکن مجھ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ میں ان کے سامنے کچھ کر سکتا، اسی اثنا میں ایک شخص نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو اطلاع دی جو اس زمانہ میں بچی تھیں وہ آئیں اور اس نجاست کو ہٹایا تو آپؐ نے سر اٹھایا، یہ پہلا موقع ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم رؤسائے قریش کے ایمان سے قطعاً مایوس ہوتے ہیں اور یہ اس لئے نہیں کہ آپؐ کے جسم مبارک کو تکلیف پہنچی بلکہ اس لئے کہ وہ نماز (یعنی مشاہدۂ جمال الٰہی) میں جو اس دنیا میں آپؐ کی محبوب ترین چیز تھی خلل انداز ہوئے۔

اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى. عَبْدًا اِذَا صَلّٰى.

(علق)

کیا تو نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندۂ الٰہی کو نماز سے روکتا ہے۔

یہ رؤسائے قریش کی مہلت کا اخیر لمحہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز میں بددعا کی اور اس آخری معجزۂ ہلاک کی درخواست کی، مگر پھر بھی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت دیکھیے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کی طرح پوری قوم کی تباہی و بربادی کی دعا نہیں کی بلکہ صرف قریش کے رئیسوں کے حق میں بددعا کی اور ان میں سے بھی صرف سات رئیسوں کے نام لے اور فرمایا خداوندا! قریش کے سرداروں کو لے، خداوندا! ابوجہل عتبہ، شیبہ، عقبہ بن معیط، امیہ بن خلف، ولید بن عتبہ اور ابی بن خلف کو پکڑ۔ یہ بددعا سن کر سب کے ہوش اڑ گئے[۱]

اب سنت الٰہی کے مطابق معراج کے ساتھ ہجرت کی دعا آپؐ کو بتائی گئی۔

رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا (بنی اسرائیل - ۹)

خداوندا! مجھ کو خوبی سے کہیں پہنچا اور خوبی سے نکال اور اپنے پاس سے مجھے ایک مدد کرنے والی طاقت عطا کر۔

یہ دعا مقبول ہوئی اور بشارت آئی۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل - ۹)

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کو ہے۔

انبیاء کی سنت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کے ساتھ ہجرت فرمائی اور جس

[۱] بخاری اور مسلم باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین۔ [۲] ترمذی تفسیر آیت مذکور (بنی اسرائیل) اور مستدرک حاکم (باب الہجرۃ) میں تصریح ہے کہ یہ دعائے ہجرت ہے۔

دن کا انتظار تھا وہ آگیا۔ قرآن نے کہا کہ رؤسائے قریش پر آیت عذاب کے نازل ہونے کے لئے ہجرت کا انتظار تھا وہ ہو چکی اور اب کوئی مزید انتظار نہیں۔

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَآ اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۔ وَاِذْ قَالُوا اللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۝ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ۝ وَمَا لَھُمْ اَلَّا یُعَذِّبَھُمُ اللّٰہُ وَھُمْ یَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا کَانُوْٓا اَوْلِیَآءَہٗ اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔

(انفال - ۴)

اور جب (اے پیغمبر!) منکرین داؤ کر رہے تھے کہ تیری جان لینے کا کہ وہ تجھ کو قید کر دیں یا مار ڈالیں یا جلا وطن کر دیں وہ داؤ کرتے ہیں اور خدا بھی داؤ کرتا ہے اور خدا داؤ کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے اور جب ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کو، تو کہتے ہیں ہاں ہم نے سنا، اگر چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ سکتے ہیں یہ تو صرف اگلوں کی کہانیاں ہیں اور جب وہ کہتے ہیں کہ اے خدا! اگر یہ قرآن حق ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش کر، یا کوئی اور بڑا عذاب ہم پر لا، اور خدا ان پر ہجرت سے پہلے کیونکر عذاب کرتا جب کہ تو ان میں تھا اور خدا ان پر عذاب کرنے والا نہیں ہے درآں حالیکہ وہ مغفرت چاہتے ہوں، اور خدا ان پر عذاب کیوں نازل نہ کرے گا، جب وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اس کی تولیت کے مستحق نہیں اس کے مستحق صرف پرہیزگار ہیں۔

غزوۂ بدر معجزۂ ہلاک تھا جس طرح دوسری قوموں کے لئے مختلف معجزات عذاب آئے، اسی طرح جس قوم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے اس کے لئے غزوۂ بدر معجزۂ عذاب تھا، ہجرت سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے پہلے قریش پر قحط کا عذاب آیا جو اس قدر سخت تھا کہ بھوک سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا تھا، آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو دھواں سا نظر آتا تھا بعض رؤسائے قریش نے خدمت نبوی میں آکر کہا کہ محمدؐ! تم رحمت و شفقت اور صلۂ رحم کی دعوت دیتے ہو، تم دیکھتے ہو کہ اس قحط سے قریش کا کیا حال ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور یہ بلا دور ہوئی، مگر پھر قریش کی سرگرانی کا وہی عالم ہو گیا تو ان کے لئے معجزۂ عذاب کے سوا کوئی اور طریقۂ علاج باقی نہ رہا، چنانچہ ہجرت کے بعد بدر کا بطشۂ کبریٰ (بڑی پکڑ) ان کے لئے ہلاکت کی نشانی قرار پائی، قرآن مجید نے ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں اپنا یہ اعلان عام سنا دیا جس میں پہلے اس قحط کی، پھر ان کے گڑگڑانے کی اور اس کے بعد غزوۂ بدر کی پیشین گوئی تھی۔

فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ۝ یَّغْشَی النَّاسَ ھٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝ رَبَّنَا اکْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ۝ اَنّٰی لَھُمُ الذِّکْرٰی وَقَدْ جَآءَھُمْ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ۝

اس دن کی راہ دیکھ جب آسمان صاف دھواں کر لاوے جو لوگوں کو گھیر لے اس وقت کہا جائے گا یہ ہے دکھ کی مار، تب گڑگڑائیں گے کہ خداوندا ہم سے یہ عذاب دور کر دے ہم ایمان لاتے ہیں کہاں ہے ان کے لئے سمجھنا حالانکہ ان کے

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْہُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ۝ اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّکُمْ عَآئِدُوْنَ۝ یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَۃَ الْکُبْرٰی اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَھُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ۔

(دخان - ۱)

پاس کھول کر سنانے والا رسول آچکا تو اس سے پیٹھ پھیری، اور کہا کہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے، اچھا ہم تھوڑے دنوں کے لئے عذاب دور کر دیتے ہیں تم پھر وہی کرنے والے ہو انتظار کرو اس دن کا جب ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے ہم بدلہ لینے والے ہیں اور ان سے پہلے ہم فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں۔

ان آیات کریمہ میں پورے واقعہ کی تصویر کھینچ دی گئی ہے اور آخر میں یہ بھی ظاہر کر دیا گیا ہے کہ بطش اکبر ان رؤسائے قریش کے لئے وہی حیثیت رکھتا ہے جو فرعون کے لئے غرق بحر کی حیثیت تھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا ہے کہ آیتیں قریش کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ قریش نے جب نافرمانی کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے دعا کی کہ اے خدا! ان پر حضرت یوسفؑ کے سات برس والے قحط کی طرح قحط نازل کر، چنانچہ مکہ میں سخت قحط پڑا، یہاں تک کہ بھوک سے آسمان اور قریش کی آنکھوں کے درمیان دھواں سا نظر آتا تھا انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر دعا کی درخواست کی، چنانچہ آپ نے دعا کی اور بارش ہوئی، خدا نے کہا کہ وہ پھر اپنی پہلی حالت پر آجائیں گے یعنی ایمان قبول نہ کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، تب اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بطشۂ الکبریٰ (بڑی پکڑ) کا دن مقرر فرمایا یعنی بدر۔[1]

یاد ہوگا کہ صحن حرم میں رؤسائے قریش جو نماز میں خلل انداز ہوئے تھے، آپ نے ان کا نام لے کر ہر ایک کے حق میں بددعا کی تھی، اس سے پہلے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آئے، ہجرت کے بعد ہی آپ نے ان کی ہلاکت و بربادی کا اعلان کر دیا تھا، بدر سے پہلے حضرت سعد انصاریؓ عمرہ کو گئے تھے، ابوجہل نے ان کو روکا، امیہ نے بیچ میں دخل دینا چاہا، حضرت سعدؓ نے کہا، امیہ تم دخل نہ دو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم ان کے ہاتھوں سے مارے جاؤ گے۔ یہ سن کر امیہ ڈر گیا، چنانچہ جب بدر کا موقع پیش آیا تو اس نے جانے میں پس و پیش کیا، لوگوں کے طعن سے اس نے جانا چاہا تو اس کی بیوی نے دامن تھام لیا اور کہا کیا تم کو اپنے یثربی دوست کی بات یاد نہیں۔[2]

جب غزوۂ بدر کے لئے آپ مسلمانوں کو ساتھ لے کر نکلے تو اس وقت جیسا کہ پہلی جلد میں تفصیل گزر چکی ہے مسلمانوں کے سامنے قریش کی دو جمعیتیں تھیں، ایک قریش کا شامی قافلہ جو مدینہ کی راہ سے گزر کر مکہ کو جاتا تھا دوسرا رؤسائے قریش کا جنگی لشکر جو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلا تھا۔ خدا نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ ان دو جمعیتوں میں سے ایک ان کے ہاتھ لگے گی، عام مسلمان یہی سمجھتے تھے کہ تجارتی قافلہ ان کے ہاتھ آئے گا، لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج معمولی فتح و شکست کا نہیں بلکہ اس بطشۃ الکبریٰ کا دن ہے جس کا بارگاہ الٰہی میں مدت سے وعدہ تھا۔ رات کو جب مسلمان بدر کے پڑاؤ پر پہنچے ہیں تو انھیں یہ فکر ہوئی ہے کہ قریش کے تجارتی قافلہ کا پتہ لگایا جائے چنانچہ مسلمان مخبر ادھر ادھر اٹھ گئے اور ایک چرواہے کو پکڑ لائے اور اس سے قریش کے قافلہ کا حال پوچھنے لگے۔ اس نے جواب دیا کہ قریش کے قافلہ کا تو مجھے علم

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان [2] صحیح بخاری کتاب المغازی

نہیں، البتہ ان کا لشکر ادھر پڑا ہے، یہ سن کر مسلمانوں نے اس کو مارا کہ یہ ہم سے صحیح حال چھپاتا ہے، مار کھانے پر اس نے کہا، اچھا شہر و قافلہ کا حال بتاتا ہوں، جب لوگ اس کو چھوڑ دیتے تو وہ پھر یہی کہتا کہ مجھ کو قافلہ کی خبر نہیں، البتہ یہ جانتا ہوں کہ ادھر قریش کا لشکر سامنے پڑا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مصروف تھے، اس سے فراغت ہوئی تو فرمایا، جب وہ جھوٹ کہتا ہے تو تم چھوڑ دیتے ہو اور جب وہ سچ کہتا ہے تو تم مارتے ہو اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ قریش کی تباہی کا دن ہے، یہ ابوجہل کا مقتل ہے، یہ عتبہ کا ہے، یہ اُبی کا ہے وغیرہ، راوی کہتا ہے کہ آپ نے جس کا مقتل جہاں متعین فرمایا تھا، ایک سرمو وہاں سے اس نے تجاوز نہیں کیا، جنگ میں وہ وہیں مرا پڑا ملا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو صحن حرم کی بددعا کے دن موجود تھا وہ کہتے ہیں کہ عرب کے ساتوں رئیس جن کے حق میں آپ نے بددعا کی تھی کل کے کل بدر کے میدان میں ڈھیر ہو گئے،[1] اور "بطشۃ الکبریٰ" کے انتقام کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

سورۂ انفال جس میں بدر کے تمام واقعات کا ذکر ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہی وہ فیصلہ کا دن تھا جس کا مدت سے انتظار تھا،

وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ (انفال)

اور خدا یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے مستحکم کر دے اور کافروں کا پیچھا کاٹ دے تاکہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھائے اگرچہ گنہگار اس کو پسند نہ کریں۔

وسط سورہ میں فرمایا۔

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ (انفال-۶)

یہ ویسا ہی ہوا جیسا فرعون والوں کا اور ان سے پہلے کا کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب سے ان کو ہلاک کر دیا۔

یہ فیصلہ کا دن تھا۔

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ (انفال-۵)

اور جو ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن اتارا جس دن دونوں لشکر آمنے سامنے بھڑے۔

اور یہ سب اسی لئے ہوا کہ،

لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا (انفال-۵)

تاکہ خدا اس کام کو پورا کر دے جو پہلے مقرر کیا جا چکا تھا۔

نکتہ:- بدر کے میدان میں جب تین سو بے سر و سامان مسلمان ایک ہزار لوہے میں غرق فوج سے مقابل تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی قسم کی بددعا مانگی، جیسی حضرت نوحؑ نے طوفان سے اور حضرت موسیٰؑ نے غرق سے پہلے اپنی اپنی قوم کے لئے مانگی تھی، حضرت نوحؑ نے کہا "خداوندا! اب زمین پر کوئی کافر بسنے والا نہ چھوڑ کہ جب تک وہ زندہ رہیں گے تیرے نام کی تقدیس نہ ہوگی اور نہ ان کی نسل سے کوئی تیرا نام لینے والا پیدا ہوگا۔

[1] یہ دونوں واقعے صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔

حضرت موسیٰؑ نے کہا "خداوندا! ان کے دل سخت کر دے کہ جب تک عذاب نہ دیکھ لیں گے ایمان نہ لائیں گے" لیکن اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو فقرہ نکلا وہ یہ تھا کہ "خداوندا! اپنا وعدہ پورا کر اگر یہ مٹھی بھر مسلمان تباہ ہو گئے تو پھر کوئی تیرا نام لینے والا نہ رہے گا"

حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ نے براہ راست اپنی قوم کی تباہی کی دعا مانگی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اب بھی دعا مانگی تو صرف اہل توحید کی فتح و نصرت کی، دشمنوں کی تباہی و بربادی کی نہیں،

حاکم نے مستدرک (جلد ۳ صفحہ ۲۱) میں بروایت صحیح نقل کیا ہے کہ بدر کے قیدی جب گرفتار ہو کر آئے اور آپ نے ان کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا اور مختلف صاحبوں نے مختلف رائیں پیش کیں تو آپ نے فرمایا، یہ کفار قریش اپنے ان ہی بھائیوں کی طرح ہیں جو ان سے پہلے تھے (یعنی گزشتہ انبیاء کی امتوں میں)، نوحؑ نے دعا کی کہ "خداوندا! زمین پر ان کافروں میں سے کوئی آباد گھرانا باقی نہ رکھ" موسیٰ نے کہا "ہمارے پروردگار! ان کی دولت کو مٹا دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے" ابراہیم نے فرمایا "جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو خدا غفور رحیم ہے" عیسیٰؑ نے کہا "الٰہی اگر تو ان (نافرمانوں) پر عذاب بھیجے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو تو غالب اور دانا ہے" اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم لوگ وہ قوم ہو جس میں فریب اور دغا سے قتل کر دینے کا رواج ہے تو تم میں سے کوئی زر فدیہ یا اپنا سر دیئے بغیر لوٹ کر نہ جا سکے گا۔

اس روایت سے ہمارے اصول مذکور کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے یعنی یہ کہ،

(۱) بدر قریش کے لئے ایسا ہی عذاب ہلاکت کا دن تھا جیسا گزشتہ قوموں پر ہلاکت کے دن آیا کئے ہیں،

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر دو قسم کے انبیاء کے نام اور ان کی دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے، ایک وہ جنہوں نے سخت گیری کا پہلو اختیار کیا، مثلاً حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ نے، دوسرے وہ جنہوں نے نرمی کا اظہار کیا، مثلاً حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں سے بیچ کی راہ اختیار کی۔

سحر اور معجزہ کا فرق اور ساحر اور پیغمبر میں امتیاز

گزشتہ صفحات میں انبیاء کے جو خصائص و امتیازات اور علامات و آثار بتائے گئے ہیں ان سے خود سحر و معجزہ کا فرق اور ساحر و پیغمبر کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے، سحر و شعبدہ صرف دل لگی کے آنی تماشے ہوتے ہیں، لیکن معجزات و آیات قوموں اور جماعتوں کے صلاح و فساد، تعمیر اور تخریب، ترقی اور تنزل کے اسباب و سامان ہوتے ہیں، ساحر کا مقصد کسی غیر معمولی واقعہ کا صرف حیرت انگیز طریقہ سے اظہار ہوتا ہے تاکہ وہ دیکھنے والوں کو تھوڑی دیر کے لئے متحیر کر دے لیکن پیغمبر کا مقصد اپنے ان حیرت انگیز اعمال سے دنیا کی اصلاح، قوموں کی دعوت، جماعتوں کی تہذیب اور دین الٰہی کی تقویت کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا، پیغمبر، بشیر، نذیر، مزکی، ہادی، سراج منیر اور شاہد عالم ہوتا ہے، ساحر ان تمام اوصاف سے خالی ہوتا ہے اور حیرت انگیز تماشا گری کے سوا کوئی اور ممتاز بات اس کے اندر نہیں ہوتی۔

قرآن مجید میں سحر کے متعلق جس قدر بیانات ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سحر کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا،

اور تخیل اور نظر بندی سے زیادہ اس کو وقعت نہیں دیتا، ہاروت و ماروت کے قصہ میں سحر کے زور و قوت کا انتہایہ بیان کیا ہے۔

مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا ھُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ (بقرہ۔۱۲)

سحر کا وہ فن سیکھتے ہیں جس سے خاوند اور اس کی بیوی میں تفریق کر دیتے ہیں اور یہ کسی کو حکم الٰہی کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتے اور یہ وہ چیز سیکھتے ہیں جو انکو نقصان پہنچاتی ہے اور نفع نہیں پہنچاتی۔

غرض سحر و جادو کوئی موثر حقیقی شے نہیں، سورۂ طٰہٰ میں نہایت تصریح کے ساتھ یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ خیال سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں۔

حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (طٰہٰ۔۳)

پھر ناگاہ مصر کے جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں انکے جادو کے اثر سے موسیٰ کے خیال میں معلوم ہونے لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔

حکم ہوا کہ موسیٰ تم بھی اپنا عصائے اعجاز ڈال دو، نتیجہ یہ ہوا کہ حق نے باطل پر فتح پائی۔

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى (طٰہٰ۔۳)

ہم نے کہا موسیٰ ڈرو نہیں تم ہی سربلند رہو گے تمہارے داہنے ہاتھ میں جو ہے تم اس کو ڈال دو، وہ ان کی صنعت کاری کو نگل جائے گا بیشک جادوگروں نے جو صنعت کی تھی وہ جادو کا فریب تھا اور جادوگر جدھر سے بھی آئے وہ فلاح نہیں پاسکتا۔

ساحر اور نبی میں اللہ تعالیٰ نے جو فرق و امتیاز بتایا وہ یہی ہے کہ نبی فلاح پاتا ہے اور جادوگر فلاح نہیں پاتا نبی کے تمام اعمال، مساعی، جدوجہد اور معجزات کا مرکز و محور فلاح اور خیر ہوتا ہے اور جادوگر کا مقصد صرف فریب دھوکا اور شر ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ایک اور آیت میں اسی مفہوم کو دہرایا گیا ہے، حضرت موسیٰ مصر کے جادوگروں سے کہتے ہیں۔

مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ (یونس۔۸)

جو تم لاتے ہو وہ جادو ہے اللہ اس کو باطل کر دے گا بے شک اللہ شریروں کے کام کو نہیں سنوارتا۔

یعنی سحر و جادو کا ایک آنی تماشا ہوتا ہے اور اعجاز کا اثر دائمی ہوتا ہے اور اس کے نتائج دنیا میں نہایت عظیم الشان ہوتے ہیں، فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے اعجاز کو دیکھ کر کہا کہ "یہ سب جادو کے کرشمے ہیں" حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا۔

اَسِحْرٌ ھٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ (یونس۔۸)

کیا یہ جادو ہے اور جادو کرنے والے تو فلاح نہیں پاتے۔

غرض "فلاح" اور "عدم فلاح" سحر اور اعجاز کے درمیان سب سے بڑا فرق ہے۔

کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہتے تھے کہ یہ شیطان کی قوت سے یہ کلام پیش کرتے ہیں اور ان کے کلام کا سرچشمہ شیطان کی تعلیم ہے، خدا نے اس کے جواب میں کہا کہ اس حقیقت کا امتیاز کہ اس کا منبع اور سرچشمہ خیر ہے یا شر اور یہ شیطان کی قوت کا نتیجہ ہے یا ملکوتی طاقت اس کا مظہر ہے نہایت آسان ہے اور خود مدعی کی زندگی

اور اس کے اخلاق و اعمال اس کے شاہد عدل ہیں، حضرت عیسیٰ کے قول کے مطابق کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے ان دونوں قوتوں کے درمیان تفریق کچھ زیادہ مشکل نہیں، خدا نے کہا ہم بتائیں شیطان کس پر اترتے ہیں۔

عَلٰي كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُھُمْ كٰذِبُوْنَ (شعراء۔۱۱)

شیطان اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر لا ڈالتے ہیں وہ سنی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں۔

یعنی نبی اور متنبی کا فرق خود اس کی اخلاقی زندگی ہے۔ علاوہ ازیں افترا پرداز اور شریر کے کام کو مستقل اور دائمی زندگی عطا نہیں ہوتی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (نحل۔۱۵)

جو لوگ کہ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے چند روزہ کامیابی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

معجزات اور نشانات سے کن لوگوں کو ہدایت ملتی ہے

معجزات، دلائل، آیات اور آثار سے ہدایت کن لوگوں کو عطا ہوتی ہے؟ قرآن مجید نے ان کے اوصاف و شرائط بیان کئے ہیں۔

(۱) سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اس کو خدا پر ایمان ہو، اگر اس کو سرے سے خدا پر ایمان نہیں تو اس کو معجزہ سے ہدایت نہیں مل سکتی، اس کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ پہلے کائنات کے اسرار و عجائب کو دیکھ کر ایک قادر مطلق ہستی کے وجود پر یقین کر لے، اس کے بعد معجزات اور نشانیوں کے ذریعہ سے اس کو نبوت کے باب میں ہدایت نصیب ہو گی،

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (یونس۔۱۰)

کہہ اے پیغمبر! کہ غور سے دیکھو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کے جو ایمان نہیں رکھتے۔

(۲) دوسری چیز جو آیات اور نشانیوں سے عبرت پذیر نہیں ہونے دیتی وہ خودی اور تکبر ہے، معاندین چونکہ عموماً دولت مند رؤسا اور مدعیان عقل و خرد ہوتے ہیں اس لئے ان کا جذبۂ انانیت اور ترفع ان کو داعیان حق کے علم کے نیچے کھڑے ہونے سے باز رکھتا ہے، اس بنا پر آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس جذبہ سے پاک ہوں، معاندین نے ہمیشہ انبیاء کو کہا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ یہ پیغمبر تو ہماری طرح ایک آدمی ہے، کیا ہم اس کی پیروی قبول کر لیں، مصر کے بادشاہ اور سرداروں نے اسی جذبہ کی بنا پر حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا اور ان کو گوناگوں معجزات دیکھنے کے بعد بھی ہدایت نہیں ملی،

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ڏ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو نشانیاں اور کھلی قوت دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے غرور کیا اور وہ مغرور لوگ تھے تو انہوں نے

مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ۔ (مومنون-۳)

کہا کیا ہم اپنی ہی طرح کے آدمیوں پر ایمان لائیں درانحالیکہ ان کی قوم ہماری رعایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے منکروں اور خود پسندوں کی نسبت اپنا یہ فیصلہ سنا دیا

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِیَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا۔ (اعراف-۱۷)

ہم ان لوگوں کو اپنی نشانیوں کے سمجھنے سے پھیر دیں گے جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ تمام نشانیوں کو دیکھ بھی لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے۔

قریش کے معاندین جو اپنی قوم کے رؤسا، اکابر اور اہلِ دولت تھے وہ بھی ان نشانیوں سے اسی لئے ہدایت نہ پاسکے کہ ان کو ایک غریب و مفلس اور بے یار و مددگار انسان کی پیروی گوارا نہ تھی۔ وہ کہتے تھے کہ اگر نبوت ہوتی بھی تو مکہ کے طائف کے کسی بڑے آدمی کو ملتی۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (زخرف-۳)

اور انہوں نے کہا یہ قرآن طائف اور مکہ کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترا۔

سب سے آخری چیز جو ان آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کی صلاحیت اور استعداد پیدا کرتی ہے وہ دل کا قبولِ حق کی طرف میلان ہے۔ بڑے سے بڑے خوارق اور عجیب سے عجیب معجزات ان لوگوں کے نزدیک سحر و جادو سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے جن کے دل انابت اور رجوع الی الحق کی استعداد سے خالی ہیں۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ (رعد-۴)

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری، کہہ دے کہ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور اسی کو اپنی طرف راہ دکھاتا ہے جو خدا کی طرف اپنے کو رجوع کرتا ہے۔

اگر قبولیت اور اصلاح کی یہ استعداد نہ ہو تو بڑے سے بڑا معجزہ بھی باطل پرستی سے زیادہ نہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر گمراہی کے شقاوت کی مہر لگی ہوتی ہے۔ مشرک جو کسی مذہب حق کو نہیں مانتے اور علم سے بے بہرہ ہیں ان کا یہی حال ہے۔

وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ۔ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (روم-۶)

اور (اے پیغمبر!) اگر تو ان کے پاس کوئی نشانی لائے تو وہ جو منکر ہیں کہیں گے کہ تم فریبی ہو، اس طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے جو علم نہیں رکھتے۔

اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے طلب ثبوت میں یہ کہتے ہیں کہ اس وقت تک ہم ان کو پیغمبر حق تسلیم نہ کریں گے جب تک اسی قسم کے معجزے وہ نہ دکھائیں جیسے ان پیغمبروں نے لوگوں کو دکھائے تھے۔ قرآن کہتا ہے کہ فرض کرو کہ صرف ان ہی جیسے معجزوں سے پیغمبری کی سچائی تسلیم کی جا سکتی ہے تو ان پیغمبروں نے تو وہی معجزے دکھلائے تھے، پھر ان کو دیکھ کر ان کے زمانہ کے کل منکرین کیوں ایمان نہ لے آئے اور آخر تک وہ ان کو جادوگر ہی کیوں سمجھتے رہے۔

فَلَمَّا جَاۗءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰي اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰي مِنْ قَبْلُ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ (قصص-۵)

تو جب ہماری طرف سے سچائی ان کے پاس آئی تو انہوں نے کہا کیوں نہیں (محمد کو) ویسی ہی چیز دی گئی جیسی موسیٰ کو دی گئی تھی کیا موسیٰ کو جو چیز دی گئی تھی اس کا انکار منکرین پہلے نہیں کر چکے انہوں نے کہا کہ یہ جادوگر ہیں جو باہم ایک دوسرے کے مددگار ہیں ہم ان سب کے ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

صداقت کی نشانی صرف ہدایت ہے

قرآن مجید نے اس کے بعد ہی کہا کہ صداقت کی نشانی صرف ہدایت اور رہنمائی ہے کہ مدعی جو پیغام اور جو احکام پیش کرتا ہے وہ انسانوں کو فلاح نجات اور رشد کی طرف لے جاتے ہیں اور جو ان سے انکار کرتے ہیں وہ ظالم اور خودسر ہیں، ان کو ہدایت کی سعادت نہیں ملتی۔

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَاۗءَهُمْ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (قصص-۵)

کہہ دے (اے پیغمبر!) کہ اگر توراۃ اور قرآن دونوں کتابیں جھوٹی ہیں اور تم سچے ہو تو ہدایت میں ان سے بڑھ کر کوئی کتاب الٰہی لاؤ تو میں اس کی پیروی کروں، تو اگر وہ تمہارے اعلان کے مطابق نہ کر دکھائیں تو جان لے کہ یہ صرف اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو ہدایت الٰہی کو چھوڑ کر اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتا ہے اللہ خودسر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

★

آیات و دلائل نبویؐ کی تفصیل

"معجزہ" کے ہر پہلو پر کلی حیثیت سے بحث کرنے کے بعد اب موقع آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مافوق فہم بشری سوانح و واقعات کی تفصیل کی جائے، یہ سوانح و واقعات دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو حقیقت میں لوازم نبوت ہیں اور کم و بیش ہر پیغمبر کو وہ ایک ہی طرح پیش آئے ہیں، ہم نے ان کا نام خصائص النبوۃ رکھا ہے، دوسری قسم میں وہ جزئی واقعات داخل ہیں جو ہر پیغمبر سے اس کے حالاتِ زمانہ کے مطابق مختلف صورتوں میں صادر ہوئے ہیں اور جن کو اصطلاحِ عام میں معجزات کہتے ہیں۔

ہم نے ان معجزات کو ان کے استناد اور ماخذ کی حیثیت سے تین مختلف ابواب میں منقسم کر دیا ہے، پہلے میں وہ معجزانہ واقعات ہیں جو بنص صریح یا باشارۂ قرآن مجید میں مذکور ہیں، دوسرا باب ان معجزات کا قرار دیا ہے جو صحیح اور مستند روایات سے ثابت ہیں، اور تیسرے باب میں ان معجزات پر بحث کی ہے جن کو گو بعض محدثین اور ارباب سیر نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، مگر محدثانہ اصول کی بنا پر وہ تمام تر کمزور اور غیر مستند ہیں، اس کے بعد کتب سابقہ کی وہ پیشین گوئیاں درج ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے متعلق ان کتابوں میں پائی جاتی ہیں، اور سب سے آخر میں خصائص محمدی کا باب ہے، اس تفصیل کے مطابق آئندہ اوراق کی ترتیب حسب ذیل صورت ہوگی۔

(۱) خصائص النبوۃ۔
(۲) وہ آیات و دلائل جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔
(۳) صحیح اور مستند روایتوں سے جو آیات و دلائل ثابت ہیں۔
(۴) غیر مستند روایتیں اور ان پر تنقید۔
(۵) کتب سابقہ کی بشارتیں۔
(۶) خصائص محمدیؐ۔

*

خصائص النبوۃ

دنیا میں ہر جنس اور ہر نوع کی کچھ نہ کچھ خصوصیات ہوتی ہیں جن سے وہ اپنے غیر سے ممتاز ہوتی ہے۔ وہ خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جن سے اس جنس اور نوع کی کوئی فرد خالی نہیں ہوتی، اسی طرح نبوت کی بھی کچھ نہ کچھ خصوصیتیں ہیں جو اس کے لئے بمنزلہ لوازم حقیقت کے ہیں، چنانچہ دنیا میں جس قدر پیغمبر کسی نہ کسی قوم اور کسی نہ کسی زمانہ میں آئے ہیں وہ ان خصوصیات سے ہمیشہ ممتاز ہوتے رہے ہیں، مثلاً یہ کہ خدا نے کسی نہ کسی طرح ان کو اپنے کلام و ارشاد سے مفتخر اور اپنے احکام سے مطلع فرمایا ہے، ان کے ادراک و احساس کی قوتوں کو اس قدر بلند کیا کہ عام انسانوں کو جو چیزیں نظر نہیں آتیں ان کو نظر آتی ہیں، عامۂ بشر جن آوازوں کو نہیں سن سکتے وہ ان کو سنائی دی ہیں، ملائکہ الٰہی خدا کے قاصد بن کر ان کے پاس آتے ہیں، صداقت کے لحاظ سے ان کے خواب اور بیداری کا ایک ہی عالم رہا ہے، کیونکہ گو ان کی آنکھیں سوتی ہیں[1] لیکن ان کے دل نہیں سوتے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے کوئی نہ کوئی نشانی بھی عطا فرمائی ہے[2]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ افضل الرسل، خاتم النبیین تھے، اس لئے ان خصوصیات میں سے ہر خصوصیت کا وافر حصہ آپ کو عنایت ہوا تھا، اسی لئے مکالمۂ الٰہی، نزول ملائکہ، مشاہدۂ خواب و بیداری وغیرہ خصائص نبوت کے واقعات آپ کی سیرت میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں سے بیشتر اور کامل تر نظر آتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں ان کے اشارات اور احادیث صحیحہ میں ان کی تفصیلات مذکور ہیں، مختلف انبیاء میں ان خصائص کا کم و بیش ہونا بھی قرآن مجید کا فیصلہ ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَّاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بقرہ-۳۳)

ان پیغمبروں میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت بخشی ہے ان میں سے بعض سے خدا نے باتیں کیں بعضوں کے رتبے بلند کئے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے کھلی نشانیاں دیں اور روح القدس کے ذریعہ سے اس کی تائید کی۔

دیکھئے کہ مکالمۂ الٰہی، رفع درجات، اعطائے نشان، تائید بروح القدس، یہ چاروں باتیں ایسی ہیں جن سے خدا کا کوئی فرستادہ محروم نہ تھا، تاہم چونکہ ان میں سے ہر چیز تمام پیغمبروں میں یکساں نہ تھی بلکہ بعض کو ان میں سے کسی چیز کا حصہ وافر دیا گیا تھا اور بعض کو کوئی دوسری چیز زیادہ ملی تھی، اس لئے ہر پیغمبر کی طرف اس خاص چیز کی نسبت مخصوص طور سے کی گئی ہے، جس کا ان کی قسمت میں بڑا حصہ آیا تھا[3]، اس سے یہ مقصود نہیں کہ نبوت کے ان خصائص سے کوئی پیغمبر محروم بھی تھا۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کتاب التوحید باب وکلم اللہ موسیٰ تکلیما۔

[2] صحیح بخاری باب الاعتصام۔ [3] کا قبیل حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری، آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔

ان خصائص میں سے اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ زور وحی اور نزولِ ملائکہ پر دیا ہے، ہر جگہ رسول اور نبی کی گویا تعریف ہی یہی کی ہے کہ ایک انسان جس کو خدا نے اپنی پیغمبری کے لئے منتخب کیا ہو، اور اس پر اپنی وحی نازل کی ہو۔

چنانچہ سورۂ نحل اور سورۂ انبیاء میں تمام پیغمبروں کا مشترک وصف یہ بتایا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (یوسف-۱۲) — اور ہم نے اپنا قاصد بنا کر تم سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا لیکن وہ انسان تھے جن کی طرف ہم نے اپنی وحی بھیجی۔

نزولِ ملائکہ کی نسبت بھی خدا نے یہ فرمایا کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو اس لئے اتارتا ہے کہ وہ اس کی بات کو ان تک پہنچا دیں۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ (نحل ۱) — خدا اپنی بات کی روح دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو نازل کرتا ہے۔

ان کے علاوہ رویت و مشاہدۂ غیب اور سیرِ ملکوت کے احوال و مشاہد کا بھی اکثر انبیاء علیہم السلام کے سوانح زندگی میں ان کے درجوں اور رتبوں کے مطابق پیش آنا، اسفار و کتب الٰہی سے ثابت ہے جیسا کہ آئندہ اوراق کے مطالعہ سے ناظرین پر روشن ہوگا۔

*

مکالمہ الٰہی

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ (شوریٰ)

پیغمبروں کی خصوصیات میں سے سب سے بڑی خصوصیت مکالمۂ الٰہی ہے۔ قرآن مجید میں بار بار پیغمبروں کے ساتھ مخاطبۂ ربانی اور مکالمۂ الٰہی کی تصریح ہے اور مجموعۂ توراۃ میں ہر پیغمبر کے متعلق اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ خدا انبیاء سے کلام کیونکر کرتا ہے؟ قرآن مجید میں ایک آیت میں اس کی حسب ذیل تصریح ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (شوریٰ-۵) — اور کسی بشر کی یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے دو بدو کلام کرے لیکن وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کی آڑ سے یا یہ کہ وہ کسی قاصد کو بھیجے تو اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے۔

اس آیت میں مکالمۂ الٰہی کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں، کلام بالوحی، کلام پس پردہ اور کلام بذریعہ قاصد و فرشتہ ان ہر سہ اقسام میں سے ہر پیغمبر کو کسی نہ کسی طریقہ کلام سے مشرف کیا گیا ہے۔ بعض پیغمبروں کو خصوصیت کے ساتھ کلام پس پردہ کے شرف سے ممتاز کیا گیا ہے، اسی لئے ان کے فضائل میں تکلم الٰہی کی فضیلت کو مستقل حیثیت دی گئی ہے، مثلاً حضرت موسیٰؑ کہ ان کی شان میں

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (نساء) — خدا نے موسیٰ سے باتیں کیں۔

کی تصریح ہے۔ ان کو وادیٔ سینا کے ایک درخت سے خدا کی آواز سنائی دی، سورۂ بقرہ میں اس خاص طریقۂ کلام کے دائرہ کو اور بھی وسعت دی گئی ہے، چنانچہ پیغمبروں کے وصف میں خدا نے فرمایا۔

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ (بقرہ) — ان پیغمبروں میں سے بعض سے خدا نے باتیں کیں۔

اس آیت کریمہ میں یہ تصریح نہیں کہ کن پیغمبروں کو خدا تعالیٰ نے اس مخصوص طریقۂ کلام سے مشرف کیا، اس لئے اس شرفِ خاص میں حضرت موسیٰؑ کے ساتھ دوسرے انبیاء بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکالمۂ الٰہی کے تینوں مذکورہ طریقوں سے خدا کی ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا ہے، بلکہ واقعۂ معراج میں وہ مرتبہ بھی پیش آیا ہے جہاں حبیب و محبوب کے درمیان قاصد و پیامبر سرے سے بیگانہ تھے، جہاں زمان و مکان اور جلوہ و نگاہ کی شرکت بھی مخلِ تنہائی تھی، جہاں نہ کوہِ سینا تھا نہ برقِ طور دشتِ ایمن تھا نہ نخلِ وادی، صوتِ سرمدی سامعہ نواز تھی اور حقیقتِ محمدی گوشِ سامع فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى (نجم) پھر اس نے اپنے بندہ سے چپ چاپ باتیں کیں، جو باتیں کیں۔

*

وحی

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (نجم)

گو مکالمۂ الٰہی کی متعدد صورتیں ہیں جن میں سے ایک وحی بھی ہے، لیکن اسلام کے محاورہ میں وحی کا مفہوم اس قدر وسیع کر دیا گیا ہے کہ مکالمۂ الٰہی کی تمام صورتیں اس کے تحت میں داخل ہو گئی ہیں، وحی کے معنی لغت میں حسب ذیل ہیں۔

الوحی: الاشارة والکتابة والرسالة والالهام والکلام الخفی وکل ما القیته الی غیرک (لسان العرب)

وحی کے معنی اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا، دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا اور جو کچھ تم دوسرے کے خیال میں ڈالو۔

لکھنا۔ عجاج کا شعر ہے۔

حتی نحاهم جدنا والناحی
لقدر کان وحاه الواحی

خط اور کتاب۔ لبید کہتے ہیں۔

فمدافع الریان عری رسمها خلقا کما ضمن الوحی سلامها

"توریان پہاڑ کے نالوں کے آثار پرانے ہو کر ایسے دھندلے ہو گئے جیسے پتھر میں لکھی ہوئی عبارت۔"

حکم دینا، عجاج کہتا ہے۔

وحی لها القرار فاستقرت وشدها بالراسیات الثبت

زمین کو ٹھہرنے کا حکم دیا تو وہ ٹھہر گئی اور اسے جمے ہوئے پہاڑوں سے جکڑ دیا

چھپا کر بات کرنا، ابوذؤیب کا شعر ہے۔

فقال لها وقد اوحت الیه الا لله امک ما تعیف

اس مرد نے کہا جب عورت نے اس سے پوشیدہ طریقہ پر گفتگو کی کہ تیری ماں کا کیا کہنا کہ وہ کیا خیال برتی ہے۔

اشارہ کرنا۔ یوحی الیها بانقاض ونقنقة

وہ مرغ اس مرغی کی طرف کڑکڑا کے اشارہ کرتا ہے

آواز، ابوزبید مرتجز الجوف بوحی اعجم

گھوڑے کے پیٹ سے نہ سمجھنے والی آواز آتی ہے۔

لیکن اہل لغت کہتے ہیں کہ اس لفظ کے اصلی معنی دوسروں سے چھپا کر کسی سے چپکے چپکے بات کرنے کے ہیں کسائی عرب کا محاورہ بتاتا ہے کہ وحیت الیه بالکلام واوحیت الیه هو ان تکلمه بکلام تخفیه من غیره یعنی کسی سے اس طرح باتیں کرو کہ اس کو دوسروں سے چھپاؤ، ابو اسحاق لغوی کہتا ہے۔ واصل الوحی

فی اللغة کلها اعلام فی خفاء وحی کا اصل مفہوم اس کے تمام معنوں پر چھپا کر اطلاع دینے کے ہیں۔

قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے اصل مفہوم کے اندر تین معنوں میں آیا ہے

(۱) فطری حکم۔

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ (نحل)
تیرے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو وحی کیا۔

بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَهَا (زلزال)
اس لئے کہ تیرے پروردگار نے زمین کو وحی کیا۔

عجاج کے اس شعر میں بھی یہی معنی ہیں۔

وحی لها القرار فاستقرت وشدها بالراسیات الثبت

خدا نے زمین کو ساکن رہنے کی وحی کی تو وہ ساکن ہے اور اس کو مضبوط پہاڑوں سے باندھ دیا ہے۔

(۲) دل میں بات ڈال دینا۔

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیِّیْنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ (مائدہ)
اور جب میں نے حواریوں کو وحی کیا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی اَنْ اَرْضِعِیْهِ (قصص)
اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کیا کہ اس بچہ کو دودھ پلاؤ۔

(۳) چپکے بات کرنا۔

یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ (انعام)
یہ ایک دوسرے کو چکنی چپڑی بات "وحی" کرتے ہیں۔

وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیٰٓئِهِمْ (انعام)
اور یہ شیطان لوگ اپنے دوستوں کو "وحی" کرتے ہیں۔

وحی کے ان متفرق معنوں میں ایک مفہوم مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ منہ سے لفظ نکالے بغیر ایک شخص کا دوسرے شخص کو مفہوم سمجھا دینا، یا اگر الفاظ ہوں تو وہ اس قدر پوشیدہ ہوں کہ دوسرے ان کو نہ سن سکیں، اس لئے اشارہ کرنا، لکھنا، دل میں ڈال دینا، حکم فطری، خط و کتابت اور جانوروں کا اپنے حرکات سے اپنا مطلب ظاہر کرنا، سب اس کے معنوں میں داخل ہیں، بہرحال اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وحی کا لفظ جس مذہبی معنی میں مستعمل ہے وہ درحقیقت لغوی معنی کے بہت قریب ہے، چنانچہ خود شعرائے جاہلیت نے اس کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمۂ الٰہی اور وحی کا آغاز رؤیا اور خواب سے ہوا، صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

اول ما بدئ به رسول الله صلی الله علیه وسلم من الوحی الرؤیا الصالحة فی النوم فکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وحی کا آغاز اچھے خواب سے ہوا، آپ جو خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہوتا تھا۔

صحیح بخاری کے پہلے ہی باب میں حدیث ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ پر وحی کیونکر آتی ہے؟ آپ نے فرمایا۔

احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس

کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح میرے پاس آتی ہے اور مجھ پر...

وھو اشدہ علی فیفصم عنی وقد وعیت عنہ ما قال۔ واحیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول۔

سخت ہوتی ہے اور پھر یہ حالت دور ہو جاتی ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں اس کو محفوظ کر لیتا ہوں اور کبھی وہ فرشتہ جبریل میرے لیے انسان کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور مجھ سے باتیں کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے اس کو میں محفوظ کر لیتا ہوں۔

صلصلة الجرس یعنی گھنٹے کی آواز کی طرح آواز کا ہونا۔ اس کی تشریح متکلمین اور ارباب باطن نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے، لیکن ہم اس کا صاف اور صریح مطلب وہ سمجھتے ہیں جو عوام ہاتف غیب یا منادی غیب کے لفظ سے سمجھتے ہیں، یعنی یہ کہ آواز سنائی دے، لیکن کوئی صورت نظر نہ آتے، بانگ جرس کے ساتھ اس کی تشبیہ محض اس بات میں ہے کہ جس طرح دور سے جرس کی آواز سنائی دیتی ہے اور اس کے متعینہ اشاروں سے انسان کچھ سمجھ جاتا ہے، حالانکہ جرس یا اُس کے بجانے والے کی شکل آنکھوں سے اوجھل یا بہت دور ہوتی ہے اسی طرح پیغمبر کبھی دور سے منادی غیب کی آواز سنتا ہے، لیکن کوئی مجسم شکل اس کے سامنے نہیں ہوتی، اس کے بالمقابل آپ نے وحی کی دوسری صورت یہ بیان فرمائی کہ بولنے والا فرشتہ مجسم ہو کر سامنے آتا ہے اور وہ باتیں کرتا ہے حدیثوں میں طریقۂ وحی کی اور صورت بھی آئی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

ان روح القدس نفث فی روعی۔ روح القدس نے میرے دل میں پھونکا

اور کہیں یہ صیغۂ مجہول کے ساتھ آیا ہے۔

نفث فی روعی۔ میرے دل میں پھونکا گیا۔

حافظ ابن قیم نے ان ہی حدیثوں کو پیشِ نظر رکھ کر وحی کی حسب ذیل قسمیں قرار دی ہیں۔

(۱) رویائے صادقہ۔ سچ خواب دیکھنا۔

(۲) نفث فی الروع یا القا۔ فی القلب۔ دل میں پھونکنا یا دل میں ڈالنا۔

(۳) صلصلۃ الجرس۔ گھنٹے کی طرح آواز آنا۔

(۴) تمثل۔ فرشتہ کا کسی شکل میں متشکل ہو کر نظر آنا۔

(۵) فرشتہ کا اپنی اصلی صورت میں نمودار ہونا۔

(۶) وہ طریق مکالمہ جو معراج میں پیش آیا۔

(۷) بلا واسطہ مکالمہ

صحیح بخاری بدء الوحی میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تیسری صورت مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے، اور پھر وہ شدت جاتی رہتی ہے۔ آپ پر وحی آتی تھی تو آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تھی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وحی اترنے کی حالت میں، میں نے آپ کو دیکھا کہ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تھی تو سخت سردی کے دنوں میں بھی جبینِ مبارک عرق آلود ہو جاتی تھی۔[1] ایک اور موقع پر حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وحی کی حالت میں آپ پر شدت کی

[1] بخاری بدء الوحی۔

جو کیفیت طاری ہوتی تھی وہ ہوتی اور وحی کے بوجھ سے جاڑوں میں آپ کی پیشانی سے موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے ڈھلکنے لگتے۔[1] صحابہ کا بیان ہے کہ اس حالت میں جسم مبارک بہت بھاری ہو جاتا تھا سواری کے اونٹ بیٹھ بیٹھ جاتے تھے۔[2] حضرت زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ پر وحی آئی اور میرا پاؤں زانوئے مبارک کے نیچے دبا تھا، مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا پاؤں بوجھ سے ٹوٹ جائے گا۔[3] یعلیٰؓ بن امیہ ایک صحابی تھے۔ ان کو بڑا شوق تھا کہ ایک دفعہ نزولِ وحی کے عالم میں وہ آپؐ کی زیارت کرتے۔ اتفاق سے حج کے سفر میں ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپؐ کا چہرہ سرخ ہو گیا ہے اور آپ خراٹے لے رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں یہ حالت رفع ہو گئی۔[4] عبادہؓ بن صامت کہتے ہیں کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو بے چینی ہوتی، چہرے کا رنگ بدل جاتا، آپؐ سر جھکا لیتے، صحابہؓ جو آپ کے ساتھ بیٹھے ہوتے وہ بھی سر نیچے کر لیتے، وحی کے بعد آپؐ سر اٹھاتے تھے۔[5]

فرشتہ کی زبانی سب سے پہلی وحی غارِ حرا میں آئی۔ اس وقت عمر شریف چالیس برس کی تھی اور اقرأ باسم ربک الذی خلق۔ کی ابتدائی آیتیں اس مکتب کا اولین درس تھا۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک وحی کا سلسلہ رکا رہا، آپؐ کو سخت صدمہ ہوا، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی (والضحیٰ)

قسم ہے دن کی جبکہ وہ پوری روشنی پر ہو اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ سنسان ہو جائے کہ تیرے پروردگار نے نہ تجھ کو چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے اپنی محبت ہٹائی

لیکن صحیح بخاری تفسیر سورۂ والضحیٰ اور باب کیف نزول الوحی میں ہے کہ اس سورہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ آپؐ بیمار تھے، چند روز راتوں کو اٹھ کر عبادتِ الٰہی میں مصروف نہ ہو سکے تو ایک ہمسایہ عورت نے طعن سے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ دو تین روز سے تیرے پاس نہیں آیا ہے۔[6] اس پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ اسی موقع پر دوسری روایت ہے کہ اس عورت نے کہا میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے رفیق نے تم سے ملنے میں تاخیر کی ہے۔[7] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورہ اس کے بعد کسی اور زمانہ میں نازل ہوا ہے

تاہم محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ فترۃ الوحی یعنی سلسلۂ وحی کے رک جانے (فترۃ) کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں، آپؐ حرا سے واپس آ رہے تھے کہ راہ میں ایک آواز سنائی دی، آپؐ نے اِدھر اُدھر دیکھا کچھ نظر نہ آیا، اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ نظر آیا، آپؐ حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے تو کہا مجھے کمبل اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ اسی حالت میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَ رَبَّكَ اے گلیم پوش! اٹھ اور لوگوں کو خدا سے ڈرا، اپنے رب

[1] بخاری واقعۂ افک [2] مسند ابن حنبل بسند عائشہؓ ومستدرک حاکم تفسیر سورۂ مزمل [3] صحیح بخاری وجامع ترمذی تفسیر سورۂ نساء [4] صحیح بخاری کتاب الحج وباب کیف نزل الوحی [5] صحیح مسلم باب عرق النبی صلی اللہ علیہ وسلم [6] اس کے برخلاف صرف حضرت جابرؓ کی حدیث ہے (بخاری باب بدء الوحی وباب کیف نزول الوحی) کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ سب سے پہلی وحی میں سورۂ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں، مگر اجماع عام یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کا وہم ہے وہ آیتیں فترۃ وحی کے بعد سب سے پہلے اتریں۔

فَكَبِّرْ (سورہ مدثر) | کی کبریائی بیان کر۔

اس کے بعد مسلسل وحی نازل ہونی شروع ہو گئی اور اس کا تار اس وقت تک نہ ٹوٹا جب تک حیات طیبہ کا ظاہری سلسلہ منقطع نہ ہو گیا۔ یعنی چالیس برس کے سن سے لے کر تریسٹھ سال کے سن تک کل ۲۳ برس نزول وحی کے ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر عمر میں وحی کی کثرت ہو گئی تھی۔[۱] محدثین نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تھی، اطراف ملک سے وفود کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا، احکام اور لوگوں کے استفسارات بڑھ گئے تھے اس لئے مخاطبہ الٰہی کی ترقی بھی اس کے ساتھ ضروری تھی۔

صحابۂ کرام وفات نبویؐ کے بعد جب ان ایام سعادت کو یاد کرتے تھے، جب مدینہ کی گلیاں روح الامین کی گزرگاہ اور مدینہ کے در و دیوار وحی کے مطلع انوار تھے تو ان کی آنکھیں اشک آلود ہو جاتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز کے بعد ایک بوڑھی صحابیہ تھیں ان کی ملاقات کو تشریف لے جاتے تھے، آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ ان کے گھر تشریف لے گئے، دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں سبب دریافت کیا تو کہا آہ! کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ یہ سن کر ان صاحبوں کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔[۲]

قرآن مجید نے وحی کی حقیقت کو اس قدر بلند کیا ہے کہ وہ نبوت کی مرادف ہو گئی ہے، دنیا کے دوسرے مذاہب میں نبوت کی حقیقت یا تو سراسر مفقود ہے اور یا یہ کہ اس کو انسانیت و بشریت کے پرتو سے اس قدر منزہ سمجھا ہے کہ اس کو الوہیت کا ہم رتبہ قرار دے دیا ہے۔ لیکن قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی دفعہ اس اعلان کی تاکید کی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (حم فصلت) | کہہ دو کہ میں تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہوں (فرق یہ ہے) کہ میرے پاس وحی بھیجی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ خدا کی طرف سے لوگوں کو سناتے تھے، وہ چیز آپؐ کے نفس و ارادہ سے نہیں اٹھتی تھی بلکہ خدا کی طرف سے ان کے اندر آتی تھی۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (نجم) | وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ وحی ہے جو اس کو بھیجی جاتی ہے۔

البتہ اس کا مورد اور مہبط آپ کا پاک اور منزہ قلب تھا۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (بقرہ) | اسی نے اس کو تمہارے قلب پر خدا کے حکم سے اتارا ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ (شعراء) | روح الامین نے اس کو تیرے قلب پر اتارا ہے۔

اور یہی مجموعۂ وحی آپ کی نبوت کا بڑا معجزہ ہے۔ ارشاد ہوا کہ دنیا میں کوئی پیغمبر نہیں آیا لیکن اس کو ایسی چیز دی گئی جس کو دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے لیکن مجھے جو چیز دی گئی وہ وحی ہے جو مجھ پر اتاری گئی۔[۳]

---

[۱] صحیح بخاری باب بدء الوحی تفسیر سورۂ علق۔ [۲] صحیح بخاری باب کیف نزل الوحی۔ [۳] صحیح مسلم فضائل حضرت ام ایمنؓ۔ [۴] صحیح بخاری باب کیف نزل الوحی و صحیح مسلم کتاب الایمان۔

سرمایۂ وحی کی جو دولت اسلام کو ہاتھ آئی وہ قرآن کی صورت میں مسلمانوں کے سینوں اور سفینوں میں اب تک محفوظ ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ گنج گرانمایہ حدیث صحیح کے اوراق میں مخزون ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "مجھے قرآن عطا کیا گیا اور اتنا ہی اور"[۱] یعنی وہ احکام و مواعظ جن کو جاں نثاروں نے حرز جان بنا کر رکھا اور دوسروں کو سپرد کیا۔ یعلیٰؓ بن امیہ صحابی حجۃ الوداع کے زمانہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جعرانہ میں آپؐ تھے کہ ایک شخص نے آ کر سوال کیا، یا رسول اللہ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں جس نے کپڑوں میں خوشبو مل لینے کے بعد احرام کی نیت کی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قدر انتظار کیا، آپؐ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی جب وہ کیفیت زائل ہوئی تو آپؐ نے دریافت کیا کہ وہ آدمی کہاں گیا؟ لوگ اس کو سامنے لائے۔ آپؐ نے فرمایا: "جو خوشبو تم مل چکے ہو اس کو تین دفعہ دھو ڈالو اور اس کپڑے کو اتار ڈالو، پھر حسب معمول عمرہ ادا کرو۔"[۲]

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: روح القدس نے میرے دل میں یہ ڈالا ہے کہ کوئی انسان اس وقت تک مر نہیں سکتا جب تک وہ اپنی روزی پوری نہ کرے، تو لوگو خدا سے ڈرو اور روزی کی تلاش میں صحیح طریقہ کو کام میں لاؤ، رزق میں تاخیر تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ گناہ کے ذریعوں سے روزی کو تلاش کرو کیونکہ جو خدا کے پاس ہے وہ اس کی بندگی ہی سے مل سکتا ہے۔[۳] حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا مجھ سے جبرائیل نے کہا کہ آپؐ کی امت میں جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہیں کیا تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔[۴]

اور بہت سی حدیثیں ہیں جن میں بہ تصریح ہے کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے یا خدا نے مجھ سے یہ کہا ہے لیکن وہ قرآن مجید کے اجزاء نہیں ہیں، اسی لئے فقہاء نے وحی کی دو قسمیں کر دی ہیں، وحی متلو یعنی وہ وحی جو تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن، اور وحی غیر متلو جو تلاوت نہیں کی جاتی۔ مثلاً وہ احکام و نصائح جو بروایت صحیح احادیث میں مذکور ہیں، پہلی وحی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ایک ایک حرف تواتر روایت سے ثابت ہے اور وہ اپنے لفظ و معنی دونوں کے لحاظ سے خدا کا کلام ہے۔ دوسری قسم تواتر سے بہت کم مروی ہے اور وہ اپنے الفاظ کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے خدا کا ارشاد ہے۔

★

---

[۱] ابوداؤد کتاب السنۃ [۲] صحیح بخاری باب نزول القرآن [۳] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴ حیدرآباد [۴] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب بدء الخلق۔

نزولِ ملائکہ

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا (الحج)

لفظ "ملائکہ" کا واحد "ملاک" ہے جو عربی کے قاعدہ سے "ملک" ہو گیا ہے، یہ الوکۃ سے مشتق ہے، جس کے معنی پیغام کے ہیں، اس لئے ملائکہ کے معنی پیغام رساں اور قاصد کے ہیں۔

ملائکہ الٰہی خالق اور مخلوق کے درمیان قاصد ہیں، قرآن مجید نے متعدد مقامات پر ان کو رُسل اور رسل اللہ یعنی قاصدانِ الٰہی کہا ہے۔

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا (الحج۔۱۰)
خدا فرشتوں میں سے اپنے پیغامبر منتخب کرتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ خدا کے حکم سے عالم کی مشین کے پُرزوں کو ہلاتے اور چلاتے ہیں اور اسی لئے خدا نے ان کو مُدبّراتِ امر کے نام سے بھی یاد کیا ہے (سورہ والنازعات) ان کی مخصوص صفت یہ ہے کہ خدا کے سراپا مطیع ہیں اور اس کے کسی امر یا اشارہ سے کبھی روگردانی نہیں کرتے۔

عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔ (تحریم۔۱)
اس پر سخت اور مضبوط فرشتے ہیں، اللہ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس سے روگردانی نہیں کرسکتے اور وہ وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تمام سیرتیں فرشتوں کی آمد، ان کی بشارت اور نصرت سے معمور ہیں، توراۃ اور انجیل قرآن، ہر کتاب الٰہی ان کے کارناموں کی شاہد ہے، حضرت آدمؑ کی بارگاہ میں انہوں نے سجدہ کیا، حضرت ابراہیمؑ کے مہمان خانہ میں یہ بھیجے گئے، حضرت لوطؑ کی حفاظت اور ان کی قوم کی بربادی پر یہ مامور ہوئے، حضرت ہاجرہؑ کو بیابان میں یہ نظر آئے، حضرت یعقوبؑ کے خیمہ میں ان کا دنگل ہوا، حضرت ایوبؑ کے مناظرۂ جبر و اختیار میں حکم یہ قرار پائے، حضرت زکریاؑ اور مریمؑ کو بشارت انہوں نے دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھی یہ مختلف فرائض پر مامور ہوئے، یہ آپ کی خدمت میں احکامِ الٰہی کے قاصد تھے، دشمنوں سے وجود اقدس کی محافظت اُن کے سپرد تھی، کمزور اور ناتواں مسلمانوں کی دستگیری اُن کا فرض تھا، ملائکہ کے سرخیل جبریلؑ ہیں اور وہی خدا اور پیغمبروں کے درمیان سفارت پر مامور ہیں، اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی آ کر سفارت کا فرض انجام دیتے تھے اور خدا کا پیغام پہنچاتے تھے۔

نزولِ جبریلؑ "جبریل" عبرانی لفظ ہے جس کے لغوی معنی "مردِ خدا" کے ہیں، لیکن اصطلاح شریعت میں اس فرشتہ کا نام ہے جو خدا اور خاصانِ خدا کے درمیان پیامبری کی خدمت انجام دیتا ہے، توراۃ اور انجیل میں بھی یہ نام اسی حیثیت سے مستعمل ہوا ہے چنانچہ دانیال (۸-۱۶-۱۹-۲۱) میں اس کی پیامبری کا بیان ہے، اسی طرح انجیل (لوقا ۱-۱۹-۲۶) میں مذکور ہے کہ وہ حضرت زکریاؑ کے پاس حضرت یحییٰؑ کی بشارت اور

حضرت مریمؑ کے پاس حضرت عیسیٰؑ کی بشارت لے کر آیا تھا، قرآن مجید نے بتایا ہے کہ وہ پیامبر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا کے درمیان وحی کا ایلچی تھا وہ یہی جبریلؑ تھا۔

مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ (بقرہ۔۱۲)
جو جبریل کا دشمن ہو وہ ہو، کیونکہ اے پیغمبر! اس نے خدا کے حکم سے تیرے دل پر اس کو نازل کیا ہے۔

اور کہیں اس کو الروح الامین (امانت دار روح) سے تعبیر کیا ہے۔

نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۔ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ (شعراء۔۱۱)
امانت دار روح اس کو لے کر تیرے دل پر اتری تاکہ تو لوگوں کو خدا کے خوف سے ڈرانے والوں میں ہو۔

سورۂ نحل میں اس کو روح القدس (پاکی کی روح) کہا گیا ہے۔

قُلْ نَزَّلَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ (نحل۔۱۴)
کہہ دے کہ اس کو روح القدس نے تیرے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ اتارا ہے

رسول (فرستادہ) کا لفظ بھی اس کی شان میں استعمال کیا گیا ہے۔

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ (الحاقہ)
یہ تو ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے۔

سورۂ تکویر میں اس "رسول" کے متعدد صفات کا بھی ذکر ہے۔

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ۔ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ۔ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ (تکویر)
یہ تو ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے جو قوت والا ہے اور تخت والے خدا کے حضور میں اس کا اعتبار ہے اس کی سب اطاعت کرتے ہیں اور وہ امانت والا ہے۔

سورۂ نجم میں اس کے کچھ اور صفات بھی مذکور ہیں۔

عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ۔ ذُوْ مِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی (نجم)
اس پیغمبر کو بڑی قوتوں والے اور بڑی طاقت والے نے تعلیم دی۔

آغازِ وحی کے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کے لئے "الملک" کا لفظ فرمایا ہے اور ورقہ نے اس کو ناموس کے لفظ سے ادا کیا ہے، ملک کی اصل جیسا کہ ابتدا میں بتایا جا چکا ہے، ملاک جو الوکۃ سے نکلا ہے اور جس کے معنی پیغام کے ہیں، اس لئے ملک کے معنی پیامبر کے ہوئے اور لفظ ناموس کے معنی محرمِ اسرار اور رازداں کے ہیں، بہرحال یہ تمام مختلف الفاظ اور عنوانات ایک ہی مفہوم و معنی کو ادا کرتے ہیں، قرآن مجید میں جبریل کا نام تین مقام پر آیا ہے، دو جگہ سورۂ بقرہ میں اور ایک جگہ سورۂ تحریم میں، لیکن اس خصوصیت کے ساتھ کہ وہ وحی محمدی کے پیامبر اور قرآن کے حامل ہیں، صرف ایک ہی موقع پر قرآن مجید نے اس نام سے ان کو یاد کیا ہے اور وہ اس آیت میں۔

مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ (بقرہ۔۱۲)
جو جبریل کا دشمن ہو وہ ہو، کیونکہ اس نے تو تیرے قلب پر خدا کے حکم سے اس کو اتارا ہے۔

دوسری آیتوں میں قرآن مجید نے حامل قرآن فرشتہ کی تعبیر (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آتے ہیں) روح الامین روح القدس اور رسول کریم کے الفاظ سے کی ہے، لیکن احادیث اور روایات میں ان الفاظ کے بجائے جبریل ہی کا لفظ عام طور سے مستعمل ہوا ہے۔

ایک پیامبر کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریلؑ کی سب سے پہلی آمد اس وقت ہوئی ہے جب آپ غارِ حرا میں معتکف تھے، صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی زبانی یہ واقعہ ان الفاظ میں ادا ہوا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا آغاز خواب میں رویائے صالحہ سے ہوا۔ آپ جو رویا دیکھتے تھے وہ سپیدۂ سحر کی طرح سچا ہو کر نمودار ہوتا تھا، پھر طبیعت مبارک میں تخلیہ پسندیدہ کیا گیا۔ غارِ حرا میں جا کر آپ تنہا کچھ دن بسر کرتے تھے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے، کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جاتے تھے، جب وہ سامان ختم ہو جاتا تو گھر واپس آتے اور پھر نیا سامان لے کر غار میں چلے جاتے، یہاں تک کہ حق آپ کے سامنے آگیا اور وہ فرشتہ آپ کے سامنے آگیا اور اس نے کہا "پڑھ"۔ آپ نے فرمایا "میں پڑھا نہیں ہوں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے مجھ کو پکڑ کر اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھ، میں نے پھر وہی جواب دیا، اس نے مجھے اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا اور چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھ، میں نے پھر کہا کہ میں پڑھا نہیں ہوں، اس نے تیسری دفعہ دبایا اور چھوڑ دیا اور کہا۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (علق)

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا پروردگار بڑا بزرگ ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے سکھایا اور انسان کو وہ کچھ تعلیم کی جو نہیں جانتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کے ساتھ واپس گھر آئے، قلب مبارک پر لرزہ تھا، حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور فرمایا "مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے کمبل اوڑھاؤ"۔ لوگوں نے آپ کو کمبل اوڑھایا، جب آپ کو سکون ہوا تو حضرت خدیجہؓ سے تمام ماجرا بیان کر کے فرمایا کہ "مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے"۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ ہرگز آپ کی جان کو خطرہ نہیں، خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا، آپ قرابت داروں کا حق ادا کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ کو آپ خود اٹھاتے ہیں، فقیروں اور مسکینوں کی مدد کرتے ہیں، مسافروں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، انصاف کی خاطر آپ لوگوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں۔ پھر آپ کو لے کر وہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی یا عربی لکھنا جانتے تھے (شاید توراۃ سے مراد ہو) اور انجیل کو عبرانی یا عربی میں لکھتے تھے[1] اور بہت بڈھے تھے اور آنکھوں کی روشنی بھی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ "اے ابن عم! اپنے بھتیجے کا ماجرا سنیے"۔ ورقہ نے کہا "اے میرے بھتیجے بتاؤ تم کیا دیکھتے ہو؟" آنحضرت

[1] دو روایتیں ہیں، ایک میں ہے کہ عبرانی میں لکھتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ عربی میں لکھتے تھے۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمایا۔ ورقہ نے کہا "یہ وہی ناموس (محرم اسرار) ہے جو موسیٰؑ پر اتارا گیا تھا، اے کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا، اے کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جب کہ تمہاری قوم تم کو نکال دے گی"۔ آپ نے پوچھا "کیا میری قوم مجھ کو نکال دے گی؟" اس نے جواب دیا "ہاں جو کچھ تم لے کر آئے ہو اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو، اور اگر اس زمانہ تک میں زندہ رہا تو تمہاری ہر طرح مدد کروں گا"۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد ورقہ نے وفات پائی۔[1]

اس کے بعد جبریلؑ کی آمد رکی رہی اور آپ بدستور غار حرا میں جاتے رہے، اسی اثناء میں ایک دن آپ غار حرا سے نکل کر اور پہاڑی سے نیچے اتر کر جب میدان میں پہنچے تو غیب سے ایک آواز آئی۔ آپ نے فرمایا، میں نے آگے پیچھے، داہنے بائیں دیکھا، پھر نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو پہلے غار حرا میں نظر آیا تھا، آسمان اور زمین کے بیچ میں تخت پر بیٹھا ہے، میں مرعوب ہو کر گھر واپس آیا۔ اس کے بعد حضرت جبریل کی پے در پے آمد شروع ہوئی۔

جبریل جب وحی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو آپ جلد جلد اپنی زبان سے انکے الفاظ کو ادا کرنے لگتے اس پر حکم ہوا۔[2]

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ، إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ (قیامہ-۱)

وحی کے الفاظ کے ساتھ اپنی زبان کو عجلت طلبی کے لئے جنبش نہ دو اس کی حفاظت اور قرأت کا فرض ہم پر ہے۔

اس کے بعد جب جبریلؑ نازل ہوتے تو آپ خاموشی سے سنتے اور ان کے چلے جانے کے بعد آپ اس کو پڑھتے۔ بارگاہِ نبوی میں جبریل کے آنے کا کوئی وقت متعین نہ تھا، صبح و شام، روز و شب، صلح و جنگ ہر وقت فیضان الٰہی کا چشمہ ابلتا رہتا تھا، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ نصف شب کو سوتے سے کر اٹھ کر بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے، صبح کو آپ نے فرمایا رات جبریلؑ نے مجھے پیغام دیا کہ میں اس وقت بقیع جا کر لوگوں کی مغفرت کی دعا مانگوں۔[3] غزوۂ بدر میں آپ نے فرمایا کہ دیکھو یہ جبریل اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑے ہیں۔[4] غزوہ خندق سے جب مسلمانوں کی فوج لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے اور ہتھیار کھول کر غسل فرمایا تو جبریل نے سامنے آکر کہا کہ آپ نے ہتھیار کھول دیئے، حالانکہ ہم نے آج تک مسلح ہیں اور بنو قریظہ کو ابھی ان کی غداری کا صلہ دینا ہے۔[5] با ایں ہمہ سب سے زیادہ جبریلؑ کی آمد آپ کے پاس ماہ رمضان میں ہوتی تھی، جس میں وہ ہر روز آکر آپ سے قرآن مجید سنتے تھے اور خود آپ کو سناتے تھے۔[6]

جبریل اس وقت بھی آتے تھے جب آپ لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوتے تھے، لیکن جو کچھ آپ دیکھتے اور

[1] صحیح بخاری بدء الوحی و کتاب التفسیر و تفسیر سورۂ مدثر میں یہ پورا واقعہ مفصل مذکور ہے۔ میں نے ان تینوں روایتوں کو تسلسل کے لئے یکجا کر دیا ہے چونکہ استاذ مرحوم نے جلد اول میں ان تفصیلات کو نظر انداز کر دیا تھا اس لئے یہاں ان کے لکھنے کی ضرورت ہوئی [2] صحیح بخاری باب بدء الوحی [3] نسائی باب الاستغفار للمومنین [4] صحیح بخاری غزوۂ بدر [5] صحیح بخاری غزوۂ خندق [6] صحیح بخاری باب بدء الوحی۔

سنتے تھے وہ عموماً اوروں کو دکھائی اور سنائی نہیں دیتا تھا۔ ایک دفعہ آپ حضرت عائشہؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا "اے عائشہؓ! جبریلؑ تم پر سلام بھیجتے ہیں" انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ وہ دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھتی[1]۔ توراۃ میں انبیائے بنی اسرائیل کے قصوں میں اس فرشتۂ غیب کے تجسم اور تشکل کے بکثرت واقعات مذکور ہیں۔ انجیل میں ہے کہ روح القدس کبوتر کی شکل میں حضرت عیسیٰؑ پر اتری۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ باہر بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک شخص اگر آپ کے پاس بیٹھا اور سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "ایمان یہ ہے کہ خدا پر، اس کے فرشتوں پر، خدا سے ملنے پر اور اس کے پیغمبروں پر اور قبر سے پھر جی اٹھنے پر تم یقین رکھو"۔ اس نے پھر پوچھا کہ "اسلام کیا ہے؟" جواب دیا یہ کہ "تم خدا کی اطاعت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور نماز پڑھو، زکوٰۃ مفروضہ دو، روزے رکھو"۔ اس نے کہا "اور احسان کیا ہے؟" ارشاد ہوا "احسان یہ ہے کہ تم خدا کو اس طرح پوجو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے"۔ اس نے پھر سوال کیا کہ "قیامت کب آئے گی؟" آپ نے فرمایا مجیب اس باب میں سائل سے زیادہ واقف نہیں، البتہ میں تمہیں اس کی علامتیں بتاتا ہوں، جب لونڈی اپنے آقا کو جنے اور جب اونٹوں کے چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں، قیامت، کا علم ان پانچوں باتوں میں سے ہے جن کو خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی،

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ۔ — قیامت کا علم خدا ہی کو ہے۔

وہ شخص اس کے بعد اٹھ کر چلا تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ ذرا اس کو واپس بلا لو، لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا۔ "یہ جبریلؑ تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے"[2]۔

صحابہ میں دحیہؓ نام ایک صحابی بہت حسین تھے، جبریلؑ اکثر ان ہی کی صورت میں مجسم ہو کر آیا کرتے اور اس حالت میں کبھی کبھی لوگوں کو نظر بھی آجاتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ دحیہؓ آپ کے سامنے بیٹھے آپ سے باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے کچھ بھی شک نہ ہوا کہ یہ دحیہ نہیں ہیں۔ اتنے میں مسجد نبوی میں میں نے آپ کے خطبہ کی آواز سنی کہ آپ فرما رہے تھے کہ ابھی میرے پاس جبریلؑ آئے۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں، تب میں سمجھی کہ وہ اصل میں دحیہؓ نہیں بلکہ جبریل امین تھے[3]۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جبریلؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلی شکل میں دو دفعہ ملاحظہ فرمایا، ایک دفعہ تو معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور دوسری دفعہ ایک اور مقام پر وہ آسمان کے کناروں میں نظر آئے۔ سورۂ نجم کی یہ آیتیں اسی کے متعلق ہیں۔

عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی۔ ذُوْمِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی۔ وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی۔ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ

بڑی قوتوں والے، طاقتور نے اس کو سکھایا، پھر وہ برابر ہوا اور وہ بہت اوپر آسمان کے کنارہ تھا، پھر قریب ہوا پھر لٹک آیا تو دو کمانوں کے بقدر تھا یا اس سے بھی قریب تر تو

[1] صحیح بخاری باب بدء الوحی [2] صحیح بخاری باب الایمان [3] صحیح بخاری کیف نزول الوحی [4] صحیح بخاری تفسیر سورہ والنجم و صحیح مسلم معراج۔

اَوْحٰی مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی (نجم-۱)

خدا نے اپنے بندہ پر وحی کی جو وحی کی، دل نے جھوٹ نہیں بولا جو دیکھا کیا تم لوگ اس سے اس کے مشاہدہ پر جھگڑتے ہو، حالانکہ اس نے اس کو دوسری دفعہ اترتے دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

سورۂ تکویر کی حسب ذیل آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار آپ کو مجنون اسی لئے کہتے تھے کہ آپ اس غیر مشاہد ہستی کے مشاہدہ کا دعویٰ کرتے تھے۔

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ۔ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ وَلَقَدْ رَاٰہُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ۔ (تکویر)

یہ ایک بزرگ پیغام رساں کی بات ہے، قوت والا، جو عرش والے خدا کے پاس معتبر ہے وہاں اس کی اطاعت کی جاتی ہے وہ امانت والا ہے، تمہارا ساتھی (یعنی پیغمبر) مجنون نہیں ہے یقیناً اس کو آسمان کے کھلے کنارہ میں دیکھا۔

وہ ذوق و شوق جو حضورؐ کو اس قاصد الٰہی کی آمد کے ساتھ تھا وہ اس آرزو کی شکل میں ظاہر ہوا کہ آپ نے جبریلؑ سے فرمایا کہ تم اس سے بھی زیادہ میرے پاس کیوں نہیں آیا کرتے، جواب ملا۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ لَہٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا (مریم-۴)

ہم تو تیرے پروردگار کے حکم اور اجازت سے اترتے ہیں، ہمارے آگے اور پیچھے اور درمیان سب کا علم اسی کو ہے اور تیرا رب بھول چوک سے پاک ہے۔

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شب کو میں نکلا تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنہا چاندنی میں ٹہل رہے ہیں، میں سمجھا کہ شاید آپ اس وقت تنہائی چاہتے ہیں اور کسی کا یہاں ہونا پسند نہ فرمائیں گے، چنانچہ اسی خیال سے میں سایہ میں ہو گیا، لیکن آپ کی نگاہ پڑ گئی، پوچھا کون ہے؟ عرض کیا، آپ پر قربان، میں ہوں ابوذر! آپ نے ساتھ لے لیا اور تھوڑی دیر تک ٹہلتے رہے، پھر فرمایا "جو آج دولت مند ہیں وہی کل قیامت میں غریب ہوں گے لیکن وہ شخص کہ جس کو خدا نے جو دولت دی ہو وہ اس کو داہنے بائیں، آگے پیچھے پھینک دے اور اس میں نیکی کے کام کرے"۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر تک ساتھ ٹہلتا رہا، اس کے بعد ایک خاص جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہرے رہو، اور یہ کہہ کر آپ پہاڑ کی طرف گئے اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، میں نے دور سے آواز سنی تو میں ڈرا، لیکن چونکہ آپ نے حکم دیا تھا کہ میں اپنی جگہ سے نہ ٹلوں، اس لئے ٹھہرا رہا، تھوڑی دیر کے بعد آپ سامنے سے آتے نظر آئے اور زبان مبارک سے یہ فرما رہے تھے کہ "اگرچہ چوری کرے اور زنا کرے"۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر قربان ہوں، آپ پہاڑی کی اوٹ میں کس سے باتیں کر رہے تھے؟ فرمایا، کیا تم نے آواز سنی؟ عرض کی ہاں! فرمایا جبریلؑ تھے۔ پہاڑی کے بیچ میں مجھے نظر آئے اور کہا کہ اپنی امت کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جو اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہ بنایا ہو وہ جنت میں داخل ہو گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یا جبریل! کیا اس نے زنا یا چوری ہی کیوں نہ کی ہو، جواب دیا "ہاں"! میں نے پھر کہا، اگرچہ زنا، چوری ہی کیوں نہ کی ہو، وہی جواب

دیا کہ ہاں! میں نے پھر کہا کہ اس نے زنا یا چوری ہی کیوں نہ کی ہو؟ تیسری دفعہ بھی جواب وہی تھا۔[1]

فرشتہ میکائیل کا نزول

جبریل کے علاوہ دوسرے ملائکہ کا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنا ثابت ہے۔ قرآن مجید میں جبریل کے علاوہ ایک دو اور فرشتوں کے بھی نام آئے ہیں، جن میں سے ایک میکائیل ہیں، یہودیوں نے قرآن کے ماننے سے اس لئے اپنا انکار ظاہر کیا تھا کہ یہ جبریلؑ کی وساطت سے نازل ہوتا ہے، خدا نے اس کے جواب میں کہا۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ (بقرہ-۱۲)

جو خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریلؑ اور میکائیلؑ کا دشمن ہو تو خدا ان کافروں کا دشمن ہے۔

یہودیوں کے اعتقاد میں یہ عرش الٰہی کے چار مخصوص فرشتوں میں سے ایک کا نام تھا، یہ خاص طور پر اسرائیل اور اس کے خاندان کا محافظ سمجھا جاتا تھا اور لڑائیوں میں اس کی مدد کیا کرتا تھا (دانیال ۱۰-۱۳-۲۱) عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق بھی فرشتہ تھا جو کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوا تھا (اعمال ۷-۳۸)

میکائیلؑ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کئی بار حاضر ہوتے ہیں، معراج کے موقع پر جو دو فرشتے آئے تھے وہ جبریلؑ اور میکائیلؑ تھے، اسی طرح غزوۂ اُحد میں جو دو فرشتے دشمنوں سے آپؐ کی حفاظت کرتے تھے وہ بھی جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے جبریلؑ اور میکائیلؑ تھے، بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں میکائیلؑ ہی آپؐ کے ساتھ تھے۔

عام ملائکہ کا نزول

جبریلؑ اور میکائیلؑ کے ناموں کی تخصیص کے علاوہ دوسرے عام فرشتوں کا بلاتعین نام آپؐ کی خدمت میں آنا بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور ان ہی کی روحانی تائیدات کا اثر تھا کہ آپؐ کا دل ہر وقت سکینتِ الٰہی سے معمور رہتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوشِ مبارک پر جب نبوت کا بارِ گراں رکھا گیا تو یقیناً آپؐ کو نظر آتا ہوگا کہ ایک طرف بظاہر ایک بے دست و پا انسان ہے جس کے قبضہ میں نہ سونے چاندی کے خزانے ہیں اور نہ اس کے عَلَم کے نیچے خود اس کی ذات کے سوا کوئی دوسرا سپاہی ہے، اور دوسری طرف ایک دنیا ہے جس کے ہاتھوں میں دنیاوی دولت کے خزانے اُبل رہے ہیں اور جس کے پرچم کے زیرِ سایہ ہزاروں اور لاکھوں کا ٹڈی دل ہر وقت حق کے مٹانے کو آمادہ پیکار ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب فرشتوں کو حکم پہنچا کہ میرے پیغمبر کو اپنی بشارتوں اور خوشخبریوں سے مطمئن کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (احزاب-۷)

بے شک خدا اور اس کے فرشتے اس پیغمبر پر رحمت بھیجتے ہیں اے مسلمانو! تم بھی اس پر درود و سلام بھیجو۔

رئیس قریش اپنی قوت و طاقت پر نازاں ہو کر اعلان کرتا ہے کہ رؤسائے قریش ہمارے ساتھ ہیں

[1] صحیح بخاری کتاب الرقاق۔

پیغمبر کی طرف سے خدا منادی فرماتا ہے۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ۔ (علق)

وہ اپنی مجلس کے لوگوں کو بلائے، ہم بھی اپنے فرشتوں کو آواز دیں گے۔

اس وقت جب منافقین آپؐ کی بزمِ خاص میں نفاق ڈالنا اور گھر میں خانہ جنگی کے سامان بہم پہنچانا چاہتے ہیں۔ بعض ازواج سے آپؐ آزردہ ہیں تو ارشاد ہوتا ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ (تحریم-۱)

تو خدا پیغمبر کا والی و ناصر ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے اس کے مددگار ہیں۔

ایک بار ابوجہل نے کفار سے پوچھا کہ کیا محمدؐ کبھی تمہارے سامنے سربسجود ہوتے ہیں، سبھوں نے کہا ہاں"! اس نے کہا۔ لات و عزیٰ کی قسم! اگر میں ان کو سجدہ کرتے دیکھوں گا تو ان کی گردن توڑ ڈالوں گا اور ان کی پیشانی کو زمین میں رگڑ دوں گا، چنانچہ ایک دفعہ جب آپؐ مصروف نماز تھے وہ اسی نیت سے آپؐ کی طرف بڑھا، لیکن فوراً سہم کر پیچھے ہٹ گیا، کفار نے سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ میرے اور محمدؐ کے درمیان آگ کی ایک خندق اور بہت سے پَر (یعنی فرشتوں کے) حائل ہو گئے، آپؐ نے فرمایا "اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کی تکا بوٹی کر دیتے"۔

قرآن مجید میں اس آیت میں۔

اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى (علق)

تم نے اس شخص کو دیکھا جو ایک بندہ کو نماز سے منع کرتا ہے۔

اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔[1]

سفرِ طائف سے جب آپؐ ناکام واپس آرہے تھے تو حسبِ اقتضائے بشری آپؐ شکستہ دل تھے جب آپ قرن الثعالب میں پہنچے اور سر اٹھایا تو دیکھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا سایہ فگن ہے، اس میں آپ کو ایک فرشتہ نظر آیا جس نے پکار کر کہا یا محمدؐ! میں پہاڑوں پر موکل (ملک الجبال) ہوں، آپؐ کے پروردگار نے آپؐ کی اور آپؐ کی قوم کی گفتگو سنی، مجھے بھیجا ہے کہ اگر آپؐ حکم دیں تو میں پہاڑوں کے نیچے ان کو کچل ڈالوں۔ فرمایا "شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو"۔[2]

اسلام کی تاریخ میں ابتلاء و امتحان کا سب سے زیادہ سخت اور سب سے پہلا موقع غزوۂ بدر میں پیش آیا، مسلمانوں کی تعداد تین سو انیس آدمیوں سے زیادہ نہ تھی، لیکن اس شمرذمۂ قلیلہ کے مقابلہ کے لئے کفار کا ٹڈی دل امڈا ہوا چلا آتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس منظر کو دیکھا تو قبلہ رو ہو کر درگاہِ الٰہی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، دفعۃً ایک ہزار فرشتوں کی روحانی فوج مسلمانوں کی صف جنگ میں آکر کھڑی ہو گئی، قرآن مجید میں ہے۔[3]

[1] صحیح مسلم باب قولہ تعالیٰ وکان اللہ لیعذبہم [2] صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ [3] صحیح مسلم غزوۂ اُحد۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ. (انفال-۱)

جب تم خدا سے فریاد کر رہے تھے تو خدا نے تمہاری فریاد کو سنا اور کہا کہ میں ایک ہزار ہمرکاب سواروں سے تمہاری مدد کرتا ہوں۔

اس فوج نے جس طرح مسلمانوں کی مدد کی، اس کی کیفیت حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس طرح بیان کی ہے کہ ایک مسلمان ایک کافر کا تعاقب کر رہا تھا کہ اس نے کافر کے اوپر سے کوڑے کی آواز سنی اور سوار کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آگے بڑھ اے حیزوم۔ یہ کہنا تھا کہ کافر چت زمین پر گر پڑا، مسلمانوں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو اس کی ناک میں سوراخ ہو گیا تھا جس میں نکیل لگی ہوئی تھی اور تمام چہرہ پھٹ گیا تھا اور اس میں نیلی دھاریاں پڑ گئی تھیں۔ ان صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس واقعہ کو بیان کیا، آپؐ نے فرمایا سچ کہتے ہو یہ تیسرے آسمان کی مدد ہے[1]۔

غزوہ احد میں بھی مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلہ میں بہت کم تھی، مسلمانوں کو یہ دیکھ کر اضطراب ہوا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی کہ اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی پر نہ جاؤ، خدا اپنے ہزاروں فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ خدا نے کہا کہ ہاں بے شک اگر مسلمان جرأت و ہمت اور صبر سے کام لیں گے تو میں پانچ ہزار فرشتوں کی فوج ان کی مدد کو اتاروں گا۔ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بہ تفصیل بیان کیا ہے۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ بَلَىٰ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ (آل عمران-۱۳)

اے پیغمبر! جب تم مسلمانوں سے کہتے تھے کہ کیا تم کو بس نہیں کرتا کہ خدا تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا؟ ہاں بے شک اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو اور تمہارے دشمن بڑے زوروں سے بڑھ کر آئیں تو وہ پانچ ہزار ہتھیار بند فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا، خدا نے اس وعدہ کو تمہارے لئے ایک خوشخبری بنایا اور تاکہ تمہارے دلوں میں طمانیت پیدا ہو اور فتح تو خدا ہی کے پاس سے آتی ہے۔

لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے صبر کا سر رشتہ چھوٹ گیا، اس لئے خدا کے وعدۂ نصرت سے وہ محروم رہ گئے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اقدس کی حفاظت کے لئے دو فرشتے ساتھ تھے، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فرماتے ہیں۔

"میں نے غزوۂ احد میں دو سفید پوش آدمیوں کو دیکھا جو آپ کی طرف سے سخت جانبازی کے ساتھ لڑ رہے تھے اور میں نے ان کو نہ اس سے پہلے دیکھا تھا، نہ اس کے بعد دیکھا[2]۔"

[1] صحیح مسلم ج ۲ کتاب الجہاد، باب امداد الملائکہ۔

[2] صحیح بخاری ج ۲ باب غزوۂ احد ص ۵۸۰۔

صحیح مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ دونوں فرشتے جبریلؑ و میکائیلؑ تھے[1]۔

غزوۂ احد کے بعد غزوۂ خندق پیش آیا، اس غزوہ میں بھی مسلمانوں کی بے چارگی اور بے سروسامانی کا وہی عالم تھا، اسلامی فوج کی رسد کی یہ کیفیت تھی کہ خود مقدس سپہ سالار اپنے سپاہیوں کے ساتھ کئی وقت کا بھوکا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی وہ روحانی فوج نازل کی جو بھوک اور پیاس سے بے نیاز ہے، سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر اپنا احسان جتاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا (احزاب-۲)

اے ایمان والو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب کفار نے تم کو آکر گھیر لیا تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور فوج کو بھیجا جس کو تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا۔

حضرت ابوذرؓ سے جو قدیم الاسلام صحابی تھے، روایت ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو پہلے پہل کیونکر معلوم ہوا کہ آپ پیغمبر ہیں، فرمایا: میں ایک دفعہ جا رہا تھا کہ آسمان سے دو فرشتے اترے، ایک آسمان کی طرف گیا اور ایک زمین پر آیا، ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کیا یہ وہی ہے؟ دوسرے نے کہا، ہاں یہ وہی ہے۔ پھر اس نے کہا ان کو ایک آدمی سے تولو، تو میرا پلہ بھاری رہا، پھر دس سے، پھر سو سے، پھر ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں تولا گیا، تب بھی میرا ہی پلہ بھاری رہا، دوسرے فرشتے نے کہا کہ اگر ان کی تمام امت کو بھی ایک پلہ میں رکھو اور ان کو دوسرے میں تب بھی ان ہی کا پلہ جھکا رہے گا[2]۔

یہ حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بشری کی تمثیل تھی۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود مکہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شب عشاء کی نماز پڑھ کر لوٹے تو میرا ہاتھ پکڑ کر مکہ کے باہر میدان میں لے گئے، اور ایک جگہ خط کھینچ کر فرمایا کہ یہاں ٹھہرو اور اگر تم کو کچھ لوگ نظر آئیں تو ان سے بولنا نہیں، وہ بھی تم سے نہیں بولیں گے، یہ کہہ کر آپؐ ایک طرف تشریف لے گئے، اس اثناء میں مجھے وہ لوگ نظر آئے جو زطی قوم کی طرح معلوم ہوتے تھے نہ وہ برہنہ تھے اور نہ ان کے کپڑے نظر آتے تھے، وہ میری طرف آکر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے جاتے تھے اور خط سے آگے نہیں بڑھتے تھے، آدھی رات کے بعد آپؐ واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ آج شب میں سویا نہیں، یہ کہہ کر میرے زانو پر سر رکھ کر سو گئے اتنے میں کچھ لوگ اجلے اجلے کپڑے پہنے جن کے حسن و جمال کا حال خدا ہی جانے کہ کیا تھا پاس آکر بیٹھ گئے، کچھ آپؐ کے سرہانے بیٹھے اور کچھ آپؐ کے پاؤں کے پاس آکر بیٹھے۔ دونوں نے مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت

[1] صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الفضائل باب قتال جبریل و میکائیل۔ [2] یہ حدیث سنن دارمی باب کیف کان اول شان النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے، اس کا سلسلہ سند یہ ہے۔ اخبرنا عبد اللہ بن عمران حدثنا ابو داؤد حدثنا جعفر بن عثمان القرشی عن عثمان بن عروۃ بن الزبیر عن ابیہ عن ابی ذر الغفاری۔ تیسرے راوی جعفر بن عثمان القرشی کا صحیح نام جعفر بن عبد اللہ بن عثمان القرشی ہے اور جو محدثین میں معتبر نہیں۔

کی ایک تمثیل بیان کی اور کہا کہ یہ وہ پیغمبر ہے جس کی آنکھیں گویا سوتی ہیں، مگر دل ہوشیار رہتا ہے، اس کے بعد وہ چلے گئے، آپ بیدار ہوئے تو فرمایا ان لوگوں نے جو باتیں کیں وہ میں نے سنیں، تم جانتے ہو کہ یہ کون تھے؟ عرض کی خدا اور خدا کا رسول زیادہ جانتے ہیں، فرمایا یہ فرشتے تھے، ان کی تمثیل کی تفسیر یہ ہے۔[1]

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ نمازِ عشاء پڑھ کر آپؐ چلے تو میں آپؐ کے پیچھے ہو لیا، فرمایا "کون؟ حذیفہ؟" عرض کی جی ہاں؛ فرمایا، آج وہ فرشتہ مجھ پر اترا جو آج تک زمین پر نہیں اُترا تھا، اس نے خدا سے اذن مانگا کہ وہ میرے پاس آکر مجھے یہ بشارت سنائے کہ فاطمہؓ جنتی بیبیوں کی اور حسنؓ اور حسینؓ جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔[2]

★

---

[1] ترمذی ابواب الامثال، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب صحیح کہا ہے [2] ترمذی مناقب حسنین، حدیث حسن غریب۔

عالمِ رویاء

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ (فتح)

رویاء اور خواب درحقیقت نفس یا روح کے عجائبات کا ایک حیرت انگیز طلسم ہے، علمائے نفس کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے قوائے نفسی و دماغی ہر وقت اور ہر آن اپنے ذہنی اعمال میں مصروف رہتے ہیں، جب وہ سو جاتا ہے اور اس کے ظاہری حواس بے کار ہو جاتے ہیں، اس وقت بھی ان کے فکر و نظر کا عمل جاری رہتا ہے، مگر چونکہ عموماً انسان عمیق اور پرسکون نیند سوتا ہے، اس لئے جاگنے کے بعد اس کو اپنی حالتِ خواب کا احساس نہیں ہوتا، لیکن کبھی کبھی جب اس کی نیند مستغرق اور گہری نہیں ہوتی تو اس کو اپنی گزشتہ سیر دماغی کے مکمل یا نامکمل مناظر یاد رہ جاتے ہیں، اسی کا نام خواب ہے۔

یہ تو فلسفۂ قدیمہ کا فرسودہ خیال تھا، اب جدید عہدِ ترقی میں سائیکالوجی اور نفسیات کے علماء کا مشہور و مقبول نظریہ یہ ہے کہ ہم عالمِ بیداری میں اپنے جن خیالات، جذبات اور ارادوں اور تمناؤں کو جان کر یا بے جانے کسی سبب سے دبا دیتے ہیں، عالمِ خواب میں جب ہمارے تعقل اور احساس کی جابرانہ حکومت اُن سے اُٹھ جاتی ہے، اُن کو ابھرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ ہم کو خواب بن کر نظر آتے ہیں، بہرحال یہ شاید اس رویا کی توجیہ ہو گی جن کو خواب پریشان یا اوہامِ دماغی کہنا زیادہ موزوں ہے۔

عرفائے روح اس خوابِ پریشان یا اوہامِ دماغی کے منکر نہیں ہیں لیکن رویا کی حقیقت ان کے نزدیک کچھ اور ہے، وہ کہتے ہیں کہ انسان جسم و روح سے عبارت ہے، روح جب تک جسم کے اندر ہے اس کی جلوہ نمائی کے دو رُخ ہیں، جسمانی و روحانی، اپنے جسمانی دروازہ سے وہ جھانکتی ہے تو اس کو جسم کے مادہ کی سطح پر رنگا رنگ کے نقش و نگار اور گلکاریاں نظر آتی ہیں، یہ اس کے وہ تعلقات اور دلچسپیاں ہیں جو اس کے اس جسمانی و مادی عالم کے ساتھ قائم ہیں، لیکن اس کے پیچھے ایک دوسرا دروازہ ہے، جہاں سے وہ روحانیت کے عالم کی سیر کر سکتی ہے، جس قدر اس کا تعلق، انس اور دل بستگی، شیفتگی اور مشغولیت عالمِ جسم سے زیادہ ہوگی، اسی قدر دوسرے عالم کی طرف سے فراموشی، غفلت اور بے تعلقی زیادہ ہوگی۔ حالتِ خواب میں روح کی ظاہری جسمانی مصروفیتیں چونکہ کم ہو جاتی ہیں اس لئے اس کو دوسری کھڑکی کی طرف جھانکنے کی فرصت مل جاتی ہے اور پھر روح کو جس قدر تعلقاتِ خارجی سے بیگانگی زیادہ ہوتی ہے، شہرستانِ ملکوت میں اس کی سیر بہت آگے تک اور بہت دور تک اور وہاں کے تمثیلی مناظر و مشاہدات سے اس کی اطلاع اور واقفیت زیادہ صحیح اور سچی ہوتی ہے جو روحیں کہ اس عالمِ جسمانی کی بندشوں میں رہ کر بھی ان میں گرفتار و مقید نہیں، ان کے لئے عالمِ بیداری بھی اقلیمِ روح کی گلگشت سے مانع نہیں، اسی کا نام مشاہدہ اور مکاشفہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے مقدس قالبوں میں جو ارواح طیبات رہتی ہیں وہ عالم ظاہری کی گرفتاریوں کے بعد بھی جس حد تک آزاد اور بے تعلق رہتی ہیں، وہ عام حدِ انسانی سے بہت آگے اور بہت بلند ہے۔ اسی لئے عالم مشاہدہ اور عالم رویا دونوں میں حقائق و اسرار کی تجلیاں ان کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں۔ بیداری تو بیداری، وہ سوتے بھی ہیں تو بیدار رہتے ہیں، ان کے جسم سوتے ہیں لیکن ان کی روحیں ہمیشہ جاگتی رہتی ہیں۔

تنام اعینهم ولا تنام قلوبهم۔ (بخاری باب الانبیاء)

پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن ان کے دل ہمیشہ بیدار رہتے ہیں۔

غافل انسان ادھر التفات نہیں کرتا، ورنہ درحقیقت نیند اور خواب کا معاملہ ایک سرِ ملکوتی اور رازِ الٰہی ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ۔ (روم۔ ۳)

خدا کی نشانیوں میں سے (اے انسانو) راتوں میں اور دنوں میں تمہاری نیند ہے اور پھر بیدار ہو کر اپنے کاروبار میں تمہارا معروف ہونا اور اس کی دولت کو تلاش کرنا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں بڑی بصیرتیں ہیں۔

موت اور نیند دونوں کم و بیش ایک ہی جنس کی چیزیں ہیں، فرق اس قدر ہے کہ موت کی حالت میں جسم سے روح کو دائمی مفارقت ہو جاتی ہے اور نیند میں عارضی۔ موت میں تمام تعلقاتِ ظاہری کے بند ٹوٹ جاتے ہیں اور نیند میں کچھ نہ کچھ گرہیں باقی رہ جاتی ہیں۔ قرآن مجید نے اسی روزانہ پیش آنے والے حیرت افزاء واقعۂ قدرت کی طرف ہم کو اس آیت میں متوجہ کیا ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (زمر۔ ۵)

وہ اللہ ہی ہے جو روحوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ان کو نیند میں ان کی معروفیت دنیاوی کا وقت پورا کر دیتا ہے، پھر جن پر موت کا فرمان جاری ہو چکا ہے ان کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک وقت مقررہ تک کیلئے چھوڑ دیتا ہے اس میں سوچنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

حضرت امام ربانیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"توفی نوم ازاں قبیل است کہ شخصے از وطنِ مالوف خود بہ شوق و رغبت از برائے سیر و تماشا بیروں آید تا فرح و سرور حاصل کند و خرم و شاداں بہ وطن خود باز رجوع نماید و سیرگاہ او عالم مثال است کہ متضمن عجائب ملک و ملکوت است"۔ (مکتوب سی و یکم۔ جلد سوم)

عربی زبان میں خواب کے لئے دو لفظ ہیں ایک حُلم جس کی جمع احلام آتی ہے، اس کے معنی خواب و خیال کے ہیں یعنی محض وہم و تخیل۔ دوسرا رویا، یہ اس خواب کو کہتے ہیں جس میں حقیقت بینی اور فرض شناسی ہو، ان دونوں لفظوں میں ایک اور فرق یہ ہے کہ پہلے میں وسوسہ شیطانی کا دخل ہوتا ہے اور دوسرا اس سے پاک ہے، فرق سورۂ یوسف

کی ان آیتوں میں صاف نظر آئے گا۔ عزیزِ مصر نے خواب دیکھا ہے، اپنے درباریوں سے اس کی تعبیر پوچھتا ہے، اہل دربار کہتے ہیں کہ یہ محض خواب و خیال اور وہم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ۔ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ (سورہ یوسف۔ ۶)

اے اہل دربار میرے اس خواب کے بارہ میں مجھے رائے دو، اگر خواب کی تم تعبیر بیان کر سکتے ہو، انہوں نے کہا، یہ تو محض اوہام و خیالات کا مجموعہ ہے ان اوہام اور خیالات کی تعبیر سے ہم واقف نہیں۔

گو عالم رویا کا نظارہ ہر انسان کو کبھی کبھی پیش آتا ہے جو روح سے وابستہ ہے اور جس میں کالے گورے، مومن و کافر، شقی و سعید اور نیک و بد کی کوئی تمیز نہیں، لیکن جس طرح ایک نہایت نازک اور باریک یا کسی دور سے آنے والی چیز کو بہت سی آنکھیں دیکھ سکتی اور دیکھتی ہیں، لیکن ان میں حقیقت اور صحت کے قریب اسی کی رویت ہوتی ہے، جس کی بینائی تیز، آلاتِ باصرہ صحیح اور فہم و استنباط کی قوت لطیف ہوتی ہے۔ اسی طرح عالم رویا کے مشاہدات کی حقیقی اور صحیح رویت بھی ان ہی کے لئے ہے جن کی روح و دل کی بینائی تیز اور بصیرت کی آنکھیں روشن اور ادراک و عرفان کے حواس لطیف ہوں اور جن کے نفس کے آئینہ میں صلاح و تقویٰ کا صیقل زیادہ ہو۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (اسرائیل)

اور جو یہاں اندھے ہیں اور وہ وہاں بھی اندھے ہوں گے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (بقرہ)

خدا سے تقویٰ کرو اور وہ تم کو علم بخشتا ہے اور خدا کو ہر چیز کا علم ہے۔

اسی لئے دنیا کے تمام مذاہب نے رویا کو خاص اہمیت دی ہے۔ اسلام اور شارع اسلام نے جس طرح دین کے اور شعبوں کی تکمیل کی ہے، اس حقیقت کو بھی نہایت واضح اور روشن کر دیا ہے، قرآن مجید کی آیت ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (یونس۔ ۷)

جو ایمان لائے اور وہ متقی ہیں ان کے لئے اس دنیا میں بشارت ہے اور آخرت میں بھی، خدا کی باتوں میں تبدیلی نہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

جب یہ آیت اتری تو صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اس دنیا میں بشارت کیا ہے، فرمایا کہ وہ رویائے صالحہ ہے جو ایک مردِ مسلم دیکھتا ہے[1]۔ آپ نے فرمایا کہ نبوت اور رسالت ختم ہو گئی، لیکن صرف ایک چیز باقی رہ گئی ہے اور وہ مبشرات (خوشخبریاں) ہیں، لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا مسلم کی رویائے صالحہ یہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے[2]۔ بخاری، مسلم اور ترمذی کی متعدد روایتوں میں مختلف صحابیوں سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مومن کی رویائے صالحہ نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ اس سے زیادہ رویا کی اہمیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ نبوت کا ایک حصہ ہے، لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ وہ کون سی رویا ہے؟ ابھی ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ عربی میں خواب کے لئے دو لفظ ہیں، حلم (خواب پریشاں

[1] صحیح ترمذی کتاب الرویا۔ [2] صحیح ترمذی کتاب الرؤیا۔

یا خیالات نفسانی) اور رویا۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان۔	رویا خدا کی طرف سے اور حلم شیطان کی طرف سے ہے۔

آغاز مضمون میں علمائے نفس اور عرفائے روح کی تشریحات کی تفصیل ہو چکی ہے۔ ذیل کی حدیث سے یہ حقیقت بہت اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اصدقکم رؤیا اصدقکم حدیثا۔ تم میں سے سب سے سچا خواب دیکھنے والا وہ ہے جو سب سے زیادہ سچ بولتا ہے۔ حقیقت میں انسان کا ظاہر اس کے باطن کا آئینہ ہے، اس کی زبان سچ بولے گی، اس کی روح بھی یقیناً سچ دیکھے گی، علمائے نفسیات حدیث کے اس ایک فقرہ کی گرہ کشائی پورے ایک باب میں کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک رویائے صالحہ، یہ خدا کی طرف سے خوشخبری ہوتی ہے۔ دوسرا غم پیدا کرنے والا خواب۔ یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، تیسرا وہ خواب ہوتا ہے جو انسان کی اپنے دل کی باتیں اور خیالات ہوتے ہیں[1]۔ اس تقسیم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علمائے نفس اور عرفائے روح جس خواب اور رویا کی تشریح کرتے ہیں وہ اپنی اپنی حقیقت کی رو سے بالکل الگ ہیں، اس عالم رویا کے تحت میں جس قسم سے بحث ہے وہ صرف پہلی قسم ہے۔

عام انسانوں اور انبیاء علیہم السلام کی رویا میں وہی نسبت ہے جو ان دونوں کی ذات میں ہے، جب عام انسانوں کی آنکھیں سوتی ہیں تو کم و بیش ان کے دل بھی سوتے رہتے ہیں، لیکن انبیائے کرام کی آنکھیں جب سوتی ہیں تو بھی اُن کے دل بیدار رہتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ آپؐ نے بڑی دیر تک تہجد کی نماز پڑھی لیکن ابھی وتر نہیں پڑھے تھے کہ لیٹ گئے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ! آپ بے وتر پڑھے سوتے ہیں۔ فرمایا۔ اے عائشہؓ! میری آنکھیں سوتی ہیں، لیکن میرا دل نہیں سوتا[2]۔ معراج کے ذکر میں ہے کہ آپؐ اس حالت میں تھے کہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل بیدار تھا اور انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار رہتے ہیں[3]۔

ان ہی حدیثوں کو پیش نظر رکھ کر جمہور علمائے اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ انبیاء کرام کی رویا بھی اسی قدر قطعی اور یقینی ہے، جس قدر آپ کے عام احکام وحی اور مخاطبات الٰہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو خواب اپنے پہلوٹے بیٹے کی قربانی کے متعلق دیکھا۔ اس کے حکم الٰہی ہونے میں انہیں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہوا اور انہوں نے اس کی تعمیل ویسی ہی ضروری سمجھی جیسی اس حکم کی جو عالم بیداری میں انہیں خدا کی طرف سے ملتا، دوسرے پیغمبروں کے حالات میں بھی یہی نظر آتا ہے کہ ان کو اپنی رویا کی صحت و صداقت اور واجب العمل ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ تھا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح مبارک میں یہ احوال بکثرت پیش آتے ہیں اور اس عالم میں جو احکام اور علوم آپ کو دیئے گئے ہیں، وہ بھی اسی طرح قطعی ہیں جس طرح وہ احکام اور علوم جو وحی کے دوسرے طریقوں سے آپ کو مرحمت ہوئے، چنانچہ ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ

[1] صحیح بخاری و مسلم و ترمذی۔ [2] صحیح مسلم و ترمذی کتاب الرویا۔ [3] صحیح مسلم باب صلوٰۃ اللیل۔ [4] صحیح مسلم و بخاری باب الاسراء۔

رؤیا الانبیاء وحی انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے[1]

اوپر اشارہ گزر چکا ہے کہ بعض علمائے اسلام اور اصحاب کشف و عرفان عالم غیب اور عالم ملکوت اور عالم شہادت اور عالم جسمانیات کے درمیان ایک تیسرے عالم کے قائل ہیں جس کا نام انھوں نے عالم برزخ (درمیانی مقام) اور عالم مثال رکھا ہے، چنانچہ علماء میں امام خطابی، امام غزالی، علامہ سیوطی، شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور صوفیہ میں حضرت امام ربانی اور تمام حضرات مجددیہ اس عالم کے قائل ہیں، شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کا ایک خاص باب باندھا ہے، جس میں متعدد احادیث سے اور علامہ سیوطی اور امام غزالی کی تحریروں سے اس عالم کا ثبوت بہم پہنچایا ہے، عالم مثال ان کے نزدیک گویا ایک صاف پانی کی غیر محدود نہر یا شیشہ ہے، جس میں عالم شہادت کی وہ چیزیں جو جاندار یا مجسم نہیں ہیں مثلاً صفات اعراض نیکی و بدی، ایمان و علم وغیرہ وہاں اپنی مناسب اور موزوں شکلوں میں جاندار اور مجسم ہو کر نظر آتی ہیں، نیکی ایک حسین و جمیل کی شکل میں، بدی ایک کریہ المنظر صورت میں، ایمان آفتاب بن کر، علم دریا کے رنگ میں جلوہ گر ہوتا ہے، اسی طرح عالم غیب کی چیزیں، جنت، دوزخ، ملائکہ وغیرہ اسی نہر و آئینہ میں منعکس ہو کر اس عالم شہادت کے لوگوں کو نظر آتی ہیں اور جس طرح تصویر کی شبیہ اور نہر و آئینہ کے عکس میں اور اصل جسمانی شکلوں میں کامل مشابہت اور مماثلت ہوتی ہے، اسی طرح عالم غیب کی اشیاء اور عالم مثال کی شبیہوں اور تصویروں میں پوری مماثلت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔

بہرحال اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہ ہو، مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں ایسے واقعات، حالات، مشاہدات اور کیفیات مذکور ہیں جن کی تشریح اس عالم میں بخوبی کی جا سکتی ہے۔ انجیل اور قرآن مجید دونوں میں ہے کہ جبریلؑ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی بشارت لے کر آئے۔

فتمثل لھا بشرا سویا (مریم)	مریم کے سامنے ایک پورے انسان کی مثال بن کر آئے۔

احادیث میں ہے کہ ایک دفعہ نماز کی حالت میں آپ کے سامنے جنت اور دوزخ کی صورتیں جلوہ گر کی گئیں اس موقع پر مختلف صحابیوں نے اس مفہوم کو حسب ذیل مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے۔ فرمایا۔

انہ صورت لی الجنۃ والنار حتی رأیتھما دون الحائط۔	میرے لئے جنت اور دوزخ مصور کی گئی یا میرے سامنے جنت اور دوزخ کی صورت پیش کی گئی یہاں تک کہ میں نے
(بخاری باب التعوذ من الفتن)	ان کو اس دیوار کے پاس دیکھا۔
لقد رأیت الآن منذ صلیت بکم الصلوٰۃ الجنۃ والنار ممثلتین فی قبلۃ ھذا الجدار	میں نے ابھی جب تم کو نماز پڑھا رہا تھا جنت اور دوزخ کو اس دیوار کے رخ میں مثل دیکھا یا میرے سامنے جنت اور دوزخ کی مثال پیش کی گئی۔
(بخاری باب رفع البصر فی الصلوٰۃ)	

[1] ترمذی مناقب عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

انی رأیت الجنة اریت النار (بخاری باب الکسوف) — میں نے جنت کو دیکھا اور دوزخ بھی مجھے دکھائی گئی۔

عرضت علی الجنة وعرضت علی النار۔ — مجھ پر دوزخ اور جنت پیش کی گئی۔

(مسلم باب الکسوف)

لقد جیئ بالنار ثم جیئ بالجنة (مسلم باب الکسوف) — میرے پاس جنت اور دوزخ لائی گئی۔

اطلعت فی الجنة واطلعت فی النار۔ — میں جنت اور دوزخ میں جا نکلا۔

(بخاری باب صفة الجنة)

ایک ہی مفہوم کو مختلف راویوں نے ان مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے، لیکن ہم سب کو معلوم ہے کہ الفاظ کی احتیاط بھی جس قدر امام بخاری کے ہاں ہے کسی اور کے ہاں نہیں، اس لئے امام بخاری کے الفاظ تصویر اور تمثیل یا صورت اور امثال یا امام مسلم کے الفاظ لایا جانا اور پیش کیا جانا پر ذرا تامل درکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زبان اس درجہ ادائے مطلب میں قاصر ہے کہ وہ اپنے الفاظ سے عالم محسوس کی کیفیتوں کی بھی پوری مصوری نہیں کر سکتی پھر اس سے یہ توقع کس قدر بے جا ہے کہ غیر محسوس عالم کی کیفیتوں کو وہ کبھی الفاظ کا جامہ پہنا سکتی ہیں، جو ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ صحیح، مستند اور محفوظ ذریعہ سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے وہ دوسروں تک پہنچا دیں۔ وحی نبوی کا آغاز رویائے صالحہ سے ہوا۔ آپ کو چیزیں رویا میں دکھائی جاتی تھیں اور وہ سپیدۂ صبح کی طرح ٹھیک ٹھیک پوری اترتی تھیں۔[1]

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد صحابہ کی طرف منہ کر کے آپ جائے نماز پر بیٹھے رہتے اور ان سے دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ لوگ بیان کرتے، اگر وہ رویائے صالحہ ہوتی تو آپ اس کی تعبیر کرتے اور اگر وہ خواب و خیال ہوتا تو کہہ دیتے کہ یہ محض خواب و خیال ہے۔ اسی اثنا میں اس شب میں اگر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی رویا دکھائی گئی ہوتی تو آپ اس کو سناتے۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر رویا احادیث میں مذکور ہیں ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہیں جو تمثیلی رنگ میں دکھائی گئی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعبیر و تشریح خود اپنی زبان مبارک سے کر دی ہے۔ دوسری وہ رویا ہیں جو بعینہ واقعہ اور حقیقت ہیں اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیان کرتے وقت ان کی تاویل و تشریح نہیں کی۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس میں بعض اوقات دنیا کے متعلق پیش گوئی اور اخبار غیب ہے۔ دوسری وہ جس میں احوال آخرت اور اسرار غیب کا اظہار ہے۔ ذیل میں ہم ہر قسم کے واقعات کو الگ الگ عنوانوں کے تحت میں بیان کرتے ہیں۔

رویائے تمثیلی ابھی آپ مکہ معظمہ میں تھے، اسلام پر سختی اور مصیبت کے دن تھے، صدائے حق پر لبیک کہنے والوں کی تعداد کم تھی کہ آپ کو عالم رویا میں دکھایا گیا کہ آپ اپنی جماعت کے ساتھ عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں اور ابن طاب کی تر و تازہ کھجوریں لا کر آپ کو اور آپ کے رفقاء کو دی گئی ہیں، آپ نے اس کی تعبیر یہ

[1] صحیح بخاری بدء الوحی کتاب التعبیر وغیرہ و صحیح مسلم بدء الوحی [2] ایضاً۔

کی کہ دنیا میں مسلمانوں کو ترقی اور آخرت میں عاقبت بخیر ہوگی اور ان کا مذہب پھلے اور پھولے گا۔[1]

ابھی آپ نے ہجرت نہیں کی تھی لیکن ہجرت کا زمانہ قریب تھا کہ آپ کو ہجرت اور ہجرت کے بعد کے تمام اہم واقعات رویا میں دکھائے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ میری ہجرت کی سرزمین چھوہاروں کا نخلستان ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا، لیکن وہ شہر یثرب نکلا۔ اسی خواب میں نظر آیا کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے، میں نے اس کو ہلایا تو وہ ٹوٹ گئی۔ یہ احد کی شکست کی طرف اشارہ تھا۔ پھر میں نے اس کو ہلایا تو وہ ایک نہایت عمدہ تلوار ہو گئی۔ یہ اس واقعہ کی تمثیل تھی کہ احد کے بعد اللہ تعالیٰ فتح و کامیابی اور مسلمانوں کا اجتماع نصیب کرے گا، میں نے اسی خواب میں گائے کو ذبح ہوتے دیکھا۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو احد میں شہید ہوتے۔ اس کے بعد بھلائی دیکھی۔ یہ وہ بھلائی ہے جو اسلام کو نصیب ہوئی۔[2]

مسلمانوں نے جب مدینہ کو ہجرت کی ہے تو یہاں کی آب و ہوا ان کے موافق نہ تھی، وبا بھی پھیلی تھی مہاجرین میں اضطراب سا تھا، آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک کالی سیاہ عورت جس کے سر کے بال الجھے اور پریشان ہیں، وہ مدینہ سے نکل کر جحفہ کی طرف جا رہی ہے۔ اس کی تعبیر یہ ارشاد فرمائی کہ مدینہ کی وبا جحفہ میں منتقل کر دی گئی۔[3] چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدینہ منورہ اس سے پاک ہو گیا۔

ایک دفعہ رویا میں آپ کو دکھایا گیا کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں سونے کا ایک ایک کنگن ہے، اس سے آپ کو تکلیف ہوئی، حکم ہوا کہ ان کو پھونک دو۔ آپ نے پھونکا تو دونوں کنگن ہاتھوں سے علیحدہ ہو کر اڑ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ یہ نبوت کے دو جھوٹے مدعی ہیں (مسیلمہ اور اسود عنسی) جو میرے بعد پیدا ہوں گے۔[4]

آپ نے دیکھا کہ آپ کے سامنے دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا۔ آپ نے اس کو اس قدر سیر ہو کر پیا کہ انگلیوں سے دودھ بہنے لگا، پیالہ کا بچا ہوا دودھ آپ نے حضرت عمرؓ کو عطا فرمایا، آپ نے لوگوں سے جب یہ خواب بیان کیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اس کی تعبیر آپ نے کیا کی؟ فرمایا "علم"۔ اسی طرح آپ نے ایک دفعہ فرمایا، آج شب کو جب میں سو رہا تھا میرے سامنے کچھ لوگ پیش کئے گئے، ان میں سے کسی کے بدن پر کرتہ سینہ تک تھا، کسی کا اس سے نیچے تک، عمرؓ جب سامنے آئے تو ان کے جسم پر کرتہ اتنا بڑا تھا کہ اس کے دامن زمین پر لوٹ رہے تھے۔ سننے والوں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی، فرمایا "دین"۔[5]

ایک شب میں آپ کو ذات محمدی پر ختم نبوت اور تکمیل دین کی تمثیل دکھائی گئی، آنکھیں خواب آلودہ تھیں لیکن قلب اقدس بیدار تھا، کچھ فرشتے اتر کر آپ کے پاس آ کر بیٹھے اور آپس میں ایک دوسرے سے بولے کہ اس پیغمبر کی کوئی تمثیل بیان کرو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آقا ہو۔ اس نے ایک محل تیار کیا اور

[1] صحیح مسلم کتاب الرؤیا و صحیح بخاری کتاب التعبیر [2] صحیح مسلم کتاب الرؤیا [3] صحیح بخاری و ترمذی کتاب الرؤیا [4] صحیح بخاری و مسلم و ترمذی کتاب الرؤیا و التعبیر [5] صحیح بخاری کتاب التعبیر و مناقب عمرؓ و جامع ترمذی ابواب الرؤیا [6] ایضاً

س میں دستر خوان بچھایا اور لوگوں کو کھانے کی دعوت دی، اب جس نے اس کی بات کو قبول کیا وہ آیا اور کھا پی کر سیر ہوا اور جو نہیں آیا اس نے اس کو سزا دی، بیدار ہو کر آپ نے عبد اللہؓ ابن مسعود سے فرمایا کہ وہ آقا تو خدا ہے جنت اس کا محل ہے جس نے اس کی دعوت کو قبول کیا وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے انکار کیا س کو اس نے عذاب دیا۔[1]

ایک دفعہ آپ کو یہ دکھایا گیا کہ آپ ایک کنوئیں کے اندارے پر کھڑے ہیں، بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے دیکھا کہ میں حوضِ کوثر پر کھڑا ہوں، اردگرد لوگوں کا جماؤ ہے۔ آپ ڈول سے پانی کھینچ کھینچ کر ان کو پلا رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ابو بکرؓ آئے اور انہوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لے کر مجھے سبکدوش کر دیا، اور پھر وہ پانی کھینچ کھینچ کر پلانے لگے، خدا ان پر رحم کرے، ذرا کھینچنے میں کمزوری معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بعد عمرؓ آئے تو ڈول بڑھ کر بڑا ہو گیا اور عمرؓ نے اس قوت اور تیزی سے پانی کھینچا کہ حوض کناروں کناروں تک پُر ہو گیا اور لوگ پی کر سیراب ہو گئے۔[2] یہ خواب اتنا واضح تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر کی ضرورت نہیں سمجھی، کون نہیں سمجھا کہ ڈول اور پانی کھینچنے سے مراد خلافت اور خدمتِ خلق کی بجا آوری ہے۔

حضرت عمرؓ ان چند سعید لوگوں میں ہیں جن کو اسی دنیا میں جنت کی بشارت دی جا چکی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رات میں نے دیکھا کہ میں جنت میں ہوں، سامنے ایک محل ہے، ایک عورت اس میں بیٹھی وضو کر رہی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ جواب دینے والے نے جواب دیا کہ یہ عمرؓ کا مسکن ہے۔ میں نے چاہا کہ اندر جاؤں، مگر عمرؓ کی غیرت یاد آئی تو الٹا پھر گیا، حضرت عمرؓ سن کر رو پڑے اور کہا یا رسول اللہ! میں آپ سے غیرت کرتا؟[3] ایک دفعہ آپ نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ اے بلالؓ! تم کون سا ایسا نیک عمل کرتے ہو کہ میں جب جنت میں گیا تو تمہارے جوتوں کے چاپ کی آواز سنی، عرض کیا، یا رسول اللہ ہمیشہ باوضو رہتا ہوں اور جب نیا وضو کرتا ہوں، دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں۔[4]

ورقہ بن نوفل کا نام آغاز وحی کے ضمن میں ابھی گزر چکا ہے، یہ حضرت خدیجہؓ کے رشتہ دار تھے اور اسلام سے پہلے سچے عیسائی ہو گئے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ سے نزول جبریلؑ کا حال سنا تو انہوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور کہا کہ اگر زندہ رہا تو اس وقت جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کرے گی، میں آپ کی پوری مدد کروں گا، حضرت خدیجہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ورقہ جنت میں گئے یا دوزخ میں، انہوں نے تو آپ کی تصدیق کی تھی، لیکن آپ کے ظہور سے پہلے مر گئے۔ فرمایا، مجھے وہ خواب میں دکھائے گئے کہ وہ سپید کپڑے پہنے ہیں، اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو ان کے جسم پر یہ لباس نہ ہوتا۔[5]

---

[1] جامع ترمذی ابواب الامثال [2] صحیح بخاری و مسلم و ترمذی کتاب التعبیر و کتاب الرؤیا مناقب عمرؓ [3] صحیح بخاری و مسلم، ترمذی کتاب التعبیر و کتاب الرؤیا مناقب عمرؓ [4] بخاری و مسلم مناقب بلالؓ و ترمذی مناقب عمرؓ [5] مشکوٰۃ کتاب الرؤیا بحوالہ ترمذی کتاب الرؤیا و مسند احمد۔

ایک شب کو جب آپ مصروف نماز تھے، جمالِ الٰہی بے نقاب ہو کر سامنے آ گیا، صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ صبح کی نماز کے لئے آپ دیر کو برآمد ہوئے۔ نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہیں، پھر فرمایا کہ آج شب کو جب میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں جتنی میرے لئے مقدر تھیں تو نماز ہی کے اندر میں اونگھ گیا، میں نے دیکھا کہ جمالِ الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہے، خطاب ہوا یا محمد! تم جانتے ہو کہ فرشتگانِ خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی نہیں، اے میرے رب میں نہیں جانتا، اس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا، جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچ گئی اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئیں۔ سوال ہوا، یا محمد! تم جانتے ہو کہ فرشتگانِ خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی ہاں، اے میرے رب! ان اعمال کی نسبت گفتگو کر رہے ہیں جو گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ پوچھا، وہ کیا ہیں؟ عرض کی، نماز باجماعت کی شرکت کے لئے قدم اٹھانا، نماز کے بعد مسجد میں ٹھہر جانا اور ناگواری کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا، جو ایسا کرے گا اس کی زندگی اور موت دونوں بخیر ہوں گی، وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک ہو گا جیسا اس دن تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنا تھا، پھر سوال ہوا کہ یا محمد! درجات کیا ہیں؟ گزارش کی کھانا کھلانا، نرمی سے باتیں کرنا، جب دنیا سوتی ہو تو اٹھ کر نماز پڑھنا، پھر حکم ہوا کہ اے محمد! مجھ سے مانگو۔ میں نے عرض کی، خداوندا! میں نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں سے بچنے اور غریبوں سے محبت کرنے کی توفیق چاہتا ہوں، میری مغفرت کر، مجھ پر رحم فرما، جب کسی قوم کو تو آزمانا چاہے مجھے بے آزمائے اٹھا لینا، میں تیری محبت کا اور تجھ سے جو محبت رکھے اس کی محبت کا اور جو عمل مجھ کو تیری محبت کے قریب کر دے اس کی محبت کا خواستگار ہوں۔ اس کے بعد آپ نے لوگوں سے کہا کہ "یہ جو کچھ تھا حق تھا اور اس دعا کو پڑھا کرو۔"[1]

آثارِ قیامت کے بعض واقعات بھی اسی عالم میں آپ پر پیش کئے گئے، آپ نے صحابہ کے مجمع میں ایک دن فرمایا کہ رات مجھے ایک رؤیا دکھائی گئی: میں نے دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں، اسی اثنا میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا رنگ گندم گوں تھا، بہتر سے بہتر گندم گوں آدمی جو تم نے دیکھا ہو، اس کے گیسو پڑے ہوئے تھے، بہتر سے بہتر گیسو جو تم نے دیکھے ہوں، کنگھی سے بال درست کئے تھے اور ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر وہ طواف کر رہا تھا، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا کہ مسیح بن مریم! میں ادھر دیکھنے کو مڑا تو ان کے پیچھے ایک اور آدمی نظر آیا، سرخ رنگ، موٹا بھدا، بالوں میں بہت گھونگر پڑے ہوئے، ایک آنکھ سے کانا، آنکھ ایسی معلوم ہوتی تھی گویا کہ ابھرا ہوا انگور ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ معلوم ہوا دجال ہے۔[2]

---

[1] بہ روایت جامع ترمذی تفسیر سورہ ص و مسند ابن حنبل بہ سند معاذ جلد ۵ صفحہ ۲۴۳۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔
[2] صحیح بخاری کتاب التعبیر و صحیح مسلم باب الاسراء۔

ام المومنین زینب بنت جحشؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آپؐ سونے سے جاگ اٹھے، چہرۂ مبارک سرخ تھا اور زبان پر یہ کلمات تھے لا الٰہ الا اللہ، افسوس ہے عرب پر برائی نزدیک آگئی، یاجوج ماجوج کی دیوار میں آج اتنا سوراخ ہو گیا۔[1]

حضرت جبریلؑ اور دوسرے فرشتے جس طرح آپؐ کے عام مشاہدہ میں آتے تھے اسی طرح اس عالم میں حاضر ہوتے تھے، حضرت سمرہؓ بن جندب کہتے ہیں کہ ایک دن آپؐ نے فرمایا کہ آج شب کو میں نے خواب میں دو شخص دیکھے جو مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ دوزخ کی آگ کو جو جلاتا ہے وہ مالک داروغۂ دوزخ ہے، میں جبریلؑ ہوں اور یہ میکائیل ہیں۔[2]

نظارۂ جمال الٰہی کے بعد اس عالم کا سب سے بڑا مشاہدہ وہ تھا جس میں آپؐ کو دوزخ کے مہیب و ہولناک مناظر اور بہشت کی بعض دل کش اور مسرت افزا جلوہ آرائیاں دکھائی گئیں، حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد آپؐ ہم لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے اور پھر دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے، بہر حال حسب معمول آج بھی آپؐ نے دریافت فرمایا، ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! ارشاد ہوا کہ آج شب کو مجھے رویا میں یہ نظر آیا کہ دو آنے والے میرے پاس آئے، انھوں نے مجھے اٹھایا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک مقدس سرزمین میں لے گئے، میں نے دیکھا کہ ایک آدمی پڑا ہے، دوسرا شخص ایک بڑا پتھر ہاتھ میں لئے اس کے پاس کھڑا ہے، وہ زور سے پتھر اس کے سر پر مارتا ہے جس سے اس کا سر چور چور ہو جاتا ہے اور پتھر لڑھکنے لگتا ہے، وہ دوڑ کر پتھر اٹھاتا ہے تو اس کا سر پھر درست ہو جاتا ہے، وہ پھر آکر اسی طرح مارتا ہے اور سر کے پرخچے اڑ جاتے ہیں، میں نے پوچھا سبحان اللہ یہ کیا ہے؟ میرے ساتھیوں نے کہا آگے چلو! آگے چلو! میں آگے چلا تو دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا ہے، دوسرے شخص کے ہاتھ میں ایک لوہے کا ٹکڑا ہے، وہ ایک طرف اس کے منہ میں آنکڑا ڈال کر کھینچتا ہے تو باچھیں پھٹ کر گدی سے مل جاتی ہیں، پھر آنکھ میں، پھر نتھنے میں آنکڑا ڈال کر کھینچتا ہے اور چیر ڈالتا ہے، ادھر سے فرصت کر کے دوسری جانب جاتا ہے اور ادھر کے بھی جبڑے اور دانت اور نتھنے کو اسی آنکڑے سے پیچھے تک چیر ڈالتا ہے، اسی اثنا میں پہلی طرف سے سب زخم بھر آتے ہیں اور پھر آکر وہ ان کو چیرتا ہے تو دوسری طرف کے بھر جاتے ہیں، میں نے کہا کہ سبحان اللہ یہ کیا ہے؟ جواب ملا آگے چلو، آگے چلو، میں اور آگے بڑھا، دیکھا کہ ایک تنور ہے، اس میں آگ روشن ہے، کچھ مرد و عورت اس میں ننگے ڈالے گئے ہیں، جب نیچے سے آگ کا شعلہ اٹھتا ہے تو چیختے ہیں، چلاتے ہیں، تھوڑی دیر میں وہ آگ دب جاتی ہے اور پھر بلند ہوتی ہے اور پھر وہ چیختے ہیں اور چلاتے ہیں، میں نے کہا، سبحان اللہ! یہ کیا ہے؟ انھوں نے پھر آگے بڑھنے کو کہا، اب آگے بڑھے، تو دیکھا کہ ایک خون کی سرخ نہر ہے، اس میں ایک آدمی تیر رہا ہے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الفتن، و صحیح مسلم باب اشراط الساعۃ۔ [2] بخاری بدء الخلق۔

اور کنارہ پر ایک شخص پتھر لئے کھڑا ہے، وہ آدمی چاہتا ہے کہ تیر کر کنارے لگ جائے، مگر جب وہ قریب آتا ہے وہ شخص پتھر اس زور سے تاک کر مارتا ہے کہ وہ اس کے منہ میں جا کر لگتا ہے اور حلق سے نیچے اتر جاتا ہے، وہ آدمی ہٹ کر پھر جہاں تھا وہیں پہنچ جاتا ہے اور پھر وہ کنارے پر آنے کا قصد کرتا ہے کہ پھر اسی طرح پتھر آکر اس پر پڑتا ہے، میں نے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا آگے چلو، آگے چلو۔ میں آگے چلا تو ایک شخص نظر آیا، کریہہ منظر سے کریہہ منظر آدمی جو تم نے دیکھا ہو وہ اس سے بھی زیادہ کریہہ منظر تھا، آگ اس کے سامنے دہک رہی تھی اور اس کو وہ اور دہکا رہا تھا اور اس کے چاروں طرف پھر رہا تھا، میں نے اپنے ساتھیوں سے پھر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انھوں نے آگے بڑھنے کو کہا، میں آگے بڑھا تو ایک ہرا بھرا گنجان باغ نظر آیا جس میں نوبہار کے رنگ برنگ پھول کھلے ہوتے تھے، باغ کے بیچ میں ایک نہایت ہی خوب صورت عمارت دکھائی دی کہ میں نے ویسی کبھی نہیں دیکھی تھی، اس میں بچے، بوڑھے، جوان، عورت، مرد، ہر طرف آگے نظر آتے، آگے بڑھا تو ایک اور عمارت جو پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت تھی نظر آئی، اس میں بھی کچھ لوگ مختلف سن و سال کے دکھائی دیئے، ایک باغ میں ایک درخت کے پاس ایک دراز قد انسان دیکھا جس کا سر اتنا اونچا تھا کہ آسمان تک پہنچ گیا تھا اور مجھے نظر نہیں آتا تھا، اس انسان کے چاروں طرف اتنے بچے نظر آئے کہ میں نے اتنے نہیں دیکھے تھے، میں نے اپنے ہمراہیوں سے پھر سوال کیا، مگر انھوں نے اور آگے بڑھایا تو ایک بہت بڑے باغ کے قریب جس سے زیادہ بڑا اور زیادہ خوب صورت باغ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، پہنچا، اندر گیا تو ایک شہر نظر آیا جس کی چار دیواری ایک ایک سونے اور ایک ایک چاندی کی اینٹوں سے تعمیر ہوئی تھی، دروازہ کے پاس پہنچ کر دروازہ کھلوایا، دروازہ کھلا اور ہم اس کے اندر داخل ہوئے تو وہاں ہم کو ایسے لوگ نظر آئے جن کا آدھا دھڑ تو نہایت خوب صورت تھا اور آدھا دھڑ نہایت بدصورت، میرے ہمراہیوں نے ان سے کہا کہ جاؤ اس نہر میں غوطے لگاؤ، ناگاہ ایک نہایت صاف شفاف نہر نظر پڑی، وہ گئے اور جا کر اس میں غوطے لگائے، غوطے لگا کر باہر آئے تو ان کی بدصورتی جاتی رہی اور وہ نہایت خوب صورت ہو گئے۔ ساتھیوں نے کہا کہ یہ شہر جنت عدن ہے، اور آپ کی منزل وہ ہے، میری نگاہ اوپر اٹھی تو ایک محل سپید بادل کی طرح دکھائی دیا، میں نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے مجھے وہاں جانے دو، انھوں نے جواب دیا کہ ابھی نہیں، مگر آپ وہاں یقیناً جائیں گے، پھر میں نے کہا آج رات کو میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھیں، بتاؤ یہ کیا تھیں؟ انھوں نے کہا اب ہم آپ کو سب بتا دیں گے، پہلا آدمی جس کا سر پتھر سے توڑا جا رہا تھا، وہ تھا جو قرآن پڑھ کر پھر اس کو چھوڑ دیتا ہے اور فرض نماز سے غافل ہو کر سو جاتا ہے، وہ شخص جس کی آنکھ، ناک اور منہ چیرا جا رہا تھا وہ تھا جو جھوٹ بولتا ہے، تنور میں جو عورت مرد ننگے بدن نظر آئے وہ زناکار ہیں، خون کے دریا میں جو غوطے لگا رہا تھا اور پتھر نگل رہا تھا وہ سود خوار ہے کہ وہ لوگوں کا خون چوس کر حرام کھاتا

تھا کہ یہ منظر شخص جو آگ دہکا رہا تھا، دوزخ کا داروغہ مالک تھا، باغ میں جو دراز قد انسان اور اس کے چاروں طرف بچے نظر آتے تھے وہ ابراہیمؑ تھے اور یہ بچے وہ کم سن تھے جو دینِ فطرت پر مرے۔ یہاں پر حاضرینِ مسجد میں سے ایک مسلمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹوک کر کہا، یا رسول اللہ! اور مشرکین کے بچے؟ فرمایا اور وہ بھی (کیونکہ وہ ہوش میں آنے سے پہلے دینِ فطرت ہی پر مرے) پھر سلسلۂ گفتگو آگے فرمایا اور فرشتوں نے بتایا کہ پہلی عمارت جس میں ہر عمر کے لوگ تھے، عام اہلِ ایمان کا مسکن ہے دوسری عمارت جو اس سے بہتر تھی اور جس میں ہر سن و سال کے کچھ آدمی ملے وہ شہیدوں کا مقام ہے اور یہ لوگ جن کا آدھا دھڑ خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا، وہ تھے جنھوں نے نیک اعمال کے ساتھ برے اعمال بھی کئے ہیں، خدا نے اُن سے درگزر کیا۔[1]

*

[1] صحیح بخاری کتاب التعبیر و کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین

مشاہدات و مسموعات

عالم بیداری

أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ (نجم)

پیغمبر جو کچھ دیکھتا ہے کیا اس پر تم اس سے جھگڑتے ہو۔

انبیاء علیہم السلام کے حواس یا عام اصنافِ انسانی کے حواس سے زیادہ لطیف ہوتے ہیں یا ہمارے حواس کے ماسوا اُن کے کچھ اور بھی حواس ہوتے ہیں، جن سے عام انسان اسی طرح بیگانہ ہیں جس طرح مادر زاد نابینا ایک تیز نگاہ نوجوان کی قوتِ بینائی اور لطفِ نظر سے ناآشنا ہے۔

مشاہداتِ نبویؐ، عام مادی واقعات نہیں جن کی روایت صحابہ کرام خود اپنے علم یا رویت یا سماعت سے کر سکتے، بلکہ وہ ان واقعات سے اسی قدر جان سکتے تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے کبھی کبھی ظاہر فرمایا۔ اس لئے روایاتِ حدیث میں مشاہداتِ نبوی کا احاطہ نہیں ہو سکتا ہے اور نہ عام امت کے عمل دین کے لئے ان کیفیاتِ مافوق کا علم ضروری ہے، بہر حال لفظ و عبارت کے حدود میں جہاں تک ممکن ہے ہم ان کے احاطہ کی کوشش کرتے ہیں۔

مشاہداتِ نبویؐ کی فہرست میں سب سے پہلی چیز روح القدس یا روح الامین یا جبریل نام فرشتہ کی رویت ہے جو سب سے پہلے غارِ حرا میں نظر آیا اور اس کے بعد کچھ زمانہ تک وہ آپؐ کی نگاہ سے اوجھل رہا[1] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وجہ سے تکلیف رہی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مکہ میں آپؐ کے چند سال ایسے گزرے کہ آپؐ کو صرف غیب کی آوازیں سنائی اور روشنی دکھائی دیتی تھی اور کوئی چیز آپؐ کو نظر نہیں آتی تھی۔[2] غالباً یہی فترۃ الوحی کا زمانہ ہے، یہ زمانہ ختم ہو گیا تو آپؐ نے ایک دن آواز سنی، نظر اٹھا کر دیکھا تو آسمان و زمین کے بیچ میں ایک کرسی پر وہی فرشتہ بیٹھا ہوا نظر آیا۔[3] مگر عموماً وہ کسی نہ کسی شکل میں نظر آتا۔ صحیح روایتوں میں ہے کہ جبریل صرف دو دفعہ اپنی اصلی صورت میں آپؐ کو نظر آئے، آپؐ نے اس وقت دیکھا کہ ان کے جسم میں چھ سو پر ہیں اور اُن کے دونوں بازوؤں نے اُفق کو گھیر لیا ہے۔[4] جبریل کے علاوہ دوسرے فرشتگانِ الٰہی بھی بارگاہِ نبوت میں آیا کرتے تھے جس کی تفصیل نزولِ ملائکہ کے عنوان میں گزر چکی۔

فرشتوں کے مقابل دوسری ہستی شیطان کی ہے یہ وہ قوتِ شر ہے جس سے کوئی انسان محفوظ نہیں رہ سکتا، سب سے پہلے اس سے حضرت آدمؑ کی آزمائش ہوئی اور خدا نے یہ نتیجہ ظاہر کیا کہ۔

[1] صحیح بخاری و مسلم باب بدء الوحی [2] صحیح مسلم باب کم اقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکہ [3] صحیح مسلم بدء الوحی [4] صحیح بخاری بدء الخلق و تفسیر والنجم، صحیح مسلم باب الاسراء۔

لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ) ہم نے آدم میں استقلال نہیں پایا۔

سفر ایوبؑ اور قرآن میں ہے کہ اس سے حضرت ایوبؑ کی بھی آزمائش ہوئی اور وہ اس امتحان میں پورے اترے،[1] انجیل میں ہے کہ حضرت مسیحؑ بھی شیطان سے آزمائے گئے اور انہوں نے کامیابی سے اس میدان کو سر کیا، حدیث صحیح میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے، پوچھنے والے نے پوچھا یارسول اللہ! کیا آپؐ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا۔ ہاں، لٰکِنَّہٗ اسلم لیکن وہ مسلمان ہوگیا ہے یا مطیع ہوگیا ہے؟ ایک دفعہ کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ شیطان مجھے چھیڑنے لگا اور میری نماز توڑنے لگا تو خدا نے مجھے اس پر غلبہ عطا کیا۔[2]

جنت و دوزخ گو اور عالم کی چیزیں ہیں لیکن نگاہوں سے پردہ اٹھ جائے تو سامنے آجائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ سورج گرہن ہوا، آپؐ صحابہؓ کے ساتھ نماز کو کھڑے ہوئے اور بہت دیر تک قرأۃ، رکوع اور سجدہ میں مصروف رہے، اسی اثناء میں صحابہؓ نے دیکھا کہ آپؐ نے ایک بار ہاتھ آگے کو بڑھایا، پھر دیکھا کہ آپؐ کسی قدر پیچھے ہٹے، نماز کے بعد لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ اس وقت میرے سامنے وہ تمام چیزیں پیش کی گئیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، جنت اور دوزخ کی تمثیل اسی دیوار کے پاس دکھائی گئی میں نے بہشت کو دیکھا کہ انگور کے خوشے لٹک رہے ہیں، چاہا کہ توڑ لوں، اگر میں توڑ سکتا تو تم تاقیامت اس کو کھاسکتے، پھر میں نے دوزخ کو دیکھا جس سے زیادہ کوئی بھیانک چیز میں نے آج تک نہیں دیکھی، لیکن میں نے اس میں زیادہ تر عورتوں کو پایا، لوگوں نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! یہ کیوں؟ فرمایا کہ اپنے خاوندوں کی ناشکری کے سبب، اگر ایک عورت پر تم عمر بھر احسان کرو اور صرف ایک دفعہ وہ تمہارے کسی فعل سے آزردہ ہو جائے تو وہ کہے گی کہ میں نے کبھی تمہارا اچھا برتاؤ نہیں دیکھا، میں نے اس دوزخ میں اس چور کو دیکھا جو حاجیوں کا اسباب چرایا کرتا تھا، میں نے اس میں ایک یہودی عورت کو دیکھا جس پر اس لئے عذاب ہو رہا تھا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ لیا تھا، اس کو نہ کچھ کھانے کو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین پر گری پڑی چیزیں کھائے، آخر اسی بھوک سے اس نے جان دے دی۔[3]

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا، میں جنت میں جانکلا تو دیکھا یہاں کے باشندوں میں بڑی تعداد ان کی ہے جو دنیا میں غریب تھے اور دوزخ میں جاکر دیکھا تو ان میں بڑی تعداد عورتوں کی پائی۔[4]

عمر کے آخیر سال میں آپؐ شہدائے احد کے مقبرے میں تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آکر آپؐ نے ایک خطبہ دیا، اسی درمیان میں آپؐ نے فرمایا، میں اپنے حوض (کوثر) کو یہیں سے دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو زمین کے خزانہ کی کنجیاں حوالہ کی گئیں، اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے لیکن ڈرتا اس سے ہوں کہ اس دنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں رشک و حسد نہ کرنے لگو۔[5]

---

[1] صحیح بخاری بدء الخلق باب سفر ابلیس [2] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب صلوٰۃ الکسوف و صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب رفع البصر و باب التعوذ من الفتن [3] صحیح بخاری باب صفۃ الجنۃ [4] صحیح بخاری کتاب الجنائز (باب بخاری زہرۃ الدنیا)

منبر مبارک مسجد نبوی میں تھا اور اسی سے متصل ازواج مطہراتؓ کے حجرے بھی تھے جن میں سے ایک میں جسدِ اقدس سپرد خاک ہے، آپؐ نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اور میرا منبر میرے حوض پر رکھا ہے۔[1]

محدثین نے اس حقیقت کو مختلف تاویلوں سے ظاہر کرنا چاہا ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کی صحیح تشریح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا مشاہدہ کرایا گیا۔

معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے لئے جب آپؐ بیدار ہوتے تو امہات المومنینؓ کو بھی جگا دیتے، ام المومنین ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ ایک شب خواب سے بیدار ہوئے تو فرمایا، سبحان اللہ! آج شب کو کیا کیا دولت کے خزانے اور کیا کیا فتنے نازل ہوئے ہیں، ان حجروں میں رہنے والیوں (ازواج مطہراتؓ) کو کون جگائے؟ اے افسوس دنیا میں کتنی عورتیں سامان آرائش سے آراستہ ہیں مگر آخرت میں وہ ننگی ہوں گی۔[2] (کہ دنیا میں وہ جامۂ عمل سے برہنہ تھیں)

اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آپؐ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے۔ ایک ٹیلے پر چڑھے پھر فرمایا، اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تم دیکھ رہے ہو؟ لوگوں نے عرض کی، نہیں یارسول اللہ! فرمایا میں تمہارے گھروں کے درمیان فتنوں کو بارش کی طرح برستے دیکھ رہا ہوں۔[3] (یہ غالباً حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد کے واقعات کا مشاہدہ تھا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر حال میں اپنی امت کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام کناروں کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا، میں نے ان کے مغرب و مشرق کو دیکھا، میری امت کی سلطنت ان تمام کناروں تک پہنچ جائے گی جو مجھے دکھائے گئے ہیں۔ مجھے سرخ و سپید (سونا چاندی) کے دونوں خزانے دیئے گئے ہیں۔ میں نے خدا کے حضور میں دعا کی کہ بار الہٰا! میری امت کو کسی عالمگیر قحط سے برباد نہ کرنا اور ان پر ان کے سوا کسی غیر دشمن کو مسلط کرنا، حکم ہوا کہ میرے دربار میں فیصلہ کی تبدیلی نہیں ہوتی میں نے تمہاری یہ دعا قبول کی، تو اب میری امت کو کوئی تباہ نہ کرے گا بلکہ وہ خود ایک دوسرے کو تباہ کریں گے۔[4] مسلمانوں کی پوری تاریخ اسی مشاہدۂ اقدس کی تعبیر ہے۔

گزشتہ انبیائے کرام کی تمثیلیں اکثر آپؐ کو دکھائی گئی ہیں اور معراج اور عالم رویا کے علاوہ بیداری کے عالم میں بھی یہ مشاہدے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپؐ سفر میں دعا با سر بج جاتے ہوئے وادی ازرق سے گزرے، آپ نے دریافت فرمایا، یہ کون وادی ہے؟ لوگوں نے کہا یہ وادی ازرق ہے۔ فرمایا، گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ موسیٰؑ گھاٹی سے اتر رہے ہیں اور ان کی زبان پر تلبیہ کی صدائے بلند جاری ہے۔ اس کے بعد ہرشا کی گھاٹی آئی۔ فرمایا، یہ کون سی گھاٹی ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ ہرشا کی گھاٹی

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحوض و باب فضل ما بین القبر و المنبر [2] صحیح بخاری کتاب التہجد [3] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الفتن [4] صحیح مسلم باب الفتن۔

ہے۔ فرمایا گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ متی کے بیٹے یونس سرخ اونٹنی پر سوار ہیں، کمبل کا جبہ پہنے ہیں۔ اونٹنی کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے اور وہ لبیک اللّٰہم لبیک کہتے جا رہے ہیں۔[۱]

معراج کے واقعہ میں یاد ہو گا کہ جب کفار نے بیت المقدس کا نقشہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ مجھے اچھی طرح یاد نہ تھا کہ دفعۃً اللہ تعالیٰ نے اس کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا، وہ ایک ایک چیز کو پوچھتے جاتے تھے اور میں جواب دیتا جاتا تھا۔[۲]

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ قبرستان سے گزر رہے تھے، فرمایا کہ ان دو قبروں پر عذاب ہو رہا ہے، یہ عذاب کسی گناہ کبیرہ کی پاداش میں نہیں ہے۔ ایک کو اس بات پر سزا دی جا رہی ہے کہ وہ طہارت کے وقت پردہ نہیں کرتا تھا یا یہ کہ پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ دوسرے کے عذاب کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگوں کی چغلی کھایا کرتا تھا، اس کے بعد آپ نے ایک درخت کی سبز ٹہنی کو دو ٹکڑے کر کے دونوں پر کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ شاید ان کی تسبیح و تہلیل سے ان کی سزاؤں میں تخفیف ہو۔[۳]

حضرت ابو ایوب انصاریؓ راوی ہیں کہ ایک دفعہ آپ دوپہر کو گھر سے نکلے تو آپ کے کانوں میں ایک آواز آئی، فرمایا کہ یہ یہود پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے، یہ بخاری کی روایت ہے۔[۴]

طبرانی میں ہے کہ آپ نے فرمایا، یہود کو ان کی قبروں میں جو عذاب دیئے جا رہے ہیں، ان کی آوازیں میرے کانوں میں آ رہی ہیں۔[۵]

ایک جہاد میں مسلمانوں کی طرف ایک آدمی مارا گیا تھا، لوگوں نے کہا وہ شہید ہوا، آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے مال غنیمت میں سے ایک عبا چرائی تھی، اس کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ جنت میں صرف اہل ایمان جائیں گے۔[۶]

عمرو بن عامر خزاعی عرب میں پہلا شخص ہے جس نے جانوروں کو دیوتاؤں کے نام نذر کرنے کی بدعت پیدا کی، بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس کے شعلے ایک دوسرے کو توڑ رہے اور اس میں عمرو بن عامر کو دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے۔[۷]

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ایک دفعہ بنی نجار کے نخلستان میں جا نکلے، آپ ایک خچر پر سوار تھے اور جاں نثار ساتھ ساتھ تھے کہ دفعۃً خچر اس زور سے بھڑکا کہ قریب تھا کہ آپ گر پڑیں، پاس پانچ چھ قبریں تھیں، دریافت فرمایا کہ ان قبروں کو کوئی جانتا ہے؟ ایک نے کہا، ہاں! یا رسول اللہ، میں جانتا ہوں۔ فرمایا، یہ لوگ کب مرے ہیں؟ عرض کیا کہ یہ لوگ شرک کی حالت میں مرے ہیں۔ فرمایا، ان لوگوں کی ان کی قبروں میں آزمائشیں ہو رہی ہیں، اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم مُردوں سے ڈر کر ایک دوسرے کو دفن کرنے میں ڈرنے لگو گے تو میں خدا سے دعا کرتا کہ تم کو بھی عذاب قبر کی وہ آواز سنائے جو میں سن رہا ہوں۔[۸]

---

[۱] صحیح مسلم باب الاسراء [۲] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الاسراء [۳] صحیح بخاری کتاب الجنائز [۴] کتاب الجنائز [۵] قسطلانی شرح حدیث مذکور [۶] جامع ترمذی باب ما جاء فی الغلول [۷] مسند ابن حنبل بسند جابر بن عبداللہ [۸] ایضاً۔

ایک دفعہ آپ صحابہ کے ساتھ کسی طرف کو تشریف لئے جا رہے تھے، اتنے میں ایک سخت بدبو پھیلی فرمایا جانتے ہو یہ کیسی بدبو ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں۔[۱] حاکم میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت بلالؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی طرف کو جا رہے تھے، آپ نے فرمایا اے بلال! جو میں سن رہا ہوں تم سن رہے ہو؟ عرض کی نہیں یا رسول اللہ! فرمایا کہ تم نہیں سنتے کہ مُردوں پر عذاب ہو رہا ہے، مستدرک حاکم، کتاب الزہد امام احمد، بزار اور بیہقی کی شعب الایمان میں ہے کہ حضرت زیدؓ بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھے، حضرت ابوبکرؓ نے پینے کی کوئی چیز مانگی تو لوگ شہد اور پانی لے آئے، حضرت ابوبکرؓ یہ دیکھ کر رونے لگے، لوگوں نے گریہ کا سبب دریافت کیا تو فرمایا، ایک دن میں خدمت نبوی میں حاضر تھا تو دیکھا کہ آپ ہاتھ سے کوئی چیز ہٹا رہے ہیں، اور مجھے کوئی چیز ہٹانے کی نظر نہیں آتی تھی تو میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کس چیز کو ہٹا رہے ہیں؟ فرمایا یہ دنیا ہے جو میرے سامنے متمثل ہو کر آئی ہے، میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس سے چلی جا، تو اس نے کہا، اگر آپ مجھ سے بچ گئے تو آپ کے بعد کے لوگ مجھ سے نہیں بچ سکتے۔

☆

---

[۱] مسند ابن حنبل بسند جابر بن عبداللہ [۲] مستدرک ج ۴ ص ۳۰۹۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ بخاری وغیرہ نے اس کے ایک راوی (عبدالصمد) کو متروک کہا ہے

اسرا یا معراج

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ

اسرا کے معنی رات کو چلانے یا لے جانے کے ہیں، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حیرت انگیز معجزانہ سفر رات کو ہوا تھا اس لئے اس کو اسرا کہتے ہیں، اور قرآن مجید نے اسی لفظ سے اس کو تعبیر کیا ہے سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (پاک ہے وہ خدا جو رات کے وقت اپنے بندہ کو لے گیا)۔

معراج، عروج سے نکلا ہے جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں، چونکہ احادیث میں آپ سے لفظ عرج بی مجھ کو اوپر چڑھایا گیا، مروی ہے، اس لئے اس کا نام معراج پڑا۔

انبیاء اور سیر ملکوت انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں منصب رفیع حاصل ہوتا ہے اور اس وقت شرائط رویت کے تمام مادی پردے ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیئے جاتے ہیں، اسباب سماعت کے دنیاوی قوانین ان کے لئے منسوخ کر دیئے جاتے ہیں، قیود زمانی و مکانی کی تمام فرضی بیڑیاں ان کے پاؤں سے کاٹ ڈالی جاتی ہیں، آسمان و زمین کے مخفی مناظر بے حجابانہ ان کے سامنے آتے ہیں اور وہ اس کے بعد نور کا حلہ بہشتی پہن کر فرشتوں کے روحانی جلوس کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں اور اپنے اپنے رتبہ اور درجہ کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیض ربانی سے معمور اور غرق دریائے نور ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض مقربان خاص کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حریم خلوت گاہ قدس میں بار پاکر قاب قوسین (دو کمانوں کے فاصلہ) سے بھی نزدیک تر ہو جاتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے منصب کا فرمان خاص لے کر اس کاشانۂ آب و خاک میں واپس آجاتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کو جب نبوت عطا ہوتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمان اور زمین کی بادشاہی دکھاتے ہیں۔ یہ سیر ملکوت یعنی آسمان و زمین کی بادشاہی کا مشاہدہ کیا ہے؟ یہی اسرا اور معراج ہے۔

حضرت یعقوبؑ کے متعلق توراۃ میں مذکور ہے۔

"یعقوب بیرسبع سے نکلا اور حاران کی طرف روانہ ہوا اور وہاں ایک مقام پر جاکر لیٹا کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا اور اسی مقام سے کچھ پتھر اپنے سر کے نیچے رکھ لئے اور وہیں سو رہا، وہاں خواب دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک زینہ لگا ہوا ہے جس پر سے خدا کے فرشتے چڑھتے اور اترتے ہیں اور خدا اس پر کھڑا ہے اور اس نے کہا میں ہوں خداوند تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق کا خدا جس زمین پر تو سویا ہے وہ تجھ کو اور تیری نسل کو دوں گا۔" (تکوین ۲۸)

حضرت موسیٰؑ کو طور پر جلوہ حق کا پرتو نظر آیا، وہی ان کی معراج ہے، دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے مشاہدات ربانی اور سیاحت روحانی کی تفصیل سے توراۃ کے صفحات معمور ہیں، عیسائیوں کے مجموعۂ انجیل میں یوحنا رسول کا مکاشفہ بتفصیل مذکور ہے جس میں ان کو خواب کے اندر جنت سے روحانی مناظر دکھائے گئے ہیں اور قیامت کے واقعات تمثیلی رنگ میں ان کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ پورا مکاشفہ جس کو ہم سفرنامہ ملکوت کہہ سکتے ہیں ۲۲ بابوں میں ختم ہوا ہے اور اُن میں آثار قیامت، جزاء و سزا اور جنت و دوزخ وغیرہ کے متعلق اکثر ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو قرآن مجید کے بالکل مطابق ہیں اور ان کو تمام مسلمان پسند کرتے ہیں مجوس اپنے پیغمبر زردشت کے متعلق بھی معراج کا ایک طویل افسانہ سناتے ہیں جس میں زیادہ تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات معراج کو نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، پیروان بودھ بھی نخل حکمت کے سایہ میں بودھ کے مشاہدہ ربانی کا ایک قصہ بیان کرتے ہیں۔

بہرحال اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ سے یہ سیر ملکوت انبیاء، مقربان الٰہی اور مدعیان قرب الٰہی کے سوانح کا جزو رہی ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے منصب اور رتبہ کے مطابق اس عالم کے مشاہدہ کا فیض حاصل کیا ہے۔ اسلام نے اس اعزاز کو یہاں تک عام کیا ہے کہ اہل ایمان کے لئے دن میں پانچ دفعہ اس دربار کے کسی نہ کسی گوشہ تک رسائی ممکن کر دی ہے کہ الصلوٰۃ معراج المومنین۔

معراج نبویؐ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سرور انبیاء اور سید اولاد آدم تھے اس لئے اس سیر کی آخری منزل اور بارگاہ لامکان میں آپ کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک کسی فرزند آدم کا قدم اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا اور وہ کچھ مشاہدہ کیا جو اب تک دوسرے مقربان بارگاہ کی حد نظر سے باہر رہا تھا۔

معراج نبوی کا وقت و تاریخ اور تعداد وقوع اس امر میں اختلاف ہے کہ معراج کب اور کس تاریخ کو واقع ہوئی، ایک دفعہ ہوئی یا مختلف اوقات میں، صحیح و مستند روایات کے مطابق اور جمہور علماء کی رائے کے موافق معراج صرف ایک دفعہ واقع ہوئی، جو لوگ متعدد کے قائل ہیں، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ چونکہ روایتوں میں جزئیات معراج کے بیان میں اختلاف ہے اس لئے انہوں نے رفع اختلاف کے لئے متعدد دفعہ معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے[1] تاکہ ہر مختلف فیہ واقعہ ایک ایک جداگانہ معراج پر منطبق کیا جائے لیکن درحقیقت یہ ایک فرض محض ہے جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہیں مستند اور صحیح روایات ہمارے سامنے ہیں اور ان میں تعدد معراج کا اشارہ تک نہیں ہے۔ ایک ایسے امر مافوق مشاہدہ بشری اور طویل واقعہ کے متعلق جو اس وقت واقع ہوا جب مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور جس قدر تھی وہ بھی پراگندہ حال اور منتشر الخیال تھی اور ایک ایسے واقعہ کے متعلق جس کے رواۃ اکثر وہ لوگ ہیں جو اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے یا بہت چھوٹے تھے یا مدنی لوگ ہیں جن کو قبل ہجرت کے واقعات کی ذاتی اور بلاواسطہ واقفیت نہ تھی، اگر جزئیات میں معمولی اختلاف یا بعض واقعات کی ترتیب میں تقدم و تاخر واقع ہوا ہے تو ان کی تطبیق

[1] امام سہیلی نے روض الانف شرح سیرۃ ہشام میں اسی استدلال کی بنا پر تعدد کا میلان ظاہر کیا ہے، ج اول صفحہ ۲۴۳ مصر۔

کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں، خود ہمارے سامنے روزانہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں، انکے جزئیات کی تفصیل اگر مختلف راویوں سے سنیں یا مختلف اوقات میں ہم خود بیان کریں تو ترتیبِ واقعات اور دیگر جزئی امور میں بیسیوں اختلافات پیدا ہو جائیں گے، بایں ہمہ اصل معاملہ اور اس کے اہم اجزاء کے وقوع میں شک وشبہ نہ ہوگا۔

بعض اربابِ سیر نے دو دفعہ معراج کا ہونا ظاہر کیا ہے جن میں وہ ایک کو اسراء اور دوسرے کو معراج کہتے ہیں، قرآن میں اسراء اور احادیث میں معراج کا نام آیا ہے، انہوں نے اس کی ضرورت اس لئے سمجھی ہے کہ قرآن مجید کے پندرہویں پارہ میں اسراء کا جو بیان ہے اس میں صرف مکہ سے بیت المقدس تک کا سفر مذکور ہے اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسم کے ساتھ حالتِ بیداری میں ہوا حالانکہ معراج میں تو آسمان تک کا سفر ہوا ہے اور عجیب وغریب واقعات پیش آئے ہیں اور بعض روایتوں میں تصریح ہے کہ یہ خواب تھا، بہرحال یہ بھی استنباط اور قیاس سے آگے نہیں بڑھتا، قرآن مجید کے الفاظ خواب وبیداری دونوں کے متحمل ہیں، اس بنا پر اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج ایک ہی دفعہ واقع ہوئی ہے۔

علامہ زرقانی نے تصریح کی ہے کہ یہی جمہور محدثین، متکلمین اور فقہاء کی رائے ہے اور روایاتِ صحیحہ کا تواتر بھی بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے اور اس سے عدول نہیں کرنا چاہیئے۔ حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں تعددِ معراج کے قول کو بالکل لغو اور بے سند اور خلافِ سیاق احادیث ٹھہرایا ہے۔

معراج کے وقت اور زمانہ کی تعین۔ یہ دشواری پیش آتی ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جبکہ تاریخ اور سنہ کی تدوین نہیں ہوئی تھی اور عرب میں عموماً اسلام سے پہلے کسی خاص سنہ کا رواج نہ تھا تاہم وقت کے متعلق اتنا تو یقینی طور پر معلوم ہے کہ رات کا وقت تھا، خود قرآن مجید میں ہے اسریٰ بعبدہ لیلاً (یعنی لے گیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو رات کے وقت) اور تمام روایات بھی اس پر متفق اللفظ ہیں، لیکن صحیح دن اور تاریخ کا پتہ لگانا نہایت مشکل ہے، محدثین کے ہاں کسی سے بھی بروایتِ صحیحہ اس کی تصریح موجود نہیں ہے، اربابِ سیر نے بعض صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے کچھ روایتیں کی ہیں لیکن ان کی تصریحات مختلف ہیں، تاہم اتنی بات پر بلا اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ یہ بعثت اور آغازِ وحی کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے، مکہ معظمہ میں پیش آیا۔

مہینہ کی تعیین کے متعلق اربابِ سیر کے پانچ اقوال ہیں، کوئی ربیع الاول کہتا ہے، کسی نے ربیع الآخر کی روایت کی ہے، بعض رجب کی تعیین کرتے ہیں، بعض رمضان یا شوال کہتے ہیں، یہ آخری روایت سدی کی ہے جس کو ابن جریر طبری اور بیہقی نے نقل کیا ہے، اس کی روایت ہے کہ معراج ہجرت سے ۱۷ مہینے پیشتر واقع ہوئی، ہجرت اوائل ربیع الاول میں ہوئی ہے، اس بناء پر ۱۷ مہینے پیشتر آخر رمضان ہوگا

۱؎ شرح مواہب ج ۶ اول صفحہ ۔ ۱؎ صحیح بخاری اور کتب حدیث میں معراج کے بیان میں شریک نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ قبل آغاز وحی کے ہوا، اس کا مطلب محض فرشتوں کا آنا ہے، نفسِ معراج نہیں، تفصیل آگے آئے گی۔

یا آغاز شوال، لیکن کون نہیں جانتا کہ سدی پایۂ اعتبار سے ساقط ہے، واقدی سے ابن سعد نے دو روایتیں کی ہیں، ایک یہ کہ سنیچر کی شب تھی، ۱۷ تاریخ تھی، رمضان کا مہینہ تھا، ہجرت ربیع الاول ۱ھ سے ۱۸ مہینے پیشتر کا یہ واقعہ ہے، دوسری یہ ہے کہ یہ ہجرت سے ایک سال پہلے ۱۷ ربیع الاول کا واقعہ ہے۔ واقدی نے ان روایات میں کسی قدر تصریح کے ساتھ دن، تاریخ اور وقت بتا دیا ہے لیکن ہمارے علمائے رجال کی عدالت میں ان کی شہادت کوئی بڑی قدر وقیمت نہیں رکھتی، چنانچہ ان روایتوں میں بھی جس روایت میں وقت اور تاریخ کی جس قدر تفصیل زیادہ ہے اسی قدر وہ زیادہ نامعتبر ہے کیونکہ اس کی سند ناتمام ہے، دوسرے مہینوں کی روایتیں بھی اسی قسم کی ہیں، ابن قتیبہ دینوری (المتوفی ۲۶۷ھ) اور علامہ ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) نے رجب کی تعیین کی ہے اور متاخرین میں امام رافعی اور امام نووی نے (روضہ میں) اسی کو یقین کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور محدث عبدالغنی مقدسی نے بھی اسی مہینہ کو اختیار کیا ہے بلکہ ۲۷ تاریخ کی بھی تصریح کردی ہے اور علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور بعضوں کی رائے ہے کہ یہی قوی ترین روایت ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب کسی بات میں اسلاف کا اختلاف ہو اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو بظنِ غالب وہ قول صحیح ہوگا جس پر عمل درآمد ہوا اور جو لوگوں میں مقبول ہو۔ اس مسئلہ کے حل کی ایک صورت یہ ہے کہ متاخرین کے نقول قیاسیات، استنباطات اور مجادلات سے جو دس سے زیادہ مختلف اقوال پر مشتمل ہیں قطع نظر کرلیا جائے اور دیکھا جائے کہ قدیم راویوں کی اصل تصریحات کیا کیا ہیں اور کثرتِ روایت اور گمانِ صحت کا راجح پہلو کس کی جانب ہے، چنانچہ یہ تصریحات حسب ذیل ہیں۔

نام راوی	روایت	کیفیت سند
(۱) ابن سعد بواسطہ واقدی از حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص و ام سلمہ و عائشہ و ابن عباس و ام ہانی رضی اللہ عنہم	۱۷ ربیع الاول ہجرت سے ایک سال قبل	ابن سعد نے یہ روایت متعدد مسلسل طریقوں سے صحابہ سے نقل کی ہے۔
(۲) موسیٰ بن عقبہ بواسطہ زہری	ہجرت سے ایک سال قبل	موسیٰ بن عقبہ کی سیرت معتبر ترین کتب سیرت
(۳) زہری بواسطہ سعید ابن مسیب	"	"
(۴) عروہ بن زبیر، از حضرت عائشہؓ	"	"
(۵) قتادہ	"	یہ تابعی ہیں۔
(۶) مقاتل	"	"
(۷) ابن جریج	ہجرت سے ایک سال قبل	"
(۸) ابراہیم بن اسحاق الحربی	۲۷ ربیع الآخر ہجرت سے ایک سال پہلے	"

۱؎ ابن سعد ج ۱ صفحہ ۱۴۳ ۲؎ یہ تمام تفصیل زرقانی ج ۱ ص ۳۵۵-۳۵۸ میں مذکور ہے۔

(۹) مسلم بن قتیبہ	ہجرت سے ۱۸ ماہ پیشتر	یہ مورخ ہیں۔
(۱۰) عمرو بن شعیب از حضرت عمرو بن العاص	،، ربیع الاول ہجرت سے ایک سال پہلے	
(۱۱) سُدّی۔	ہجرت سے ۱۱ یا ۱۶ مہینے پیشتر	سُدّی پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

متاخرین نے امام زہری کے انتساب سے دو اور مختلف اقوال نقل کئے ہیں، ایک ہجرت سے پانچ سال قبل اور دوسرا البعثت سے پانچ سال بعد، پہلے قول کے ناقل علامہ ابن حجر (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۵۵ مصر) ہیں اور ان کا بیان ہے کہ قاضی عیاض، امام قرطبی اور امام نووی شارحین صحیح مسلم اسی کے موید ہیں، لیکن امام نووی کی شرح صحیح مسلم مطبوعہ ہندوستان (ص ۹۱) اور قسطلانی کی سیرت مواہب لدنیہ (مطبوعہ مصر مع زرقانی) میں دوسرا قول منقول ہے زرقانی نے (جلد اول فصل معراج) میں اس اختلاف پر حیرت ظاہر کی ہے، افسوس ہے کہ قلمی نسخے موجود نہیں، ہمارا خیال ہے کہ یہ اختلاف کتابت کی غلطی اور مسامحت سے پیدا ہوا ہے، اسی طرح اسد الغابہ ابن اثیر مطبوعہ مصر (ص ۲۰) میں سدی کی نسبت لکھا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ معراج ہجرت سے ۶ مہینے ستۃ اشہر پہلے ہوئی، یہ درحقیقت ۱۶ ہے "ستۃ اشہر" کے بجائے "ستۃ عشر شہرا" چاہیئے۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اس سے (تفسیر اسراء) نقل کیا ہے اور جو اس کی ۱۷ مہینے والی روایت کے قریب قریب ہے جو طبری و بیہقی میں ہے، چھٹی صدی میں علامہ ابن اثیر نے کسی قیاس یا استنباط تاریخی کی بنا پر ہجرت سے تین سال پہلے معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے، مگر جہاں تک ہم کو معلوم ہے کسی اور نے اس کا ساتھ نہیں دیا ہے اور نہ کہیں سیرت کی امہات کتب میں یہ تاریخ مذکور ہے بجز اس قیاس کے کہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں واقعہ معراج کو ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات سے پہلے نقل کیا ہے اور یہ دونوں حادثے ہجرت سے تین سال پہلے پیش آئے تھے۔ اس سے اشارۃً یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ابن اسحاق کا خیال تھا کہ معراج ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی۔

ہم نے متقدمین کی پوری روداد ناظرین کے سامنے رکھ دی ہے جس سے معلوم ہوا ہوگا کہ قدیم راویوں کا بڑا حصہ ایک سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کرتا ہے، ایک دو بزرگ ۷ یا ۸ مہینے کی مدت اور بڑھاتے ہیں متاخرین میں سے بعض اصحاب نے جو قیاس تاریخی سے تین سال یا پانچ سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کرنا چاہا ہے اس کا مبنی یہ ہے کہ بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نماز پنجگانہ کی فرضیت سے پہلے وفات پاچکی تھیں، نماز پنجگانہ بالاتفاق معراج میں فرض ہوئی۔ پھر بخاری ہی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائی اور دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے کہ ہجرت

لے یہ تمام روایات مختلف ماخذوں سے جمع کی گئی ہیں، اول ابن سعد سیرت نبوی، دوم، چہارم، یازدہم تفسیر ابن کثیر (سورہ ۱۵ صفحہ ۱۳) میں، ہشتم تفسیر ابن جریر (۱۵ ... ۵) میں ہے، پنجم و ششم تفسیر ابن حبان (اسراء صفحہ ...) میں ہے بقیہ اقوال اور روایات کے لئے فتح الباری منتقل، شرح شفائے عیاض، استیعاب، ابن عبد البر، اسد الغابہ ابن اثیر، روض الانف، ذکر معراج، دیکھئے۔

سے پانچ سال پہلے انتقال کیا۔ ان مقدمات کو یکجا کرکے انہوں نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے تین سال پہلے (بقول ابن اثیر) یا پانچ سال پہلے (بقول قاضی عیاض وغیرہ) پیش آیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال اس وقت درست ہوسکتا تھا جب یہ ثابت ہوتا کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت اور حضرت خدیجہؓ کی وفات دونوں ایک ساتھ ہوئیں یا کم از کم یہ کہ پہلا واقعہ دوسرے واقعہ کے چند روز بعد پیش آیا، حضرت عائشہؓ کی روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے معراج (فرضیت نماز پنجگانہ) سے پہلے وفات پائی۔ اب یہ نہیں معلوم کہ ایک مہینہ پہلے یا سال بھر پہلے یا چند سال پہلے، اس لئے ان قیاسات سے معراج کی تاریخ متعین نہیں ہوسکتی۔

بہرحال ابتدائی راویوں کی کثیر جماعت جن میں بعض نہایت معتبر اور ثقہ ہیں اسی طرح ہے کہ یہ ہجرت یعنی ربیع الاول سلہ سے ایک سال یا ڈیڑھ سال پہلے کا واقعہ ہے، امام بخاری نے جامع صحیح میں گو کوئی تاریخ نہیں بیان کی ہے، لیکن ترتیب میں وقائع قبل ہجرت کے سب سے آخر میں اور بیعت عقبہ اور ہجرت سے متصلاً پہلے واقعہ معراج کو جگہ دی ہے اور ابن سعد نے بھی سیرت میں واقعہ معراج کا یہی موقع ترتیب میں رکھا ہے، اس سے حدیث اور سیرت کے ان دو اماموں کا یہی منشا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہجرت سے کچھ ہی زمانہ پہلے خواہ وہ ایک سال ہو یا اور کچھ، کم و بیش، معراج کا زمانہ متعین کرتے ہیں۔ آگے چل کر ہم یہ بتائیں گے کہ ہمارے نزدیک قرآن مجید سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کہ معراج اور ہجرت کے بیچ میں کوئی زمانہ حائل نہ تھا بلکہ معراج درحقیقت ہجرت ہی کا اعلان تھا۔

مہینہ کی تعیین مشکل ہے جو لوگ ہجرت یعنی ربیع الاول سلہ سے ایک سال پہلے کہتے ہیں، ان کے حساب سے اگر یہ ربیع الاول ادھر شامل کرلیا جائے تو ادھر معراج کا ایک مہینہ ربیع الآخر پڑے گا اور اگر شامل نہ کیا جائے تو ربیع الاول رہے گا۔ اور اگر عام و مشہور و معمول بہ رجب کی تاریخ اختیار کی جائے تو ہجرت سے ایک سال ۶ مہینے پیشتر کا واقعہ تسلیم کرنا ہوگا۔

معراج کی صحیح روایتیں

واقعہ معراج چونکہ نہایت اہم، ہماری مادی کائنات سے ماوراء، اور قیاس، استنباط اور عقلِ انسانی کی سرحد سے بالاتر ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اس باب میں صحیح و خالص روایتوں کی پیروی کی جائے، احادیث و سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو کثیر التعداد صحابیوں نے بیان کیا ہے۔ علامہ زرقانی نے ۴۵ صحابیوں کو نام بنام گنایا ہے اور حدیث و سیر و تفسیر کی جن جن کتابوں میں ان کی روایتیں مذکور ہیں، ان کی تصریح کی ہے۔ علامہ ابن کثیر نے تفسیر (بنی اسرائیل) میں ان میں سے اکثر روایتوں کو یکجا کردیا ہے۔ ان میں صحیح مرفوع، قوی، موقوف، مرسل، منکر سبھی قسم کی روایتیں ہیں۔ صحاح ستہ میں معراج کا واقعہ مستقلاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ ترمذی اور نسائی وغیرہ میں ضمناً اور مختصراً یہ واقعات مختلف ابواب میں کہیں کہیں آگئے ہیں۔ امام بخاری اور مسلم نے اس واقعہ کو حضرت ابوذرؓ، حضرت مالکؓ بن صعصعہ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جابرؓ بن عبداللہ اور

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سات اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے، ان میں چار پچھلے صحابیوں نے صرف چند متفرق جزئیات بیان کئے ہیں۔

صحیحین میں واقعہ معراج کا مسلسل اور مفصل بیان حضرت ابوذرؓ حضرت مالکؓ بن صعصعہ اور حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے، حضرت انسؓ نے تین طرق سے روایت کی ہے، ایک طریقہ میں (صحیح مسلم باب الاسرا اور صحیح بخاری کتاب التوحید۔ اخیر راوی وہی ہیں، لیکن اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ انھوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، یا کسی صحابی نے اُن سے بیان کیا، دوسرے طریقہ میں (صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ و باب المعراج اور صحیح مسلم باب الاسرا۔) یہ تصریح ہے کہ انہوں نے حضرت مالک بن صعصعہ سے سنا اور تیسرے طریقہ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ و کتاب الانبیاء۔) میں یہ صراحت ہے کہ انہوں نے حضرت ابوذرؓ سے بھی سُنا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نے متعدد اکابر صحابہ سے معراج کا واقعہ سُنا تھا اور اسی لئے اُن کا بیان سب سے زیادہ جامع اور مفصل ہے۔ تابعین میں سے متعدد بزرگوں نے حضرت انسؓ سے اس روایت کو صحیحین میں نقل کیا ہے مثلاً ثابت البنانی ابن شہاب زہری، قتادہ اور شریک بن عبداللہ بن ابی نمر، ان میں محفوظ تر بیان ثابت کا ہے، شریک کی روایت متعدد امور میں ثقات کی روایت کی مخالف ہے اور اسی لئے امام مسلم نے صحیح مسلم باب الاسرا۔ میں اس کی طرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا ہے اور لکھ دیا ہے کہ ان کی روایت میں تقدم و تاخر اور زیادت و نقص ہے۔

حضرت مالک بن صعصعہ اور حضرت ابوذرؓ نے یہ تصریح کی ہے کہ انھوں نے معراج کے واقعہ کو لفظ بلفظ اور حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے، گو یہ دونوں ہی بزرگوار جلیل القدر صحابی ہیں لیکن حضرت ابوذرؓ میں ایک مزید خصوصیت یہ ہے کہ وہ سابقین اسلام میں ہیں اور وقوع معراج سے پہلے ہی مکہ میں آکر اسلام لا چکے تھے، حضرت مالک بن صعصعہ انصاری ہیں، اس بنا پر معراج کی تمام روایتوں میں حضرت ابوذرؓ کی روایت کو ہم سب سے مقدم سمجھتے ہیں۔

معراج کا واقعہ الغرض جب اسلام کی سخت اور پُر خطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا اور ہجرت کے بعد سے اطمینان و سکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا تو وہ شب مبارک آئی اور اس شب مبارک میں وہ ساعت ہمایوں آئی جو دیوان قضا میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر ملکوت کے لئے مقرر تھی اور جس میں پیش گاہ ربانی سے احکام خاص کا اجرا۔ اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا، رضوان جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آراستہ کیا جائے کہ شاہد عالم آج یہاں مہمان بن کر آئے گا، روح الامین کو فرمان پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطہ لاہوت کے مسافروں کے لئے مخصوص ہے، حرم ابراہیم اکعبہ میں لے کر حاضر ہو، کارکنان عناصر کو حکم ہوا کہ مملکت آب و خاک کے تمام مادی احکام و قوانین تھوڑی دیر کے لئے معطل کر دیئے جائیں اور زمان و مکان، سفر و اقامت، رویت و سماعت، تخاطب و کلام کی تمام طبعی پابندیاں اٹھا دی جائیں۔

صحیحین میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے کہ آپؐ کے گھر کی چھت کھلی اور جبریل علیہ السلام نازل ہوئے، انہوں نے پہلے آپؐ کا سینہ مبارک چاک کیا، پھر اُس کو آب زمزم سے دھویا۔ اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے بھر لائے اور ان کو سینہ مبارک میں ڈال کر بند کر دیا، پھر آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر آسمان پر لے گئے، جب آپؐ آسمان پر پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ کھولو، اس نے کہا کہ کون؟ انہوں نے جواب دیا "جبریل"، اس نے پوچھا "کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟" انہوں نے کہا "ہاں میرے ساتھ محمد ہیں"، اس نے سوال کیا "کیا وہ بلائے گئے ہیں؟" انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

بہر حال آپؐ جب پہلے آسمان پر چڑھے تو آپؐ کو ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا جس کے دائیں بائیں بہت سی پرچھائیں تھیں، جب وہ دائیں جانب دیکھتا تھا تو ہنستا تھا اور جب بائیں جانب نگاہ جاتی تھی تو روتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اس نے کہا، مرحبا اے نبی صالح اور اے فرزند صالح! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا، یہ آدم ہیں اور ان کے دائیں بائیں کی پرچھائیاں ان کی اولاد کی روحیں ہیں، دائیں جانب والے جنتی اور بائیں جانب والے دوزخی ہیں، اس لئے وہ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور بائیں جانب نگاہ کرتے ہیں تو روتے ہیں، اس کے بعد آپؐ دوسرے آسمان پر پہنچے تو اسی قسم کا سوال و جواب ہوا اور ہر آسمان پر کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم اور چھٹے پر حضرت ابراہیم سے (حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذرؓ نے مجھ سے پیغمبروں کے منازل کی تعیین نہیں بیان کی، بہر حال حضرت جبریل علیہ السلام آپؐ کو ادریس علیہ السلام کے پاس سے لے کر گزرے، انہوں نے آپ کو دیکھ کر کہا، مرحبا اے نبی صالح اور برادر صالح! آپؐ نے نام پوچھا۔ حضرت جبریل نے نام بتایا، پھر یہی واقعہ حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے ساتھ پیش آیا، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے نبی صالح اور برادر صالح کہہ کر اور حضرت ابراہیمؑ نے نبی صالح اور فرزند صالح کہہ کر آپؐ کا خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد حضرت جبریل آپؐ کو اور اوپر لے گئے اور آپؐ اس مقام پر پہنچے جہاں قلم (قدرت) کے چلنے کی آواز آتی تھی۔ اس موقع پر خداوند تعالیٰ نے آپؐ کی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عطیہ ربانی کو لے کر حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے تو انہوں نے پوچھا کہ خدا نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ پچاس وقت کی نماز۔ انہوں نے کہا کہ خدا کے پاس دوبارہ جایئے کہ آپؐ کی امت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گئے اور خدا نے ایک حصہ کم کر دیا، آپؐ واپس آئے تو حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ دوبارہ خدا کے پاس جایئے، آپؐ کی امت اس کی بھی متحمل نہیں ہوگی، آپؐ گئے تو خدا نے ایک حصہ کی پھر تخفیف کر دی، حضرت موسیٰؑ نے پھر کہا کہ آپؐ کی امت میں اس کی بھی قوت نہیں، آپؐ پھر گئے تو خدا نے اس تعداد کو گھٹا کر پانچ وقت کر دیا اور ارشاد ہوا کہ گو نمازیں پانچ وقت کی ہوں گی لیکن ثواب ان ہی پچاس وقتوں کا ملے گا، کیونکہ میرے حکم میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تخفیف مزید کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر

خدا کے پاس مراجعت کا مشورہ دیا، لیکن آپؐ نے فرمایا کہ اب تو مجھے شرم آتی ہے، اس کے بعد آپؐ کو سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کرائی گئی جو ایسے مختلف رنگوں سے ڈھکا ہوا تھا جن کو آپؐ جان نہ سکے، پھر آپؐ کو حضرت جبریل علیہ السلام جنت میں لے گئے، وہاں آپؐ کو موتی کی عمارتیں نظر آئیں اور آپؐ نے دیکھا کہ اس کی مٹی مشک کی ہے۔[1]

کتب حدیث میں واقعۂ معراج کے متعلق یہ مقدم ترین اور معتبر ترین روایت ہے اس کے بعد حضرت مالک بن صعصعہؓ کی روایت کا درجہ ہے۔ اس روایت میں بہت سی باتیں پہلی روایت سے زائد ہیں، حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں اس کی تصریح نہیں کہ آپؐ اس وقت بیدار تھے یا خواب میں تھے، اس میں یہ ہے کہ آپؐ خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھے، پہلی روایت میں ہے کہ آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ کے گھر کی چھت کھلی اور حضرت جبریلؑ نازل ہوئے، اور اس میں ہے کہ آپؐ حطیم یا حجر[2] میں لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت جبریل آئے، حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں براق کا ذکر نہیں، اور اس روایت میں ہے کہ آپؐ براق پر سوار ہو کر گئے، حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں منازل انبیاء نہیں بیان کئے گئے ہیں لیکن اس روایت میں نام بنام تصریح ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقات نماز کی تعداد تین مرتبہ میں گھٹائی گئی،[3] لیکن اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ اس غرض سے خدا کے پاس پانچ بار گئے، ان دونوں روایتوں میں درحقیقت اجمال و تفصیل کا فرق ہے حضرت ابوذرؓ کی روایت مجمل ہے اور حضرت مالک بن صعصعہؓ کی روایت میں واقعات کی کسی قدر تفصیل ہے، تاہم یہ دوسری روایت بھی معراج کے تمام واقعات و سوانح کو محیط نہیں ہے، اب ذیل میں ہم صحیحین کی تمام روایتوں کو ملا کر معراج کے سوانح و مشاہدات کا ایک جامع بیان لکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اصل کعبہ کے جو عمارت بنائی تھی وہ سیلاب سے کئی دفعہ گر چکی تھی، اور پھر بنی تھی، اسی طرح قریش کے زمانہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز پیغمبر نہیں ہوئے تھے، سیلاب سے گر گئی۔ قریش نے اس کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی کمی کے باعث ایک طرف اندر کی تھوڑی سی زمین چھوڑ کر دیوار کے طول کو کم کر دیا، اس طرح کعبہ کی تھوڑی سی زمین چار دیواری سے باہر رہ گئی اور اب تک اسی طرح ہے اس زمین کا نام حجر اور حطیم ہے۔ قریش کے نوجوان اور رؤسا اکثر یہاں رات کو سویا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی یہاں آرام فرمایا کرتے تھے، نبوت سے پہلے بھی آپؐ کو حالت رویا میں فرشتے نظر آتے تھے۔

---

[1] بخاری جلد اول باب کیف فرضیت الصلوٰۃ فی الاسراء۔ [2] حطیم اور حجر ایک ہی مقام کے دو نام ہیں، یہ وہ مختصر سی جگہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے اصل تعمیر کردہ کعبہ میں سے قریش کے بناتے ہوئے کعبہ کی چار دیواری سے باہر رہ گئی ہے اور اندر داخل نہیں ہو سکی ہے [3] بخاری باب الانبیاء و باب المعراج [illegible] التوحید و باب [illegible] وسلم۔

جس شب کو معراج ہوئی آپؐ اسی مقام[1] پر استراحت فرما رہے تھے، بیداری اور خواب کی درمیانی حالت تھی، آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ کے گھر کی چھت کھلی اور حضرت جبریلؑ نازل ہوئے، ان کے ساتھ چند اور فرشتے بھی تھے۔ پہلے وہ آپؐ کو چاہ زمزم کے پاس لے گئے اور وہاں آپؐ کے سینۂ مبارک کو چاک کیا اور قلب اطہر کو نکال کر آب زمزم سے دھویا۔ اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے معمور لایا گیا۔ جبریل نے اس طشت سے ایمان و حکمت کے خزانہ کو لے کر آپؐ کے سینہ میں رکھ کر اس کو برابر کر دیا۔

اس کے بعد گدھے سے بلند اور خچر سے چھوٹا سپید رنگ کا ایک لمبا جانور براق نامی لایا گیا جس کی تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ اس کا ہر قدم وہاں پڑتا تھا جہاں نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی۔ آپؐ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور براق کو اس حلقہ میں باندھ کر جس میں انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے آپؐ نے مسجد اقصیٰ کے اندر قدم رکھا اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی، یہاں سے نکلے تو جبریل نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپؐ کے سامنے پیش کئے، آپؐ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا، جبریل نے کہا آپؐ نے فطرت کو پسند کیا۔ اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپؐ کی اُمت گمراہ ہو جاتی۔ بعد ازیں جبریل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آسمان پر چڑھے، پہلا آسمان آیا تو جبریل نے دربان کو آواز دی، اس نے کہا کون ہے؟ جبریل نے اپنا نام بتایا، پوچھا کہ تمہارے ساتھ اور

---

[1] اس شب کو جس مقام پر آپؐ استراحت فرماتے تھے اور جہاں معراج کا واقعہ پیش آیا اس کی تعیین میں اختلاف بیان کیا جاتا ہے صحیحین میں حضرت مالکؓ اور حضرت انسؓ کی جو روایتیں ہیں ان میں بتصریح تمام یہ مذکور ہے کہ آپؐ مسجد حرام (کعبہ) میں تھے اور اسی کے ایک بیرونی گوشہ میں جس کا نام حجر اور حطیم ہے آپؐ سو رہے تھے، یہ تو صحیحین کا بیان ہے، بعض نیچے درجہ کی روایتوں میں ہے کہ اُم ہانیؓ کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ کو میرے ہی گھر میں معراج ہوئی۔ ام ہانی کا گھر شعب ابی طالب میں تھا۔ یہ روایت مشہور دروغ گو کلبی کی ہے اس میں صد درجہ لغو، غریب و منکر باتیں مذکور ہیں، مسند ابویعلیٰ میں ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ عشاء کی نماز پڑھ کر ہم لوگوں کے ساتھ میرے ہی مکان میں سوئے، شب کو میری آنکھ کھلی تو آپؐ کو نہ پایا، رؤسائے قریش کی دشمنی کے باعث دل میں عجیب عجیب بدگمانیاں پیدا ہوئیں، نیند نہ آئی، صبح اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ میں رؤسائے قریش سے کہنے جاتا ہوں، میں نے آپؐ کا دامن پکڑ لیا کہ خدا کے لئے ان سے یہ نہ کہئے وہ تکذیب کریں گے اور آپ کی جان پر حملہ کریں گے لیکن آپؐ نے نہ مانا اور دامن چھڑا کر چلے گئے۔ ان روایتوں میں علاوہ اور لغویات کے عشاء اور صبح کی نماز و جماعت کی تصریح کس قدر غلط ہے کہ یہ نماز پنجگانہ تو عین شب معراج میں فرض ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی روایتوں کا صحیحین کے مقابلہ میں کیا درجہ اور کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج کی شب آپؐ خانہ کعبہ میں تھے۔ البتہ بخاری و مسلم میں حضرت ابوذرؓ کی روایت یہ ہے کہ میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت کھلی اور جبریل آئے۔ ہمارے نزدیک اس کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ آپؐ آرام تو خانہ کعبہ ہی میں فرما رہے تھے لیکن مشاہدہ آپؐ کو یہ کرایا گیا کہ آپؐ اپنے گھر میں ہیں اور اس کی چھت کھلی اور حضرت جبریلؑ نازل ہوئے [2] مسند احمد میں بروایت انسؓ اور ترمذی اور ابن جریر طبری میں ہے کہ جب آپؐ نے براق پر سوار ہونے کا قصد کیا تو اس نے شوخی کی، جبریل نے کہا کیوں شوخی کرتے ہو، تیری پشت پر آج تک محمدؐ سے زیادہ خدا کے نزدیک برگزیدہ کوئی دوسرا سوار نہیں ہوا، یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا، ابن جریر کی روایت کی نسبت حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس کے بعض الفاظ میں نکارت و غرابت ہے، ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ یہ غریب ہے، غریب لا نعرفہ الا من حدیثہ۔

کون ہے؟ جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر دریافت کیا، کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ کہا ہاں، یہ سن کر فرشتہ نے دروازہ کھول دیا اور مرحبا خوش آمدید کہا اور کہا کہ اس خبر کو سن کر آسمان والے خوش ہوں گے، خدا اہل زمین کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتا ہے جب تک وہ آسمان والوں کو اس کا علم نہ بخشے وہ جان نہیں سکتے، اب آپ پہلے آسمان میں داخل ہوئے تو ایک شخص نظر آیا جس کی داہنی اور بائیں طرف بہت سی پرچھائیں تھیں، جب وہ داہنی طرف دیکھتا تو ہنستا اور جب بائیں طرف دیکھتا تو رو دیتا تھا، وہ آپ کو دیکھ کر بولا، مرحبا اے نبی صالح اے فرزند صالح، آپ نے جبریل سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ جبریل نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ آدمؑ ہیں، ان کی داہنی اور بائیں طرف جو پرچھائیاں ہیں یہ ان کی اولادوں کی روحیں ہیں، داہنی طرف والے اہل جنت ہیں اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں، اس لئے جب ادھر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ادھر دیکھ کر آزردہ ہوتے ہیں، اسی آسمان میں آپ کو سامنے دو نہریں نظر آئیں، پوچھنے پر جبریل نے بتایا کہ یہ نیل اور فرات کی سوتیں ہیں، چلتے پھرتے آپ کو ایک اور نہر نظر آئی جس پر لولو و زبرجد کا ایک محل تعمیر تھا اور اس کی زمین مشک اذفر کی تھی، جبریل نے کہا یہ نہر کوثر ہے جس کو پروردگار نے مخصوص آپ کے لئے رکھا ہے،

اسی طرح ہر آسمان پر گزرتے گئے اور ہر آسمان کے دربان اور جبریلؑ سے اسی قسم کی گفتگو ہوتی گئی اور ہر ایک میں کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی، دوسرے میں حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ ملے جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے ملاقات ہوئی، تیسرے میں حضرت یوسفؑ ملے جن کو حسن کا ایک حصہ عطا ہوا تھا، چوتھے میں حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی جن کی نسبت خدا نے قرآن میں فرمایا ہے وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ ہم نے اس کو ایک بلند مقام تک اٹھایا ہے، اور پانچویں میں حضرت ہارونؑ سے ملے اور ہر ایک نے، اے پیغمبر صالح اور برادر صالح کہہ کر خیر مقدم کیا، چھٹے میں حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے کہا، مرحبا اے پیغمبر صالح اور اے برادر صالح، جب آپ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ رو پڑے، آواز آئی کہ اے موسیٰؑ! اس گریہ کا کیا سبب ہے؟ موسیٰ نے عرض کیا خداوندا! میرے بعد تو نے اس نوجوان کو مبعوث کیا ہے، اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ بہشت میں جائیں گے، ساتویں آسمان میں داخل ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے مرحبا اے پیغمبر صالح اور اے فرزند صالح! کہہ کر خیر مقدم کیا، جبریل نے بتایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم ہیں، حضرت ابراہیم بیت معمور دیوار سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی جس کے گنبد موتی کے تھے اور زمین مشک کی تھی،[۱] اس مقام تک پہنچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی

۱ے کتب روایت کی غیر محتاط کتابوں میں مثلاً ابن ابی حاتم (تفسیر ابن جریر طبری (تفسیر بنی اسرائیل) بیہقی (دلائل النبوة) میں جنت و دوزخ کے بہت سے عجیب و غریب مناظر و مشاہدات اور پیغمبروں اور فرشتوں کی تعجب انگیز ملاقاتوں اور گفتگوؤں کی تفصیل ہے ان روایتوں کے ناقل ابو ہارون العبدی، ابو جعفر رازی اور خالد بن یزید ہیں، ابو ہارون عبدی اور خالد بن یزید تو مشہور دروغ گو ہیں، ابو جعفر رازی کو گو بعضوں نے ثقہ کہا ہے لیکن اکثروں کے نزدیک وہ ضعیف اور راوی منکرات ہیں اور ان کی تنہا روایت قبول نہیں کی جاتی، نیز ان روایتوں میں بہت سی لغو و منکر باتیں مذکور ہیں جن کو محدثین تسلیم نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں یہ

آواز سنائی دیتی تھی، آگے بڑھ کر آپ سدرة المنتہیٰ (انتہا کی بیری کا درخت) تک پہنچے، اس درخت پر شان الٰہی (امر اللہ) کا پرتو تھا، جس نے آکر جب اس کو چھالیا تو اس کی ہیئت بدل گئی اور اس میں حسن کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کو کوئی زبان بیان نہیں کر سکتی اور اس میں رنگ برنگ کے ایسے انوار کی تجلی نظر آئی جن کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے، یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے (زمین پر) اترتی ہیں اور زمین سے چڑھ کر اوپر وہاں جاتی ہیں، یہاں پہنچ کر حضرت جبریلؑ اپنی اصلی کمالی صورت میں آپ کے سامنے نمودار ہوئے، پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہو سکتی، فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى۔

اس وقت آپ کو بارگاہ الٰہی سے تین عطیے مرحمت ہوئے، سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں جن میں اسلام کے عقائد و ایمان کی تکمیل اور اس کے دور مصائب کے خاتمہ کی بشارت ہے، رحمت خاص نے مژدہ سنایا کہ امت محمدیؐ میں سے ہر ایک جو شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو اکرم مغفرت سے سرفراز ہوگا اور ندا آئی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی، آپ ان عطیوں کو لے کر واپس پھرے اور حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچے تو انہوں نے دریافت کیا کہ بارگاہ خاص سے کیا احکام عطا ہوئے؟ فرمایا، امت پر پچاس وقت کی نماز، موسیٰ نے کہا، میں نے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کیا ہے، آپ کی امت سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا، آپ واپس جایئے اور عرض کیجئے، آپ نے مراجعت کی اور عرض پرداز ہوئے کہ بارالٰہا! میری امت نہایت کمزور اور اس کے قویٰ نہایت ضعیف ہیں، حکم ہوا کہ دس وقت کی نمازیں معاف ہوئیں، لوٹے تو حضرت موسیٰ نے پھر ٹوکا اور دوبارہ عرض کرنے کا مشورہ دیا، اس پر دس اور معاف ہوئیں، اسی طرح آپ چند بار حضرت موسیٰؑ کے مشورہ سے بارگاہ الٰہی میں عرض پرداز ہوتے رہے، یہاں تک کہ شب و روز میں صرف پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں، حضرت موسیٰ نے پھر بھی مشورہ دیا کہ اب بھی مزید تخفیف کی درخواست کیجئے، فرمایا، اب مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے۔ ندا آئی کہ اے محمدؐ! میرے حکم میں تبدیلی نہیں ہوگی، نمازیں پانچ ہوں گی لیکن ہر نیکی کا بدلہ دہ گونہ بخشوں گا، یہ پانچ بھی پچاس ہوں گی، میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کر دی اور اپنا فیصلہ نافذ کر دیا۔

اب آسمان سے اتر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر تشریف لائے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے دیکھا کہ یہاں انبیا علیہم السلام کا مجمع ہے، حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ نماز میں مصروف ہیں، آپ نے ان میں سے چند پیغمبروں کی شکل و صورت بھی بیان کی، حضرت موسیٰ کی نسبت فرمایا کہ ان کا لمبا قد اور گندمی رنگ تھا اور الجھے ہوئے گھونگر والے بال تھے اور شنوءہ کے قبیلہ کے آدمی معلوم ہوتے تھے، حضرت عیسیٰؑ کا قد میانہ اور رنگ سرخ سپید تھا، سر کے بال سیدھے اور لمبے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حمام سے نہا کر نکلے ہیں، عروہ بن مسعود ثقفی (صحابی) سے ان کی صورت ملتی تھی، حضرت ابراہیمؑ کی صورت تمہارے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مناظر و مشاہدات جیسا کہ صحیح بخاری (باب الرؤیا) میں ہے کہ معراج کے سوا ایک اور موقع پر آنحضرتؐ کو دکھائے گئے تھے اس سے یہ معراج کے مشاہدات ہی نہیں۔

پیغمبر (خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی سی تھی، بہر حال اسی اثنا میں نماز (غالباً صبح کی نماز) کا وقت آگیا، سرور انبیاء علیہ السلام منصب امامت سے سرفراز ہوئے، نماز سے فراغت ہوئی تو ندا آئی کہ اے محمدؐ دوزخ کا داروغہ حاضر ہے سلام کرو، آپ نے مڑ کر دیکھا تو داروغہ دوزخ نے سلام کیا، بخاری میں ابن عباس سے روایت ہے کہ شب معراج میں دجال بھی آپؐ کو دکھایا گیا (باب بدء الخلق)

ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد آپ مسجد حرام (کعبہ) میں صبح کو بیدار ہوئے۔[1]

کفار کی تکذیب خانہ کعبہ کے آس پاس رؤسائے قریش کی نشست رہتی تھی، آپؐ بھی وہیں مقام حجر میں تشریف فرماتے تھے، صبح کو آپ نے ان سے اس واقعہ کو بیان کیا تو ان کو سخت اچنبھا ہوا جو زیادہ کور باطن تھے، انہوں نے آپؐ کو (نعوذ باللہ) جھٹلایا، بعضوں نے مختلف سوالات کئے، ان میں اکثر شام کے تاجر تھے اور انہوں نے بیت المقدس کو بارہا دیکھا تھا اور انہیں معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس نہیں گئے ہیں، اس لئے آخر میں خاتمہ دلائل کے طور پر سب نے کہا کہ اے محمدؐ! تم کہتے ہو کہ صرف ایک شب میں تم خانہ کعبہ سے بیت المقدس گئے اور واپس آئے، اگر یہ سچ ہے تو بتاؤ بیت المقدس کی کیا ہیئت ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں عمارت کا صحیح نقشہ نہ تھا، بت بے قراری ہوئی کہ ناگاہ نظر کے سامنے پوری عمارت جلوہ گر کر دی گئی، وہ سوال کرتے جاتے تھے اور میں اس کو دیکھ کر جواب دیتا جاتا تھا۔

اتنا واقعہ تو صحیحین میں مذکور ہے لیکن واقدی، ابن اسحاق، ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، بیہقی اور حاکم میں جن کا مرتبہ کتب روایات میں بلند نہیں ہے، اس واقعہ پر لوگوں نے عجیب و غریب حاشیے لگائے ہیں حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ صبح اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں سے شب کا واقعہ بیان کر کے باہر جانا چاہا کہ اور لوگوں سے بیان کریں تو میں نے دامن تھام لیا کہ اس کا قصد نہ کیجئے، کفار صریح جھٹلائیں گے، ایک روایت میں ہے کہ رات کو جب آپؐ کے اعزہ نے آپؐ کو بستر پر نہ پایا تو ان کو قریش کا خوف ہوا کہ انہوں نے آپؐ کو گزند نہیں پہنچایا، اور پہاڑوں اور غاروں میں آپؐ کو ڈھونڈنے لگے، ایک اور روایت میں ہے کہ معراج کی واپسی

---

[1] مسند احمد اور سیرت ابن اسحاق کی بعض روایتوں میں ہے کہ آسمان پر جانے سے پہلے ہی بیت المقدس میں انبیاء نے آپؐ کی اقتدا میں یہ نماز پڑھی تھی، صحیح بخاری میں اس کا ذکر نہیں، صحیح مسلم میں وقت کی تصریح نہیں مگر قرینہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واپسی کا واقعہ ہے، حافظ ابن کثیر نے اسی کو صحیح لکھا ہے (تفسیر سورۂ اسراء) اور ہم نے اسی کی تقلید کی ہے، ترمذی (تفسیر سورۂ اسراء) اور مسند ابن حنبل میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ میں آتے جاتے سرے سے نماز ہی نہیں پڑھی، مگر صحیح مسلم کے مقابلہ میں اس کو کون تسلیم کرے گا۔ معراج کے یہ تمام واقعات صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ، کتاب التوحید، کتاب الانبیاء، کتاب المعراج باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور باب بدء الخلق میں اور صحیح مسلم باب المعراج اور اس کے بعد کے متفرق ابواب متعلقہ معراج میں حرفاً حرفاً مذکور ہیں، ہم نے ان واقعات کے لکھنے میں صرف ترتیب و ترجمہ کا فرض ادا کیا ہے۔

میں قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے آپؐ کی ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ کچھ واقعات پیش آئے، جب لوگوں نے جھٹلایا تو آپؐ نے فرمایا کہ اچھا تمہارا قافلہ کل پرسوں تک آجائے گا اس سے پوچھ لینا، چنانچہ وہ آیا اور اس نے تصدیق کی۔ ان ہی روایتوں کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ کچھ کفار دوڑے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے کہ آج محمدؐ کعبہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ رات کو وہ بیت المقدس گئے اور آئے حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ کیا واقعی آپؐ یہ فرما رہے ہیں؟ لوگوں نے کہا "ہاں" حضرت ابوبکرؓ نے کہا، میں تو آپؐ کو سچا جانتا ہوں اور اس پر ایمان لاتا ہوں۔ کفار نے کہا، تم کھلم کھلا ایسی خلاف عقل بات کیونکر صحیح سمجھتے ہو؟ جواب دیا، میں تو اس سے بھی زیادہ خلاف عقل بات پر یقین رکھتا ہوں، میں تو یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہر روز آپؐ کی خدمت میں آسمان سے فرشتے آتے ہیں، اسی دن سے حضرت ابوبکرؓ کا لقب صدیق ہو گیا۔

لیکن یہ تمام قصے سرتاپا لغو اور باطل ہیں، ابن اسحاق اور ابن سعد نے تو سرے سے ان واقعات کے اسناد ہی نہیں لکھے ہیں، ابن جریر طبری، بیہقی، ابن ابی حاتم، ابویعلی، ابن عساکر اور حاکم نے ان کی سندیں ذکر کی ہیں، ان کے رواۃ ابوجعفر رازی، ابوہارون عبدی اور خالد بن یزید بن ابی مالک ہیں جن میں پہلے صاحب گو بجائے خود ثقہ ہیں، مگر بے سروپا حدیثوں کے بیان کرنے میں بے باک ہیں، بقیہ دو مشہور دروغ گو کاذب اور قصہ خواں ہیں، ان ہی لغو قطعوں کا اختتامی جزو یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے معراج کا واقعہ بیان کیا تو بہت سے مسلمانوں کے ایمان بھی متزلزل ہو گئے اور مرتد ہو گئے۔ فارتد کثیر ممن اسلم، یہ قصہ غالباً قرآن مجید کی اس آیت کی غلط توضیح میں گھڑا گیا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (اسراء-۶۰)

ہم نے یہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہے، اس کو لوگوں کی آزمائش ہی کے لئے کیا ہے۔

ابن سعد اور واقدی نے اس قصہ کو یوں ہی بے سند بیان کیا ہے۔ طبری، ابن ابی حاتم اور بیہقی وغیرہ کے معتمد ارکان وہی اصحاب ثلاثہ ہیں جن کے اوصاف گرامی ابھی اوپر گزر چکے ہیں، ابن جریر نے اس آیت کے تحت میں جو روایتیں درج کی ہیں، ان میں سے حسن، قتادہ اور ابن زید سے یہ واقعہ ارتداد مذکور ہے، لیکن ان کا سلسلہ ان سے آگے نہیں بڑھتا، اس واقعہ کے انکار کی سب سے پُرزور دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ اس وقت تک مکہ میں جو اصحاب اسلام لائے تھے وہ گنے چنے لوگ تھے جو ہم کو نام بنام معلوم ہیں، ان میں سے کسی کی پیشانی پر ارتداد کا داغ نہیں، واقعہ کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کافروں میں بعض لوگ ایسے ہوں گے جو اس سے پہلے آپؐ کے سخت مخالف نہ ہوں اور اگر آپ کو پیغمبر نہ جانتے ہوں مگر آپ کو مفتری اور کاذب بھی نہ کہتے ہوں، لیکن اس واقعہ معراج کے بعد سے انہوں نے بھی آپ کے ساتھ اس نیکی اور حسن ظن کے خیال کو اٹھا دیا ہو، قرآن مجید نے اس کو فتنۃ للناس لوگوں کے لئے آزمائش کہا ہے فتنۃ للمؤمنین یعنی مومنوں اور مسلمانوں کے لئے آزمائش نہیں کہا ہے اور اگر ان کے لئے بھی آزمائش ہو تو اس آیت سے یہ کہاں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس آزمائش میں پورے نہیں اترے۔

کیا آپ نے معراج میں خدا کو دیکھا

معراج کے مشاہدات شئون وصفات کی جلوہ انگیزی اور آیات اللہ کی نیرنگی تو آپ نے دیکھی، لیکن کیا ذات الٰہی بھی حجلۂ حجاب سے باہر آکر منصۂ حقیقت پر رونما ہوئی؟ یعنی دیدار الٰہی سے بھی آپ مشرف ہوئے؟ بعض روایتوں میں اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے، صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے شریک بن عبداللہ نے معراج کی روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے،

حتی جاء سدرة المنتهی ودنا الجبار رب العزة فتدلی حتی کان منه قاب قوسین او ادنی (بخاری کتاب التوحید)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو عزت والا جبار اترا، یہاں تک قریب ہوا اور جھک آیا کہ اس کے اور آپ کے درمیان دو کمانوں یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔

محدثین نے شریک کی اس روایت کے اس حصہ پر سخت اعتراضات کئے ہیں اور سب سے پہلے امام مسلم نے اس کی نسبت بے احتیاطی کا الزام قائم کیا ہے، صحیح مسلم باب المعراج میں شریک کی اس سند کو اور کسی قدر متن کو لکھ کر تمام چھوڑ دیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے فقدم فیه واخر وزاد ونقص، شریک نے اس روایت میں واقعات کو آگے پیچھے کر دیا ہے اور گھٹا بڑھا دیا ہے، امام خطابی نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری میں کوئی حدیث ایسی نہیں جو بظاہر اس قدر قابل اعتراض ہو جس قدر یہ حدیث، اس کے بعد اس حدیث کی تاویل بیان کر کے لکھا ہے،

فانه کثیر التفرد بمناکیر الالفاظ التی لا یتابعه علیها سائر الرواة.	شریک ایسے منکر الفاظ خود تنہا بکثرت روایت کرتے ہیں جن کی تائید ان کے دیگر ہمدرس راوی نہیں کرتے۔

اور حضرت انسؓ سے واقعہ معراج کو اور بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے مگر شریک کے سوا کسی اور نے ان الفاظ کی روایت نہیں کی ہے، امام بیہقی نے بھی یہی کہا ہے اور یہی حافظ ابن کثیر کی بھی تحقیق ہے[1]، علامہ ابن حزم نے بھی اس کے متعلق قریب قریب یہی رائے ظاہر کی ہے[2]، بعض علمائے رجال نے بھی شریک کی نسبت اچھی رائیں ظاہر نہیں کی ہیں، نسائی اور ابن جارود کا قول ہے کہ وہ قوی نہیں، یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ اس سے حدیث نہ بیان کی جائے، البتہ ابن سعد اور ابوداؤد نے ان کے وثوق کی شہادت دی ہے، اس لئے محدثین کا فیصلہ ان کے حق میں یہ ہے کہ جب وہ تنہا کسی بات کو بیان کریں تو ان کی وہ بات شاذ اور منکر قرار دی جائے گی، چنانچہ اس روایت میں یہ فقرہ بھی اسی قسم کا ہے۔

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا	محمد کو پُر زور اور طاقتور نے تعلیم دی وہ آسمان کے بلند تر افق پر تھا، پھر قریب ہوا اور جھک آیا، یہاں تک کہ دو تیر کمان کے برابر یا اس سے بھی قریب تر ہو گیا، پھر اس کے بندے کی

[1] بیہقی اور ابن کثیر کا قول تفسیر ابن کثیر سورۂ اسراء میں ہے [2] امام خطابی اور ابن حزم کے اقوال ابن حجر نے فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۰۳، ۴۰۴ (مصر) میں نقل کئے ہیں۔

أَوْحَى مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى أَفَتُمَارُونَهُ عَلَى مَا يَرَى وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى۔ (والنجم-۱)	طرف جو کچھ وحی کرنا تھی کی، دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا، وہ جو کچھ دیکھتا ہے کیا تم لوگ اس سے اس کے متعلق آپس میں شک کرتے ہو، اور اس کو سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک جس کے پاس جنت الماویٰ ہے اس نے دوسری مرتبہ یقیناً دیکھا، اترتے ہوئے دیکھا جب کہ سدرہ کو چھا لیا تھا جس نے چھا لیا تھا، نگاہ نہ جھپکی نہ بہکی اور اس نے اپنے پروردگار کی عظیم الشان نشانیاں دیکھیں۔

یہی آیتیں ہیں جن کی بنا پر صحابہ میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ آپ کو خود خدا نظر آیا اور اکثر صحابہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھا، ترمذی (تفسیر سورۂ نجم) میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس خود خدا کو دیکھا تھا، ترمذی ہی میں ہے کہ ایک مقام پر کعب احبار (نومسلم یہودی عالم) سے حضرت ابن عباسؓ کی ملاقات ہوئی، کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنے دیدار کو موسیٰ اور محمد علیہم السلام میں تقسیم کر دی، چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو دو دفعہ شرف کلام حاصل ہوا، اور آپ دو دفعہ خدا کے دیدار سے مشرف ہوئے، مسروقؒ حضرت عائشہؓ کے ایک شاگرد نے یہ گفتگو ان سے جا کر نقل کی، وہ نہایت برہم ہوئیں، اور قرآن مجید کی آیتوں سے انہوں نے اس خیال کی تردید کی کہ خدا خود فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں، حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد عکرمہ نے حضرت ابن عباس کے سامنے اس آیت کو پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں سچ ہے مگر اس وقت جب خدا اپنے اصلی نور میں نمایاں ہو، آنحضرت نے خدا کو دو دفعہ دیکھا تھا[1]۔

صحیح مسلم و ترمذی میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے خدا کو بھی دیکھا ہے؟ فرمایا، وہ تو نور ہے، میں اس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں، دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، میں نے صرف ایک نور دیکھا[2]۔

اکابر صحابہ میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت عائشہؓ کا مذہب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو نہیں بلکہ جبریلؑ کو دیکھا تھا اور ان ہی نے آپ کی طرف وحی کی تھی، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم و ترمذی میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے، صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے، تمام صحابہ میں حضرت عائشہؓ کو اس مسئلہ پر سخت اصرار تھا، صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ حضرت مسروقؒ نے حضرت عائشہؓ سے ایک بار پوچھا کہ مادرِ من! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدا کو دیکھا تھا؟ بولیں

[1] یہ تمام روایتیں ترمذی تفسیر سورۂ والنجم میں ہیں، اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے [2] مسلم جلد اول ص ۸۳ باب الاسراء و ترمذی تفسیر سورۂ نجم۔

یہ سن کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ تین باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق اگر کوئی شخص روایت کرے تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ جھوٹ کہتا ہے، جس نے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا تھا، اس نے جھوٹ کہا، خدا خود کہتا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (انعام-۱۳)

خدا کو نگاہیں نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے اور وہ لطیف وخبیر ہے۔

پھر فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ (شوریٰ ۵)

اور کسی آدمی میں یہ قوت نہیں کہ وہ خدا سے کلام کرے لیکن یہ کہ بذریعہ وحی کے یا پردے کی آڑ سے۔

ان آیتوں کو پڑھ کر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو نہیں دیکھا، البتہ حضرت جبریلؑ کو ان کی اصل صورت میں دو بار دیکھا، امام نووی شارح صحیح مسلم نے لکھا ہے[1] کہ حضرت عائشہؓ کا یہ قول حجت نہیں ہو سکتا، کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کی آیات سے صرف عقلی استدلال کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مرفوع روایت نہیں بیان کی کہ آپؐ نے خدا کو نہیں دیکھا تھا لیکن خود صحیح مسلم میں جس کی شرح میں امام نووی نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے، اُسی مقام پر حضرت مسروقؒ سے یہ روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا تھا، انہوں نے کہا اے ابو عائشہؓ! تین باتیں ایسی ہیں جن میں سے اگر کسی نے ایک کو بھی کہا تو اس نے خدا پر بڑا بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کیا باتیں ہیں؟ فرمایا جس شخص نے یہ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا تھا، اس نے خدا پر بڑی تہمت لگائی۔ میں ٹیک لگائے بیٹھا تھا، یہ سن کر سیدھا اٹھ بیٹھا اور کہا کہ اے ام المومنین! جلدی نہ کیجیے، کیا خدا خود نہیں فرماتا۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ (تکویر-۱)

اور اس نے اس کو افق المبین پر دیکھا۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (نجم-۱)

اور اس نے اس کو دوسری مرتبہ اترتے ہوئے دیکھا۔

بولیں سب سے پہلے خود میں نے اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا یہ جبریلؑ تھے۔ میں نے ان دو مرتبوں کے سوا اُن کو اصل صورت میں کبھی نہیں دیکھا[2]۔ اس سے زیادہ مستند مرفوع روایت کیا ہو سکتی ہے؛ برخلاف اس کے حضرت ابن عباسؓ نے (جن سے روایتیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا) کبھی اپنی روایت میں یہ تصریح نہیں کی ہے کہ انہوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ صحابہ میں سے کوئی حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیر کا مخالف نہیں ہے (تفسیر سورۃ اسراء)، بلکہ اصل یہ ہے کہ بقول ابن حجر حضرت ابن عباسؓ کے خیال کی تشریح میں بعض راویوں سے غلط فہمی ہوئی ہے حضرت ابن عباسؓ کا یہ منشا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ

[1] شرح صحیح مسلم نووی نولکشور ص ۹۷ [2] صحیح مسلم جلد ا ص ۸۴ مصر، باب ذکر سدرۃ المنتہیٰ۔

علیہ وسلم نے ان ظاہری آنکھوں سے خدا کو دیکھا بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی آنکھوں سے جلوۂ ربانی کا مشاہدہ کیا، صحیح مسلم (متعلقات اسراء) اور جامع ترمذی (تفسیر والنجم) میں ان کے یہ الفاظ ہیں رأی بقلبہ رآہ بفوادہ، دل کی آنکھوں سے دیکھا، چشم قلب سے مشاہدہ کیا، مردویہ نے اس سے بھی زیادہ ان کے تصریحی الفاظ نقل کئے ہیں۔

لم یرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعینیہ انما راٰہ بقلبہ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۹۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا بلکہ اپنے قلب سے دیکھا۔

اس تشریح کے بعد اس باب میں کوئی نزاع باقی نہیں رہ جاتی، رہی یہ بات کہ دل کا دیکھنا اور قلب کا مشاہدہ کیا ہے تو اس رمز کو وہی سمجھے جس کے دل میں نور بصیرت اور جس کے دل میں مشاہدہ کی طاقت ہو۔

معراج جسمانی تھی یا روحانی، خواب تھا یا بیداری

ہمارے متکلمین اور شراح حدیث نے اس باب میں بے سود مباحث کا ایک انبار لگا دیا ہے، فیصلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ متکلمانہ اعتراضات، فلسفیانہ خدشات اور عقلی محالات اور نیز عامیانہ ظواہر پرستی اور جمہور کے خیالات کی بے جا حمایت کے وسوسوں سے خالی الذہن ہو کر صحیح روایتوں کے اصل الفاظ پر غور کیا جائے، اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ سورۂ اسراء (معراج) کی اس آیت کی نسبت۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل)

ہم نے جو رویا (دکھاوا) تجھ کو دکھایا، اس کو ہم نے لوگوں کے لئے صرف آزمائش بنایا ہے۔

بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ معراج کے متعلق ہے۔ رویا عربی زبان میں دکھاوے کو کہتے ہیں۔ یعنی جو دیکھنے میں آئے۔ اور عام طور سے اس کے معنی "خواب" کے ہیں۔ اس لئے جو فریق معراج کو خواب بتاتا ہے وہ اس آیت کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتا ہے، لیکن صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی اسی روایت میں یہ ان کی تصریح ہے کہ اس آیت میں رویا کے معنی مشاہدہ چشم کے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ واقعہ معراج خواب نہ تھا بلکہ آنکھوں کا مشاہدہ تھا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ قال ھی رؤیا عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ الی بیت المقدس (بخاری باب الاسراء)

ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں کہ ہم نے جو رویا تجھ کو دکھایا اس کو نہیں بنایا لیکن لوگوں کے لئے آزمائش، کہتے ہیں کہ یہ آنکھ کا مشاہدہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا جب آپ کو رات کے وقت بیت المقدس لے جایا گیا۔

اس پر یہ لغوی بحث چھڑ گئی کہ رویا لغت میں "آنکھ کے دیکھنے" کو نہیں کہتے، مگر ذرا غور کیجیے کہ حضرت ابن عباسؓ سے بڑھ کر لغت عرب کا واقف کار اور کون ہو سکتا ہے، جب وہ رویائے عین کہتے ہیں تو کس کو انکار ہو سکتا ہے، علاوہ ازیں راعی اور متنبی بعض عرب شعراء نے ظاہری آنکھ سے دیکھنے کو بھی "رویا" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

راوی کہتا ہے ۔ فکبر للس ؤیا دھش فؤادہ۔

متنبی کا مصرع ہے، ودر میاک احلیٰ فی الصیون من الغمض۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند ابن حنبل اور حدیث کی دیگر معتبر کتابوں میں جن میں معراج کے مسلسل اور تفصیلی واقعات درج ہیں، ان سب کو ایک ساتھ پیش نظر رکھنے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ صحیحین کی دو روایتوں کے سوا باقی روایتوں میں خواب کا مطلق ذکر نہیں ہے، چنانچہ بخاری و مسلم اور مسند ابن حنبل میں حضرت ابوذرؓ کی جو صحیح ترین روایت ہے اور حضرت انسؓ کی وہ روایت جو ثابت البنانی کے ذریعہ سے ہے، خواب کے ذکر سے قطعاً خالی ہے، اس لئے حسب محاورۂ عام اس کو بیداری کے معنی میں سمجھنا قطعی ہے، لیکن حضرت انسؓ کی اس روایت میں جو شریک کے واسطہ سے ہے یہ مذکور ہے کہ یہ واقعہ آنکھوں کے خواب اور دل کی بیداری کی حالت میں پیش آیا، بخاری میں یہ حدیث کتاب التوحید اور باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم دو مقامات میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

سمعت انس بن مالک یقول لیلۃ اُسری بر سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مسجد الکعبۃ انہ جاءہ ثلثۃ نفر قبل ان یوحیٰ الیہ وھو نائم فی المسجد الحرام فقال اولھم ایھم ھو فقال اوسطھم ھو خیرھم و اخرھم خذوا خیرھم فکانت تلک اللیلۃ فلم یرھم حتیٰ اتوہ لیلۃ اخریٰ فیما یری قلبہ وتنام عینہ ولا ینام قلبہ وکذلک الانبیاء تنام اعینھم ولا تنام قلوبھم۔ (کتاب التوحید)	انس بن مالک کو میں نے اس شب کا واقعہ جب آپ کو کعبہ کی مسجد سے لے جایا گیا (معراج) بیان کرتے ہوئے سنا کہ اس سے پہلے کہ آپ کی طرف وحی بھیجی جائے، آپ کے پاس تین شخص آئے اور اس وقت مسجد حرام میں سوتے ہوتے تھے، پہلے نے کہا وہ کون ہے؟ بیچ والے نے کہا ان سونے والوں میں جو سب سے بہتر ہے اسکو لے لو، یہ رات ہو گئی، پھر آپ نے ان کو نہیں دیکھا، یہاں تک کہ ایک اور رات کو وہ آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھ سوتی تھی لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا اور اسی طرح پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں مگر ان کے دل نہیں سوتے۔
سمعت انس بن مالک یحدثنا عن لیلۃ اُسری بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم من مسجد الکعبۃ جاءہ ثلثۃ نفر قبل ان یوحیٰ الیہ وھو نائم فی المسجد الحرام فقال اولھم ایھم ھو فقال اوسطھم ھو خیرھم وقال اخرھم خذوا خیرھم فکانت تلک فلم یرھم حتیٰ جاؤا لیلۃ اخریٰ فیما یری قلبہ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم نائمۃ عیناہ ولا ینام قلبہ وکذلک الانبیاء تنام اعینھم ولا تنام قلوبھم فتولاہ جبریل ثم عرج الی السماء (باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)	انس بن مالکؓ ہم لوگوں سے آپ کی شب معراج کا قصہ بیان کرتے تھے کہ اس سے پہلے کہ آپ پر وحی آئے آپ مسجد حرام میں سو رہے تھے آپ کے پاس تین آدمی آئے، پہلے نے کہا وہ کون ہے؟ بیچ والے نے کہا وہ ان میں سب سے بہتر ہے، پچھلے نے کہا جو ان میں سب سے بہتر ہو اس کو لے لو، یہ تو ہو گیا، پھر آپ نے ان کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ ایک اور رات آئے، اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا، اور آپ کی آنکھیں سوتی تھیں، لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا۔ انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور انکے دل نہیں سوتے، پھر جبریلؑ نے آپ کو اپنے اہتمام میں لیا پھر وہ آپ کو لے کر آسمان پر چڑھے۔

ٰ ان دونوں راتوں میں کم از کم بارہ برس کا فصل ہوگا، کیونکہ پہلی رات آغاز وحی سے پہلے کی تھی اور دوسری رات جو شب معراج تھی نبوت کے بارہویں سال تھی۔

بخاری نے اس باب میں اس حدیث کو یہیں تک لکھا ہے لیکن کتاب التوحید میں اس کے بعد معراج کے تمام واقعات بیان کر کے آخر میں حضرت انسؓ کا یہ فقرہ روایت کیا ہے۔

فاستیقظ وھو فی المسجد الحرام۔	پھر آپ بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے۔

صحیح مسلم میں یہ روایت نہایت مختصر ہے، سند کے بعد صرف اس قدر لکھ کر کہ آپ مسجد حرام میں سوتے تھے اس کو ختم کر دیا ہے، اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ شریک نے اس روایت میں واقعات کو گھٹا بڑھا اور آگے پیچھے کر دیا ہے، اسی لئے ائمہ نے جیسا کہ قاضی عیاض نے شفا میں اور امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے شریک کی اس روایت میں بہت سے اوہام ہیں اور اسی لئے اس کو انہوں نے رد کر دیا ہے، دوسری روایت صحیحین میں وہ ہے جس میں حضرت مالک بن صعصعہ انصاری خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے معراج کا واقعہ دہراتے ہوئے فرمایا۔

بینما انا عند البیت بین النائم والیقظان۔	میں کعبہ کے پاس خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھا۔

صحیح بخاری باب المعراج اور مسند ابن حنبل میں مالک بن صعصعہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بینما انا فی الحطیم مضطجعاً۔	اس اثنا میں کہ میں (خانہ کعبہ کے مقام) حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔

لیکن یہ شب معراج میں آغاز کی کیفیت کا بیان ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے۔ دلائل بیہقی میں ایک روایت ہے جس میں حضرت ابوسعید خدریؓ کے واسطہ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عشاء کے وقت خانہ کعبہ میں سو رہا تھا، ایک آنے والا (جبریلؑ) آیا اور اس نے آکر مجھے جگایا، میں جگا۔ اس کے بعد واقعۂ معراج کی تفصیل ہے، اس میں سونے کے بعد جگائے جانے کی گو تصریح ہے لیکن اس کا دوسرا ہی راوی جھوٹا، دروغ گو اور ناقابل اعتبار ہے، اور اس میں جو منکرات اور غرائب امور بیان کئے گئے ہیں وہ سرتاپا لغو ہیں، ابن اسحاق نے سیرت میں اور ابن جریر طبری نے تفسیر میں (سورۂ اسراء) حضرت حسن بصریؒ سے بھی اسی قسم کی روایت کی ہے کہ میں سو رہا تھا کہ جبریلؑ نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر مجھے اٹھایا، لیکن اس کا سلسلہ حضرت حسن بصری سے آگے نہیں بڑھتا۔ سیرت ابن ہشام اور تفسیر ابن جریر طبری میں محمد بن اسحاق کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ سے دو روایتیں ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ یہ بزرگوار معراج کو روحانی اور رویائے صادقہ کہتے ہیں، یہ روایتیں مع سند کے حسب ذیل ہیں۔

عن محمد بن اسحاق قال حدثنی یعقوب بن عتبۃ	محمد بن اسحاق سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ یعقوب بن

ٰ صحیح بخاری ذکر الملائکہ و صحیح مسلم باب الاسراء۔ ٰ حافظ ابن کثیر نے تفسیر سورۂ اسراء ص ۹ میں اس روایت کو نقل کیا ہے، اس کے سلسلۂ سند میں دوسرا راوی وہی ابوہارون العبدی ہے جس کو علمائے رجال نے بالاتفاق ساقط الاعتبار قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ھو اکذب من فرعون، وہ فرعون سے بھی زیادہ جھوٹا ہے۔

بن المغيرة ان معاوية بن ابی سفيان كان اذا سئل عن مسرى رسول الله صلی الله عليه وسلم قال كانت رؤيا من الله صادقة۔

عتبہ بن مغیرہ نے بیان کیا کہ معاویہ بن سفیان سے جب معراج کا واقعہ پوچھا جاتا تو وہ کہتے کہ یہ خدا کی طرف سے ایک سچا خواب تھا۔

(ابن جریر تفسیر اسراء، سیرت ابن اسحاق وذکر معراج)

لیکن یہ روایت منقطع ہے، یعقوب نے حضرت معاویہؓ سے خود نہیں سُنا ہے کیونکہ انہوں نے اُن کا زمانہ نہیں پایا ہے۔ دوسری روایت ہے۔

حدثنا ابن حميد، قال حدثنا سلمة عن محمد قال حدثنى بعض آل ابى بكر ان عائشة كانت تقول ما فقد جسد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولكن اسرى بروحه (حوالہ مذکور)

ابن حمید نے ہم سے بیان کیا، ان سے سلمہ نے، سلمہ سے محمد بن اسحاق نے، انہوں نے کہا حضرت ابوبکرؓ کے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم نہیں کھویا گیا بلکہ آپؐ کی روح شب کو لے جائی گئی۔

اس روایت کے سلسلہ میں بھی محمد بن اسحاق اور حضرت عائشہؓ کے درمیان ایک راوی یعنی خاندان ابوبکرؓ کے ایک شخص کا نام ونشان مذکور نہیں ہے۔ اس لئے یہ بھی پایۂ صحت سے فروتر ہے، تاہم ان روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ معراج کو رویاء یا روحانی کہنا قرنِ اول میں بعض لوگوں کا قول تھا۔ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری کے سامنے یہ بیان کیا جاتا تھا کہ یہ رویا تھا تو وہ اس کی تردید نہیں کرتے تھے، لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ معراج جسمانی تھی اور بیداری کی حالت میں تھی۔ قاضی عیاض نے شفا میں اور امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔

اختلف الناس فی الاسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم فقيل انما كان جميع ذلك فى المنام والحق الذى عليه اكثر الناس ومعظم السلف وعامة المتاخرين من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين انه اسرى بجسده صلى الله عليه وسلم والآثار تدل عليه لمن طالعها وبحث عنها ولا يعدل عن ظاهرها الا بدليل ولا استحالة فى حملها عليه فيحتاج الى تاويل (شرح مسلم باب الاسراء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج میں لوگوں کا اختلاف کیا گیا ہے کہ یہ سارا واقعہ خواب میں پیش آیا اور حق یہ ہے کہ جس پر اکثر لوگ، اور سلف صالحین کا بڑا حصہ اور عام متاخرین میں سے فقہاء، محدثین اور متکلمین سب متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم کے ساتھ معراج ہوئی اور جو شخص تمام آثار و احادیث کا غائر مطالعہ اور تحقیق کرے گا اس پر یہ حق واضح ہو جائے گا اور اس ظاہر سے بے دلیل انحراف نہیں کیا جائے گا اور نہ ظاہر پر ان کو محمول کرنے میں کوئی محال لازم آتا ہے جو تاویل کی حاجت ہو۔

مفسرین میں سے ابن جریر طبری سے لے کر امام رازی تک نے جمہور کے اس مسلک پر چار عقلی دلیلیں بھی قائم کی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) قرآن مجید میں ہے سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ۔ پاک ہے وہ خدا جو اشب معراج میں) لے گیا اپنے بندہ (عبد) کو، اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اپنے "بندہ" کو لے گیا، بندہ یا عبد کا اطلاق جسم پر یا جسم و

روح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے، تنہا روح کو عبد یا بندہ نہیں کہتے۔

(۲) واقعاتِ معراج میں بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ براق پر سوار ہوئے، دودھ کا پیالہ نوش فرمایا، سوار ہونا پینا یہ سب جسم کے خواص ہیں اس لئے یہ معراج جسمانی تھی۔

(۳) اگر واقعۂ معراج رویا اور خواب ہوتا تو کفار اس کی تکذیب کیوں کرتے؟ انسان تو خواب میں خدا جانے کیا کیا دیکھتا ہے، محال سے محال چیز بھی اُس کو عالمِ خواب میں واقعہ بن کر نظر آتی ہے۔

(۴) خدا نے قرآن مجید میں کہا ہے کہ وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰكَ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ کہ اس مشاہدۂ معراج کو ہم نے لوگوں کے لئے معیارِ آزمائش بنایا ہے۔ اگر یہ عام خواب ہوتا تو یہ آزمائشِ ایمان کیا چیز تھی اور اس پر ایمان لانا مشکل کیا تھا۔

معراج کے بحالتِ بیداری ہونے پر صحیح استدلال

میرے نزدیک معراج کے بحالتِ بیداری کے ثبوت کا صاف و صحیح طریقہ یہ ہے کہ کلام کا فطری قاعدہ یہ ہے کہ جب تک متکلم اپنے کلام میں یہ ظاہر نہ کر دے کہ یہ خواب تھا تو طبعاً یہی سمجھا جائے گا کہ وہ واقعہ بحالتِ بیداری پیش آیا۔ قرآن پاک کے ان الفاظ میں سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا (پاک ہے وہ جو اپنے بندہ کو ایک رات لے گیا) میں کسی خواب کی تصریح نہیں، اسی طرح حضرت ابوذرؓ کی صحیح ترین روایت میں بھی اس کی تصریح نہیں، اس لئے بے شبہ یہ بیداری ہی کا واقعہ سمجھا جائے گا اور یہی جمہور امت کا عقیدہ ہے اور وہ بھی بجسم۔ اسی طرح صحیح احادیث میں بھی خواب کی تصریح نہیں، اس لئے زبان کے محاورۂ عام کی بناء پر اس کو بیداری کا واقعہ سمجھا جائے گا۔

مدعیانِ رویا کا مقصود بھی رویا سے عام خواب نہیں

جو لوگ اس کو رویا کہتے ہیں اس سے ان کا مقصود بھی وہ عام خواب نہیں ہے جو ہر روز ہر شخص دیکھا کرتا ہے، اُن کا منشاء ہے کہ لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے رویا کی حقیقت پر غور نہیں کیا ہے، وہ غلطی سے انبیاء کے رویاء کو بھی عام انسانی خواب سمجھتے ہیں، حالانکہ دراصل صرف لفظ کا اشتراک ہے اور نہ اس کی حقیقت بالکل جداگانہ ہے، یہ وہ رویا ہے جس میں گو آنکھیں بند ہوتی ہیں مگر دل بیدار ہوتا ہے، کیا یہی عام رویا کی حقیقت ہے؟ یہ وہ حالت ہے جو بظاہر خواب ہے مگر دراصل ہشیاری بلکہ مافوق ہشیاری ہے، عام خواب اور اس رویاء میں مشابہت صرف اس قدر ہے کہ اس عالمِ مادی اور کاروبارِ حواسِ ظاہری سے پہلے میں تغافل ہے تو دوسرے میں تعطل ہے، لیکن پہلے میں عالمِ روح اور کائناتِ ملکوت کو دخل نہیں اور دوسرے میں سراپا ہشیاری، بیداری، حقیقت بینی، اِمِ سفری ناموس، سیرِ سماوات، لقائے ارواح، رویتِ حق سب کچھ ہے۔ اسی لئے جن لوگوں نے اس کو "منام" یا "رویا" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، انہوں نے درحقیقت مجاز و استعارہ سے کام لیا ہے، ورنہ اصل مقصود یہی کیفیتِ روحانی اور یہی حالتِ ملکوتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ہمارے ظاہری حواس کے مادی قوانینِ طبعی کے رو سے جو چیزیں محال معلوم ہوتی ہیں وہ

اس عالم میں محال نہیں ہیں۔

رویائے صادقہ کی تاویل

بہرحال جو لوگ اس کو رویائے صادقہ کہتے ہیں ان کو گویہ مغالطہ بعض روایاتِ حدیث سے پیش آیا ہے جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور جن میں سب سے مستند شریک کی روایت ہے جس کے الفاظ میں کمی بیشی پر اکثر محدثین نے اعتراض کیا ہے اور اسی لئے انہوں نے اس کو رد کر دیا ہے، تاہم محدثین میں سے امام خطابی صاحب معالم السنن شریک کی اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واما من اعتبر اول الحدیث بآخرہ فانہ یزول عنہ الاشکال فانہ مصرح فیہ بانہ کان رؤیا لقولہ فی اولہ وھو نائم وفی آخرہ استیقظ وبعض الرؤیا مثل یضرب لیتاول علی الوجہ الذی یجب ان یصرف الیہ معنی التعبیر فی مثلہ وبعض الرؤیا لا یحتاج الی ذلک بل یاتی کالمشاھدۃ۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۰۰)

لیکن جو شخص اس حدیث کے ابتدائی الفاظ کو آخری الفاظ سے ملا کر دیکھے گا اس سے یہ اشکال اس سے دور ہو جائے گا کہ ان میں یہ تصریح ہے کہ یہ رویا تھا کیونکہ اس روایت کے شروع میں ہے کہ آپ سو رہے تھے اور آخر میں ہے کہ آپ جاگ پڑے، بعض رویا تمثیلی رنگ میں ہوتے ہیں جن کی تاویل ضروری ہے کہ اسی طرح کی جائے جس طرح اس قسم کے خواب کی تعبیر کی جاتی ہے اور بعض رویا اس کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ مشاہدہ عینی کی طرح پیش آتے ہیں

رویا سے مقصود روحانی ہے

لیکن جو لوگ ان میں آشنائے راز ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ وہ ایک عام قسم کا خواب تھا جو ہر انسان تقریباً ہر شب کو دیکھتا ہے، بلکہ وہ اس کیفیت پر رویا کا اطلاق محض مجازی اور انسانی طریقِ ادا کے قصور کے باعث کرتے ہیں، انسان روح اور جسم سے مرکب ہے یہ روح جو جسم سے وابستہ ہے اس کا یہ تعلق محض عارضی ہے اور یہی عارضی تعلق عالمِ نور سے اس کے حجاب کا باعث ہے جس قدر اس تعلق کا رشتہ ڈھیلا ہوتا جائے گا، اسی نسبت سے وہ حجاب اٹھتا جائے گا، انسان جب بیداری میں ہوتا ہے تو حواس ظاہری کی مصروفیت روح کو مشاہدۂ باطن سے باز رکھتی ہے، نیند کی حالت میں کسی قدر اس کو ظاہری مشغولیت سے آزادی ملتی ہے تو اس کو رنگا رنگ کی چیزیں نظر آتی ہیں، یہ حالت انسان کی باطنی اور روحانی قوتوں کی ترقی و تنزل پر موقوف ہے، ایک دن تو ہر انسان مر جاتا ہے یعنی اس کی روح کا تعلق اس کے جسم سے منقطع ہو جاتا ہے، لیکن انسانوں کی ایک صنف ایسی بھی ہے جس کا طائرِ روح خدا کے فضل و موہبت کے بازوؤں سے برزور ہو کر اپنے قفسِ عنصری کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ کر عالمِ ملکوت کی سیر کرتا پھرتا ہے اور پھر اسی قفسِ عنصری کی طرف رجعت کر جاتا ہے، یہی حالت ہے جس کو وہ اپنی محدود زبان میں مجازاً رویائے صادقہ یا رویائے نبوت کہتے ہیں اور اسی عالم کو عالمِ رویا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ممکن ہے کہ اسی کو قرآن مجید کی آیت وما جعلنا الرؤیا التی اریناک میں رویا کہا گیا ہے، یہی وہ دنیا ہے جس میں آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے اور اسی کی طرف وحی کی حدیثوں میں اشارہ ہے، اور ابن ہشام حضرت عائشہؓ کی

طرف جو روایت منسوب ہے کہ:

ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن اسری بروحہ۔

(یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج روح کے ذریعہ ہوئی)

کا یہی مطلب ہے، حافظ ابن قیم نے زاد المعاد[1] میں اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

فصل: وقد نقل ابن اسحاق عن عائشۃ و معاویۃ انھما قالا انما کان الاسراء بروحہ ولم یفقد جسدہ ونقل عن الحسن البصری نحو ذلک ولکن ینبغی ان یعلم الفرق بین ان یقال کان الاسراء مناما وبین ان یقال کان بروحہ دون جسدہ وبینھما فرق عظیم وعائشۃ ومعاویۃ لم یقولا کان مناما وانما قالا اسری بروحہ ولم یفقد جسدہ وفرق بین الامرین فان ما یراہ النائم قد یکون امثالا مضروبۃ للمعلوم فی الصور المحسوسۃ فیری کانہ قد عرج بہ الی السماء او ذھب بہ الی مکۃ واقطار الارض وروحہ لم تصعد ولم تذھب وانما ملک الرؤیا ضرب لہ المثال والذین قالوا عرج برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائفتان، طائفۃ قالت عرج بروحہ وبدنہ وطائفۃ قالت عرج بروحہ ولم یفقد بدنہ وھؤلاء لم یریدوا ان المعراج کان مناما وانما ارادوا ان الروح ذاتھا اسری بھا وعرج بھا حقیقۃ وباشرت من جنس ما تباشر بعد المفارقۃ وکان حالھا فی ذلک کحالھا بعد المفارقۃ فی صعودھا الی السموات سماء سماء حتی ینتھی بھا الی السماء السابعۃ فتقف بین یدی اللہ عز وجل فیامر فیھا بما یشاء ثم تنزل الی الارض فالذی کان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فصل: ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ اور معاویہؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ معراج میں آپ کی روح لے جائی گئی اور آپ کا جسم کھویا نہیں گیا (یعنی وہ اسی دنیا میں اپنی جگہ پر موجود تھا) اور حسن بصری سے بھی اسی قسم کی روایت ہے لیکن یہ جاننا چاہیے کہ یہ کہنا کہ معراج منام (خواب) تھا اور یہ کہنا کہ بذریعہ روح کے تھی، جسم کے ساتھ نہ تھی، ان دونوں میں بڑا فرق ہے، حضرت عائشہؓ اور معاویہؓ نے یہ نہیں کہا کہ وہ منام (خواب) تھا انہوں نے یہی کہا ہے کہ معراج میں آپ کی روح کو لے جایا گیا اور آپ کا جسم کھویا نہیں گیا، ان دونوں میں بڑا فرق یہ ہے کہ سونے والا جو کچھ دیکھتا ہے کبھی محسوس صورتوں میں، جو کچھ معلوم ہے اس کی تمثیلیں اس کے سامنے کی جاتی ہیں، پس وہ دیکھتا ہے کہ گویا وہ آسمان پر چڑھایا گیا یا مکہ اس کو لے جایا گیا اور زمین کے گوشوں میں اس کو پھرایا گیا، حالانکہ اس کی روح نہ چڑھی تھی نہ گئی نہ پھری، صرف یہ ہوا کہ خواب کے فرشتے نے اس کے لئے ایک تمثیل اس کے سامنے کر دی اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر چڑھایا گیا ان میں دو فرقے ہیں، ایک فرقہ کہتا ہے کہ آپ کو معراج روح و جسم دونوں کے ساتھ ہوئی اور دوسرا کہتا ہے کہ صرف روح کے ساتھ ہوئی اور بدن کھویا نہیں گیا یعنی اس عالم سے، ان لوگوں کا یہ مقصد نہیں کہ وہ خواب تھا بلکہ یہ مقصد ہے کہ خود بذاتہ روح کو معراج ہوئی اور وہی درحقیقت اوپر چڑھائی گئی اور اس نے اس طرح کیا جس طرح جسم سے مفارقت کے بعد کرتی ہے اور اس میں کی

[1] طبع اول صفحہ ۳۰۴ مصر

لیلة الاسراء اکمل مما یحصل للروح عند المفارقة ومعلوم ان هذا امر فوق ما یراه النائم لکن لما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مقام خرق العوائد حتی شق بطنه وهو حی لا یتالم بذلک عرج بذات روحه المقدسة فی غیر اماتة ومن سواه لا ینال بذات روحه الصعود الی السماء الا بعد الموت والمفارقة فالانبیاء انما استقرت اروا حهم هناک بعد مفارقة الابدان وروح رسول الله صلی الله علیه وسلم صعدت الی هناک فی حال الحیاة ثم عادت وبعد وفاته استقرت فی الرفیق الاعلی مع ارواح الانبیاء ومع هذا فلها اشراف علی البدن واشراق وتعلق به بحیث یرد السلام علی من سلم علیه وبهذا التعلق رای موسی قائما یصلی فی قبره وراٰه فی السماء السادسة ومعلوم انه لم یعرج بموسی من قبره ثم رد الیه وانما ذلک مقام روحه واستقرارها وقبره مقام بدنه واستقراره الی یوم معاد الارواح الی اجسادها فراٰه یصلی فی قبره وراٰه فی السماء السادسة کما انه صلی الله علیه وسلم فی ارفع مکان فی الرفیق الاعلی مستقرا هناک وبدنه فی ضریحه غیر مفقود واذا سلم علیه المسلم رد الله علیه روحه حتی یرد علیه السلام ولم یفارق الملاء الاعلی ومن کثف ادراکه وغلظت طباعه عن ادراک هذا فلینظر الی الشمس فی علو محلها وتعلقها وتاثیرها فی

کی حالت وہی تھی جو مفارقت جسم کے بعد آسمانوں پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھنے میں ہوتی ہے یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر جا کر ٹھہر جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کھڑی ہو جاتی ہے پھر وہ جو چاہتا ہے اس کی نسبت حکم دیتا ہے پھر زمین پر واپس آجاتی ہے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں جو حاصل ہوا وہ اس سے بھی زیادہ کامل تھا جو روح کو مفارقت جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے والے کو خواب میں نظر آتا ہے لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرق عادات کے مقام میں تھے یہاں تک کہ آپ کا سینہ چاک کیا گیا اور آپ زندہ تھے لیکن آپ کو تکلیف نہیں ہوتی اسی طرح خود روح مبارک بذاتہ اوپر چڑھ گئی، بغیر اس کے کہ آپ پر موت طاری کی جائے آپ کے علاوہ کسی کی روح کو موت اور مفارقت تن کے بغیر یہ عروج نصیب نہ ہوا، انبیاء کی روحیں جو یہاں ٹھہری تھیں وہ مفارقت جسم کے بعد تھیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک زندگی کی حالت میں وہاں گئی اور واپس آئی اور مفارقت کے بعد انبیاء کی روحوں کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں جا کر ٹھہر گئی لیکن باوجود اس کے روح پاک کو اپنے جسم کے ساتھ ایک نوع کا تعلق اور رشتہ ہے کہ اگر آپ پر کوئی سلام بھیجے تو آپ سلام کا جواب دیتے ہیں، اسی تعلق سے آپ نے شب معراج میں دیکھا کہ موسیٰ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں، پھر آپ نے ان کو چھٹے آسمان پر دیکھا، حالانکہ معلوم ہے کہ موسیٰ کو اپنی قبر سے اٹھا کر نہیں لے جایا گیا تھا اور نہ پھر واپس کیا گیا تھا، اس کی گرہ یوں کھلتی ہے کہ وہاں آسمان پر جو موسیٰ کو آپ نے دیکھا تو وہ ان کی روح کا مقام و مستقر تھا اور قبر ان کے جسم کا، جہاں وہ قیامت میں روحوں کے لوٹنے کے وقت تک رہے گا۔ اس طرح آپ نے ان کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا اور چھٹے آسمان پر بھی دیکھا جس طرح کہ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس

الارض وحیاة النبات والحیوان بها هذا وشان الروح فوق هذا فلها شان ولابدان شان وهذه النار تکون فی محلها وحرارتها تؤثر فی الجسم البعید عنها مع ان الارتباط والتعلق الذی بین الروح والبدن اقوی واکمل من ذالک واتم فشان الروح اعلی من ذالک والطف.

سے بلند تر مقام یعنی رفیق اعلیٰ میں بھی قرار گیر ہیں اور جسم مبارک قبر شریف میں بھی موجود ہے جب سلام کرنے والا آپ پر سلام کرتا ہے تو اللہ آپ کی روح کو واپس کرتا ہے تا آنکہ آپ جواب دیتے ہیں حالانکہ مقام رفیق اعلیٰ سے آپ علیحدہ نہیں ہوئے جو شب معراج میں جو حاصل ہوا وہ اس سے بھی زیادہ کامل تھا جو روح کو مفارقت جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے والے کو خواب میں نظر آتا ہے لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرق عادات کے مقام میں تھے یہاں تک کہ آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور آپ زندہ تھے لیکن آپ کو تکلیف نہیں ہوتی، اسی طرح خود روح مبارک بذاتہ اوپر ہے اور اس کی گرمی دور کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے، روح اور بدن کا باہمی تعلق تو اس سے بھی زیادہ قوی اور کامل ہے اس لئے کہ روح آگ سے زیادہ اعلیٰ اور لطیف ہے۔

فقل للعیون الرمد ایاک ان تری سنا الشمس فاستغشی ظلام اللیالیا

(گرد آلود آنکھوں سے کہہ دو کہ وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکی کو اوڑھ لیں)

صوفیہ اور ارباب حال نے معراج کے واقعات کی تشریح اپنے مذاق اور رنگ میں کی ہے، علماء اسلام میں کم از کم ایک شخص تو ایسا ہے جو صوفی اور صاحب حال ہے اور محدث اور متکلم بھی، یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی شاہ صاحب کے متعلق معلوم ہے کہ وہ دیگر اہل باطن کی طرح عالم برزخ اور عالم مثال زمام اور عالم جسد اور عالم روح کے درمیان ایک تیسرے عالم کے قائل ہیں، جہاں جسم پر روح کے خواص طاری ہوتے ہیں اور روح اپنی خصوصیت اور مناسبت کے مطابق جسمانی شکل و صورت میں نمایاں ہوتی ہے، شاہ صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ معراج بیداری میں اور جسم کے ساتھ ہوئی، لیکن یہ عالم برزخ کی سیر تھی جہاں آپ کے جسم پر روحانی خواص طاری کئے گئے اور معانی و واقعات مختلف اشکال و صورت میں مشاہدہ کرائے گئے، چونکہ ایک بیگانہ کے لئے اس نادیدہ شہرستان کی ہو بہو تشریح اپنی زبان میں مشکل ہے اس لئے ہم اس ملک کے ایک سیاح کا بیان نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

شاہ صاحب حجة اللہ البالغہ میں معراج کی حقیقت ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

واسری به الی المسجد الاقصی ثم الی سدرة المنتهی والی ما شاء الله وکل ذلک بجسده صلی الله علیه وسلم فی الیقظة ولکن ذلک فی موطن هو برزخ بین المثال والشهادة جامع لاحکامها

آپ کو معراج میں مسجد اقصیٰ میں لے جایا گیا پھر سدرۃ المنتہیٰ اور جہاں خدا نے چاہا اور یہ تمام جسم مبارک کے لئے بیداری کی حالت میں ہوا لیکن اس مقام میں جو عالم مثال اور عالم ظاہر کے بیچ میں ہے، اور جو دونوں عالموں کے احکام کا جامع ہے اس لئے جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح پر

فظهر على الجسد احكام الروح وتمثل الروح والمعاني الروحية اجسادا ولذلك بان لكل واقعة من تلك الوقائع تعبير وقد ظهر لحزقيل وموسى وغيرهما عليهم السلام نحو من تلك الوقائع وكذلك للاولياء الامة ليكون علو درجاتهم عند الله كما لهم في الرؤيا (والله اعلم)

معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے اور اسی لئے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک تعبیر ظاہر ہوئی اور اسی طرح کے واقعات حضرت حزقیل اور موسیٰ وغیرہ علیہم السلام کے لئے ظاہر ہوئے تھے جیسے اولیاء امت کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں کہ خدا کے نزدیک ان کے درجہ کی بلندی مثل اس حالت کے ہوتی ہے جو رویا میں ان کو معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم)

اس کے بعد شاہ صاحب نے معراج کے مشاہدات میں سے ایک ایک کی تعبیر کی ہے، خود احادیث صحیحہ اور معتبر روایات میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپ کے سامنے دودھ اور شراب کے دو پیالے پیش کئے گئے تو آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا، اس پر فرشتہ نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا، اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ کی تمام امت گمراہ ہو جاتی، اس عالم تمثیل میں گویا فطرت کو دودھ اور ضلالت کو شراب کے رنگ میں مشاہدہ کرایا گیا۔

شاہ صاحب معراج کو عالم برزخ کا واقعہ بتا کر اسی طرح معراج کے تمام واقعات کی تشریح کرتے ہیں فرماتے ہیں۔

اما شق الصدر وملؤه ايمانا فحقيقته غلبة انوار الملكية وانطفاء لهيب الطبيعة وخضوعها لما يفيض عليها من حظيرة القدس، واما ركوبه على البراق فحقيقته استواء نفسه النطقية على نسمته التي هي لكمال الحيواني فاستوى راكبا على البراق كما غلبت احكام نفسه النطقية على البهيمية وتسلطت عليها واما اسراؤه الى المسجد الاقصى فلانه محل ظهور شعائر الله ومتعلق همم الملأ الاعلى ومطمح انظار الانبياء عليهم السلام فكانه كوة الى الملكوت واما ملاقاته مع الانبياء صلوات الله عليهم ومفاخرته معهم فحقيقتها اجتماعهم من حيث ارتباطهم بحظيرة القدس وظهور

لیکن سینہ کا چیرنا اور اس کا ایمان سے بھرنا تو اس کی حقیقت ملکیت کے انوار کا غلبہ اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بجھنا اور طبیعت کی فرمانبرداری اس فیضان کے قبول کرنے کے لئے جو حظیرۃ القدس سے خدا اس پر فائض کرتا ہے لیکن آپ کا براق پر سوار ہونا تو اس کی حقیقت آپ کے نفس ناطقہ (بشری) کا اپنے اس روح حیوانی پر استیلاء حاصل کرنا ہے جو کمال حیوانی ہے تو آپ براق پر اسی طرح سوار ہو گئے جس طرح آپ کی روح بشری کے احکام آپ کی روح حیوانی پر غالب آ گئے اور اس پر مسلط ہو گئے، لیکن آپ کا رات کو مسجد اقصیٰ لے جانا تو وہ اس لئے کہ یہ مقام شعائر الٰہی کے ظہور کا مکان ہے اور ملاء اعلیٰ کے ارادوں کا تعلق گاہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کی نگاہوں کا نظارہ گاہ ہے، گویا وہ اعلیٰ کی طرف ایک روشندان ہے جہاں سے روشنی چھن چھن کر اس روشن دان کے ذریعہ اس کرۂ انسانی پر فائض ہوتا ہے، لیکن آپ کی انبیاء علیہم السلام سے

وما اختص به من بينهم من وجوه الكمال واما رقيه الى السموات سماء بعد سماء فحقيقته الانسلاخ الى مستوى الرحمن منزلة بعد منزلة ومعرفة حال الملائكة الموكلة بها من لحق بهم من افاضل البشر والتدبير الذي اوحاه الله فيها والاختصام الذي يحصل في ملئها، واما بكاء موسى فليس بحسد ولكنه مثال لفقد عموم الدعوة وبقاء كمال لم يحصله مما هو في وجهه واما سدرة المنتهى فشجرة الكون وترتب بعضها على بعض وانجماعها في تدبير واحد كانجماع الشجرة في الغاذية والنامية ونحوهما ولم تتمثل حيوانا لان التدبير الجملي الاجمالي الشبيه لسياسة الكلي افراده وانما اشبه الاشياء به الشجرة دون الحيوان، فان الحيوان فيه قوى تفصيلية والارادة فيه اصرح من سنن الطبيعة واما الانهار في اصلها فرحمة فائضة في الملكوت حذو الشهادة وحياة وانماء فلذلك تعين هنالك بعض الامور النافعة في الشهادة كالنيل والفرات واما الانوار التي غشيتها فتدليات الهية وتدبيرات رحمانية تلعلعت في الشهادة حيثما استعدت لها واما البيت المعمور

ملاقات اور مفاخرت (اور امامت) تو اس کی حقیقت کو ان کا اجتماع ہے بحیثیت اس کے کہ وہ سب ایک ہی رشتہ میں حظیرۃ القدس سے مربوط ہیں اور آپ کی ان حیثیات کمال کا ظہور ہے جو ان تمام پیغمبروں میں آپ کی ذات سے مخصوص تھیں لیکن آپ کا آسمانوں پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھنا (اور فرشتوں اور مختلف پیغمبروں سے ملاقات) تو اس کی حقیقت درجہ بدرجہ تحت کی منزلوں سے کھنچ کر عرش الٰہی تک پہنچنا ہے اور ہر آسمان پر جو فرشتے متعین ہیں اور کامل انسانوں میں سے جو جہاں جس جس درجہ تک پہنچ کر ان کے ساتھ مل کر گیا ہے ان کے حالات سے اور اس تدبیر سے جو ہر آسمان میں خدا نے وحی کی اور اس مباحثہ سے جو اس آسمان کے فرشتوں کی جماعت میں ہوتا ہے آگاہی ہے لیکن حضرت موسیٰ کا رونا تو از راہ حسد نہ تھا بلکہ وہ اس بات کی تمثیل تھی کہ ان کو دعوت عامہ نہیں ملی تھی اور اس کمال کی بقا ان کو حاصل نہیں ہوئی تھی جو عموم دعوت سے حاصل ہوتی ہے لیکن سدرۃ المنتہیٰ تو وہ وجود کا درخت ہے اس کا ایک دوسرے پر مرتب ہونا اور پھر ایک ہی تدبیر میں مجتمع ہونا ہے جس طرح درخت اپنی شاخوں کے بے شمار افراد کے اختلاف کے باوجود اپنی قوت غاذیہ اور اپنی قوت نامیہ کی تدبیر میں متحد و مجتمع ہوتا ہے، سدرۃ المنتہیٰ حیوان کی شکل میں نمایاں نہیں ہوا اس لئے کہ اجمالی اور مجموعی تدبیر اس طرح ہے جس طرح کلی اپنے افراد کی سیاست (اجمالی) کرتی ہے اور اس تدبیر اجمالی کی بہترین شبیہ درخت ہے نہ کہ حیوان کیونکہ حیوان میں تفصیلی قوتیں ہوتی ہیں اور خصوصاً اس میں ارادہ قوتیں طبعی سے زیادہ مصرح صورت میں ہوتا ہے، لیکن نہروں (کی جڑوں) اور سوتوں کا وہاں نظر آنا تو وہ رحمت و حیات و نشو و نما کا منبع ہے جو عالم ملکوت میں اسی طرح جاری ہے جس طرح عالم ظاہر میں، اسی لئے وہاں

فحقیقته التجلی الالٰہی الذی یتوجه الیه سجدات البشر وتضرعاتها یتمثل بیتاً علیٰ حذو ما عندهم من الکعبة وبیت المقدس ثم اتی باناء من لبن واناء من خمر فاختار اللبن. فقال جبرئیل هدیت للفطرة ولو اخذت الخمر لغوت امتک فکان هو صلی اللہ علیه وسلم جامع امة ومنشأ ظهورهم وکان اللبن اختیارهم الفطرة والخمر اختیارهم لذات الدنیا وامر بخمس صلوات بلسان التجوز وانها خمسون باعتبار الثواب ثم اوضح اللہ مراده تدریجاً لیعلموا ان الحرج مدفوع وان النعمة کاملة وتمثل هذا المعنی مستنداً الیٰ موسیٰ علیه السلام فانه اکثر الانبیاء معالجة للامة ومعرفة بسیاستها۔

(باب الاسراء)

بھی بعض وہ پرفیض امور نظر آئے جو یہاں اس عالم میں ہیں جیسے دریائے نیل اور نہر فرات، لیکن وہ انوار جو اس درخت کو ڈھانکے تھے تو وہ تنزلات الٰہیہ اور تدبیرات رحمانیہ ہیں جو اس عالم ظاہر میں وہاں چمکتی ہیں، جہاں جہاں اُن کے قبول کی استعداد ہوتی ہے۔ لیکن بیت معمور تو اس کی حقیقت وہ تجلی ہے، جس کی طرف انسانوں کے تمام سجدے اور بندگیاں متوجہ ہوتی ہیں وہ گھر کی صورت میں اس لئے نمایاں ہوا کہ وہ ان قبلوں کی طرح ہو جو انسانوں کے درمیان کعبہ اور بیت المقدس کی صورت میں ہیں پھر آپ کے سامنے ایک دودھ کا پیالہ اور ایک شراب کا پیالہ لایا گیا، آپ نے دودھ پسند فرمایا تو جبرئیل نے کہا کہ فطرت کی طرف آپ نے ہدایت پائی اگر آپ شراب پسند فرماتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ آپ کے پسند و قبول کی امت کی پسند و قبول کنا اس لئے تھا کہ آپ اپنی امت کے جامع و مرکز اور اس کے ظہور کے منشاء مولد تھے اور دودھ کا پیالہ پسند کرنا فطرت کا پسند کرنا تھا اور شراب کو لینا دنیاوی لذتوں کا پسند کرنا تھا اور آپ کو بزبان مجاز پانچ وقتوں کی نمازوں کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ درحقیقت ثواب کے اعتبار سے پچاس وقت ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے مقصہ کو ذکر پچاس وقتوں سے پانچ وقت مقصود ہیں، بدفعات اور بتدریج اس لئے ظاہر کیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ (۵۰ وقت کو پانچ کر دینے میں) تنگی دور کر دی گئی ہے اور نعمت پوری ہوئی ہے اور یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مکالمہ کی طرف منسوب ہو کر اس لئے ظاہر ہوئی کہ تمام پیغمبروں میں امت کا تجربہ اور امت کی سیاست کی آگاہی ان ہی کو سب سے زیادہ تھی۔

ہم نے ارباب حال اور محدثین کے یہ انکشافات وحقائق اور جسم و روح کے یہ گوناگوں احوال و مناظر خود انہی کی زبانوں سے بتائے اور دکھائے ہیں ورنہ ہم خود اس باب میں سلف صالحین کا عقیدہ رکھتے ہیں جو ابن اسحاق کی عبارت میں حسب ذیل ہے۔

وکان فی مسراه وما ذکر منه بلاء وتمحیص وامر من امر اللہ فی قدرته وسلطانه، فیه عبرة لاولی الالباب وهدی ورحمة وثبات لمن آمن باللہ وصدق وکان من امر اللہ علیٰ یقین فاسریٰ به کیف شاء وکما شاء لیریه من آیات ربه ما اراد حتیٰ عاین ما عاین من امره وسلطانه العظیم وقدرته التی یصنع بها ما یرید۔

(سیرت ابن ہشام باب الاسراء)

آپ کے اس سفر شبانہ اور جو کچھ اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے اس میں آزمائش اور کافر و مومن کی تمیز ہے اور خدا کی قدرت اور سلطنت میں سے کوئی الٰہی شان ہے اور اس میں اہل عقل کے لئے عبرت ہے اور جو اللہ پر ایمان لایا اور تصدیق کی اور خدا کے کاموں پر یقین رکھا اس کے لئے اس میں ہدایت رحمت اور ثابت قدمی ہے، پس اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو رات کے وقت لے گیا جس طرح چاہا اور جیسے چاہا تاکہ وہ اس کو اس کے پروردگار کی نشانیوں میں سے جو چاہے دکھائے، یہاں تک کہ آپ نے خدا کی شان اور اس کی عظیم الشان قوت کے مناظر دیکھے جو کچھ دیکھے اور اس قدرت کو دیکھا جس سے وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔

*

قرآن مجید اور معراج

معراج کے اسرار، اعلانات، احکام، بشارتیں اور انعامات

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں معراج کا بیان سورۂ اسراء (جس کو سورۂ بنی اسرائیل بھی کہتے ہیں) کی صرف ابتدائی تین چار آیتوں میں ہے، یعنی:

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ (بنی اسرائیل ۲-۱)	پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات کے وقت مسجد حرام (کعبہ) سے اس مسجد اقصٰی (بیت المقدس) تک لے گیا، جس کے گرداگرد ہم نے برکت نازل کی ہے تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں دکھائیں، وہ ہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

لیکن ہم نے اس سورہ کو شروع سے اخیر تک بار بار پڑھا اور ہر بار اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ پوری سورہ معراج کے اسرار و حقائق، نتائج و عبر اور احکام و اعلانات سے معمور ہے، سب سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس سورہ کے جلی عنوانات کیا ہیں۔

(۱) یہ اعلان کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی القبلتین (یعنی کعبہ اور بیت المقدس دونوں کے پیغمبر) ہیں۔

(۲) یہود جو اب تک بیت المقدس کے اصلی وارث اور اس کے نگہبان و کلید بردار بنائے گئے تھے ان کی تولیت اور نگہبانی کی مدت حسب وعدۂ الٰہی ختم کی جاتی ہے اور آلِ اسمٰعیل کو ہمیشہ کے لئے اس کی خدمت گزاری سپرد کی جاتی ہے۔

(۳) کفار قریش کو اعلان کہ تمہارے پند و موعظت کا عہد گزر گیا، فیصلۂ حق کے ثبوت کے لئے جس عذاب کو تم مانگتے تھے اب وہ آتا ہے کہ رسول اب ہجرت کرتے ہیں۔

(۴) رسولوں کی سنت کے مطابق اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا اذن دیا جائے گا، جس کے بعد نافرمان قوم پر عذاب آئے گا

(۵) معراج کے احکام شرائع۔

(۶) نماز پنجگانہ کی فرضیت۔

(۷) نبوت، قرآن، قیامت اور معجزات پر اعتراضات کے جوابات۔

(۸) حضرت موسیٰؑ کے حالات اور واقعات سے استشہاد۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی القبلتین ہونا

حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سعادتوں اور برکتوں کا کلید بردار بنایا

تھا اور ان کو ارضِ مقدس کی تولیت کا منصب عطا کیا تھا جس کے حدود خدا نے خواب میں حضرت ابراہیمؑ کو دکھائے تھے، لیکن اسی کے ساتھ تورات میں بار بار اعلان کر کے یہ بھی ان کو سنا دیا گیا تھا کہ اگر انہوں نے خدا کے احکام کی اطاعت اور پیغمبروں کی تصدیق نہ کی تو یہ منصب ان سے چھین لیا جائے گا، حضرت ابراہیمؑ کو اسماعیلؑ و اسحاقؑ دو بیٹے عطا ہوئے تھے اور ارضِ مقدس کو ان دونوں بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا یعنی شام کا ملک حضرت اسحاقؑ کو اور عرب کا ملک حضرت اسماعیلؑ کو ملا تھا، شام میں بیت المقدس اور عرب میں کعبہ واقع تھا، حضرت اسحاقؑ کے فرزندوں کو جن کا مشہور نام بنی اسرائیل ہے (اسرائیل حضرت اسحاقؑ کے بیٹے یعقوبؑ کا لقب تھا) بیت المقدس کی تولیت عطا ہوئی تھی اور بنو اسمٰعیل کو کعبہ کا متولی بنایا گیا تھا، حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں جس قدر پیغمبر پیدا ہوئے ان میں سے بنو اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس اور اسماعیل کا کعبہ تھا، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قدر انبیاء عرب یا شام میں مبعوث ہوتے وہ ان دونوں قبلوں میں سے صرف ایک کے متولی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمام دوسرے پیغمبروں کے متفرق اوصاف و خصوصیات کا جامع اور برزخ بنایا تھا، اسی طرح حضرت اسحاقؑ و اسماعیلؑ دونوں کی برکتوں اور سعادتوں کا گنجینہ بھی ذاتِ محمدیؐ ہی کو قرار دیا یعنی حضرت ابراہیمؑ کی وراثت جو صدیوں سے جو بیٹوں میں بٹتی چلی آتی تھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پھر ایک جگہ جمع ہو گئی اور گویا وہ حقیقت ابراہیمیہ جو خاندانوں اور نسلوں میں منقسم ہو گئی تھی ذاتِ محمدیؐ میں پھر یکجا ہو گئی اور آپ کو دونوں قبلوں کی تولیت تفویض ہوئی اور نبی القبلتین کا منصب عطا ہوا، یہی نکتہ تھا جس کے سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ اور بیت المقدس دونوں طرف رُخ کرنے کا حکم دیا گیا اور اسی لئے معراج میں آپ کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصٰی (بیت المقدس) تک لے جایا گیا اور مسجد اقصٰی میں تمام انبیاء کی صف میں آپ کو امامت پر مامور کیا گیا تاکہ آج اس مقدس دربار میں اس کا اعلانِ عام ہو جائے کہ دونوں قبلوں کی تولیت سرکارِ محمدیؐ کو عطا ہوتی ہے اور نبی قبلتین نامزد ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں سورۂ اسراء کی ابتداء اور واقعہ معراج کا آغاز اسی حقیقت کے اظہار سے ہوتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ (بنی اسرائیل)	پاک ہے وہ خدا جو رات کے وقت اپنے بندہ کو مسجد حرام سے اس مسجد اقصٰی تک لے گیا جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں تاکہ ہم اپنے اس بندہ کو اپنی چند نشانیاں دکھائیں، بیشک خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

بنی اسرائیل کی مدتِ تولیت کا قیام

بنو اسرائیل کو ارضِ مقدس کی تولیت کا شرف بہت سی شرائط اور معاہدوں کے ساتھ عطا ہوا تھا اور یہ کہہ دیا گیا تھا کہ جب وہ غیر معبودوں کی طرف جھکیں گے اور احکام الٰہی کی عدم پیروی کے ملزم ہوں گے، تو یہ منصب ان سے چھین لیا جائے گا اور محکومی و غلامی کی زنجیر ان کی گردنوں میں ڈال دی جائے گی، حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے عہد میں

اُن کو جو نیابت اور وراثت عطا کی گئی تھی عدم ایفائے عہد کی پاداش میں بابل کے بادشاہ بخت نصر (بنو خذ نذر) کے ہاتھوں اُن سے چھین لی گئی، ارضِ مقدس سے وہ جلاوطن کر دیئے گئے، شہر اورشلیم کھنڈر کر دیا گیا، بیت المقدس کی ایک ایک اینٹ چور چور کر دی گئی اور توراۃ کے پرزے پرزے اڑا دیئے گئے۔

اس پُر غم سانحہ پر انبیائے بنی اسرائیل نے ماتم کیا، خدا کے سامنے دستِ تضرع دراز کیا، بنی اسرائیل کو توبہ و انابت کی دعوت دی تو پھر اُن کو معاف کیا گیا اور ایرانیوں کے عہد میں ارضِ مقدس کی دوبارہ تولیت سے وہ سرفراز ہوئے، لیکن اس کے بعد پھر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے، بتوں کو سجدے کئے، توراۃ کے احکام سے روگردانی کی تو ان پر یونانیوں اور رومیوں کو مسلط کیا گیا جنہوں نے بیت المقدس کو جلا کر خاکستر کر دیا، یہودیوں کا قتلِ عام کیا، قربان گاہ کے مقدس ظروف توڑ پھوڑ دیئے، اب اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوتی ہے اور بنو اسرائیل کو توبہ و انابت کا آخری موقع دیا جاتا ہے، اگر انہوں نے حق پسندی کو راہ دیا تو خدا ان پر رحم فرمائے گا ورنہ ہمیشہ کے لئے اس منصب سے وہ محروم کر دیئے جائیں گے۔

چنانچہ آیاتِ بالا کے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا۔ ذُرِّیَّۃَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ، اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْکِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىھُمَا بَعَثْنَا عَلَیْکُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ، وَکَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا۔ ثُمَّ رَدَدْنَا لَکُمُ الْکَرَّۃَ عَلَیْھِمْ وَاَمْدَدْنٰکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَجَعَلْنٰکُمْ اَکْثَرَ نَفِیْرًا۔ وَاِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَھَا، فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ لِیَسُوْٓءٗا وُجُوْھَکُمْ وَلِیَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ کَمَا دَخَلُوْہُ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّلِیُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِیْرًا، عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت نامہ ٹھہرایا کہ ہمارے سوا وہ کسی کو کارساز نہ بنائیں۔ اے ان لوگوں کی اولاد! جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا، دیکھو کہ اُن کا جنہوں نے اپنا کارساز دوسروں کو بنا لیا تھا کیا حشر ہوا، تم کو اس احسان کا شکر ادا کرنا چاہیئے تھا کیونکہ تمہارا باپ نوح شکرگزار بندہ تھا اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے متعلق فیصلہ کر دیا تھا کہ تم دو دفعہ زمین میں فساد کرو گے اور بڑی زیادتیاں کرو گے جب ان میں سے پہلے فساد کا وقت آیا تو ہم نے تم پر ایسے بندوں کو کھڑا کر دیا جو بڑے سخت گیر تھے وہ تمہارے شہروں کے اندر پھیل گئے اور خدا کا وعدہ پورا ہوا پھر ہم نے تمہارے دن پھیرے اور تم کو مال و اولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد بہت بڑھا دی (اور کہہ دیا کہ) اگر تم نے اچھے کام کئے تو اپنے ہی لئے اور برے کام کئے تو اپنے لئے پھر جب (تمہارے) دوسرے فساد کا وقت آیا تو پھر ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو کھڑا کر دیا، کہ وہ تمہارے چہروں کو خراب کر دیں اور یہ بھی بیت المقدس میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح تمہارے پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر وہ قابو پائیں اس کو

عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَھَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا۔ (بنی اسرائیل-۱)

توڑ پھوڑ ڈالیں (اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد) ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم نے پھر ویسا ہی کیا تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے اور حق کے منکروں کے لئے ہم نے جہنم کا احاطہ بنا رکھا ہے۔

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی تھی، وہاں بنی اسرائیل سے تعلقات نہ تھے اسی لئے مکی سورتوں میں بنو اسرائیل کو عموماً مخاطب نہیں کیا گیا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ بنو اسرائیل کو مخاطب کیا جا رہا ہے، کیونکہ اب اسلام کے نئے دور کا آغاز ہونے والا ہے اور آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت ملنے والی ہے جہاں اُن سے تعلقات کا آغاز ہو گا اور از سرِ نو خدا کے سامنے اپنی شرمساری کے اظہار کا موقع ملے گا اور خدا اُن پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے گا، لیکن اگر انہوں نے قبولِ حق سے انکار کیا تو اُن کے لئے پھر وہی سزا ہے جو اُن کو اس سے پہلے دو دفعہ مل چکی ہے لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے عملاً اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور حق کو قبول نہیں کیا، حالانکہ خدا نے ان سے کہا،

وَاَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ (بقرہ-۳) تم میرا عہد پورا کرو تو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔

اس لئے خدا نے اُن پر رحمت کا دروازہ نہیں کھولا اور اُن کو تیسری دفعہ بھی وہی سزا ملی اور وہ مدینہ، اطرافِ مدینہ باغات وغیرہ سے بے دخل کر دیئے گئے اور بیت المقدس کی تولیت مسلمانوں کے سپرد کی گئی۔

کفارِ مکہ کے نام آخری اعلان آج کفارِ مکہ کے نام آخری اعلان ہے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ اگر اسلام سچا اور ہمارا مذہب باطل ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر عذاب آئے، اُن کو یہ سنتِ الٰہی بتائی گئی کہ قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں آتا جب تک اس میں مبلغِ الٰہی مبعوث نہیں ہو لیتا اور اس کو بالکل اس کی طرف سے مایوسی نہیں ہو جاتی، اس وقت قوم کا دولت مند اور معزز طبقہ اس حق کی بیخ کنی کے لئے آگے بڑھتا ہے، بہت سے دوسرے لوگ جن کو ان کی قوت پر بھروسہ ہوتا ہے ان کا ساتھ دیتے ہیں، مومنوں کا طبقہ جو بظاہر کمزور و ضعیف ہوتا ہے اس حق کو قبول کر لیتا ہے، ایک دنیا کے نفعِ عاجل کا طالب ہے اور دوسرا آخرت کے نفعِ جاوید کو ترجیح دیتا ہے دنیا میں بظاہر دونوں کو برابر زندگی کی نعمتیں ملتی ہیں، مگر ایک دن آتا ہے جب رات اور دن کی روشنی الگ ہو جاتی ہے، دنیا میں کوئی ایک دوسرے کا ذمہ دار نہیں، مصلح اور ہادی اپنا فرض ادا کر دیتے ہیں، ایمان و کفر کے وہ ذمہ دار نہیں، اس دنیا میں ہر شخص اپنا آپ ضامن ہے، اسی انکار و کفر کی بدولت قریشِ مکہ بھی تولیتِ کعبہ سے معزول کئے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو فتحِ مکہ کی خوشخبری سنائی جاتی ہے۔

اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا۔ وَاَنَّ

یہ قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور ان مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑی مزدوری ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جو کہ آخرت پر

الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۔ وَيَدْعُ الْإِنسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنسَانُ عَجُولًا ۔ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ ۖ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ۔ وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ۔ اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۔ مَّنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۔ وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۔ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِن بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۔ مَّن كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ۔ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا ۔ كُلًّا نُّمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۔ انظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ

ایمان نہیں ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے انسان کبھی برائی (عذاب) کو بھی اسی طرح چاہتا ہے جس طرح بھلائی کو اور انسان بڑا ہی عجلت پسند واقع ہوا ہے ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا ہے، نشان شب کو ہم مٹا دیتے ہیں اور نشان روز کو روشن کر دیتے ہیں کہ اس روشنی میں اپنے خدا کی مہربانی کو ڈھونڈو اور ماہ و سال کا شمار اور حساب جانو ہم نے ہر چیز کھول کر بیان کر دی اور ہر انسان کے نیک و بد کو اسی کی گردن میں ڈال دیا ہے قیامت کے دن ہم اس کے اعمال نامہ کو نکالیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا اور اس وقت ہم اس سے کہیں گے کہ لو اپنا اعمال نامہ پڑھو آج تم ہی اپنا حساب آپ لے لو تو جو ہدایت کو قبول کرتا ہے وہ خود اپنے لئے کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنے لئے، کوئی ایک دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھاتا، اور ہم اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ایک پیغمبر نہ بھیج لیں اور جب کسی آبادی کو ہلاک کرنا ہوتا ہے تو ہم وہاں کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں فسق و فجور کرتے ہیں (تو اس پر قانونِ الٰہی کے مطابق) سزا واجب ہو جاتی ہے تو ہم اس آبادی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور یاد کرو نوحؑ کے بعد سے ہم کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے جو اس دنیا کا نفع عاجل چاہتے ہیں تو ان میں سے جس کے لئے ہم چاہتے ہیں (اسی دنیا کا نفع) عاجل اس کو دے دیتے ہیں پھر دوزخ کو اس کا ٹھکانہ بناتے ہیں جس میں وہ ہر طرح برا ٹھہر کر راندۂ درگاہ بن کر داخل ہوگا اور جو آخرت کو چاہے گا اور آخرت کے لئے کوشش کرے گا اور وہ مومن ہوگا تو اس کی کوشش خدا کے یہاں مشکور ہوگی، ہم نیک و بد ہر ایک کو تیرے پروردگار کے عطیے دیتے ہیں، تیرے پروردگار کا عطیہ محدود نہیں ہے دیکھو! ہم نے کیوں کر دنیا میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے لیکن سب

وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ۔

(بنی اسرائیل ۲)

سے بڑا درجہ اور مرتبہ آخرت کا درجہ اور مرتبہ ہے۔

معراج کے احکام ووصایا

یہود اور قریش دونوں کی معزولی کے بعد بیت المقدس اور خانہ کعبہ دونوں کی تولیت کا منصب عطا کرنے کے لئے شہنشاہ عالم اپنے بندۂ خاص کو اپنے حضور میں طلب کرتا ہے اور اس روحانی حکومت کے شرائط و احکام کا ایک نسخہ عطا کرتا ہے، جیسا کہ اس موقع پر حضرت موسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں کو عطا ہوا تھا۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُولًا ۔ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۔ رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۚ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ۔ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۔ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۔ وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۔ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۔ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ ۖ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۔

خدا کے سوا کسی اور کو خدا نہ بنانا ورنہ تو برا ٹھہرے گا اور بے یار و مددگار رہ جائے گا اور تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو نہ پوجنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اگر ان میں ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کی بات میں اونہہ تک نہ کرنا اور ان کو نہ جھڑکنا ان سے ادب کے ساتھ بات کرنا اور ان کے سامنے نرم دلی سے اطاعت کا بازو جھکا دینا اور ان کے حق میں یہ دعا مانگنا کہ پروردگارا میرے والدین پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے جب میں چھوٹا تھا مجھ پر رحم کیا تھا تمہارا پروردگار تمہارے دلوں کے راز سے خوب واقف ہے، اگر تم نیک ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کو بخشش کرتا ہے اور قرابت دار کو اس کا حق اور اگر اور غریب و مسافر کا حق بھی دے اور فضول خرچی نہ کیا کر، فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے آقا کا بڑا ہی ناشکرگزار ہے، اگر اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار میں جس کی تجھ کو توقع ہو ان مستحقین میں سے کسی سے تجھ کو منہ موڑنا پڑے تو ان کو نرمی سے سمجھا دے اور اپنا ہاتھ نہ اتنا سکیڑ لے کہ گویا گردن میں بندھا ہے اور نہ اتنا پھیلا دے کہ ہر طرف سے تجھ کو لوگ ملامت کریں اور تو تہی دست ہو جائے تیرا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے کم کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں کے حال کا دانا و بینا ہے اور تم افلاس کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو، ہم ہی جو ان کو اور تم کو دونوں کو روزی دیتے ہیں، ان کا قتل کرنا درحقیقت بڑا گناہ ہے

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ
وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا
لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ
اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ
الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ
حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ
الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ
اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ
ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا
لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ
وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ
مَسْئُوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ
مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ
وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ
كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝
ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ
مِنَ الْحِكْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ
اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ
مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝

(بنی اسرائیل-۴)

اور زنا کے پاس بھی نہ جا کہ وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے اور جس جان کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرنا اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو اس کے والی وارث کو قصاص کا حق ہم نے دیا ہے تو چاہیے کہ وہ اس میں زیادتی نہ کرے کیونکہ اسی میں اس کی جیت ہے اور یتیم جب تک اپنی عقل و شعور و جوانی کو نہ پہنچ جائے اس کے مال و جائداد کے قریب بھی نہ جانا لیکن اس طریقہ سے جائے جو اس کے حق میں بہتر ہو عہد کو پورا کیا کرو کہ اس کی باز پرس ہوگی اور جب ناپ کرو تو پورا ناپ کرو اور تول کرو تو سیدھی ترازو سے تول کر دو، یہ طریقہ اچھا ہے اور اس کا انجام بھی بہتر ہے اور جس بات کا تجھ کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ ہولے، کیونکہ کان، آنکھ، دل سب سے مواخذہ ہوگا اور زمین میں اکڑ کر نہ چل کر تو اس چال سے زمین کو چیر ڈالے گا اور نہ پہاڑوں کے برابر اونچا ہو جائے گا ان تمام باتوں کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، یہ تمام احکام دانشمندی کی ان باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تجھ پر وحی کی ہیں اور خدا کے ساتھ کوئی اور دوسرا خدا نہ بنائے ورنہ تو ملامتی اور راندۂ درگاہ ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

ان احکام کی تفصیل کے بعد آخر میں خدا فرماتا ہے۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (بنی اسرائیل-۴) یہ تمام باتیں دانشمندی کی اُن باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تم پر وحی کی ہیں۔

معراج کے روحانی احوال کی تشریح کے ضمن میں خدا نے جو یہ فرمایا ہے۔

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى (نجم) پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف وحی کی جو کچھ کہ وحی کی۔

اس اجمال اور ابہام کے اندر جس قدر احکام و شرائع کا حصہ تھا، شاید وہ یہی ہیں جن کی اس مقام پر تفصیل کی گئی ہے۔

ان آیتوں میں جو احکام مذکور ہوئے وہ تعداد میں بارہ ہیں اور یہی احکام دوازدہ گانہ درحقیقت دنیا

کے تمام خیر و شر کی بنیاد و اساس ہیں، کوئی اخلاق کی تفصیل پر دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے تاہم ان احکام دوازدہ گانہ کے حلقہ سے باہر نہ نکل سکے گا، مختصر اور سادہ عبارت میں یہ احکام حسب ذیل ہیں۔

(۱) شرک نہ کرنا۔ (۲) ماں باپ کی عزت و اطاعت کر
(۳) حق والوں کا حق ادا کر۔ (۴) اسراف نہ کر اور افراط و تفریط کے بیچ میں اعتدال اور میانہ روی کی راہ چل۔
(۵) اپنی اولاد کو قتل نہ کر۔ (۶) زنا کے قریب نہ جانا۔
(۷) ناحق کسی کی جان نہ مارنا۔ (۸) یتیم سے بہتر سلوک کر۔
(۹) اپنا عہد پورا کر کہ تجھ سے اس کی پوچھ ہوگی۔ (۱۰) ناپ تول میں پیمانہ اور ترازو کو بھر پور رکھ۔
(۱۱) نامعلوم بات کی پیروی نہ کر۔ (۱۲) زمین پر مغرور نہ بن۔

یہ انہی احکام عشرہ کا نقش ثانی اور تکملہ ہے جو حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور کی معراج میں عطا ہوئے تھے (توراۃ سفر استثناء ۵-۶)

(۱) میرے آگے تیرا کوئی دوسرا خدا نہ ہو۔ (۲) تو خداوند اپنے خدا کا نام بے سبب نہ لے (یعنی جھوٹی قسم نہ کھا)
(۳) سبت کی دن کی یاد کر۔ (۴) اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے۔
(۵) تو خون مت کر۔ (۶) تو زنا نہ کر۔
(۷) تو چوری نہ کر۔
(۹) تو اپنے ہمسایہ کی جورو کو مت چاہ۔ (۱۰) تو اپنے ہمسایہ کے کسی مال کا لالچ نہ کر۔

سورہ کے آخر میں حضرت موسیٰؑ کو جو یہ احکام عشرہ ملے تھے اُن کی طرف اشارہ آئے گا۔

ہجرت اور عذاب

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالم مادی میں کچھ طبعی و فطری قوانین مقرر کر دیئے ہیں جن میں عموماً تخلف نہیں ہوا کرتا، اسی طرح عالم روحانی میں بھی اس نے کچھ اصول و قوانین بنا دیئے ہیں جن کے خلاف نہیں ہوا کرتا منجملہ ان اصول و قوانین کے ایک یہ ہے کہ جب کسی قوم میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو ہر طرح اس کو سمجھایا جاتا ہے تبلیغ کا ہر فرض اس کے سامنے ادا کیا جاتا ہے شریر قوم معجزات طلب کرتی ہے، بالآخر اس کے سامنے معجزے پیش کئے جاتے ہیں اور جب اس پر بھی وہ ایمان نہیں لاتی تو پیغمبر کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے اور اس کے بعد اس بدبخت قوم پر خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے چنانچہ انبیائے کرام کی سیر میں اس اصول کی بہترین تشریح ہیں، آج اسی قاعدہ کی تعمیل کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے آپ کو معراج کی سب سے بڑی نشانی عطا کی گئی مگر اس کو بھی وہ جھٹلاتے ہیں۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا — دنیا میں نافرمانوں کی کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کر ڈالیں، اس پر سخت عذاب نہ نازل

كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝

(بنی اسرائیل - ۶)

کریں، یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے اور ہم کو (فرمائشی) معجزات کے بھیجنے سے سوا اس کے کوئی امر مانع نہیں ہے کہ اگلوں نے بھی ان نشانیوں کی فرمائش کی اور جب ہم نے اُن کو بھیجا تو انہوں نے جھٹلا دیا، ہم نے ثمود کو ناقہ کی سوجھانے والی نشانی دی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم ان نشانیوں کو ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں یاد کرو اے پیغمبر! کہ یہ کفار تیری ایذا، بلکہ قتل کے درپے ہیں لیکن ہم نے تم سے کہہ دیا کہ تیرا رب لوگوں سے تیری حفاظت کئے ہوئے ہے اور ہم نے (معراج کی جو) رؤیا تجھ کو دکھائی تو وہ لوگوں کے لئے آزمائش ہے اور اسی طرح اس درخت کا ذکر جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے وہ بھی لوگوں کے لئے آزمائش ہے اور ہم ان کو آئندہ عذاب سے ڈراتے ہیں لیکن اس سے ان کی سرکشی میں اور ترقی ہوتی جاتی ہے۔

اس لئے حضرت آدمؑ اور شیطان کے قصہ سے اس واقعہ پر استدلال ہے، پھر ارشاد ہوتا ہے،

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ڰ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـــًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝

(بنی اسرائیل - ۸)

ہم نے جو تم پر وحی کے ذریعہ سے نازل کیا ہے قریب تھا کہ لوگ تم کو اس سے آزمائش میں ڈال دیں کہ اس وحی کے علاوہ تم کوئی اور وحی بنا کر ہماری طرف جھوٹ منسوب کر دو اور اس وقت وہ تم کو اپنا دوست بنا لیتے اور اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رکھتے تو کچھ ان کی طرف تم جھک چلے تھے اگر تم ایسا کرتے تو ہم تم کو زندگی اور موت کے دوگونہ عذاب کا مزہ چکھاتے اور پھر تم کو میرے مقابلہ میں اپنے لئے کوئی مددگار بھی نہ ملتا اور وہ تم کو اس سرزمین (مکہ) سے قریب ہے کہ دل برداشتہ کر دیں تاکہ تم کو یہاں سے نکال دیں اگر ایسا ہوا تو پھر وہ تمہارے چلے جانے کے بعد اطمینان سے بہت کم رہ سکیں گے، تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں سب کے ساتھ یہی دستور رہا ہے اور تم ہمارے دستور میں رد و بدل نہ پاؤ گے۔

اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گا کہ معراج ہجرت سے کچھ ہی پہلے کا واقعہ ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے خدا کی وہ نشانی تھی جس کے نہ تسلیم کرنے پر عذاب

الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

نماز پنجگانہ کی فرضیت

اوپر گزر چکا ہے کہ نماز پنجگانہ اسی معراج میں فرض ہوئی ہے، ارشاد ہوتا ہے،

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ڰ عَسٰٓي اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل - ۹)

آفتاب کے ڈھلنے کے وقت (ظہر، عصر، مغرب) سے لے کر رات کے اندھیرے (عشاء) تک نمازیں پڑھا کرو، اور صبح کی نماز میں حضور قلب خوب ہوتا ہے اور رات کے ایک حصہ میں تہجد پڑھ لیا کرو، تمہارے لئے نفل ہے، عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم کو مقام محمود میں پہنچا دے۔

لفظ لدلوک الشمس (آفتاب کے ڈھلنے کے وقت) میں ظہر، عصر اور مغرب، نماز کے تین اوقات کی تعیین کی طرف لطیف اشارہ ہے، یہ معلوم ہے کہ دین محمدی ملت ابراہیمی کا نقش ثانی ہے، حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں آفتاب پرستی اور ستارہ پرستی عام تھی اور جس کی رسم کمن دنیا میں آج بھی قائم ہے، اس مذہب میں آفتاب کی پرستش کے وہ اوقات تھے جن میں اس کی روشنی کا ظہور یا کمال ہوتا ہے اور اسی لئے طلوع سے لے کر نصف النہار تک اس کی پرستش کی جاتی ہے، امت ابراہیمی نے اس کے برخلاف اپنے لئے وہ اوقات متعین کئے جو آفتاب کے زوال کے ہیں، یعنی سورج ڈھلنے سے لے کر آفتاب کے غروب تک کہ یہ تمام اوقات اس کے انحطاط نور اور زوال کے ہیں۔ آفتاب کے انحطاط اور زوال کی تین منزلیں ہیں، ایک وہ جب سمت الراس (سر) سے وہ ڈھلتا ہے (یہ ظہر کا وقت ہے) اور دوسری منزل وہ ہے جب وہ برابر کی نگاہ سے نیچے اترتا ہے یہ عصر کا وقت ہے اور تیسری منزل وہ ہے جب وہ سمت افق سے نیچے گر جاتا ہے اور یہ مغرب کا وقت ہے، چوتھی نماز کا وقت رات کی تاریکی کا مقرر کیا ہے، جب آفتاب کے بقیہ وجود کی سرخ نشانی جس کو عرف عام میں شفق کہتے ہیں وہ بھی مٹ جاتی ہے اور صبح کی نماز وادبار النجوم یعنی ستاروں کی روشنی کے ماند ہونے کے بعد ہے، غرض آیات بالا میں پنجگانہ نماز کی فرضیت نہایت لطیف اور خوبی سے ادا کی گئی ہے (یہ نکتہ مخدومی مولانا حمید الدین صاحب مفسر نظام القرآن کا افادہ ہے)

ہجرت کی دُعا

اس کے بعد ہجرت کے لئے دُعا بتائی جاتی اور اس کے بعد فتح مکہ کی فوراً بشارت بھی سنائی جاتی ہے کہ نماز کے ساتھ فوراً قبلہ کا خیال آتا ہے جہاں اس وقت تین سو ساٹھ بُت پوجے جا رہے تھے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْــرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ وَقُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ

اے پیغمبر! یہ دعا مانگو کہ خداوندا! مجھے اچھی جگہ پہنچائیو اور (مکہ) سے اچھی طرح نکالیو اور دشمنوں پر اپنی طرف سے فتح و نصرت دیجیو اور اے پیغمبر! اعلان کر دے کہ حق آگیا اور باطل

۱؎ صحیح بخاری و مستدرک حاکم کتاب الہجرۃ و صحیح ترمذی تفسیر سورۂ مذکور و مسند احمد عن ابن عباس۔

الباطل كان زهوقا (بنی اسرائیل۔۹) مٹ گیا، باطل کو مٹ ہی جانا تھا۔

یہ آخری الفاظ اسلام کے ایک نئے دور کی بشارت اور فتح مکہ کی نوید ہیں۔ اس سے فتح مکہ کے دن جب خلیل بت شکن کا گھر بتوں سے پاک کیا جارہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہی آیت جاری تھی۔[1]

نبوت، قرآن، قیامت، معراج اور معجزات پر اعتراض

کفار مکہ کو ان مسائل پر جو معاندانہ اعتراضات تھے، اس موقع پر جب پیغمبر کی ہجرت اور اُن کے لئے عذاب الٰہی کا نزول کا وقت قریب آرہا ہے، اُن کے جوابات دیئے جارہے ہیں کہ اب بھی اُن کی تشفی ہو جائے تو یہ جائے آسمانی جو پیغمبر کے ہجرت کرتے ہی ان پر نازل ہونا شروع ہو جائے گی وہ رُک جائے۔

وإذا أنعمنا على الإنسان أعرض ونأى بجانبه وإذا مسه الشر كان يؤوسا۔ قل كل يعمل على شاكلته فربكم أعلم بمن هو أهدى سبيلا۔ ويسألونك عن الروح قل الروح من أمر ربي وما أوتيتم من العلم إلا قليلا۔ ولئن شئنا لنذهبن بالذي أوحينا إليك ثم لا تجد لك به علينا وكيلا۔ إلا رحمة من ربك إن فضله كان عليك كبيرا۔ قل لئن اجتمعت الإنس والجن على أن يأتوا بمثل هذا القرآن لا يأتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا۔ ولقد صرفنا للناس في هذا القرآن من كل مثل فأبى أكثر الناس إلا كفورا۔ وقالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الأرض ينبوعا۔ أو تكون لك جنة من نخيل وعنب فتفجر الأنهار خلالها تفجيرا۔ أو تسقط السماء كما زعمت

(یہ کفار قریش اپنے مال اور دولت پر بھولے بھٹکے ہیں) انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اس پر انعام کرتے ہیں تو اُلٹا ہم سے منہ پھیر لیتا ہے اور پہلوتہی کرتا ہے اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو آس توڑ بیٹھتا ہے، اے پیغمبر ان سے کہہ دے کہ اپنے اپنے طور پر عمل کئے جاؤ، تمہارا پروردگار ان کو خوب جانتا ہے جو زیادہ سیدھے راستہ پر ہیں وہ تم سے روح[2] امین کی (جو قاصد وحی ہے) حقیقت دریافت کرتے ہیں کہہ دے کہ وہ میرے پروردگار کی ایک بات ہے اور تم کو علم نہیں دیا گیا ہے لیکن بہت تھوڑا اسی وحی کے معجزۂ صداقت کے لئے یہ بات کیا کم ہے کہ باوجود اُمّی ہونے کے وہ لفظ بہ لفظ تم کو یاد ہے اگر ہم چاہیں تو جو کچھ ہم نے تم پر وحی کی وہ سب تمہارے سینہ سے لے جائیں پھر تم کو اس کے لئے ہمارے مقابل کوئی حمایتی بھی نہ ملے لیکن یہ تیرے پروردگار کی رحمت ہے (کہ اس کا لفظ لفظ تم کو محفوظ ہے) بے شک اس کی تم پر بڑی مہربانی ہے (ان شک کرنے والوں سے) کہہ دو کہ اگر تمام انس و جن بھی اکٹھے ہو کر چاہیں کہ اس قرآن کی طرح کا کوئی اور کلام بنا لائیں تو یہ ناممکن ہے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی پشتی پر کیوں نہ ہوں، باوجودیکہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لئے سبھی قسم کی مثالیں طرح طرح سے بدل کر بیان کیں، مگر اکثر لوگ انکار کئے بدون

۱؎ صحیح بخاری باب فتح مکہ و تفسیر آیت مذکور۔ ۲؎ یہاں مصنف نے روح سے روح امین یعنی جبرئیل مراد لیا ہے ورنہ عام تر تفاسیر اور روایات میں اس سے مراد روح انسانی ہے جس کے متعلق یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۸۶ کتاب التفسیر

علينا كسفا أو تأتي بالله والملائكة قبيلا۔ أو يكون لك بيت من زخرف أو ترقى في السماء ولن نؤمن لرقيك حتى تنزل علينا كتابا نقرؤه قل سبحان ربي هل كنت إلا بشرا رسولا۔ وما منع الناس أن يؤمنوا إذ جاءهم الهدى إلا أن قالوا أبعث الله بشرا رسولا۔ قل لو كان في الأرض ملائكة يمشون مطمئنين لنزلنا عليهم من السماء ملكا رسولا۔ قل كفى بالله شهيدا بيني وبينكم إنه كان بعباده خبيرا بصيرا۔ ومن يهد الله فهو المهتد ومن يضلل فلن تجد لهم أولياء من دونه ونحشرهم يوم القيامة على وجوههم عميا وبكما وصما مأواهم جهنم كلما خبت زدناهم سعيرا۔ ذلك جزاؤهم بأنهم كفروا بآياتنا وقالوا أإذا كنا عظاما ورفاتا أإنا لمبعوثون خلقا جديدا۔ أولم يروا أن الله الذي خلق السماوات والأرض قادر على أن يخلق مثلهم وجعل لهم أجلا لا ريب فيه فأبى الظالمون إلا كفورا۔ قل لو أنتم تملكون خزائن رحمة ربي إذا لأمسكتم خشية الإنفاق وكان الإنسان قتورا۔

(بنی اسرائیل۔۵)

نہ رہے اور یہ کفار مکہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہ بہا دو یا کھجوروں سے اور انگوروں کا ایک باغ تمہارے لئے ہو جائے اور تم اس میں نہریں بہا دو یا یہ کہ جیسا تم کہتے ہو کہ ہم ایمان نہ لائیں گے تو ہم پر آسمان ٹوٹ پڑے گا تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گراؤ یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے کھڑا کر دو یا یہ کہ تمہارے رہنے کے لئے ایک سونے کا گھر بن جائے یا آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے کو بھی ہم اس وقت تک باور نہیں کریں گے جب تک وہاں سے ہم پر کوئی ایسی کتاب اتار نہ لاؤ جس کو ہم پڑھیں، کہہ دے اے پیغمبر سبحان اللہ میں تو خدا کا ایک قاصد بندہ ہوں، ہدایت آجانے کے بعد لوگوں کو اس کے قبول سے بجز اس کے کوئی امر مانع نہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بشر کو اپنا قاصد بنایا ہے، کہہ دو کہ اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو البتہ ہم آسمان سے کسی فرشتہ کو ہی ان کے پاس قاصد بنا کر بھیجتے، کہہ دو کہ اب دلیلوں اور حجتوں کا وقت گزر گیا، اب میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کے لئے خدا بس ہے، وہ اپنے بندوں کے حال کا دانا و بینا ہے جس کو وہ راستہ دکھائے وہی راہ راست پر ہے اور جن کو وہ گمراہ کرے تو اس کے سوا ان کا کوئی یار و مددگار نہیں پھر ہم انہیں قیامت کے دن اوندھے منہ اندھے اور بہرے کر کے اٹھائیں گے کہ وہ اس دنیا میں حق کے دیکھنے اور سننے سے اندھے اور بہرے تھے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا، جب وہ بجھنے کو ہوگی تو ہم پھر اس کو بھڑکا دیں گے، یہ ہماری نشانیوں کے انکار کا بدلہ ہوگا اور وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے، کیا یہ ممکن ہے؟ کیا وہ نہیں سمجھتے کہ وہ خدا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا وہ بے شک اس پر قادر ہے کہ وہ ان جیسے آدمی پھر پیدا کر دے اور اس نے

ان کے لئے ایک میعاد مقرر کر رکھی ہو جس میں کوئی شک نہیں لیکن یہ ظالم انکار کئے بدون نہ رہے۔ اے پیغمبر! یہ کفار مکہ حسد سے تم پر ایمان نہیں لائے کہ تم کو اور تمہارے خاندان کو یہ شرف کیوں عطا ہوا ہے ان سے کہدو کہ اگر میرے پروردگار کی رحمت کا خزانہ تمہارے قبضہ میں ہوتا تو بے شک تم اس کے خرچ ہو جانے کے ڈر سے اس کو روکے رہتے اور سچ یہ ہے کہ انسان بڑا ہی تنگ دل ہے۔

ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمان پر تشریف لے جانے پر بھی یقین نہیں رکھتے ہیں یعنی واقعۂ معراج کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو ہم اس وقت تک تسلیم نہیں کریں گے جب تک آپ ہمارے سامنے آسمان پر نہ چڑھ جائیں اور وہاں سے پورا قرآن مکمل لکھا ہوا لاکر ہمارے ہاتھ میں نہ دے دیں۔

حضرت موسیٰؑ کے واقعات اور حالات سے استشہاد

حضرت موسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعاتِ زندگی میں متعدد حیثیتوں سے مماثلت ہے اور خود قرآن مجید نے اس مماثلت کو ظاہر کر دیا ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا (مزمل-۱)

(لوگو!) ہم نے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا اسی طرح تمہاری طرف بھی ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے۔

اسی سبب سے قرآن مجید میں بار بار حضرت موسیٰؑ کے قصہ کو دہرایا گیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمنوں کے اندر زندگی بسر کی یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، جس طرح حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کے اہلِ دربار کو ہر طرح سمجھایا مگر وہ ایمان نہ لائے اور بالآخر حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے ہجرت کرنا پڑی، اسی طرح صنادید قریش بھی آپ پر ایمان نہ لائے اور بالآخر آنحضرت نے صحابہؓ کو لے کر مکہ سے ہجرت فرمائی، جس طرح ہجرت سے کچھ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر خدا کی ہمکلامی نصیب ہوئی اور احکام عشرہ عطا ہوئے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے معراج ہوئی اور احکامِ دوازدگانہ عطا ہوئے، جس طرح حضرت موسیٰؑ کی ہجرت کے بعد فرعونیوں پر بحرِ احمر کی سطح پر عذاب نازل ہوا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد صنادید قریش پر بدر کے میدان میں عذاب آیا اور جس طرح اس کے بعد فرعون کی شامی مملکت پر بنی اسرائیل قابض ہو گئے، اسی طرح مکہ معظمہ کی حکومت بھی ہجرت کے بعد آپ کو عطا کی گئی۔

ان امور کو پیشِ نظر رکھ کر کفارِ قریش کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قانونِ الٰہی معراج کے بعد ہجرت کا حکم دے گا اور اس کے بعد ان پر عذابِ الیم کا نزول ہو گا، چنانچہ سورۂ اسراء کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَاسْأَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا ۝ قَالَ لَقَدْ

عَلِمْتَ مَا أَنْزَلَ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا ۝ فَأَرَادَ أَنْ يَسْتَفِزَّهُمْ مِنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ جَمِيعًا ۝ وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا ۝ (بنی اسرائیل-۱۲)

اور ہم نے (کوہ طور پر) موسیٰ کو کھلے احکام دیئے (جس طرح محمدؐ کو معراج میں عطا کئے) تو پوچھ لو بنی اسرائیل سے کہ جب موسیٰ بنی اسرائیل کے پاس آیا تو فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ! میں سمجھتا ہوں کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے (تمہاری عقل کھو دی ہے) موسیٰؑ نے کہا اے فرعون! تجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان حکموں کو آسمان اور زمین کے مالک کے سوا کسی اور نے ان کو دانائی بنا کر نہیں اتارا ہے اور اے فرعون! میں سمجھتا ہوں کہ تم اب ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے، فرعون نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو ملک سے اکھیڑ دے تو ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو سب کو غرق کر دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم ملک میں رہو جب قیامت کا وعدہ پورا ہو گا تو سب کو سمیٹ کر ہم اپنے حضور میں لائیں گے۔

ان آیتوں کے آغاز میں جن نو نشانیوں کے دیئے جانے کا حکم ہے بعض مفسرین نے اس سے حضرت موسیٰؑ کے نو معجزات مراد لئے ہیں، مگر بعض احادیث میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، سامنے سے دو یہودی گزرے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ سوال کریں دوسرے نے کہا کہ پیغمبر نہ کہو، سُن لے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی خوش ہو گا) اس کے بعد وہ آپؐ کی خدمت میں آئے اور دریافت کیا کہ موسیٰؑ کو نو آیتیں کون سی دی گئیں؟ آپؐ نے فرمایا وہ یہ ہیں، کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ، زنا نہ کرو، کسی بے گناہ کو قتل نہ کرو، چوری نہ کرو، جادو نہ کرو، کسی حاکم کے پاس بے جرم کی چغلی نہ کھاؤ، سود نہ کھاؤ، کسی پاک دامن پر تہمت نہ لگاؤ اور میدانِ جہاد سے نہ بھاگو (اس نویں حکم میں راوی کو شک ہے) اور خاص تمہارے لئے اے یہود! یہ دسواں حکم ہے کہ سبت[1] کے دن زیادتی نہ کرو۔ یہ سُن کر دونوں یہودیوں نے آپؐ کے دست و پا کو بوسہ دیا۔

یہ حدیث جامع ترمذی، مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر میں ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو دو جگہ نقل کیا ہے، ایک تفسیر بنی اسرائیل میں اور دوسرے باب ما جاء فی قبلۃ الید والرجل میں اور دونوں جگہ کہا ہے کہ "حدیث حسن صحیح"۔

اس حدیث میں جن دس احکام کی تفصیل ہے اور موجودہ ترجمۂ توراۃ میں یہ احکام جن الفاظ میں مذکور ہیں ان میں کسی قدر فرق ہے۔ خصوصاً حدیث کا نواں حکم جس کے متعلق شعبہ راوی خود اقرار کرتے ہیں کہ اس کو یہ نویں بات اچھی طرح یاد نہیں۔ یہ نواں حکم دراصل ماں باپ کی اطاعت اور عزت ہے، باقی احکام وہی ہیں جو توراۃ میں مذکور ہیں، صرف طریقۂ ادا اور تعبیر کا فرق ہے، توراۃ کے موجودہ تراجم لفظی تو ہیں نہیں علاوہ ازیں اس حدیث کے ایک راوی عبداللہ بن سلمہ کا حافظہ اچھا نہ تھا۔ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں اس کی تصریح کی ہے۔ بہرحال اس تشریح سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے ان احکام عشرہ اور آنحضرت

[1] سبت کا حکم خاص یہود کے لئے تھا اس لئے شمار میں اس کو چھوڑ دیا گیا ہے جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہو گا۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام دوازدگانہ میں ایک وجہ مماثلت ہے، اس لئے ان دونوں کے منکروں کا ایک ہی حال ہوگا۔

معراج کے انعامات

ان احکامات، بشارت اور نماز پنجگانہ کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو اور خاص عطیے عنایت ہوئے۔ ایک یہ بشارت کہ امت محمدیہ میں سے جو شرک کا مرتکب نہ ہوگا، دامنِ مغفرت کے سایہ میں اس کو پناہ مل سکے گی۔ دوسرے سورۂ بقرہ کا اختتامی رکوع اسی بارگاہ میں فرمانِ خاص کے طور پر مرحمت ہوا۔ اس رکوع میں سب سے پہلی مرتبہ ایمان کی تکمیل کے اصول اور عفو و مغفرت کے سبق انسانوں کو سکھائے گئے ہیں۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ پہلے عطیہ کی بشارت بھی درحقیقت انہی آیات میں مذکور ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ٚ وَاغْفِرْ لَنَا ٚ وَارْحَمْنَا ٚ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ۝

(بقرہ - ۴۰)

پیغمبر اس پر ایمان لایا جو اس پر اترا اور تمام مسلمان بھی اس پر ایمان لائے، یہ سب کے سب خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور کہتے ہیں کہ ہم خدا کے پیغمبروں میں یہ تفریق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کے احکام کو سنا اور ان کی اطاعت کی تو اے ہمارے پروردگار! ہم پر بخشش فرما اور تیری ہی طرف آخر لوٹ کر جانا ہے، خدا کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا جس نے اچھے کام کئے اور اپنے ہی لئے کئے اور برے کام کئے تو اس کا نقصان بھی وہی اٹھائیگا اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں تو اس کی بازپرس ہم سے نہ کر اے ہمارے پروردگار! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈال جس طرح ہم سے پہلوں پر تو نے ڈالا ہے اے ہمارے پروردگار اور اتنا بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہم سے نہ اٹھوا اور ہمارے قصوروں سے درگزر فرما، ہمارے قصوروں کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا پروردگار ہے تو ان لوگوں کے مقابلہ میں جو تیرے منکر ہیں ہماری مدد فرما۔

معراج کا پُراسرار منظر

سورۂ اسراء کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے معراج کے روحانی مناظر کا بیان صرف دو لفظوں میں ختم کر دیا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم باب الاسراء اس روایت میں یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں مرحمت ہوئیں۔ یہ تفصیل نہیں کہ وہ کس قدر آیتیں ہیں لیکن حدیث کی دوسری کتابوں میں جن خواتم سورۂ بقرہ کی فضیلت آئی ہے وہ یہی ہیں۔

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ (اسراء)

ہم نے اپنے بندہ کو یہ سیر اس لئے کرائی کہ ہم اپنی کچھ نشانیاں اس کو دکھائیں۔

یہ نشانیاں کیا تھیں؟ کیا ان کی تفصیل کے لئے عاجز و درماندہ انسان کی زبان میں کچھ الفاظ ہیں؟ ہاں ہیں، مگر تمام، ہماری فہم، ہمارا علم، ہمارا خیال، ہمارا قیاس، غرض جو کچھ ہمارے پاس ہے، اس کا دائرہ ہمارے محسوسات اور ہمارے تعقلات سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور ہمارے ذخیرۂ لغت میں صرف ان ہی کے لئے کچھ الفاظ ہیں، اس بنا پر وہ معانی جو نہ عام محسوساتِ انسانی کی حدود میں داخل ہیں اور نہ تعقل و تصور کے احاطہ کے اندر ہیں، وہ الفاظ و کلمات میں کیونکر سما سکتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے کمالِ قدرت سے ان کو حروف و کلمات کا جامہ پہنا بھی دے تو دماغِ انسانی ان کے فہم و تحمل کی قدرت کہاں سے لائے گا؟

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (اسراء)

اے انسانو! تم کو علم کا بہت تھوڑا سا حصہ عطا کیا گیا ہے۔

اسی لئے سورۂ والنجم میں جہاں ان اسرار کے چہرے سے کچھ پردہ ہٹایا گیا ہے ایسی تفصیل ہے جو تمام تر اجمال ہے اور ایسی توضیح ہے جو سرتاپا ابہام ہے، دو دو لفظ کے فقرے ہیں، ضمیریں محذوف ہیں، فاعل کا ذکر ہے تو مفعول کا نہیں، مفعول بیان ہوا ہے تو فاعل نہیں، متعلقاتِ فعل کی تشریح نہیں، ضمائر کے مرجعوں کی تعیین نہیں کیوں؟ اس لئے کہ اس مقام کا مقتضا یہی ہے ع

عبادت از سخنداں ہم نہ گنجد

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۝ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا یَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝

(سورۂ والنجم - ۱)

قسم ہے ستارہ کی جب وہ گرے کہ تمہارا رفیق (محمدؐ) نہ تو بھٹکا ہے اور نہ بہکا ہے اور نہ وہ یہ باتیں اپنے دل سے بناکر کہتا ہے بلکہ وہ تو وہی ہے جو اس کو بتایا جاتا ہے اس کو تو بڑی طاقت والا اور بڑی عقل والا تعلیم دیتا ہے وہ آسمان کے اونچے کنارے میں سیدھا ہو کر نمودار ہوا، پھر قریب آیا اور جھکا تو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا، اس سے بھی کم پھر اس کے بندے سے جو باتیں کہیں، دل نے جو دیکھا اس نے جھوٹ بیان نہیں کیا اے لوگو کیا وہ جو دیکھتا ہے اس پر تم اس سے نزاع اور مناظرہ کرتے ہو اس نے یقینا دوبارہ اس کو اترتے دیکھا، انتہا کے درخت کے پاس جس کے قریب (نیک بندوں کے) رہنے کی بہشت ہے جب بیری کے درخت پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا نظر بہکی نہ اچٹی، اس نے یقینا اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معراج کے روحانی مشاہدات و مناظر اور ملکوتی آیات و مظاہر کا قریش سے تذکرہ کیا تو انھوں نے کہا کہ یہ راہ حق سے دیدہ و دانستہ (غوایت)، یا نادانستہ (ضلالت) بھٹک گیا ہے یا اپنے

دل سے بنا کر یہ جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے۔ یہ انھوں نے کیوں کہا؟ اس لئے کہ روحانی جلوؤں کے دیکھنے کی ان کے پاس آنکھیں نہ تھیں، صوتِ سرمدی کے سننے کی ان کے کانوں میں طاقت نہ تھی، اسرارِ ملکوتی کے سمجھنے کے لئے ان کے سینوں میں دل نہ تھے۔ خدا نے کہا یہ جو کچھ تھا اور جو کچھ معلوم ہوا یہ بڑی طاقت و قدرت اور علم و عقل والی ہستی کی جلوہ انگیزیاں تھیں، وہ کبھی اتنا دور تھا کہ آسمان کے کناروں میں نظر آیا اور کبھی اتنا قریب کہ دو کمانوں کے فاصلہ سے بھی قریب تر تھا۔ کون جھکا؟ کون قریب آیا؟ کون دو کمانوں کے فاصلہ تک آکر رہ گیا؟ کیا خدا؟ نہیں! کیا جلوۂ خدا؟ شاید! کس نے باتیں کیں؟ معلوم نہیں! کیا باتیں کیں؟ بتائی نہیں! سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟ انسانی فہم و ادراک کی سرحد کے اخیر پر ایک درخت[1]۔ کیا اس کو شئون و صفات الٰہی کی نیرنگی نے ڈھانک لیا؟ کیا انسانی فہم و ادراک کی اخیر سرحد کا درخت صرف شئون و صفات کی نیرنگی کا منظر ہے؟ کیا یہاں پہنچ کر کون و مکان اور وجوب و امکان کا عقدۂ مشکل حل ہوگیا؟ کیا دل بھی دیکھتا ہے؟ حضورؐ نے دل کی آنکھوں سے کیا دیکھا؟ دیدۂ چشم سے کیا نظر آیا؟ آپؐ کو اس سفر میں آیاتِ ربانی دکھائی گئیں، مگر یہ مشاہدۂ قلب تھا یا معائنۂ چشم؟ ع

رازِ ایں پردہ نہان است و نہان خواہد بود

٭

[1] اکابر تابعین سے یہی روایت طبری نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کی ہے [2] بخاری شریف میں ہے فغشیھا من امر اللہ ما غشی۔ یعنی جلوۂ الٰہی اس پر چھا گیا۔

شرحِ صدر یا شقِ صدر

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ

"کیا اے پیغمبر! ہم نے تیرے سینے کو کھول نہیں دیا"

منجملہ نبوت کے اُن خصائص کے جو ایک پیغمبر کو عطا ہوتے ہیں، شقِ صدر یا شرحِ صدر بھی ہے چنانچہ یہ رتبۂ خاص پیش گاہِ الٰہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت ہوا۔ شقِ صدر سے مراد یہ ہے کہ سینۂ مبارک کو چاک کر کے اس کو بشری آلودگیوں سے پاک اور ایمان و حکمت کے نور سے منور کیا گیا۔ بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی یہ کیفیت آپؐ پر گزری تھی، ان روایتوں میں بعض جزئیات کی تفصیل اور وقت کی تعیین میں اختلافات ہیں، چنانچہ تمام روایتوں کے جمع کرنے سے پانچ مختلف اوقات میں آپؐ پر اس کیفیت کا گزرنا ظاہر ہوتا ہے، ایک جب آپؐ چار پانچ سال کے تھے اور حضرت حلیمہؓ کے ہاں پرورش پا رہے تھے، دوسرے جب عمر شریف دس برس کی تھی، تیسرے جب آپؐ بیس برس کی عمر کو پہنچے، چوتھے جب حضرت جبریلؑ سب سے پہلی دفعہ وحی لے کر آئے، پانچویں معراج کے موقعہ پر۔

یہ مسئلہ کہ شقِ صدر واقع ہوا تمام صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور اس کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، البتہ وقت کی تعیین اور بعض جزئیات کی تفصیل میں روایتیں مختلف ہیں۔ تیسری دفعہ کی روایت میں جس میں بیس برس کی عمر میں اس کیفیت کا گزرنا بیان کیا گیا ہے، محدثینؒ بلکہ خود اربابِ سیر کے نزدیک قطعاً غیر ثابت ہے، باقی چار موقعوں کو حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو ہر اختلافِ روایت کو ایک نیا واقعہ تسلیم کر کے مختلف روایتوں میں توفیق اور تطبیق کی کوشش کرتے ہیں، تسلیم کیا ہے،[1] امام سہیلی روض الانف میں صرف دو موقعوں کی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں، ایک دفعہ صغر سنی میں اور دوسری دفعہ معراج میں۔ اور اس کی مصلحت یہ بتائی ہے کہ صغر سنی میں اس لئے یہ ہوا کہ بچپن ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے ذمائم کے حصہ کو نکال دیا جائے۔ اور معراج کے وقت تو ظاہر ہے کہ اس لئے تاکہ حضور ربانی کے موقع پر حکم صلوٰۃ کا جو طہارتِ محض ہے تحمل کیا جائے اور ملائکۂ الٰہی کی امامت نماز میں فرما سکیں (ص ۱۱۰ مصر) لیکن یہ بات ہر شخص کو کھٹک سکتی ہے کہ سینۂ مبارک کا آلودگیوں سے پاک و صاف ہو کر منور ہو جانا ایک ہی دفعہ میں ہو سکتا ہے اور وہ ایک دفعہ پاک و منور ہو کر پھر دوبارہ پاکی و طہارت کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر بعض محدثین جیسے قاضی عیاض وغیرہ اس کو ایک ہی دفعہ کا واقعہ سمجھتے ہیں اور وہ صغر سنی میں جب آپ حضرت حلیمہؓ کے یہاں پرورش پا رہے تھے اور معراج کے موقع پر شقِ صدر کے واقعہ کو راویوں کا سہو

[1] فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۰۹ مصر۔ [2] زرقانی بر مواہب ج ۶ ص ۱۹۰۔

جانتے ہیں۔ لیکن یہ پوشیدہ نہیں کہ واقعہ شق صدر کی روایت جن طریقوں کے ساتھ آتی ہے ان میں سب سے صحیح، سب سے مستند اور معتبر طریقہ وہی ہے جس میں اس کا شبِ معراج میں ہونا بیان ہوا ہے، اس لئے اس موقع پر راویوں کا سہو قرار دینا اور بچپن میں اس کا ہونا تسلیم کرنا اصولِ روایت سے صحیح نہیں۔

شق صدر کی ضعیف روایتیں

اصل یہ ہے کہ شقِ صدر کے وقت یا اوقات کی تعیین اور اس کا مکرر اور بار بار پیش آنا صرف مختلف روایات کے پیش کر دینے سے نہیں ہو سکتا، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کیا ہے، اور قسطلانی اور زرقانی نے اس کی تقلید کی ہے، بلکہ ضرورت ہے کہ ان روایات کے سلسلۂ سند پر بھی بحث اور راویوں کی قوت و ضعف پر بھی تنقید کی جائے، دس برس کے سن میں شقِ صدر والی روایت جس میں یہ تصریح ہے کہ سب سے پہلی دفعہ آپ پر نبوت کی علامت طاری ہوئی حسبِ ذیل ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ آپؐ سے نبوت کا ابتدائی نشان پوچھتے ہیں، آپؐ فرماتے ہیں۔

میں دس برس کا تھا کہ میدان میں دو آدمی میرے سر پر آئے۔ ایک نے کہا یہ وہی ہیں، دوسرے نے کہا، ہاں، پھر دونوں نے بیٹھ کے بل مجھے پچھاڑا اور میرے پیٹ کو پھاڑا، ایک سونے کے طشت میں پانی لاتا رہا اور دوسرا پیٹ کو دھوتا رہا۔ پھر ایک نے کہا سینہ کو چاک کرو۔ تو ناگاہ دیکھتا ہوں کہ سینہ چاک ہے اور کچھ تکلیف نہیں معلوم ہوتی، پھر ایک نے کہا کہ دل کو چاک کرو، تو اس نے دل کو چاک کیا پھر اس نے کہا اس میں سے کینہ اور حسد نکال لو، تو اس میں سے جمے ہوئے خون کی طرح کی کوئی چیز نکالی پھر کہا اس میں مہربانی اور رحمت رکھ دو، تو اس نے چاندی کی طرح کی کوئی چیز رکھ دی، پھر اس نے چند گھنڈیاں جو اس کے پاس تھیں نکالیں اور وہ گھنڈیاں میرے سینہ میں لگا دیں، پھر میرے انگوٹھے کو کھونٹ کر مجھ سے کہا جاؤ۔ جب میں لوٹا تو اپنے میں وہ لے کر لوٹا جو لے کر نہیں آیا تھا، یعنی چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ساتھ نرمی۔

یہ روایت زوائد مسند احمد، ابن حبان، حاکم، ابن عساکر اور ابونعیم میں ہے، لیکن ان تمام کتابوں میں مرکزی سلسلۂ سند ایک ہی ہے یعنی یہ کہ معاذ بن محمد اپنے باپ محمد بن معاذ اور وہ اپنے باپ معاذ ابن محمد سے اور وہ اپنے دادا ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں۔ محدث ابن المدینی نے اپنی کتاب العلل میں اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے۔

حدیث مدنی واسنادہ مجہول کلہ ولا نعرف محمدا

یہ مدنی حدیث ہے اس کی سند تمام تر مجہول ہے ہم لوگ نہ محمد کو

ﻟ فتح الباری کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضیت الصلوٰۃ فی الاسراء ج ۱ ص ۳۸۹ و کتاب التوحید ج ۳ ص ۳۰۰ باب ماجاء فی قولہ عز و جل و کلم اللہ موسیٰ تکلیما و روض الانف سہیلی ص ۱۱۰ مصر و زرقانی بر مواہب ج ۱ ص ۱۴۹، قاضی عیاض شفا میں لکھتے ہیں۔ وقد غلط فیہ غیرہ لاسیما من روایۃ شریک بن ابی نمر فقد ذکر فی اولہ مجئی الملک لہ و شق صدرہ و غسل بماء زمزم و ہذا انما کان و ہو صبی قبل الوحی۔ (نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض ج ۲ ص ۲۶۵)

جانتے ہیں اور نہ اس کے باپ کو اور نہ اس کے دادا کو۔ ولا اباہ ولا جدہ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۹۴)

حافظ ابونعیم نے دلائل میں جہاں یہ حدیث نقل کی ہے، صاف لکھ دیا ہے۔

وھذا الحدیث تفرد بہ معاذ ابن محمد وتفرد بذکر السن الذی شق فیہ عن قلبہ۔ (صفحہ ۱، حیدر آباد)

یہ حدیث صرف معاذ بن محمد نے نقل کی ہے اور وہی اس عمر کی تعیین کے بیان میں جس میں شق صدر ہوا منفرد ہیں (یعنی اس روایت کی کسی اور نے تائید نہیں کی ہے۔

بیس برس کے سن کی روایت بھی بعینہٖ ان ہی لوگوں سے تھوڑے تغیر کے ساتھ ان ہی الفاظ میں زوائد احمد صحیح ابن حبان، حاکم، بیہقی اور مختارہ ضیاء میں ہے (کنز العمال جلد ۶ ص ۹۶) لیکن اس سلسلۂ روایت کا حال آپ سُن چکے ہیں کہ وہ معتبر نہیں۔

آغازِ وحی کے موقع پر شقِ صدر کی روایتیں، دلائل ابونعیم، دلائل بیہقی، مسند طیالسی اور مسند حارث میں ہیں، یہ روایتیں حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب ہیں، حضرت عائشہؓ کی آغازِ وحی والی حدیث بخاری، مسلم اور ابن حنبل وغیرہ تمام مستند کتابوں میں مذکور ہے اور اس باب میں یہی روایت سب سے زیادہ مفصل صحیح اور محفوظ ہے، لیکن ان کتابوں میں اس موقع پر شقِ صدر کا مطلق ذکر نہیں۔ اس سے اس واقعہ کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے، علاوہ بریں ابونعیم، بیہقی، طیالسی اور حارث والی اس روایت کی مرکزی سند ابوعمران الجونی بن یزید بن بانبوس عن عائشہ ہے۔ یزید بن بانبوس مجہول ہے اور اس سے صرف ابوعمران الجونی ہی نے روایت کی ہے کسی اور نے اس کو نہیں لیا ہے، طیالسی میں (صفحہ ۲۱۵ حیدر آباد) اس روایت کی سند یہ ہے حماد بن سلمہ ابوعمران جونی سے اور وہ ایک شخص سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے راوی ہے، معلوم نہیں یہ نامعلوم شخص کون ہے؟ اور ابوعمران نے اس کا نام کیوں نہیں لیا ہے۔ ابونعیم میں (ص ۶۹ حیدر آباد) اس روایت کا جو سلسلۂ سند ہے اس میں یہ خالی جگہ یزید بن بانبوس کے نام سے پُر کی گئی ہے جس کا حال ابھی اوپر گزر چکا، علاوہ ازیں ابونعیم کی روایت میں اس کے نیچے داؤد بن المحبر ایک شخص آتا ہے جس کو اکثر محدثین ضعیف بلکہ دروغ گو تک کہتے ہیں۔ اسی کے ساتھ اس روایت کے اندر بعض ایسی لغو باتیں بھی ہیں جو اس کو صحت کے پایہ سے ساقط کرتی ہیں۔

ایک اور روایت حضرت ابوذرؓ سے ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ جب آپ کو نبی بنانا چاہا گیا تو آپ کو اپنی پیغمبری کا حال کیونکر معلوم ہوا؟ اور آپ نے کیونکر یقین کیا کہ آپ پیغمبر ہیں؟ فرمایا اے ابوذر! میں مکہ کی ترائی میں تھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے۔ ایک زمین پر آیا اور دوسرا آسمان پر تھا، ایک نے دوسرے سے کہا یہی وہ ہیں، پھر کہا ان کو تولو، پہلے ایک سے، پھر دس سے، پھر سو سے، پھر ہزار سے مجھ کو تولا، لیکن میرا پلہ بھاری رہا، تو کہا کہ یہ تمام امت سے بھاری ہیں۔ بعد ازیں میرا شکم چاک کیا اس کے بعد شقِ صدر کے مختلف واقعات کا ذکر ہے، کہ ان فرشتوں نے پھر میرے شانے پر مہر کی۔

اس روایت میں گو وقت کی تعیین نہیں، مگر یہ ذکر ہے کہ یہ واقعہ مکہ کی ترائی میں پیش آیا۔ اس سے ظاہر

ہوتا ہے کہ یہ حضرت حلیمہؓ کے پاس بنو ہوازن میں قیام کے زمانہ سے بہت بعد کا واقعہ ہے، پھر اس میں ہے کہ جب آپ کو نبی بنانا چاہا گیا، اور نبوت کی سب سے پہلی علامت کا سوال ہے اور امت کا ذکر ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آغاز وحی کا واقعہ ہے۔ یہ روایت مسند دارمی (صفحہ ۶) اور دلائل ابونعیم (صفحہ ۱۷) میں ہے ان کے مشترک راوی بہ ترتیب ابوداؤد، جعفر بن عبداللہ بن عثمان القریشی، عثمان بن عروہ بن زبیر ہیں۔ جعفر بن عبداللہ کی نسبت محدث عقیلی نے تنقید کی ہے کہ اس میں "وہم" تھا، یعنی الفاظ کی صحیح یادداشت نہ تھی اور اضطراب تھا یعنی ایک ہی واقعہ اور سند کو کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح بیان کرتا تھا، پھر اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی متابعت نہیں کی جاتی، یعنی اس کے ہم شیخ اور ہم درس اس کی تائید نہیں کرتے۔ پھر بعینہٖ یہی واقعات شداد بن اوسؓ کی روایت سے ابونعیم، ابویعلیٰ اور ابن عساکر نے عتبہ بن عبد سلمی کی روایت سے دارمی اور ابن اسحاق نے (مرسلاً) بچپن کے شق صدر میں بیان کیا ہے جن سے ان کا باہم تعارض واضح ہے۔

اب رہ گئی وہ روایت جس میں حلیمہ سعدیہ کے ہاں قیام کے زمانہ میں شق صدر کا ذکر ہے۔ یہ روایت سات مختلف سلسلوں سے اور مختلف صحابیوں سے لوگوں نے نقل کی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان میں دو سلسلوں کے علاوہ بقیہ سلسلے صحت اور قوت سے تمام تر خالی ہیں اور ان میں بعض ایسی لغو باتیں شامل ہیں جو اس کو درجۂ اعتبار سے گرادیتی ہیں۔

(۱) اس روایت کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ جہم بن ابی جہم، عبداللہ بن جعفر سے اور عبداللہ بن جعفر خود حلیمہ سعدیہ سے راوی ہیں، اس طریقہ سے یہ روایت ابن اسحاق اور دلائل ابی نعیم میں ہے۔ جہم بن ابی جہم مجہول ہے اور عبداللہ بن جعفر کی حلیمہ سعدیہ سے ملاقات ثابت نہیں اور ابن اسحاق جہم بن ابی جہم کا شک ظاہر کرتا ہے اس نے کہا کہ عبداللہ بن جعفر نے خود مجھ سے کہا یا اُن سے سن کر کسی اور نے مجھ سے کہا۔ ابونعیم میں گو یہ شک مذکور نہیں ہے بلکہ اس میں تصریحاً عبداللہ بن جعفر کا نام لیا گیا ہے، مگر اس میں اس کے نیچے کے راوی مجروح ہیں۔

(۲) دوسرا طریقہ واقدی کا ہے، ابن سعد نے اس روایت کو اسی سلسلہ سے ذکر کیا ہے، جلد ا صفحہ، مگر علاوہ اس کے کہ واقدی کا اعتبار نہیں اس کی تفصیل سند تک اس میں مذکور نہیں، اوپر کے راویوں کا نام مطلق نہیں بتایا گیا ہے۔

(۳) ابونعیم نے ایک اور سلسلہ سے اس کو بیان کیا ہے جو یہ ہے، عبدالصمد بن محمد السعدی اپنے باپ سے وہ اپنے باپ سے اور وہ ایک شخص سے جو حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی بکریاں چرایا کرتا تھا، بیان کرتے ہیں، یہ تمام تر مجہول لوگ ہیں۔

(۴) بیہقی اور ابن عساکر نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباسؓ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے لیکن اس سند میں محمد بن زکریا الغلابی جھوٹا اور وضاع ہے، اس کا شمار قصہ گویوں میں ہے۔

لے دیکھو میزان الاعتدال ذہبی اور تہذیب والتہذیب ابن حجر۔

۵. ابن عساکر نے شداد بن اوس صحابی کے واسطہ سے ایک نہایت طویل داستان نقل کی ہے جس میں مذکور ہے کہ قبیلۂ بنی عامر کے ایک پیر مرد نے خدمت نبوی میں آکر آپ سے آپ کے ابتدائی حالات دریافت کئے آپ نے پورا پورا حال بیان کیا، منجملہ اس کے ایک واقعہ اپنے بچپن کے شق صدر کا بیان کیا، لیکن خود ابن عساکر اس روایت کو غریب (یعنی ثقات کے بیان سے مختلف) کہتے ہیں، اس کے سوا اس سلسلۂ سند کے بیچ میں ایک بے نام و نشان راوی ہے، اس سے اوپر ایک اور قابل اعتراض راوی اس میں ابو یحییٰ ہے جو شداد بن اوس صحابی سے اس قصہ کا سننا بیان کرتا ہے۔ امام بخاری نے تاریخ صغیر (ص ۱۴۳، الہ آباد) میں اس کی نسبت لکھا ہے فی حدیثہ نظر اس کی حدیث بحث طلب ہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں لیس حدیثہ بالقائم یعنی اس کی حدیث ٹھیک نہیں (تہذیب التہذیب و میزان)

حضرت شداد بن اوسؓ سے مکحول شامی کے واسطہ سے ابویعلیٰ اور ابن عساکر نے بعینہٖ اسی واقعہ کو ایک اور سلسلہ سے نقل کیا ہے جس میں گو کوئی مجہول راوی بیچ میں نہیں آیا ہے مگر اس میں یہ کمی ہے کہ مکحول اور شداد صحابی کے بیچ میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے یا چھوڑ دیا گیا ہے یعنی روایت منقطع ہے۔ کیونکہ مکحول نے حضرت شدادؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے، مکحول تدلیس میں بدنام تھے یعنی ان کی عادت یہ تھی کہ بیچ میں اگر کوئی کمزور راوی آجاتا تو وہ اس کا نام چھپا دیتے تھے یا بیچ سے اُس کو حذف کر کے اگلے سے سلسلہ جوڑ دیتے تھے، میرا خیال ہے کہ مکحول اور حضرت شدادؓ کے بیچ میں دراصل وہی ابوالعجفاء تھا، مکحول نے یہ دیکھ کر کہ وہ مجروح ہے اس کو بیچ سے نکال دیا ہے اس لئے یہ سلسلہ بھی نامعتبر ہے۔

(۶) عتبہ بن عبدالسلمیؓ ایک کم سن صحابی ہیں، ان سے ایک ہی سلسلۂ سند کے ذریعہ سے حاکم، دارمی، ابویعلیٰ ابن عساکر اور ابن حنبل نے واقعہ کی یوں روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ایک دن میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے گیا، کھانا ساتھ نہ تھا۔ میں نے اس کو ماں (دایہ) کے پاس کھانا لانے کے لئے بھیجا، وہ گیا تو بیچ کر گدھ کی طرح کے دو پرندے آئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہی ہے، دوسرے نے کہا ہاں، پھر دونوں نے جھپٹ کر مجھے پکڑا اور زمین پر پچھاڑ کر میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے دو سیاہ جمے ہوئے خون کے قطرے نکالے اور برف اور ٹھنڈے پانی سے دھویا۔ یہ حاکم کے الفاظ ہیں، دارمی وغیرہ میں اس کے بعد اتنا زیادہ ہے کہ دھونے کے بعد ایک نے کہا کہ سکینت یعنی تسکین قلبی لاؤ، اس کو لاکر میرے سینہ میں چھڑک دیا، پھر دونوں چھوڑ کر مجھے چلے گئے، میں ڈرا اور اپنی ماں کے پاس گیا اور حال کہا۔ وہ ڈری کہ بچہ کی عقل ٹھیک نہیں رہی، اس نے کہا میں تم کو خدا کی پناہ میں دیتی ہوں اور پھر وہ مجھے اونٹ پر بٹھا کر میری والدہ کے پاس لائی، والدہ نے کہا تم نے یہ امانت پوری طرح ادا کی، دایہ نے میرا حال اور اپنا خوف بیان کیا لیکن والدہ نے واقعہ سن کر کوئی خوف یا تعجب نہیں کیا، فرمایا۔ جب یہ بچہ پیدا ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک نور میرے بدن سے نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے، حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط کے مطابق کہا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلۂ روایت کا پہلا شخص راوی بقیہ بن ولید ہے جس کو گو بذات خود بعضوں نے ثقہ کہا ہے، تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ سخت

بے احتیاط تھا۔ ابن مبارک کہتے ہیں وہ راست گو ہے، مگر وہ آگے پیچھے کے ہر شخص سے روایت لے لیا کرتا تھا ابن عیینہ کہتے ہیں بقیہ سے احکام کی روایتیں نہ لیا کرو، ثواب (فضائل) کی روایتیں خیر لے لیا کرو۔ امام ابن حنبل اور امام یحییٰ کا قول ہے کہ اگر وہ مشہور لوگوں سے روایت کرے تو خیر ورنہ مت کرو۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی جائے مگر وہ دلیل میں نہ پیش کی جائے۔ امام نسائی فرماتے ہیں جب وہ اخبرنا اور حدثنا کہے تو خیر اور جب عن عن بیان کرے تو نہ لو یاد رہے کہ یہ روایت مذکورہ بطریق عن عن ہی ہے۔ ابن عدی کا قول ہے کہ اس کی بعض روایتیں ثقہ اور معتبر راویوں کے خلاف ہیں۔ امام احمد بن حنبل ایک شخص سے فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ بقیہ مجہول الحال لوگوں سے سن کر حدیثیں نقل کرتا ہے۔ لیکن دیکھا تو وہ مشہور لوگوں سے بھی اسی قسم کی حدیثیں بیان کرتا ہے۔ تم نے جانا کہ وہ کہاں سے یہ روایتیں لاتا ہے؟ مخاطب نے جواب دیا۔ ہاں! تدلیس کے ذریعے (یعنی بیچ کے کمزور راوی کو حذف کر کے آگے کے معتبر راوی سے سلسلہ جوڑ دیا کرتا تھا) ابو عبداللہ حاکم کہتے ہیں کہ اوزاعی وغیرہ مشہور لوگوں سے وہ اپنی روایتیں کرتا ہے جو موضوعات کے مشابہ ہیں اور اس کی صورت یہ کرتا ہے کہ بیچ کے ضعیف راوی کو حذف کر دیتا ہے۔ خطیب کہتے ہیں کہ اس کی اکثر روایتیں منکر ہیں، اگر وہ بذات خود راست گو تھا۔ ابن القطان کا قول ہے کہ وہ ضعیف راویوں سے تدلیس کر کے بیان کرتا ہے اور اس کو وہ جائز سمجھتا ہے۔ یہ الزام اگر اس پر سچ ہے تو اس کے معتبر ہونے میں خلل انداز ہے۔

حماد بن سلمہ کی روایت میں ان کا وہم

بچپن میں شقِ صدر کا سب سے صحیح اور محفوظ سلسلہ سند وہ ہے جو حماد بن سلمہ ثابت بنانی سے اور ثابت، انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ روایت صحیح مسلم، مسند احمد، ابن سعد اور دلائل ابو نعیم میں ایک ہی سلسلہ سند سے مذکور ہے۔ یعنی حضرت انسؓ سے ثابت البنانی اور ان سے حماد بن سلمہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت جبریل آئے اور آپؐ کو پکڑ کر زمین پر لٹایا اور قلب مبارک کو چاک کیا اور اس کو نکال کر اس میں سے ذرا سا جما ہوا خون نکالا اور کہا کہ یہ شیطان کا اتنا حصہ تم میں تھا پھر اس کو سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا، پھر شگاف کو جوڑ دیا، پھر اس کو اپنی جگہ پر رکھ دیا، لڑکے دوڑتے ہوئے آپؐ کی ماں (دایہ حلیمہ) کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ محمدؐ مار ڈالے گئے، لوگ آپؐ کے پاس پہنچے دیکھا تو چہرہ کا رنگ متغیر ہے، انسؓ کہتے ہیں کہ سینۂ مبارک میں زخم کے نشان یعنی ٹانکے مجھ کو نظر آتے تھے، مسند ابن حنبل میں یہی حدیث اسی سلسلہ سند سے حضرت انسؓ سے مروی ہے اور اس میں آخر میں واحد متکلم کے بجائے جمع متکلم ہے یعنی یہ کہ مجھ کو نظر آتے تھے کی جگہ پر یہ ہے کہ ہم کو زخم کے ٹانکے نظر آتے تھے۔

اس سلسلہ سند کے صحیح اور محفوظ ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحاح میں معراج اور شقِ صدر کی جس قدر روایتیں حضرت انسؓ سے مروی ہیں، ان کے دوسرے راوی تابعین میں حضرت انسؓ کے شاگردوں میں سے قتادہ، زہری، شریک اور ثابت بنانی چار شخص ہیں، ثابت بنانی سے دو آدمی ان واقعات کو نقل کرتے ہیں، سلیمان بن مغیرہ اور حماد بن سلمہ، حماد کے علاوہ اور جو طرق اوپر مذکور ہوئے ان سب

میں معراج کے واقعات کے آغاز میں شقِ صدر کا ذکر ہے، لیکن حماد نے اپنی روایت میں یوں کیا ہے کہ معراج کے سلسلہ میں وہ شقِ صدر کے ذکر کو ترک کر دیتے ہیں اور شقِ صدر کے واقعہ کو الگ اور مستقل بچپن کے زمانہ کی تخصیص کے ساتھ بیان کرتے ہیں، حالانکہ نہ صرف حضرت انسؓ کے شاگردوں میں سے کوئی بلکہ حماد کے دوسرے ہم درس طلباء میں سے بھی کوئی ان کی تائید نہیں کرتا، غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے معراج کی حدیث حماد کے واسطہ سے نقل نہیں کی ہے۔ حماد کی نسبت اسماء الرجال کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ اسی سبب سے امام بخاری نے ان کی روایتیں نہیں لی ہیں۔ امام مسلم اپنی سمجھ کے مطابق کوشش کر کے خرابی حافظہ سے پہلے کی جوانی کی روایتیں ہیں ان کو چن کر اپنی کتاب میں لاتے ہیں۔ میرا میلان تحقیق یہ ہے کہ حماد کی یہ روایت اسی خرابی حافظہ کے زمانہ کی ہے کہ انہوں نے تمام معتبر راویوں کے خلاف شقِ صدر اور معراج کے مشترک واقعہ کو رد کر دیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ امام مسلم بھی اپنی ترتیبِ بیان کے اشارات سے ایسا ہی کچھ بتانا چاہتے ہیں کہ معراج اور شقِ صدر کو دو الگ الگ زمانوں کے واقعات قرار دینے میں حماد سے غلطی ہوئی ہے، چنانچہ واقعاتِ معراج کے ذکر میں امام مسلم یہ کرتے ہیں کہ پہلے حضرت انسؓ سے ثابتؒ کے شاگرد حماد کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں جس میں معراج کے شقِ صدر کا ذکر نہیں، پھر حماد کے ساتھی اور ثابت کے شاگرد سلیمان بن مغیرہ کی روایت ہے جس میں شقِ صدر کے ساتھ معراج کا ذکر ہے اس کے بعد حماد کی وہ روایت ہے جس میں تنہا بچپن کے شقِ صدر کا تذکرہ ہے۔ بعد ازیں حضرت انسؓ کے دوسرے شاگردوں کی روایتیں ہیں جس میں شقِ صدر اور معراج کا ایک ساتھ واقع ہونا مذکور ہے۔

حماد کی اس روایت میں بعض ایسے معنوی وجوہ بھی ہیں جن کی تائید کسی دوسرے ذریعے سے نہیں ہوتی۔ مثلاً یہ کہ شقِ صدر کی یہ کیفیت کسی عمر میں بھی گزری ہو، مگر بہر حال اس کا تعلق روحانی عالم سے تھا۔ گزشتہ تمام مستند اور مجروح روایتوں میں حسد، بغض، حصہ شیطانی، سکینت، تسلی، رحمت، شفقت، ایمان اور حکمت وغیرہ جن امور کا سینۂ مبارک سے نکالنا یا اس میں رکھنا بیان ہوا ہے، ان میں سے کسی چیز کا تعلق جسمانیات سے نہیں، بایں ہمہ حماد حضرت انسؓ سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ آپؐ کے سینہ پر زخم کے ٹانکے کے نشان مجھ کو (جیسا کہ مسلم میں ہے) یا ہم کو (جیسا کہ مسند احمد میں ہے) نظر آتے تھے۔ اگر یہ جسمانی واقعہ بھی تھا تو حضرت انسؓ کی دیگر مروی روایات میں سے جو حماد کے علاوہ دوسرے راویوں نے نقل کی ہیں، یہ مذکور نہیں علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل شمائل کا ایک ایک حرف، جسم اطہر کے ایک ایک خط و خال کی کیفیت صحابہ نے بیان کی ہے، مگر کسی نے سینۂ مبارک کے ان نمایاں ٹانکوں کا نام تک نہیں لیا، ایسی حالت میں واقعہ کی یہ صورت کیونکر تسلیم ہو سکتی ہے۔

دو دفعہ شقِ صدر ہو تو اس کی تاویل

اس تشریح اور تفصیل کے بعد بھی اگر کسی کو حماد کی اس روایت کے قبول کرنے پر اصرار ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس روایت کے مطابق

بچپن میں جب عقل و ہوش کا آغاز ہوا تو سینہ مبارک سے حصۂ شیطانی جو ہر انسان کے اندر ہے اس کو نکالا گیا کہ صحیح مسلم کی اس روایت میں اسی قدر ہے، ابھی علم و حکمت کی کوئی چیز رکھی نہیں گئی، مگر معراج کی رات جب اس عقل و ہوش کی تکمیل ہوئی تو وہ دھو کر علم و حکمت سے معمور کیا گیا، جیسا کہ تمام روایتوں میں ہے۔

شق صدر کی صحیح کیفیت شق صدر کی صحیح کیفیت حالتِ معراج کے سلسلہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور نسائی وغیرہ میں متعدد روایتوں اور طریقوں سے مذکور ہے کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں آرام فرما رہے تھے، آنکھیں سوتی تھیں مگر دل بیدار تھا کہ ناگاہ حضرت جبریلؑ چند فرشتوں کے ساتھ نظر آئے، آپؐ کو اٹھا کر وہ چاہِ زمزم کے پاس لے گئے یا آبِ زمزم لے کر کوئی آپؐ کے پاس آیا سینہ مبارک کو چاک کیا، پھر آبِ زمزم سے دھویا۔ اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا لایا گیا، پھر اس طشت کے سرمایہ کو سینہ مبارک میں بھر کر شگاف کو برابر کر دیا گیا، اس کے بعد فرشتے آپؐ کو آسمان کی طرف لے چلے۔[1]

شق صدر کی حقیقت علمائے ظاہر بین اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلبِ اقدس کو اسی آبِ زمزم سے دھو کر ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے۔ لیکن صوفیائے حقیقت بین اور عرفائے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور ہی معنی سمجھتے ہیں اور ان تمام غیر محتمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ عالمِ برزخ کے حقائق ہیں جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح حالتِ خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

اما شق الصدر وملؤہ ایمانا فحقیقتہ غلبۃ انوار الملکیۃ وانطفاء لھب الطبیعۃ و خضوعھا لما یفیض علیھا من حظیرۃ القدس۔[2]	لیکن سینہ کا چاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا روح پر غالب ہو جانا اور طبیعت بشری کے شعلہ کا بجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہو تو اس کے قبول کے لئے طبیعت کا آمادہ ہو جانا ہے۔

ان کے نزدیک معراج بھی اسی عالم کی چیز تھی، اس لئے شقِ صدر بھی اسی دنیا کا واقعہ ہوگا۔

ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرحِ صدر ہے جیسا کہ صحیح مسلم باب الاسراء میں حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت میں مذکور ہے فشرح صدری الی کذا وکذا (میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا) اور قرآن مجید کی اس سورہ میں جیسا کہ ترمذی میں ہے، اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (انشراح)	کیا ہم نے تیرے لئے سینہ کو کھول نہیں دیا اور تجھ سے تیرے اس بوجھ کو ہٹا نہیں دیا جس نے تیری پیٹھ کو توڑ دیا تھا۔

---

[1] صحیح بخاری و مسلم و نسائی ابواب معراج یا فرض الصلوٰۃ و مسند احمد روایات انس وغیرہ [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ صفحہ ۲۰۶۔

شرح کے لغوی معنی عربی میں "چیرنے پھاڑنے" کے ہیں۔ اسی سے طب کی اصطلاح "علم تشریح" اور "تشریح جسم" نکلی ہے، چونکہ چیرنے اور پھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہو جاتی ہے، اس لئے اس سے "تشریح امر" اور "تشریح کلام" "شرحِ بیان" اور "شرحِ کتاب" وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوئے ہیں، اسی سے ایک اور محاورہ "شرحِ صدر" کا پیدا ہوا ہے جس کے معنی "سینہ کھول دینے" کے ہیں اور کلام عرب میں اس سے مقصود بات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت کا واضح کر دینا ہوتا ہے، قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے، حضرت موسیٰ کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ نے دعا مانگی رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ (پروردگار! میرے سینہ کو کھول دے اور میرے کام کو آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں۔

انبیاء علیہم السلام کا علم اور فہم، انسانی تعلیم و تعلم اور مادی حکمت و دانائی سے پاک و مبرا ہوتا ہے اور وہ اپنے اخذ نتائج اور اثباتِ دعویٰ کے لئے گزشتہ تجربات اور منطق کے استقراء و تمثیل اور ترتیبِ مقدمات کے ممنون نہیں ہوتے، بلکہ وہ جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں اس کا ماخذ تعلیم الٰہی القائے ربانی اور فہم ملکوتی ہوتا ہے اسی کا نام علم لدنی ہے۔ "لدن" کے معنی عربی زبان میں "پاس اور نزدیک" کے ہیں۔ چونکہ یہ علم ان کو کسب و تحصیل کے بغیر خدا کے پاس سے اور اس کے نزدیک سے عطا ہوتا ہے، اس لئے عرف عام میں علم لدنی کہلاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (کہف)	ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا (طٰہٰ - ۵)	اسی طرح ہم تجھ سے گزشتہ زمانہ کی باتیں بیان کرتے ہیں اور ہم نے اپنی طرف سے تجھ کو علم (ذکر) بخشا ہے

حضرت یوسفؑ کے قصہ کے آغاز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ (یوسف ۔ ۱)	ہم تجھ کو قرآن کی وحی بھیج کر ایک بہترین قصہ سناتے ہیں جس سے تو قطعاً اس سے پہلے بے خبر تھا۔

سورۂ شوریٰ میں ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (شوریٰ - ۵)	اور اسی طرح ہم نے اے محمد تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کو وحی کیا تو تو پہلے یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان سے واقف تھا لیکن ہم نے اس کو روشنی بنایا ہے جس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہم راستہ دکھا دیتے ہیں۔

دوسرے پیغمبروں کی نسبت بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ سے کہتے ہیں۔

يٰاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ (مریم-۳) — اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔

حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے متعلق ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا (نمل-۲) — اور ہم نے داؤد و سلیمان کو علم بخشا۔

حضرت یوسفؑ کی نسبت ارشاد ہے

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (یوسف-۳) — ہم نے یوسف کو حکم اور علم عطا کیا۔

حضرت یوسفؑ کہتے ہیں،

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ (یوسف-۴) — یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں۔

حضرت لوطؑ کے متعلق ہے

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (انبیاء-۵) — اور لوطؑ کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا۔

حضرت سلیمانؑ اور چند دیگر انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے بعد ہے۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ (انبیاء) — ہم نے یہ بات سلیمان کو سمجھا دی اور ہم نے ان سب کو حکم اور علم عطا کیا۔

الغرض انبیاء علیہم السلام کا یہ علم محض تعلیم الٰہی اور القائے ربانی کا نتیجہ ہوتا ہے اور غور و فکر، تجربہ و امتحان تحصیل و اکتساب اور جمع معلومات اور ترتیبِ مقدمات کے بغیر ان کے علم کی باتیں ان کے سامنے آئینہ ہو کر آجاتی ہیں، صرف وہم و تمثیل کے لئے یہ سمجھنا چاہیئے کہ کبھی کبھی شعراء، مصنفین، موجدین اور دیگر عقلاء کے ذہن میں بے غور و تامل ایک بات اس طرح خطور کر جاتی ہے کہ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سینہ یا دماغ کا دروازہ یک بیک کھل گیا اور ایک چیز اندر داخل ہو گئی لیکن یہ شرح صدر کی نہایت معمولی مثال ہے۔ اس منصبِ خاص کے سیکڑوں مدارج ہیں جو انبیاء کو اولیاء کو اور دیگر مومنین کو اپنے اپنے رتبہ کے مطابق عطا ہوتے ہیں،

یعنی بلا حجت و برہان اسلام کی صداقت اس کے سامنے آئینہ ہو جاتی ہے، بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو ان کی خلافت کے زمانہ میں مشورہ دیا اور بہ اصرار کہا کہ قرآن مجید کو اوراق و مصاحف میں لکھوا دیجئے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے مخالفت کی کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ ہم لوگ کیونکر کر سکتے ہیں، حضرت عمرؓ کو اس پر اصرار اور حضرت ابوبکرؓ کو انکار رہا، مگر چند ہی روز میں یک بیک ان کی سمجھ میں بات آگئی، اس موقع پر انہوں نے فرمایا۔

حتی شرح اللہ صدری لذلک (بخاری آیت القرآن) — یہاں تک کہ خدا نے اس کام کے لئے میرے سینہ کو کھول دیا۔

مفسر ابن جریر طبری نے متعدد صاحبوں سے روایت کی ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! شرح صدر کیونکر ہوتا ہے؟ فرمایا۔ قلب میں ایک نور داخل ہوتا ہے جس سے سینہ کھل جاتا ہے۔ پھر سوال کیا کہ یا رسول اللہ! اس کی نشانی کیا ہے؟ ارشاد ہوا۔ حیاتِ جاوید کے گھر کا اشتیاق،

اور اس فریب کدۂ عالم سے دل برداشتگی اور موت سے پہلے موت کی تیاری[1]۔ یہ تو حقیقت ہے اور اس حقیقت کی جسمانی تمثیل سینہ مبارک کا چاک کیا جانا اور اس میں نور و حکمت کا بھرا جانا ہے۔

شرح صدر کے لئے مناسب موقع اور مصلحت

جن آیتوں میں دیگر انبیاء علیہم السلام کو عطیۂ علم کے دیئے جانے کا ذکر ہے ان میں اکثر علم کے ساتھ حکم کا لفظ بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ خالص شرعی ضرورتوں کے نظم و حکومت اور فیصلۂ احکام کے لئے بے غور و فکر کے بدیہی صحیح اور حاضر علم کی ضرورت ہے، چونکہ معراج ہجرت کا اعلان اور اسلام کے مستقل کا عنوان تھا، جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کی طاقت عطا کی جانے والی تھی، اس لئے شرح صدر کے عطیہ کے لئے یہی مناسب موقع تھا۔ علاوہ ازیں معراج کے حقائق و مناظر جو نفوسِ نبویہ کے ادراکات کی آخری سرحد ہیں، ان کے احاطہ کے لئے بھی شرح صدر کی ضرورت تھی۔

★

[1] تفسیر ابن جریر طبری، جلد ۳۰ صفحہ ۱۹ مطبوعہ مصر، حاکم فی المستدرک ج ۴ صفحہ ۳۱۱ بسند فیہ عدی بن الفضل۔

آیات و دلائل نبوی قرآن مجید میں

یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں انبیائے سابقین کے معجزے جس تفصیل اور تکرار کے ساتھ بیان ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے اس تفصیل اور تکرار کے ساتھ اس میں مذکور نہیں۔ اس سے ایک طرف تو مخالفین اسلام نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ نعوذ باللہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی ذات پاک اس عطیۂ الٰہی سے محروم تھی، دوسری طرف اسلام کے عقل پرست فرقہ کو اس سے یہ دھوکہ ہوا ہے کہ اسلام نے خوارق عادت کے ظہور سے انکار کیا ہے، کیونکہ جب اس کے نزدیک خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ان سے خالی تھی تو گزشتہ انبیاء کے سوانح میں جو اعجاز نظر آتا ہے وہ بھی سمجھنے والوں کے لئے وہم کا قصور ہے۔

قرآن مجید میں آپ کے تمام معجزات کا تفصیلی ذکر کیوں نہیں ہے

لیکن واقعہ یہ ہے کہ دیگر انبیائے کرام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آیات و دلائل میں جو یہ اختلاف منظر نمایاں ہے اس کے متعدد وجوہات اور اسباب ہیں جن پر ان کوتاہ بینوں کی نظر نہیں پڑی اس لئے وہ مختلف قسم کے شکوک و شبہات میں گرفتار ہو گئے۔

(۱) اس اختلاف منظر کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص جس نے قرآن مجید کا پورے غور سے مطالعہ کیا ہے یا گزشتہ صفحات میں قرآن مجید کے نقطۂ نظر سے معجزہ کی جو حقیقت واضح کی گئی ہے اس کو سمجھا ہے، وہ تسلیم کرے گا کہ اسلام نے نبوت کی تصدیق کے باب میں ظاہری اور مادی معجزات کو وہ اہمیت نہیں دی ہے جو خصوصیت کے ساتھ عیسائی مذہب اور اس کے مقدس صحیفہ میں نظر آتی ہے بلکہ وہ انسانوں کو زیادہ تر غور و فکر، فہم و تدبر، سوچ اور سمجھ کی دعوت دیتا ہے اور نبوت کی اندرونی خصوصیات اور روحانی دلائل کو ایمان و تصدیق کی بنیاد قرار دیتا ہے، اس بنا پر اس کے لئے اپنے پیش کرنے والے کی سچائی کے ثبوت میں اس کے خوارق اور معجزات کو تفصیل اور تکرار کے ساتھ ہر جگہ پھیلانا اور دہرانا اس کے اصول کے خلاف تھا۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلام ان گمراہیوں سے پاک رہا جن کی تاریکیوں کے پردہ میں عیسوی مذہب کا نور چھپ کر رہ گیا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کو جو نشانیاں ملی تھیں وہ چند محدود گنی ہوئی اور متعین شکل میں تھیں، اس لئے قرآن مجید کو جب کبھی ان پیغمبروں کی نشانیوں کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے تو خواہ مخواہ ان کے ان ہی چند حیرت انگیز واقعات کو بار بار دہرانا پڑتا ہے اور اس کی تفصیل اور تکرار سے کوتاہ بینوں کی نگاہوں میں ان پیغمبروں کی یہ نشانیاں اجاگر ہو کر نظر آتی ہیں۔ اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نشانیاں عطا ہوئیں وہ اس قدر متنوع مختلف اور غیر محدود تھیں کہ ان کے تذکرے کے وقت ایک ہی نشانی کو بار بار پھیلانے اور دہرانے کی حاجت نہ تھی، اس لئے یہ دلائل محمدی قرآن مجید کے سینکڑوں صفحات کے مختلف گوشوں میں اس طرح بکھرے ہوئے ہیں کہ دوسرے انبیاء کے معجزوں کی طرح وہ اجاگر اور نمایاں ہو کر کم سوادوں کو نظر نہیں آتے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ مباحث میں یہ پوری تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر قسم کے معجزات، خوارق اور نشانیاں پیغمبر کی قوت اور اختیار سے نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ و مشیت سے ظہور پذیر ہوتی ہیں، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آیات و دلائل بھی ذات محمدی کی طرف منسوب ہو کر نہیں بلکہ قدرت الٰہی کی طرف منسوب ہو کر بیان ہوتے ہیں، اس لئے عام لوگوں کا خیال ان کو دلائل محمدی سمجھنے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے پاس ایک ہی مستند چیز یعنی ان کا صحیفہ ہے جس میں اُن کے ربانی احکام، ان کے پیغمبروں کے اقوال، حالات، سوانح، معجزات سب کچھ ملے جلے ہیں، لیکن اسلام کے قبضہ میں دو چیزیں ہیں، ایک صحیفۂ الٰہی جس میں صرف خدائی احکام و مطالب ہیں، دوسرے حدیث و سنت، جس میں پیغمبر کے حالات، اقوال اور معجزات وغیرہ الگ اور مستقل حیثیت سے مذکور ہیں اور وہ بجائے خود روایتی استناد کے لحاظ سے دوسرے مذاہب کے صحیفوں سے کہیں بلند تر ہے اس لئے خدا نے پیغمبر کے ان دلائل و معجزات کو عدم اہمیت کے باعث بہ تفصیل اپنے صحیفہ میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ اس کے لئے احادیث کے مستند ذخیرۂ روایات کی موجودگی کو کافی قرار دیا۔

قرآن مجید سے آپ کے صاحب معجزہ ہونے کی دلیل

غرض یہ اسباب ہیں جن کی بنا پر بعض کم سواد اس دعویٰ کی جرأت کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیتیں آپ کو معجزات اور نشانیوں سے معرا ظاہر کرتی ہیں، لیکن اس سلسلہ میں غور کے قابل سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے آپ کے متعلق آپ کے زمانہ کے کافروں کے جو اقوال تردید کی غرض سے نقل کئے ہیں ان میں متعدد موقعوں پر آپ کو (نعوذ باللہ) کاہن اور ساحر کہا گیا ہے اور قرآن مجید پر سحر کا الزام لگایا ہے، عرب میں کاہن کا کام پیشین گوئی کرنا اور غیب کا حال بتانا تھا اور ساحر کی نسبت تو عام طور پر معلوم ہے کہ وہ عوام کے نزدیک عجائب و خوارق کا پیکر ہوتا ہے، اب اگر آپ امور غیب کی قبل از وقت اطلاع نہیں دیتے تھے اور معجزات اور خوارق کا صدور آپ سے نہیں ہوا کرتا تھا تو کفار آپ کو کاہن اور ساحر کے خطابات سے کیوں یاد کرتے تھے!

اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر حسب ذیل آیتوں پر غور کی ایک نگاہ ڈالئے۔

فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ۔ (طور - ۲۰) — اے محمدؐ! تو اپنے پروردگار کے فضل سے کاہن نہیں ہے۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ (حاقہ) — یہ قرآن کسی کاہن کا کلام نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے خدا کفار قریش کا حال بتاتا ہے۔

وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (صافات - ۱) — جب وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ کفار کو جو نشانیاں نظر آتی تھیں وہ ان کا ٹھٹھا اڑاتے تھے اور ان

کو جادو کہتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی خارق عادت نشانیاں ان کے مشاہدہ میں آتی تھیں اور دوسری آیتوں میں بھی سحر کی نسبت آپ کی طرف کفار کی زبان سے کی گئی ہے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ. وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (زخرف-۳)

اور جب ان کے پاس سچی بات آئی تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترا۔

قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ (احقاف-۱)

حق کے منکروں نے جب ان کے پاس حق آیا تو کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ (انبیاء)

یہ محمد تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہیں، کیا تم جان بوجھ کر جادو کے پاس آتے ہو۔

قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِينٌ (یونس-۱)

کافروں نے کہا کہ یہ (محمد) تو کھلا جادوگر ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے آپ کی آمد کی جو بشارت دی تھی اس کے بعد ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ (صف-۱)

پس جب وہ آنے والا پیغمبر کھلی آیتیں لے کر آیا تو کافروں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔

کفار کے ان اقوال سے ثابت ہے کہ آپ کی ذات بابرکات سے کچھ تو مافوق العادت باتیں ظاہر ہوتی تھیں جن کی تعبیر کہانت اور جادوگری کے الفاظ سے کر کے وہ اپنے نادان دل کو تسلی دیتے تھے اور اسی سے آپ کے صاحب معجزہ ہونے کا ناقابل تردید ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے۔

قرآن مجید میں آپ کے دلائل و معجزات مذکور ہیں

اس اجمالی ثبوت کے بعد ضرورت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان آیات و دلائل کے بکھرے ہوئے موتیوں کو جو قرآن مجید کے اوراق میں منتشر ہیں ایک خاص ترتیب کے رشتہ میں منسلک کر دیں کہ وہ نمایاں ہو کر نگاہوں کے سامنے آجائیں۔ تنوع کے لحاظ سے یہ آیات و دلائل تین قسم کے ہیں، ایک تو کفار کی ہدایت و دعوت اور مسلمانوں کی مزید ایمانی تسلی کیلئے معجزانہ نشانیاں، دوسری مصیبتوں کی گھڑیوں میں تائید غیبی کا ظہور اور تیسری وہ پیشین گوئیاں جن کا لفظ لفظ صداقت کے معیار پر صحیح اترا ہے، آئندہ اوراق میں اسی اجمال کی تفصیل آئے گی۔

*

معجزۂ قرآن

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ (بنی اسرائیل-۱۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش گاہ الٰہی سے جو معجزات عطا ہوئے ان میں سب سے بڑا معجزہ خود قرآن مجید ہے۔ چنانچہ جب کفار نے معجزہ طلب کیا تو خدا نے فرمایا۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ. أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ (عنکبوت-۵)

اور انہوں نے کہا کہ پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں کیوں نہ اتریں، کہہ دے کہ نشانیاں خدا کی قدرت میں ہیں میں تو صاف صاف خدا کے عذاب سے صرف ڈرانے والا ہوں کیا ان کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے اس پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے مقابلہ میں اپنی اسی وحی آسمانی کو سب سے بڑا معجزہ قرار دیا، چنانچہ گویا اسی آیت پاک کی تفسیر میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

ما من الانبیاء نبی الا اعطی من الآیات ما مثله اومن او آمن علیه البشر و انما کان الذی اوتیت وحیا اوحاہ اللہ الی فارجوا انی اکثرهم تابعا یوم القیامة۔ (صحیح بخاری باب الاعتصام)

پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر معجزات عنایت کئے جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے لیکن جو معجزہ مجھے مرحمت ہوا وہ وحی (قرآن) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتارا، اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیرووں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔

اس حدیث سے متعدد نکتے حل ہوتے ہیں۔

(۱) ہر پیغمبر کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا ہوا ہے۔

(۲) دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات وقتی اور عارضی تھے، ہوئے اور ہو کر مٹ گئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزۂ اعظم یعنی قرآن مجید قیامت تک دنیا میں قائم اور باقی رہے گا۔

(۳) چونکہ وہ معجزے وقتی اور عارضی تھے اس لئے ان سے جو اثر پیدا ہوا وہ بھی وقتی اور عارضی تھا برخلاف اس کے قرآن مجید چونکہ ہمیشہ دنیا میں قائم رہنے والا ہے اس لئے اس کا اثر بھی دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور قیامت تک نئے نئے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ربانی نشانیاں خدا کی طرف سے عنایت ہوئیں ان میں صرف یہی ایک معجزہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تحدی کی ہے اور اعلان عام کیا ہے کہ کوئی اس کی مثال پیش کرے اور پھر خود ہی اس کی

پیشین گوئی بھی کردی ہے کہ دنیا ہمیشہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور درماندہ رہے گی۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ (بنی اسرائیل-۱۰)

کہہ دے اے پیغمبر! اگر تمام جن و انس مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو نہیں لاسکتے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد پر کیوں نہ ہوں۔

سورۂ ہود میں پورے قرآن کے بجائے صرف دس سورتوں کا جواب مانگا گیا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (ہود-۲)

کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنے جی سے بنا لیا ہے تو کہہ دے کہ وہ ایسی بنائی ہوئی دس ہی سورتیں لے آئیں اور اپنی مدد کے لئے خدا کے سوا جس کو چاہیں بلا لیں اگر وہ سچے ہیں۔

اس کے بعد کی آیتوں میں دس سورتوں سے گھٹا کر ایک ہی سورہ کا جواب لانے کی تحدی کی گئی ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَاۗءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (بقرہ-۳)

اور اگر تم کو اس میں بھی کچھ شک ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر اتارا ہے تو اس جیسی ایک ہی سورہ لاؤ اور خدا کے سوا اپنے تمام گواہوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۔ (بقرہ-۳)

تو اگر تم ایسی سورہ بنا کر نہ لا سکو اور یقیناً نہ لاسکو گے تو اس آتش دوزخ سے بچو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر (جن کو تم پوجتے ہو) سب ہوں گے جو کافروں کے لئے تیار رکھی گئی ہے۔

اس کے ہم معنی دوسری آیت سورۂ یونس میں ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (یونس-۴)

کیا یہ کفار یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس قرآن کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے ان سے کہہ دے کہ اس جیسی ایک سورت تم بھی لاؤ، خدا کے سوا اور جس کو چاہو مدد کے لئے بلا لو اگر تم سچے ہو۔

پھر سورۂ طور میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس جیسی ایک ہی بات پیش کرو۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۔ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ (طور-۲)

کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو گھڑ لیا ہے بات یہ ہے کہ ایمان نہیں اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات بھی پیش کریں۔

اس امر پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قرآن معجزہ ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ وہ کس حیثیت سے معجزہ ہے؟ اور وجہ اعجاز کیا ہے؟

(۱) بعض معتزلہ کے نزدیک قرآن مجید کا نظم کلام (اسٹائل) معجزہ ہے یعنی اہل عرب کا کلام جس طرز اور اسلوب پر ہوا کرتا تھا، قرآن مجید نے ان کو چھوڑ کر ایک اور بدیع طرز اور عجیب اسلوب اختیار کیا جو عرب میں موجود نہ تھا، ان کے کلام کا تمام تر نمونہ شعر تھا، قرآن مجید نے نثر کا ایک اسلوب اختیار کیا، کاہنان عرب کا کلام بھی نثر ہوتا تھا، مگر اس میں تکلف اور آورد تھا، قرآن مجید نے نظم و نثر کے درمیان ایک ایسا پسندیدہ اسلوب اختیار کیا جو بلغائے

عرب کے تخیل میں نہ تھا، قرآن کے مطالع، مقاطع اور فواصل یعنی جس طرح قرآن کسی بیان کا آغاز اور اس کا خاتمہ کرتا ہے اور جس طرح ایک ایک آیت کو توڑتا جاتا ہے وہ حد اعجاز میں داخل ہے۔

(۲) معتزلہ سے جاحظؒ اور تمام اشاعرہ قرآن مجید کو فصاحت و بلاغت کی حیثیت سے معجزہ قرار دیتے ہیں

(۳) نظام معتزلی اور ابن حزم ظاہری یہ اعتقاد رکھتے ہیں اور امام رازیؒ بھی اس کو قرب الی الصواب کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے تمام بلغائے عرب و عجم کی زبانیں اس کے مقابلہ میں گنگ کر دیں اور اس لئے وہ اس کا جواب نہیں لاسکتے۔

(۴) بعض متکلمین کے نزدیک وجہ اعجاز، قرآن مجید کا اظہار غیب اور پیشین گوئیاں ہیں جو انسان کے حیطۂ امکان سے باہر ہیں۔

(۵) بعض علماء کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دل کے چھپے ہوئے اسرار کو فاش کرتا تھا جو انسانی دسترس سے باہر ہے۔

(۶) کسی نے وجہ اعجاز یہ بتائی ہے کہ اور انسانوں کے کلام بلند و پست، کامل و ناقص، صحیح و غلط غرض مختلف المراتب ہوتے ہیں، لیکن قرآن مجید شروع سے اخیر تک بلندی کمال اور صحت کے لحاظ سے ایک ہی نوعیت کا ہے۔

(۷) ایک دو آدمیوں کی یہ رائے ہے کہ معجزہ یہ ہے کہ ایک اُمّی کی زبان سے ایسا کلام بلاغت نظام نکلا۔[۳]

(۸) قرآن مجید کے اعجاز کی ایک وجہ اس کی خارق عادت تاثیر اور قلوب انسانی کی تسخیر بھی قرار دی جاسکتی ہے۔

(۹) بعضوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کا اصلی اعجاز اس کے احکامات، تعلیمات اور ارشادات ہیں۔[۴]

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام اختلافات باہم متضاد نہیں ہیں جو ایک جگہ نہ مجتمع ہوسکیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ وجہ اعجاز صرف ایک ہی محدود ہو، قرآن مجید کے وجوہ اعجاز اس قدر کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں ہوسکتا، جس شخص کو اپنے مذاق کے مطابق جو بات نمایاں نظر آتی ہے اسی کو اس نے وجہ اعجاز قرار دے لیا ہے، کوئی حسین اور خوبصورت چیز جب نقادانِ فن کی نگاہوں کے سامنے آتی ہے، تو کوئی اس کے رنگ و روغن کا مداح ہوتا ہے، کوئی اس کے اعتدال قامت کی تعریف کرتا ہے، کوئی اس کی وضع قطع کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے کوئی اس کی زیبائش و آرائش کی مدح کرتا ہے تو درحقیقت اس کی ذات ان تمام اوصاف کا مجموعہ ہوتی ہے اور ہر ناقد اپنی چشم اعتبار سے جو کچھ دیکھتا ہے اسی کو اس کے حسن کا معیار قرار دے لیتا ہے۔ حافظؒ و سعدیؒ کے کلام کا معترف کون نہیں! لیکن لوگوں سے ان کے حسن و خوبی کی تفصیل پوچھو تو کوئی ایک بات نہیں کہے گا۔ کسی کے نزدیک ان کے کلام کا حسن یہ ہے کہ وہ اپنی غزلوں کے لئے بحریں نہایت مطربانہ اور موسیقیانہ اختیار کرتے ہیں، کوئی طریقۂ ادا اور اسلوب تعبیر کی تعریف کرے گا۔ بعض ناقدین سخن الفاظ کی شیرینی اور ترکیب کی ندرت پیش

[۱] الفصل فی الملل والنحل ابن حزم جلد سوم باب اعجاز القرآن [۲] تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۲۳۵ تفسیر آیہ وان کنتم فی ریب [۳] متکلمین کے یہ مذاہب شرح مواقف اعجاز قرآن باقلانی الاتقان سیوطی، فصل فی الملل والنحل ابن حزم میں مذکور ہیں [۴] شاہ ولی اللہ صاحب نے فوز الکبیر میں اور مولانا شبلی نے اپنے مضمون اعجاز القرآن میں یہی مسلک اختیار کیا ہے

کریں گے، کوئی تشبیہ و استعارہ کی جدت پر زور دے گا، دوسرے اصحاب ان کی نازک خیالی کے معترف ہوں گے، بعضوں کے نزدیک ان کے معنی آفرینی، عمیق فلسفہ و حکمت اور دلپذیر موعظت ان کے کلام کا تمغائے کمال ہے۔

عباراتنا شتی وحسنک واحد ‏ ‏ وکل الی ذاک الجمال یشیر

ہماری عبارتیں گو مختلف ہیں لیکن تیرا حسن ایک ہی ہے ہر شخص اپنی عبارت میں اسی ایک حسن کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

قرآن مجید کی ان آیتوں کا اگر استقصا کیا جائے جن میں اس کے وجوہ اعجاز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے تو وہ ہم کو خود مختلف نظر آتی ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے وجوہ اعجاز میں اس قدر متعدد اور کثیر الاطراف ہیں کہ ان میں کسی ایک میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے کہیں تو اپنی تعلیم و ارشاد کی مدح کی ہے، کہیں اپنی تاثیر اور قوت جذب کی طرف اشارہ کیا ہے، کہیں اپنی یکسانی اور عدم اختلاف کو اپنے خدا کی طرف سے ہونے کی نشانی بتائی ہے، کہیں اس نے اپنی عربیت اور حسن کلام کو ظاہر کیا ہے، کہیں ایک امی کی زبان کا پیغام ہونا اپنا معجزہ بتایا ہے، ایک موقع پر اپنی ہدایت و رہنمائی کو مخصوص ترین وصف قرار دیا ہے، کہیں وہ خود کو نور، ھدی، حکمۃ، بینۃ اور دیگر مختلف اوصاف معنوی کا پیکر کہتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں ہم ان آیتوں کو بہ ترتیب لکھ دیتے ہیں۔

فصاحت و بلاغت

لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ (نحل - ۱۴)

جس کی طرف یہ کفار نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ ایسی زبان ہے جو عربی ہے اور اپنے مدعائے دلی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ (شعراء - ۱۱)

یہ قرآن ایک ایسی زبان میں ہے جو اپنے مدعائے دلی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے۔

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ (زمر)

قرآن عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کجی نہیں۔

قُرْآنٌ مُّبِينٌ (یٰسین وحجر)

اپنے مدعا کو خوبی سے ظاہر کرنے والا قرآن۔

یکسانی اور عدم اختلاف

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

کیا یہ کافر قرآن میں غور نہیں کرتے اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔

قوت تاثیر

وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّنَ الْأَنبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ ۖ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ (قمر - ۱)

ان کو قرآن کے ذریعے سے، اگلی امتوں کے اتنے حالات سنائے جا چکے ہیں جو اُن کی تنبیہ کو کافی تھے، یہ قرآن دل تک پہنچ جانے والی دانائی ہے لیکن ان کو ڈرانا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

کفار قرآن مجید کو سحر اور جادو کہتے تھے، یہ کیوں؟ اس کی اسی تاثیر اور قوت تسخیر کی بنا پر۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ (احقاف - ۱)

جب ان کافروں پر ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو سچائی کے آنے کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

کفار کہتے تھے کہ جب محمدؐ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنانے لگیں تو شور کر دو تاکہ لوگ سن کر متاثر نہ ہوں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ۔

کفار نے کہا کہ اس قرآن کو سنا نہ کرو اور اس کے پڑھتے وقت شور و غل کرو، شاید تم جیت جاؤ۔

تعلیم و ہدایت

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (بقرہ)

یہی ہے وہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں ہے یہ پرہیزگاروں کے لئے سرتاپا ہدایت ہے۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ (اسراء - ۱)

یہ قرآن اس تعلیم کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ صحیح اور سیدھی ہے۔

قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ (قصص - ۵)

کہہ دے قرآن اور توراۃ سے بڑھ کر کوئی ہدایت والی کتاب لاؤ تو میں اس کی پیروی کروں۔

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ (مائدہ - ۳)

تمہارے پاس روشنی اور مدعا کو ظاہر کرنے والی کتاب آچکی۔

وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ (بقرہ)

ہم نے تیری طرف کھلی ہوئی آیتیں اتاریں۔

وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ أَن تَقُولُوا إِنَّمَا أُنزِلَ الْكِتَابُ عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِن قَبْلِنَا وَإِن كُنَّا عَن دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَاءَكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ

یہ مبارک کتاب ہم نے اتاری تو اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ دو قوموں پر کتاب اتاری گئی اور ہم ان کے پڑھنے سے بے خبر تھے یا یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ان دونوں قوموں سے زیادہ راہ راست پر ہوتے تو لو تمہارے رب کی طرف سے دلیل و ہدایت و رحمت آئی ہے

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ۔ (اسراء - ۹)

اور قرآن سے ہم وہ اتارتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔

وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ مَّا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ۗ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ (حم السجدہ - ۵)

یہ عزت والی کتاب ہے جس کے آس پاس بھی باطل نہیں آ سکتا یہ حکمت اور تعریف والے خدا کی اتاری ہوئی ہے اے پیغمبر! تجھ سے وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا، تیرا رب بخشش والا بھی ہے اور عذاب والا بھی ہے اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں کرتے تو وہ لوگ یہ کہتے کہ اس کے احکام کیوں نہیں کھول کر بیان کئے گئے ہم عرب ہیں اور کتاب عجمی، کہہ دے کہ یہ کتاب مومنوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (یونس-۶)

لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آچکی اور وہ دلوں کے امراض کا علاج ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ

حکمت والا قرآن۔

وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ (ص)

نصیحت والا قرآن۔

قرآن کا جواب لانے کی قدرت نہیں،

لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (اسراء)

جن وانس اس کا جواب نہیں لاسکتے۔

وَلَنْ تَفْعَلُوْا (بقرہ)

یہ کفار ہرگز اس کا جواب نہیں لاسکتے۔

ایک اُمی کی زبان سے ادا ہونا

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۔ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۔ (عنکبوت-۵)

قرآن سے پہلے اے پیغمبر نہ تو تو کچھ پڑھ کر سناتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا، اگر ایسا ہوتا تو البتہ یہ باطل پرست شک کرتے بلکہ یہ کھلی آیتیں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو علم بخشا گیا ہے اور ہماری آیتوں سے صرف گنہگار ہی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیوں اس (پیغمبر) پر اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں نہیں اتریں، کہہ دے کہ نشانیاں خدا کے قبضہ میں ہیں، میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں، کیا ان کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے اس میں ایمان والوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے۔

حفظ و بقا کا وعدہ

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (نحل-۱)

اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (قیامہ-۱)

ہم پر ہے اس قرآن کا جمع کرنا۔

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (فصلت)

اس قرآن کے پاس، آگے اور نہ پیچھے سے باطل آ سکتا ہے۔

قوت دلائل

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (انعام)

یقیناً تمہارے پاس تمہارے خدا کی دلیل آچکی۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (انعام)

کہہ دے کہ خدا ہی کیلئے وہ دلیل ہے جو دلوں تک اتر جاتی ہے

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (اعراف-۲۴)

یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے سمجھ بوجھ کی باتیں ہیں اور ہدایت و رحمت ہے مومنوں کے لئے۔

قرآن مجید کی یہ آیتیں صرف چند حیثیتوں کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں، اگر کوئی استقصا کرے تو متعدد وجوہ اور بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

الغرض مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید صرف فصاحت و بلاغت ہی کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی تمام حیثیات کے لحاظ سے معجزۂ کامل ہے۔ اس کے معجزۂ کامل ہونے پر مختصر ترین دلیل یہ ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس گزرے کہ کوہ صفا کی چٹان پر کھڑے ہو کر ایک اُمی نے دنیا سے یہ غیر متزلزل تحدی کی کہ وہ اس کا جواب پیش کرے، تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ان تیرہ صدیوں کا ایک ایک سال گزر گیا، مگر ایک آواز بھی اس تحدی کو قبول کرنے کے لئے بلند نہ ہوئی، اگر صرف فصاحت و بلاغت ہی کو معیارِ اعجاز قرار دیا جائے تو کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ عین اُس وقت جب ایک اُمی کی طرف سے جو ایک شعر تک موزوں نہیں پڑھ سکتا تھا، یہ مدعیانہ اعلان عرب میں شائع ہوا، اس وقت عرب کے قبیلہ قبیلہ میں زبان آور شعراء اور آتش بیان خطباء موجود تھے مگر اس "صوت سرمدی" کے سامنے سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں، کفارِ عرب نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی تکذیب کی کیا کیا کوششیں نہ کیں، انہوں نے اس راہ میں جان و مال قربان کیا، دین و کیش کو برباد کیا، اپنے عزیزوں اور فرزندوں کو نثار کیا، خود اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھیں، ان کے سپاہیوں نے میدانِ جنگ میں پرے جمائے، ان کے دولت مندوں نے اپنے خزانے کھول دیئے، ان کے شاعروں اور خطیبوں نے اپنی آتش بیانیوں سے تمام ریگستانِ عرب کو تنور بنا دیا، یہ سب کچھ کیا، مگر یہ نہ ہو سکا کہ قرآن مجید کی ایک سورہ کا جواب پیش کریں جو اسلام کے دعوائے حق و صداقت کے کنگرہ کو چشم زدن میں پست کر دیتا، کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس کی مثال لانے سے عاجز تھے اور جب وہ زبان کے اصل مالک اور محاورۂ عرب کے طبعی ماہر تھے اس کے مقابلہ سے عاجز تھے تو اس زمانے کے بعد کے لوگوں کے لئے تو یہ عجز اور درماندگی اور زیادہ نمایاں ہے۔

حسانؓ بن ثابت، عامرؓ بن اکوع، طفیل بن عمر، زید الجلیل، زبرقان، شماس، اسود بن سریع، کعب بن زہیر، عبداللہؓ بن رواحہ وغیرہ عرب کے مشہور زبان آور شاعر تھے، مگر قرآن مجید کے سامنے ان سب نے سرِ نیاز خم کیا، لبید عرب کے مشہور شاعر تھے اور سبعہ معلقہ کی بزم مشاعرہ کے ایک رکن تھے، اسلام کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے چند اشعار کی فرمائش کی تو انہوں نے جواب دیا، جب خدا نے مجھ کو بقرہ اور آل عمران سکھائی تو مجھے شعر کہنا زیبا نہیں[2]۔

انیس، قبیلہ غفار کے شاعر تھے، انہوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا سنا تو چھپ کر مکہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کلام ربانی کی کچھ آیتیں سن کر واپس گئے، ان کے بھائی نے پوچھا کہ تم نے کیسا پایا، انہوں نے جواب دیا کہ قریش کہتے ہیں کہ وہ شاعر ہیں، ساحر ہیں، کاہن ہیں، ہم نے کاہنوں کا کلام سنا ہے، یہ ان کی بولی نہیں، ہم نے شعر کے ایک ایک وزن کو دیکھ لیا ہے، وہ شاعر

[1] بخاری شریف [2] استیعاب ابن عبدالبر ترجمہ لبید۔

بھی نہیں ہے، خدا کی قسم! محمدؐ سچے اور قریش جھوٹے ہیں[1]۔

ضماد ازدی ایک صاحب تھے جو جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے، وہ یہ سن کر کہ محمدؐ نعوذ باللہ، دیوانے ہو گئے ہیں، آپؐ کے علاج کے لئے آئے، آپؐ نے مختصر سی حمد اور کلمۂ شہادت پڑھا، وہ سن کر متحیر ہو گئے، تین دفعہ پڑھوا کر سنا، پھر کہا کہ خدا کی قسم! میں نے کاہنوں کی بولی اور جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سنے ہیں لیکن تمہارا کلام کچھ اور ہی ہے، یہ تو سمندر تک میں اثر کر جاتے گا[2]۔ جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل اور قریش کے دیگر اکابر جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ محمدؐ کی تحریک روز بروز زور پکڑتی جاتی ہے، کسی ایسے آدمی کو تلاش کرنا چاہیے جو جادو، کہانت اور شعر کہنا جانتا ہو، تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ کیا ہے؟ قریش کے سردار عتبہ بن ربیعہ نے کہا کہ میں یہ سب کچھ جانتا ہوں، کہو تو میں جا کر دیکھوں، چنانچہ آستانۂ نبوی میں آ کر اس نے صلح کے کچھ شرائط پیش کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں سورۂ فصلت پڑھنی شروع کی، کچھ ہی آیتیں پڑھی تھیں کہ اس نے آپؐ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ قرابت کا واسطہ بس کرو، واپس پھرا تو چند روز تک گھر سے باہر نہیں نکلا۔ ابوجہل نے جا کر کہا، کیوں عتبہ! محمدؐ کے یہاں کھانا کھا کر پھسل گئے۔ عتبہ نے کہا، تم جانتے ہو کہ میں سب سے زیادہ دولت مند ہوں، مجھ کو دولت کی طمع دامن گیر نہیں ہو سکتی، لیکن محمدؐ نے میرے جواب میں جو کلام پیش کیا وہ نہ شعر تھا، نہ کہانت تھی، نہ جادو، میں نے ایسا کلام کبھی نہیں سنا، انہوں نے جو کلام پڑھا اس میں عذاب الٰہی کی دھمکی تھی، میں نے ان کو قرابت کا واسطہ دیا کہ چپ ہو جائیں، میں ڈرا کہ تم پر عذاب نہ آ جائے، لوگوں نے کہا، محمدؐ نے اپنی زبان سے عتبہ پر جادو کر دیا[3]۔

ولید بن مغیرہ قریش میں بڑا دولت مند اور صاحب اثر تھا، وہ ایک دفعہ آپؐ کی خدمت میں آیا اور فرمائش کی کہ کچھ پڑھ کر سنایئے، آپؐ نے چند آیتیں پڑھیں، اس نے مکرر پڑھوا کر سنیں، آخر بے خود ہو کر بولا، خدا کی قسم! اس میں کچھ اور ہی شیرینی اور تازگی ہے، اس نخل کی شاخوں میں پھل اور اس کا تنا بھاری ہے، یہ کسی انسان کا کلام نہیں[4]۔

بنو ذہل بن شیبان کے سردار مفروق کے سامنے آپؐ نے چند آیتیں پڑھیں تو گو وہ مسلمان نہ ہوا مگر کلام الٰہی سے متاثر ہوا[5]۔

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے جب سورۂ مریم کی تلاوت کی تو اس پر رقت طاری ہو گئی اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر کہا، خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں[6]۔

---

[1] صحیح مسلم اسلام ابی ذر [2] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ [3] کتاب التفسیر ابن مردویہ، مسند ابو یعلیٰ و سیرت ابن اسحاق، اخیر فقرہ صرف سیرت ابن اسحاق میں ہے [4] مصنف عبدالرزاق مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۵۰۶ میں یہ اور اوپر کا واقعہ دونوں مل جل گئے ہیں [5] روض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام جلد اول ص ۲۹۴ مطبوعہ مصر [6] مسند احمد حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۰۲ و مستدرک حاکم ج ۲ صفحہ ۳۱۰۔

اس قسم کے اور بعض واقعات ابن اسحاق نے "سیرت" میں نقل کئے ہیں۔ پہلی جلدوں میں پڑھ چکے ہیں کہ لوگ کیونکر قرآن مجید کی آیتیں سن کر متاثر ہو جاتے تھے، حضرت عمرؓ کا دل ایک سورہ کی چند آیتیں پڑھ کر اور سن کر[1] پتھر سے موم ہو گیا، حضرت جبیرؓ بن مطعم اسیرانِ بدر کو چھڑانے آئے تھے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ طور کی ایک دو آیتیں سن لیں تو حلقہ بگوش اسلام ہو گئے[2]۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ کے کانوں میں اتفاقیہ قرآن مجید کی چند آیتیں پہنچ گئیں تو مسلمان ہو گئے[3]۔ طائف کے سفر میں حضرت خالد العدوانیؓ نے آپؐ کو والسماء والطارق پڑھتے سنا تو گو وہ اس وقت مسلمان نہ ہوئے، مگر پوری سورہ ان کے دل میں گھر کر گئی، یعنی یاد ہو گئی[4]۔

حبش سے بیس آدمیوں کی ایک جماعت حاضرِ خدمت ہوئی۔ آپؐ نے ان کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے[5]۔ حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت ابو سلمہؓ، حضرت ارقم بن ارقمؓ یہ تینوں اصحاب اسی کی کشش مقناطیسی سے کھنچ کر حلقۂ اسلام میں آئے تھے، اور تو اور خود مہبطِ وحی اور حاملِ کلام ربانی کا کیا حال تھا؟ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے ایک دفعہ قرأت شروع کی تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے[6]۔ ایک اور موقع پر قرآن مجید کی چند آیتیں زبانِ مبارک سے ادا ہوئیں اور اس کے بعد آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔

کلام کی یہ شیرینی، یہ رنگینی، یہ تاثیر، یہ تسخیر جو دوست و دشمن، موافق و مخالف، شاہ و گدا، عالم و جاہل، پیغمبر و امت سب کو یکساں فریفتہ کرتی ہے، اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟ حکماء، فلاسفہ، علماء، اہل لغت، مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیاء، شعراء، متکلمین، غرض نوعِ انسانی کی وہ کون سی صنف ہے جس نے ایک امی کی زبان سے ادا ہونے والے پیغام کے عشق و محبت میں اپنا سرمایۂ حیات قربان نہیں کر دیا اور جن کو اس کلام کی تشریح و تفصیل اور تحقیق و توضیح کے خدمات کی لذت میں دنیا کی تمام نعمتیں ہیچ نظر آئیں، کیا یہ اعجاز نہیں؟

غور کیجئے کہ ایک امی محض جو امیوں کی ہی گودوں میں پلا اور پل کر جوان ہو کر اس نے ہوش سنبھالا تو گرد و پیش تاریکیوں اور ظلمتوں کے سوا اس کو کچھ نظر نہ آیا، علوم و فنون اور تمدن و تہذیب سے ایک عاری ملک، عاری شہر، اور عاری خاندان کے اندر نشو و نما پائی، جہاں اہل فکر اور اربابِ عالم کا وجود نہ تھا، وہ خود اس کا خاندان اور اس کا وطن نوشت و خواند کے نقوش و حروف سے آشنا نہ تھا اور گزشتہ صحفِ انبیاء اور افکار عالیہ کا ایک حرف اس کے کان میں کبھی نہیں پڑا، علماء اور دانشوروں کی صحبت اس نے نہیں اٹھائی، اصولِ قانون، مبادی

---

[1] ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۹۱ حصہ اول و ابو یعلیٰ و حاکم و بیہقی [2] مسند ابن حنبل ج ۱ صفحہ ۷، [3] صحیح بخاری تفسیر سورۂ طور [4] مسند ابن حنبل ج ۱ صفحہ ۲۱۸ [5] استیعاب تذکرہ طفیل بن دوسی [6] مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۳۳۵ [7] و سیرت ابن ہشام [8] اسد الغابۃ تذکرہ ابو سلمہؓ بن عبدالاسد [9] صحیح بخاری تفسیر فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید [10] صحیح مسلم باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ۔

اخلاق، محاسن علم وعمل کی کوئی ظاہری تعلیم اس کو نہیں ملی، بلکہ مدرسۂ علم وحکمت کے سایۂ دیوار تک کبھی اس کا گزر نہیں ہوا اور اسی طرح وہ اپنی زندگی کے چالیس دورے پورے کرتا ہے کہ دفعۃً غارِ حرا کے ایک دہانے سے اجالا ہوتا ہے، علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کا سرچشمہ اُبلتا ہے، ظاہری نوشت وخواند کے نقوش وحروف کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے، صحفِ انبیاء اور افکارِ عالیہ کے اوراق اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں، اس کے پرتوِ صحبت سے اُمی اور جاہل، علمائے دہر اور دانشورانِ روزگار بن کر نکلنے لگتے ہیں، اصولِ قانون، مبادیِ اخلاق اور محاسنِ علم وعمل کی تعلیم کا غلغلہ اس کی بزمِ فیض کے گوشہ گوشہ سے بلند ہوتا ہے، کلامِ ربانی کے پردے میں علم وحکمت کے پوشیدہ اسرار فاش ہونے لگتے ہیں، اس سے زیادہ قرآن مجید کے معجز ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

توراۃ قانون وشریعت ہے لیکن اخلاق وموعظت نہیں۔ انجیل اخلاق وموعظت ہے لیکن قانون شریعت نہیں، زبور مخاطبات قلبی اور دعاؤں کا مجموعہ ہے، لیکن دیگر صفات سے خالی، مسیح کے صحیفے میں خطابت کی ہنگامہ آرائیاں ہیں، مگر استدلال اور فکر ونظر کی دعوت نہیں، صحفِ بنی اسرائیل پیشین گوئیوں سے لبریز ہیں مگر دقائقِ حکمت اور اسرارِ ایمان وعمل سے خالی ہیں، دنیا میں ایک ہی کتاب الٰہی ہے جو قانون وشریعت بھی ہے اور اخلاق وموعظت بھی، مخاطباتِ قلبی اور دعاؤں کا گنجینہ بھی ہے اور دیگر کتبِ الٰہیہ کی مجموعی صفتوں کی حامل بھی۔ خطابت بھی ہے اور استدلال وفکر بھی، اظہارِ غیب اور پیشین گوئیوں سے لبریز بھی ہے اور دقائقِ حکمت واسرارِ ایمان وعمل سے معمور بھی، اور ان سب کے ساتھ عین اس وقت جب اور کتبِ الٰہی تحریف وتغییر اور تراجم وتعبیر سے اپنی اصل زبان اور اصلی الفاظ کھو چکی ہیں، اس کی بقاء اور حفاظت کی یہ ذمہ داری کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی اس کے ایک لفظ، ایک حرف، ایک نقطہ میں تغیر وتبدل نے راہ نہیں پائی وہ اپنی زندگیِ جاوید کے لئے کاغذ کے نقوش وحروف کی محتاج نہیں کہ لاکھوں انسانوں کے سینے اس خزانہ کے صندوق ہیں اور وہ اسی زبان اور ان ہی الفاظ اور ان ہی حروف کے قالب میں اب تک جلوہ گر ہے جس میں دستِ قدرت نے اس کو ڈھالا تھا اور جبریلِ امین نے اس کو اتارا تھا اور محمد عربی ﷺ نے اس کو اُمت کے ہاتھوں میں سونپا تھا، کیا یہ اعجاز نہیں؟

یہیں سے یہ نکتہ بھی حل ہوتا ہے کہ قرآن مجید اپنی تعلیمات اور معانی کے ساتھ ساتھ اپنے الفاظ کلمات اور عبارت میں بھی معجزہ ہے اور اس کی فصاحت وبلاغت کے معجزانہ کمال کی دوسری آسمانی کتابیں حریف نہیں بن سکتیں، کیونکہ دوسری آسمانی کتابیں اپنے الفاظ کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے وحی ہیں، چنانچہ نہ تو خود ان کتابوں کو اور نہ ان کے ماننے والوں کو اس کا دعویٰ ہے اور نہ کبھی انہوں نے اپنی کتابوں کو کلام وعبارت کے لحاظ سے معجز کہا ہے، چنانچہ اسی لئے وہ اصل الفاظ اور زبان جس کے قالب میں وحیِ موسوی (توراۃ) اور عیسوی (انجیل) نے ظہور کیا، مدت ہوئی کہ دنیا ان سے محروم ہو گئی۔ توراۃ کی اصلی عبرانی زبان جو حضرت موسیٰ کی زبان سے نکلی تھی وہ بخت نصر کی آگ کی نذر ہو گئی اور اس نے آرامی اور

سریانی زبان کا قالب اختیار کر لیا اور آخر صدہا سال کے بعد حضرت عزیر نے پھر اس کو عبرانی زبان میں منتقل کیا، انجیل کے متعلق ابھی تک یہی طے نہیں ہوا کہ اس کی اصل زبان کیا تھی؟ اور انجیل پہلے پہل کس زبان میں لکھی گئی تھی؟ انجیل کی سب سے قدیم زبان یونانی زبان ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ وہ زبان نہیں جو حضرت عیسیٰ فلسطین کے ملک میں بولتے تھے، ایسی حالت میں ان کتابوں کی فصاحت وبلاغت کے اعجاز اور اس کے الفاظ کے من جانب اللہ ہونے کا دعویٰ کیونکر کیا جا سکتا ہے، برخلاف اس کے دنیا میں "وحیِ محمدی" سب سے پہلی اور سب سے آخری کتاب ہے جس نے اس حیثیت سے اپنے اعجاز کا دعویٰ کیا، چنانچہ قرآن مجید کا حرف حرف اور لفظ لفظ وحی ہے اور وہی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوا، اور وہ ہر قسم کی تحریف وتغیر سے پاک ہے، اس لئے اس کے الفاظ، کلمات اور عبارات تک معجزہ ہیں اور اس وصف میں دنیا کی کوئی آسمانی کتاب اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔[1]

*

---

[1] یہاں مسئلہ اعجاز القرآن پر بحث مقصود نہیں، یہ مباحث مفصل آئندہ کسی جلد میں آئیں گے، یہاں صرف سلسلۂ معجزات میں اس کا محض تذکرہ مقصود تھا۔

اُمّیت

یعنی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری تعلیم اور نوشت و خواند کے داغ سے پاک ہونا

اَلرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ (اعراف)

یہ واقعہ محتاجِ بیان نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری تعلیم اور نوشت و خواند کے داغ سے پاک تھے، قرآن مجید نے متعدد موقعوں پر اس واقعہ کا اظہار کیا ہے، چنانچہ سورۂ اعراف میں ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ۔

یہ مسلمان وہ ہیں جو اَن پڑھ پیغمبر اور فرستادہ الٰہی کی پیروی کرتے ہیں۔

اسی سورہ میں پھر اس کے بعد ہی ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ۔

تو لوگو! خدا پر اور اس کے ان پڑھ پیغمبر اور فرستادہ پر ایمان لاؤ۔

سورۂ جمعہ میں نہ صرف آپ کے اُمّی بلکہ اغلب آبادی کی حالت کے لحاظ سے تمام قریش اور عرب کے اُمّی ہونے کا اظہار ہے۔

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ (جمعہ)

اسی خدا نے امیوں کے درمیان ان ہی میں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا۔

دوسری جگہ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ (عنکبوت-۵)

اور قرآن کے نزول سے پہلے اے پیغمبر نہ تو تم کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو یہ باطل پرست شک کر سکتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا انسانی تعلیم سے پاک ہونا بھی مصلحت الٰہی کا ایک خاص منشا تھا، اسی لئے اس کے بعد ہی ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّہٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی

اور معترضین کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانیاں کیوں نہیں اتریں کہہ دے کہ نشانیاں خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور میں تو صرف خدا سے ڈرانے والا ہوں، کیا ان معترضین کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر (وہ) کتاب

عَلَیْھِمْ (عنکبوت-۵)

اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں اس کا اظہار ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری زبان سے آج گزشتہ پیغمبروں، اگلی امتوں اور عہد ماضی کے واقعات ادا ہوتے ہیں ان واقعات اور حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے تین ہی ذریعے انسان کے ہاتھ میں ہیں، ایک یہ کہ وہ اس واقعہ کے وقت موجود ہو، دوسرا یہ کہ ان حالات کو کتابوں میں پڑھے، تیسرا یہ کہ اوروں سے سنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اطلاع کے ان ذرائع سے ناآشنا تھے، اول ذریعہ تو ظاہر ہے کہ مفقود تھا، قرآن مجید سے آدم سے مولد نبوی تک کے تمام واقعات بیان کئے گئے ہیں آپ کی پیدائش سے پہلے وقوع پذیر ہوئے تھے اور آپ کے پاس ان کے علم کا کوئی ظاہری ذریعہ نہ تھا، اسی لئے قرآن مجید نے متعدد مواقع مثلاً حضرت مریم اور حضرت زکریا کے قصہ میں کہا ہے۔

ذٰلِکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْہِ اِلَیْکَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْھِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَھُمْ اَیُّھُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْھِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ۔ (آل عمران-۵)

یہ گزشتہ زمانہ کی خبروں میں سے ہے جس کو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں تو ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھا جب وہ اپنا اپنا قلم ڈال رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے گا اور تو ان کے پاس اس وقت تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے۔

حضرت موسیٰ کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا کُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَآ اِلٰی مُوْسَی الْاَمْرَ وَمَا کُنْتَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَلٰکِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیْھِمُ الْعُمُرُ وَمَا کُنْتَ ثَاوِیًا فِیْٓ اَھْلِ مَدْیَنَ تَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِنَا وَلٰکِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ وَمَا کُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَیْنَا وَلٰکِنْ رَّحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ (قصص-۵)

جب ہم نے موسیٰ کو اپنا فیصلہ دیا تو تو اس وقت مغربی گوشہ میں موجود نہ تھا بلکہ ہم نے صدیاں اس پر گزار دیں، قومیں پیدا کیں جن کی بڑی بڑی عمریں ہوئیں اور نہ تو اہل مدین میں قیام پذیر ہو کر آیات الٰہی ان کو پڑھ کر سناتا تھا، بلکہ ہم آئندہ تم کو بھیجنے والے تھے اور نہ تو اس وقت گوشۂ طور میں تھا جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی بلکہ (اس قصہ کا علم جو تجھ کو حاصل ہو رہا ہے) محض تیرے پروردگار کی رحمت ہے۔

حضرت یوسف کے قصہ میں فرمایا۔

ذٰلِکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْہِ اِلَیْکَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْھِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَھُمْ۔ (یوسف-۱۱)

یہ اس گزشتہ زمانہ کا قصہ کا علم ہم تم کو اپنی وحی سے عطا کر رہے ہیں تو اس وقت ان میں موجود نہ تھا جب وہ باہم مشورہ سے بات کر رہے تھے۔

علم کا دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ کتابوں کو پڑھ کر اطلاع حاصل ہو، قرآن مجید نے اس کی بھی نفی کی۔

وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ (عنکبوت-۵)

نہ تو تو اس سے پہلے کوئی کتاب پڑھ کر سناتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے تو اس کو لکھ سکتا تھا۔

مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ۔ (شوری-۵)

تجھ کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کس کو کہتے ہیں۔

تیسری صورت یہ تھی کہ دوسروں سے سن کر یہ علم حاصل کیا جائے، سب کو معلوم ہے کہ نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمام تر مکہ معظمہ میں گزری، بجز اس کے کہ چند مہینے بصریٰ وغیرہ کے سفر تجارت میں گزرے ہوں، اور خود مکہ معظمہ میں نہ ان واقعات کا کوئی واقف کار تھا اور نہ قریش کو ان سے آگاہی تھی، اسلئے یہ ذریعہ علم بھی ثابت نہیں چنانچہ قرآن مجید نے علی الاعلان کہا۔

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا (ہود-۴)

یہ گزشتہ زمانہ کی باتیں ہیں جن کی بذریعہ وحی ہم تجھ کو تعلیم کرتے ہیں، تو خود اور تیری قوم اس سے پہلے آگاہ نہ تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو زندگی مکہ معظمہ میں گزری اور سفر تجارت میں قریش کے شامی قافلوں کے ساتھ جو زمانہ بسر ہوا، اس کا ایک ایک واقعہ قریش کے سامنے تھا، جب آپ مکہ میں تھے تب بھی آپ قریش کے مجمع میں تھے اور جب کبھی مکہ سے باہر گئے تو بھی قریش ہی کے جھرمٹ میں رہے، اس لئے آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ ان سے مخفی نہ تھا، اگر آپ نے کوئی ظاہری تعلیم پائی ہوتی تو شاعر و مجنون و ساحر کی طرح وہ اس الزام کا اظہار بھی کر سکتے تھے، مگر انہوں نے نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اس بات کا یقین تھا کہ محمد کا سینہ ظاہری تعلیم کے عیب سے داغدار نہیں، چنانچہ قرآن مجید نے بآواز بلند کہا۔

قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس-۲)

اگر خدا کو منظور ہوتا تو میں تم کو نہ یہ قرآن پڑھ کر سناتا اور نہ خدا تم کو اس قرآن سے آگاہ کرتا، اس سے پہلے میں مدتوں تم میں رہ چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے۔

قرآن مجید نے ان تمام شکوک و الزامات کو دہرایا ہے، ان کو یہ شک تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے سے سن کر یہ قرآن پیش کرتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید نے ان کے اس اعتراض کو نقل کیا اور اس کا جواب دیا۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ (نحل-۱۴)

اور ہم کو بہ تحقیق معلوم ہے کہ یہ کفار کہتے ہیں کہ محمدؐ کو کوئی آدمی سکھاتا ہے، اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ فصیح عربی زبان ہے۔

سورۂ فرقان میں چند آدمیوں کی شرکت کا شبہ مذکور ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا (فرقان-۱)

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن من گھڑت چیز ہے جس کو محمدؐ نے گھڑ لیا ہے اور اس افترا پردازی میں چند اور آدمی بھی شریک ہیں وہ یقیناً غلط اور جھوٹ کہتے ہیں۔

یہ سب شبہات کئے گئے مگر کفار نے کبھی یہ شبہ نہیں ظاہر کیا کہ محمدؐ نے چپکے سے پڑھنا سیکھ لیا ہے اور دوسری آسمانی کتابیں پڑھ کر یہ قرآن بنا لیتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ آپ کی اُمیت پر ان کو یقین تھا، مدینہ آکر یہودیوں سے معاملہ پڑا، روایات میں بکثرت اس قسم کے واقعات مذکور ہیں کہ یہود آپ کے پاس آتے تھے اور آپ سے وہ سوالات کرتے تھے جو اُن کی کتابوں میں مذکور تھے اور کہتے تھے کہ ان کے جواب پیغمبر ہی دے سکتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے صحیح جوابات دیتے تھے اور وہ متحیر رہ جاتے تھے اس واقعہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ یہود کو بھی یہ یقین تھا کہ محمد رسول اللہ اُمی محض ہیں اور ہماری کتابوں کو نہ انہوں نے پڑھا ہے اور نہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ اس جرأت کے ساتھ وہ اپنی کتابوں کے سوالات اس شخص کے سامنے جس کی نسبت ان کو معلوم ہوتا کہ وہ ان کو پڑھ چکا ہے یا پڑھ سکتا ہے نہ پیش کرتے اور نہ اس کو حق و باطل کا معیار قرار دیتے۔

قریش کو جس شخص کی نسبت شبہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھاتا ہے، اس کے متعلق امام طبری نے تفسیر میں مختلف روایتیں نقل کی ہیں جن سے اس کی شخصیت اور نام کے متعلق کوئی صحیح فیصلہ نہیں ہو سکتا، تاہم مجموعی حیثیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں کوئی نصرانی غلام تھا جو اپنی زبان میں کتب مقدسہ کبھی کبھی پڑھا کرتا تھا اور آپ راستہ چلتے اس کے پاس کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے، اسی پر کفار نے کہا کہ محمد کو یہی قرآن کی آیتیں سکھاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس غلام کی، اور جو کتابیں وہ پڑھا کرتا ہے ان کی زبان عربی نہیں اور نہ وہ عربی جانتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عربی کے سوا کوئی اور زبان نہیں جانتے اور خود قرآن کی زبان فصیح عربی ہے، یہ کیونکر ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیر زبان کو سمجھیں اور وہ عجمی غلام قرآن جیسی فصیح زبان میں کلام کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو آپ کے چچا ابو طالب اپنے ساتھ شام لئے جا رہے تھے، راستہ میں بحیرا نام ایک راہب نے آپ کو دیکھا اور آثار سے پہچان لیا کہ آپ ہی پیغمبر آخر الزمان ہیں، چنانچہ اس نے ابو طالب کو مشورہ دیا کہ ان کو مکہ واپس بھیج دو، ورنہ اگر یہود دیکھ لیں گے تو قتل کر ڈالیں گے، اگرچہ یہ واقعہ جیسا کہ سیرت نبویؐ جلد اول (شام کا سفر) میں بہ تفصیل لکھا جا چکا ہے، صحیح نہیں ہے، تاہم ہمارے عیسائی احباب اس ضعیف روایت پر اپنے شکوک و شبہات کی عظیم الشان عمارت قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اسی راہب کی صحبت سے فیض حاصل کیا، اگر یہ صحیح ہے تو دنیا کے لئے اس سے بڑا معجزہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور کیا چاہیئے کہ ایک ابجد ناشناس طفل دوازدہ سالہ نے چند گھنٹوں میں حقائق و اسرار دین، اصول عقائد، نکات اخلاق، مہمات قانون اور ایک "شریعت عظمیٰ" کی تکمیل و تاسیس کے طریقے سب کچھ سیکھ لئے، کیا ہمارے عیسائی دوست اس معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ زندگی پورے ۲۳ برس تک

قائم رہی، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی انسانی معلم سے فیض پاتے رہتے تو ضرور تھا کہ وہ اس پورے زمانہ تک یا بڑی حد تک خلوت و جلوت میں آپ کے ساتھ رہتا کہ وقتِ ضرورت (نعوذ باللہ) آپؐ اس سے قرآن بنواتے، احکام و مواعظ سیکھتے، اسرار و نکات معلوم کرتے اور یہ شخص یقیناً مسلمان نہ ہوتا، کیونکہ جو شخص خود مدعیٔ نبوت کو تعلیم دے رہا ہو وہ کیونکر اس کی نبوت کو تسلیم کر سکتا تھا، اور پھر اس شہرتِ عام، ذکرِ جمیل، رفعتِ مقام کو دیکھ کر جو مدعیٔ نبوت کو حاصل ہو رہی تھی وہ خود پردہ کے پیچھے گمنامی پسند کرتا اور صحابہ کرامؓ کی نگاہوں سے اس کا وجود ہمیشہ مستور رہتا، جس عجمی کی نسبت قریش کو شبہ تھا، اگر حقیقت میں آپؐ اس سے تعلیم حاصل کیا کرتے تو قریش جو آپؐ کی تکذیب، تذلیل اور آپؐ کو خاموش کرنے کی ہر تدبیر پر عمل پیرا ہو رہے تھے، ان کے لئے آسان تھا کہ اس غلام عجمی کو الگ کر دیتے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وحی اور قرآن کا تمام کاروبار دفعتاً درہم برہم ہو جاتا، علاوہ ازیں زیادہ سے زیادہ، اس کا وجود مکہ میں تھا، پھر مدینہ میں ۱۳ برس تک سینۂ نبوت سے فیضانِ الٰہی کا سرچشمہ کیونکر اُبلتا رہا، قرآن مجید شریعتِ اسلام اور احکام کا بڑا حصہ یہیں وحی ہوا ہے، مکہ میں تو نسبتاً بہت کم سورتیں نازل ہوئی ہیں۔

جب مدینہ منورہ میں اسلام کا چرچا پھیلا تو یہود و نصاریٰ نے اسلام کو بدنام اور بے اثر کرنے کی ایک تدبیر یہ سوچی کہ لوگ جھوٹ موٹ آکر پہلے مسلمان اور پھر چند روز کے بعد ہی مرتد ہو جائیں تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بدنامی ہو اور لوگوں کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اس کو قبول کر کے کوئی کیوں چھوڑ دیتا؟

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّھَارِ وَاکْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ (آل عمران-۸)	اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو اترا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس سے پھر جاؤ شاید کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر جائیں۔

چنانچہ اسی سازش کے مطابق ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا، اور سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت وحی کی خدمت اس کے سپرد کی، چند روز کے بعد وہ مرتد ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے محمدؐ کو جو کچھ لکھ دیا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے، خدا نے اپنی نشانی ظاہر کی اور موت نے بہت جلد اس کی افترا پردازی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا[1]، اور دنیا نے دیکھ لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ نبوت کا چشمہ اب بھی اسی طرح جوش زن ہے۔

صلح حدیبیہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان عہد نامہ مرتب ہو رہا تھا حضرت علیؓ عہد نامہ لکھ رہے تھے، عہد نامہ کی عبارت یہ تھی کہ "یہ وہ شرائط ہیں جن کو خدا کے رسول محمدؐ نے منظور کیا"، قریش نے کہا، اگر ہم آپ کو خدا کا رسول مانتے تو اس لڑائی کی نوبت ہی کیوں آتی؟ اس لفظ کو مٹا کر

[1] صحیح بخاری علامات النبوۃ فی الاسلام۔

اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھئے، آپؐ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ ان کی حسبِ خواہش ترمیم کر دو، حضرت علیؓ نے کہا، مجھ سے یہ گستاخی نہیں ہو سکتی، آپ نے پوچھا وہ الفاظ کہاں ہیں، حضرت علیؓ نے انگلی رکھ کر بتایا تو آپؐ نے خود اپنے دستِ مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا، اور محمد بن عبد اللہ لکھ دیا، یہ واقعہ بخاری، مسلم، نسائی، مسند ابن حنبل، اور تمام کتبِ سیر میں مذکور ہے، اسی کے ساتھ بخاری میں یہ تصریح[1] ہے کہ ولیس یحسن یکتب اور مسند احمد میں بروایت اسرائیل یہ الفاظ ہیں ولیس یحسن ان یکتب یعنی آپؐ لکھنا نہیں جانتے تھے، لیکن باوجود اس کے تمام احادیث و سیر میں یہ ہے کہ آپؐ نے محمد بن عبد اللہ کے الفاظ لکھ دیئے، روایت کے ظاہری معنی سے بعضوں کو یہ شبہ ہوا کہ آپ نے خود اپنے دستِ مبارک سے یہ الفاظ لکھے اور آپؐ نے شاید اخیر زمانہ میں لکھنا سیکھ لیا تھا، ابن ابی شیبہ نے مجاہد کے واسطے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک آپؐ کو لکھنا پڑھنا آ گیا، اور ایک اور روایت (بواسطہ یونس بن میسرہ عن ابی کبشۃ السلول عن سہل بن الحنظلیہ) نقل کی ہے کہ آپؐ نے حضرت امیر معاویہؓ سے ایک فرمان لکھوا کر اقرع اور عیینہ کو عنایت فرمایا، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا کہ معلوم نہیں اس میں کیا لکھا ہے؟ آپ نے اس پر ایک نظر ڈال کر فرمایا۔ وہی لکھا ہے جو میں نے حکم دیا ہے؟

اگر یہ روایتیں صحیح ہیں تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور معجزہ ہو گا کہ انسانی تعلیم کے بغیر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ فن بھی اپنی بارگاہ سے عنایت کیا، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایتیں تمام تر موضوع یا نہایت ضعیف ہیں، اس لئے آپؐ کی اُمیت کے متعلق جو متواتر روایتیں ہیں ان سے ان کی تنسیخ نہیں ہو سکتی، یہ ممکن ہے کہ اُمی سے اُمی آدمی کے ہاں جب شب و روز لکھنے پڑھنے کا کام لگا رہے تو وہ کسی قدر حرف شناس ہو جائے، بخصوصاً اپنے نام اور دستخط کو پہچان لینا اور ان کو لکیر کھینچ کر لکھ دینا تو معمولی بات ہے، لیکن اصل یہ ہے کہ فاعل مجازی و حقیقی فرامین اور مراسلات لکھاتے ہیں، محاورۂ عام میں ان کو لکھنا بھی کہتے ہیں، آپ کہتے ہیں کہ عالمگیر نے یہ فرمان لکھ کر دیا، شاہجہان نے جامع مسجد بنوائی، فلاں بادشاہ نے یہ قلعہ تعمیر کیا، حالانکہ لکھنے والے، بنانے والے اور تعمیر کرنے والے کاتب اور معمار تھے، مگر چونکہ ان سلاطین کے حکم سے اور ان ہی کی طرف سے وہ لکھا یا بنایا گیا، اس لئے بولنے والے خود سلاطین اور امراء کی طرف فعل کی نسبت کر دیتے ہیں، چنانچہ اسی محاورہ کے مطابق اس موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین عالم کے نام دعوت نامے بھیجے ہیں تو وہاں عام طور پر یہ الفاظ ہیں وکتب الی قیصر وکتب الی کسریٰ۔ آپ نے قیصر کو یہ خط لکھا، کسریٰ کو یہ لکھا، مگر سب کو معلوم ہے کہ آپ نے دستِ خاص سے یہ خطوط لکھ کر نہیں بھیجے، مگر چونکہ آپ ہی نے لکھوائے تھے، اس لئے ان کی نسبت آپؐ ہی کی طرف کی گئی۔

روزمرہ کی بات ہے کہ ہندوستان کے ادنیٰ طبقے جو نوشت و خواند سے عاری ہیں، وہ اپنے اعزہ

[1] صحیح بخاری باب عمرۃ القضاء۔

اور احباب کو خط لکھاتے ہیں، مگر کہنے والے اس کو یوں ہی کہتے ہیں کہ اس نے خط میں لکھا ہے کہ میں آنے والا ہوں، حالانکہ وہ خود لکھنے والا نہیں، اس نے دوسروں سے لکھایا ہے، مگر چونکہ لکھنے والے نے اپنا مدعا نہیں لکھا، بلکہ لکھانے والے کی زبان سے اس کا مدعا ظاہر کیا ہے، اس لئے اسی کی طرف فعل کی نسبت کردی گئی۔

قرآن پاک نے آپ کو بار بار اور برملا اُمّی کہا ہے، اس سے زیادہ ثبوت اس کا اور کیا چاہیئے، لیکن آپ اُمّی ہوکر، اُمّیوں میں پل کر کتبِ سابقہ کی ظاہری تعلیم سے ناآشنا ہوکر بھی سب کچھ جانتے تھے، اور یہ آپ کا معجزہ تھا، کفار کو خطاب کرکے قرآن کہتا ہے کہ محمدؐ کی صداقت کی یہ دلیل کافی نہیں کہ وہ ناآشنائے تعلیم ہوکر بھی وہ کچھ جانتا ہے جس کی علمائے بنی اسرائیل کے سوا اور کسی کو خبر نہیں۔

اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ۔ (شعراء-۱۱)	یہ باتیں گزشتہ پیغمبروں کی کتابوں میں ہیں، کیا ان کافروں کیلئے یہ نشانی نہیں کہ ان باتوں کو جو ایک امّی کی زبان سے ادا ہورہی ہیں، بنی اسرائیل کے عالم جانتے ہیں۔

*

ذاتِ نبویؐ کی حفاظت

وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔

انبیائے کرامؑ جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو وہ دنیا کی جہالت وظلمت، جور وستم، گناہ ومعصیت کے خلاف اپنا جہاد شروع کردیتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہزاروں انسان اُن کے دشمن بلکہ ان کے خون کے پیاسے ہوجاتے ہیں، اس تنہائی وبے کسی کے عالم میں جس سے ہر مصلح کو آغاز دعوت میں دوچار ہونا پڑتا ہے صرف اسی قادر وتوانا کا ہاتھ ہوتا ہے جو اُن کی تسکین ونصرت کا سہارا ہوتا ہے، حضرت ابراہیمؑ نمرود کے دربار میں اور حضرت موسیٰؑ فرعون کی بارگاہ میں، حضرت عیسیٰؑ رومیوں اور یہودیوں کی عدالت میں ایک ہی گناہ کے مجرم تھے، مگر چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس پیغام کی بقاء وقیام کا جس کے لئے وہ پیغمبر کو مبعوث کرتا ہے خود ذمہ دار ہوتا ہے، اس لئے اس بے کسی وبے چارگی کے عالم میں اس کی زندگی کا وہی محافظ اور نگہبان بن جاتا ہے، وہ بے خوف وخطر اپنے فرائض کو انجام دے سکیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع ہی میں تسکین دے دی گئی تھی۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا۔ (طور-۲)	اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر کئے بیٹھا رہ کر تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت کا آغاز کیا تو مکہ کا بچہ بچہ آپ کا دشمن ہوگیا، آپ کو طرح طرح کے آزار پہنچائے گئے، آپ کے خلاف سینکڑوں منصوبے باندھے گئے، آپ کے قتل کی سازشیں ہوئیں، تلواریں زہر میں بجھا کر رکھی گئیں، سوتے میں آپ کے قتل کا ارادہ کیا گیا، میدان جنگ میں آپ پر نرغہ کیا گیا، کمین گاہوں سے آپ پر حملے کئے گئے، غفلت میں آپ کے سر پر پتھر گرانے کی تدبیر سوچی گئی، کھانے میں زہر دیا گیا، مگر ہر موقع پر یہ ظاہر ہوا کہ ع

دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است

اور قرآن مجید کا یہ اعلان صحیح ثابت ہوا۔

اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ۔ (اسراء-)	تیرے پروردگار نے لوگوں کو گھیر رکھا ہے کہ تجھ پر دسترس پائیں۔

یہ خود ایک مستقل معجزہ ہے کہ ان ہنگاموں، فتنوں اور سازشوں کے عالم میں خصوصاً عرب کے ملک میں جہاں اقتدار حکومت یا نظامِ امن کا نام ونشان تک نہ تھا، کیونکر آپ نے بحفاظت تمام اپنے فرض کو انجام تک پہنچایا۔

قریش کی مجلسیں اکثر خانہ کعبہ میں منعقد ہوا کرتی تھیں اور اکثر وہیں ان کی نشست و برخاست رہا کرتی تھی تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز اور طواف کے لئے بے خوف و خطر وہیں تشریف لے جایا کرتے اور برملا اُن کے دیوتاؤں اور بُتوں کی برائیاں بیان کیا کرتے تھے، آخر قریش نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ نعوذ باللہ آپ کا خاتمہ کر دیں، یہ خبر آپ تک پہنچتی ہے مگر اس سے آپ کے ارادہ میں کسی قسم کا وہن یا ضعف نہیں پیدا ہوتا۔ ایک دن قریش نے یہ طے کیا کہ آج محمدؐ کی بوٹی بوٹی اڑا دی جائے، اتفاق سے کفار کی یہ تقریر حضرت فاطمہؓ سن لیتی ہیں وہ روتی ہوئی باپ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں، آپ تسلی دیتے ہیں اور وضو کر کے حرم کی سمت روانہ ہو جاتے ہیں، دشمنوں کی نگاہیں آپ پر پڑتی ہیں، تو وہی نگاہیں جو اب تک خون آشامی کے لئے تیار تھیں، دفعۃً سرنگوں ہو جاتی ہیں، حاکم میں ہے کہ اس کے بعد آپ نے چند کنکریاں اٹھا کر ماریں جن کو یہ کنکریاں جا کر لگیں وہ بدر میں مارے گئے۔[1]

ایک دفعہ ابو جہل نے ارادہ کیا کہ اگر اب وہ آپ کو سجدہ میں دیکھے گا تو آپ کی پیشانی کو رگڑ دے گا، جب وہ اس ارادہ سے آگے بڑھا تو جھجک کر پیچھے لوٹ گیا، لوگوں نے دریافت کیا تو اس نے کہا مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے اور محمدؐ کے درمیان آگ کی خندق حائل ہے اور چند پردار ہستیاں کھڑی ہیں، آپ نے فرمایا اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے اڑا دیتے۔[2]

معلوم ہے کہ جس شب کو آپ نے ہجرت کا ارادہ کیا ہے، قریش کے تمام خاندان نے مل کر آپ کے قتل کا فیصلہ کر لیا تھا، قریش کے بہادر رات بھر خانۂ اقدس کا پہرہ دے رہے تھے، تاہم آپ ان کے سامنے سے نکلے، زبان مبارک پر یہ آیت پاک تھی۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (یسین)

اور ہم نے ان کے آگے اور پیچھے دیواریں کھڑی کر دیں (ان کی آنکھوں پر) پردہ ڈال دیا کہ وہ نہیں دیکھتے ہیں۔

پہرہ داروں کی آنکھوں پر قدرت نے مہر لگا دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے درمیان سے نکل کر چلے گئے، صبح ہوئی تو دشمن آپ کے تعاقب میں اس غار تک پہنچ گئے، جہاں آپ اور حضرت ابو بکرؓ جا کر چھپے تھے، وہ اس غار کے دہانہ تک پہنچ گئے اور اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو ان مقدس پناہ گزینوں پر ان کی نظر پڑ جاتی، مگر خدا نے ان کی عقل اور دور اندیشی کے نور کو بجھا دیا کہ نیچے جھک کر دیکھنے کا خیال تک ان کے دل میں نہیں آیا۔

کفار نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو محمدؐ کو گرفتار کر لائے یا اُن کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں ملیں گے، یہ سن کر سراقہ بن جعشم اپنے اسپ راہوار پر سوار ہو کر آپ کے تعاقب میں روانہ ہوا، اور دمبدم اس

---

[1] مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۱۶۳، حیدر آباد، مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۳۶۸ [2] صحیح مسلم باب قولہ تعالٰی وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ۔

مختصر قافلہ کے قریب ہو رہا تھا، حضرت ابو بکرؓ پر بتقاضائے بشری اضطراب طاری تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکینتِ خاطر میں کوئی فرق نہ آیا، آپ نے دعا کی، تین دفعہ اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس دھنس گئے، اس نے فال کے تیر نکال کے دیکھے تو ہر دفعہ نفی میں جواب آیا، بالآخر اس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی اور ہی راز ہے اور ذاتِ محمدیؐ ہماری گرفت سے باہر ہے، اس نے اپنے ارادۂ فاسد سے توبہ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خطِ امان لے کر واپس پھر گیا[1] اور بعد کو مسلمان ہو گیا۔

شروع شروع میں جب آپ مدینہ تشریف لائے تو صحابہ جاں نثاری کی بنا پر راتوں کو آپ کے گرد پہرہ دیا کرتے تھے، ایک رات صحابہؓ آپ کے خیمہ کے گرد پہرہ دے رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ)

اور اللہ ان لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔

آپ نے اسی وقت خیمہ سے باہر سر نکالا اور پہرہ والوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ لوگو! واپس جاؤ، خدا نے میری حفاظت کا فرض خود اپنے ذمہ لے لیا ہے[2]، یہ وعدۂ حفاظت ہزارہا مشکلات اور خطرات کے باوجود بھی پورا ہوتا رہا، غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ چکے تھے، اور ذاتِ مبارک دشمنوں کے نرغہ میں تھی اور آپ پر تیغ و تبر و سنگ کی بارش ہو رہی تھی، لیکن دو سفید پوش فرشتے آپ کے پاس کھڑے ہوئے آپ کی حفاظت کا فرض انجام دے رہے تھے۔[3]

ایک دفعہ ایک شخص کو لوگ گرفتار کر لائے، اور عرض کی کہ یہ حضورؐ کے قتل کی گھات میں تھا، فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو کہ اگر یہ مجھ کو قتل کرنا چاہتا بھی تو نہیں کر سکتا۔ اسی طرح سے خیبر میں جب ایک یہودیہ نے گوشت میں زہر ملا کر پیش کیا، تو آپ نے پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ فرمایا یہ گوشت نہ کھاؤ، کیونکہ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ اس میں زہر ملا ہے۔ یہودیہ کو بلا کر جب واقعہ کی تحقیق کی اور اس نے اپنی نیتِ فاسد کا اقرار کیا تو آپ نے فرمایا، کہ خدا تجھ کو اس پر قابو نہ دیتا۔[4]

*

---

[1] صحیح بخاری باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] جامع ترمذی تفسیر سورۂ مائدہ۔
[3] صحیح بخاری غزوۂ احد و صحیح مسلم کتاب الفضائل [4] صحیح مسلم۔

لیلۃ الجن

جنوں کی انقلابِ آسمانی کی تلاش اور اُن کا مشرف باسلام ہونا

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ (سورۂ جن)

مخلوقاتِ الٰہی کی تعداد اور اصناف کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (مدثر) — اور تیرے رب کی فوجوں کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔

مخلوقاتِ الٰہی کی ایک صنف کا نام جن ہے، اہل لغت کہتے ہیں کہ عربی میں جن کا لفظ جنّ سے مشتق ہے جس کے معنی "چھپنے" اور "چھپانے" کے ہیں، چونکہ یہ مخلوق انسانوں کی آنکھوں سے عموماً مستور رہتی ہے اس لئے اس کو جن کہتے ہیں، یہ عجیب بات ہے کہ یہ لفظ اسی معنی میں یا اسی کے قریب قریب مختلف قوموں کی زبانوں میں پایا جاتا ہے، فرنچ میں جنی (GENEE) اور انگریزی میں (GENEI) اسی مفہوم میں ہے، جس میں عربی میں جنی (دیو، بھوت، پلیت) ہے، لاطینی میں جینیوس (GENIUS) اور جینی (GENII) وہ مفہوم رکھتا ہے جو ہمارے ہاں ہمزاد کا، اور روح نوعی کے معنی میں بھی یہ لفظ رومی اساطیر (میتھالوجی) میں مستعمل ہوا ہے، فارسی میں جان کے معنی مطلق روح کے ہیں، بہرحال دنیا کی قوموں میں یہ اعتقاد کسی نہ کسی حیثیت سے موجود رہا ہے کہ انسانوں کے سوا اس سطح ارضی پر ایک اور غیر مرئی مخلوق بھی موجود ہے، یورپ کے موجودہ دور الحاد میں ارواح سے نام و پیام اور ان کے عمل و تسخیر کے کارنامے بڑے بڑے فلسفیوں اور مادہ پرستوں کو آئینۂ حیرت بنائے ہوئے ہیں اور روز بروز ان کے انکار اور شک کی جرأت کم ہوتی چلی جاتی ہے، اسلام کے علاوہ دوسری مذہبی کتابوں میں بھی جن اور شیطان کے تذکرے موجود ہیں، حضرت عیسیٰؑ کے معجزات جو موجودہ انجیل میں مذکور ہیں، ان کی بڑی تعداد انسانوں اور حیوانوں کو ان کے پنجۂ ظلم سے رہائی ہے۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ ان کی پیدائش انسانوں سے پہلے ہوئی ہے اور آگ سے بنائے گئے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (حجر ۳) — اور ہم نے آدمی کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا اور جنوں کو اس سے پہلے لو کی آگ سے پیدا کیا۔

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (رحمٰن ۱) — اور اس نے جنوں کو آگ کی لو سے پیدا کیا ہے

اسلام سے پہلے عرب میں جنات کا بڑا تسلط تھا، ان کی پوجا کی جاتی تھی، ان کی دہائی مانگی جاتی تھی اور بت خانوں میں جو عامل اور کاہن ہوتے تھے ان سے ان کی دوستی ہوتی تھی اور وہ ان کو غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے بچوں کے سرہانے استرے رکھے جاتے تھے کہ ان سے جنات بھاگ جاتے ہیں، یہ اعتقاد تھا کہ ہر شاعر کے ساتھ

۱؎ صحیح مسلم باب التفسیر۔

ایک جن ہوتا ہے، یہ بھی خیال تھا کہ وہ صورتیں بدل بدل کر لوگوں میں پھرتے ہیں اور ان کو ستاتے ہیں، خدا کے کارخانۂ قدرت میں بھی ان کے استیلا اور تصرف کو دخل تھا، وہ جنگلوں میں انسانوں کو مار ڈالتے تھے، راستوں سے بھٹکائے جاتے تھے، لوگوں کو بیمار ڈال دیتے تھے، ان کے ہوش و حواس کے خزانہ پر قبضہ کر لیتے تھے غرض جس طرح خدائی الوہیت میں عرب کے بہت سے دیوتا اور دیبیاں شریک تھیں، اسی طرح یہ جنات بھی شریک تھے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ (انعام ۱۲) — اور ان مشرکوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا ہے۔

وَجَعَلُوْا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (صافات ۵) — اور ان مشرکوں نے خدا اور جنوں کے درمیان رشتہ قائم کر رکھا ہے۔

بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (سبا) — (خدا ان کو قیامت میں کہے گا) بلکہ یہ لوگ جنوں کی پرستش کرتے تھے اور ان میں اکثر لوگ ان ہی کے معتقد تھے۔

اسلام آیا تو اس نے ان اعتقاداتِ باطلہ کے تار و پود کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، اس نے دنیا میں صرف ایک ہی قوت کی تعلیم دی اور وہ خدا کی تھی، اس نے بتایا کہ جنات بھی اس کے حضور میں ویسے ہی عاجز اور درماندہ ہیں جیسے انسان، وہ بھی اسی طرح اس کی مخلوق ہیں جیسی اس کی دوسری مخلوقات، ان میں لوگ اسی طرح اچھے اور برے، کافر و مومن، سعید اور شقی ہوتے ہیں جس طرح انسانوں میں، وہ بھی توحید و رسالت اور احکامِ الٰہی کے ماننے کے ویسے ہی مکلف ہیں جیسے عام انسان۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (ذاریات ۳) — اور میں نے جن اور انس کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

قیامت میں دونوں سے سوال ہوگا۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا (انعام ۱۶) — اے جن اور انس کی جماعت کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر تمہارے پاس نہیں آئے اور وہ تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر نہیں سناتے تھے اور اس دن کے آنے سے نہیں ڈراتے تھے۔

قرآن کے تحدی کے جواب سے دونوں عاجز ہیں۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (اسرائیل) — کہہ دو کہ اگر انس و جن دونوں مل کر چاہیں کہ ایسا قرآن بنا دیں تو ان کے لئے یہ ناممکن ہے۔

خدا کی قدرت اور طاقت کے سامنے دونوں لاچار اور درماندہ ہیں۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (رحمٰن ۲) — اے جن و انس اگر آسمان و زمین کے حدود سے نکل کر باہر جا سکتے ہو تو نکل جاؤ لیکن خدا کی قدرت قاہرہ کے بغیر تم نکل نہیں سکتے ہو۔

کاہنوں اور عاملوں کو جو غیب کی بعض بعض باتیں معلوم ہو جاتی ہیں تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اپنے ملأ اعلیٰ میں اس کا ذکر کرتا ہے، ملأ اعلیٰ والے اپنے نیچے کے

فرشتوں سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس طرح درجہ بدرجہ ہر آسمان کے فرشتوں کو علم ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ آخری آسمان تک بات پہنچ جاتی ہے، جہاں سے نیچے دنیا کی حد شروع ہوتی ہے، یہاں تک کہ جنات و شیاطین سن گن لینے کے لئے اِدھر اُدھر چھپے رہتے ہیں، ایک دو لفظ انہوں نے سن لئے اور ان میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر کاہنوں اور عاملوں سے کہہ دیتے ہیں، وہ اس کو انسانوں میں مشتہر کرتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آسمان میں بے شمار ستاروں کے شعلے بھڑکا رکھے ہیں کہ ایک تو ان سے آسمان کی زیبائش و آرائش ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب یہ جنات اور شیاطین اپنی سرحد سے آگے بڑھ کر فرشتوں کی باتیں سنا چاہتے ہیں تو فوراً ایک چمکتا ہوا تارا (شہاب ثاقب) ٹوٹ کر ان پر گرتا ہے، مختلف صورتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ۔ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ۔ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ ۔ (حجر-۲)

اور ہم نے آسمان میں برج بنایا ہے اور ان ستاروں کو دیکھنے والوں کے لئے زینت و آرائش بنایا ہے اور ہر راندہ درگاہ شیطان سے اس کو محفوظ رکھا ہے لیکن اتنا ہے کہ وہ چوری چھپے کچھ سن لے تو ایک چمکتا ستارہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ۔ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ ۔ لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۔ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۔ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (صافات-۱)

ہم نے آسمان زیریں کو ستاروں کی آرائش سے مزین کیا ہے اور ان کو ہر سرکش شیطان کا نگہبان بنایا ہے وہ ملاء اعلیٰ کی باتیں نہیں سن سکتے وہ ہر طرف سے پھینک کر مارے جاتے ہیں اور ان کے لئے لازمی سزا ہے، اس طرح وہ فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے، لیکن یہ کہ کوئی ایک کر سن لے تو ایک دکھتا ہوا ستارہ اس کے پیچھے لگا رہتا ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ (ملک-۱)

ہم نے آسمان زیریں کو ستاروں کے چراغوں سے مزین کیا ہے اور ان کو شیطانوں کے لئے پھینک کر مارنے کی ایک چیز بنایا ہے۔

وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (فصلت-۲)

اور ہم نے آسمان زیریں کو ستاروں کے چراغوں سے مزین کیا ہے اور ان کو نگہبان بنایا ہے، یہ غالب و دانا خدا کی تقدیر ہے۔

دنیا میں اس سلسلۂ نبوت کا جو آغاز آفرینش سے جاری تھا اور دین الٰہی کا ہزاروں منزلوں کے طے ہونے کے بعد تکمیل کی منزل میں پہنچ جانا اور نوع انسان کو خدا کی وہ آخری شریعت سپرد ہونا جس کے بعد تا کہ ان عالم کو وحی و نبوت کے کسی اور حامل کی ضرورت نہ ہوگی، ایک ایسا واقعہ تھا جس نے آب و خاک کے عالم میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا، اس نے سطح زمین کے ہزاروں پیغمبروں کے دین و ملت کو منسوخ کر دیا، ان کی آسمانی کتابوں کے احکام و رسوم کو بدل دیا، ملکوں کی شاہنشاہیاں ہل گئیں، قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ گئے، صومعہ و کلیسا ویران ہو گئے۔

لہ صحیح بخاری تفسیر سورۂ حجر و تفسیر سورۂ سبا۔ و بدء الخلق وغیرہ۔

اسی طرح مملکت فلکی اور آسمانی بادشاہی میں بھی انقلاب کا ظاہر ہونا ضرور تھا، آسمانی مخلوقات میں بھی ایک انقلاب پیدا ہوا، مگر اس کو وہی دیکھ سکے جو دیکھ سکتے تھے، انجیل میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے موقع پر بھی ایک نئے نورانی ستارہ کے ظہور کی خبر ہے جس کو دیکھ کر دوسرے ملک کے لوگ ان کی تلاش میں بیت لحم پہنچے اور ان کے دیدار سے مشرف ہوئے، مگر بنی اسرائیل کو آخر تک اس بینائی سے محرومی رہی۔

صحیحین میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے سرفراز ہوئے تو ستاروں کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہوا، جن اور شیاطین اب اوپر چڑھنے سے روک دیئے گئے، ٹوٹنے والے ستاروں کی بھرمار ہو گئی، کاہنوں اور عاملوں کی خبر رسانی کے ذرائع مسدود ہو گئے اور ان باطل پرستیوں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔ اس آسمانی انقلاب نے جنوں اور شیطانوں کی محفلوں میں حیرت پیدا کر دی، سب نے کہا یقیناً روئے زمین پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے، دنیا کی ہر سمت کو انہوں نے چھان ڈالا، اس پر چند سال گزر گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی تبلیغ کے لئے قبائل میں دورے کر رہے تھے اور اسی تقریب سے عکاظ کے میلہ میں تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں رات کے وقت مقام نخلہ میں قیام ہوا، صبح کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ نماز میں مصروف تھے اور قرآن مجید کی آیتیں جہر کے ساتھ تلاوت فرما رہے تھے کہ اتفاق سے جنوں کی ایک جماعت کا جو تفتیش حال کے لئے تہامہ کی طرف آئی تھی، اس مقام پر گزر ہوا، اس نے جب قرآن مجید کی آیتیں سنیں تو یکبار پکار اٹھی کہ یہی وہ نور حق ہے جو درخشاں ستاروں میں ہمیں نظر آتا ہے وہ لوٹ کر اپنی قوم میں گئی اور ان کو جا کر خاتم نبوت کے ظہور کی بشارت سنائی[1]۔

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۔ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۔ وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۔ وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ۔ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَنْ لَنْ تَقُولَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۔ وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۔ وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۔ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ۔ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ

اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دے کہ مجھ کو بذریعہ وحی خبر دی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کو سنا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب و غریب کتاب الٰہی سنی جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہے تو ہم اس پر ایمان لائے اور اب ہم ہرگز خدا کا کسی کو شریک نہ بنائیں گے خداوند تعالیٰ کی نہ تو کوئی بیوی ہے اور نہ لڑکا ہے ہم میں سے کچھ بیوقوف خدا پر بہت دور از عقل الزام قائم کرتے تھے ہم سمجھتے تھے کہ کوئی انسان یا جن خدا پر جھوٹ الزام نہیں قائم کر سکتا، انسانوں میں کچھ ایسے لوگ تھے جو بعض جنوں کی پناہ مانگا کرتے تھے تو ان ہی نے ان کو اور زیادہ گمراہ کر دیا، انسان بھی ہماری ہی طرح یہ سمجھتے تھے کہ اب خدا کوئی پیغمبر نہ بھیجے گا، ہم نے آسمان کو خوب ٹٹولا تو ہم نے پایا کہ وہ نگہبانوں سے اور ٹوٹنے

[1] یہ پوری تفصیل صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الجہر فی الصبح میں ہے اور امام بخاری نے مختلف ابواب میں اس واقعہ کو درج کیا ہے مثلاً تفسیر سورۂ جن و باب جہر القراءۃ صلوٰۃ الفجر و مسند ابن حنبل روایت ابن عباس ج ۱ صفحہ ۲۵۰ و صحیح ترمذی تفسیر سورۂ جن۔

فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا. وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا. وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا. وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا. وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا. وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا. وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا. (جن - ۱)

...والے تاروں سے بھرا ہوا ہے، ہم پہلے اس آسمان کی بعض نشست گاہوں میں سننے کو بیٹھ جاتے تھے، اب جو کوئی سننے جاتا ہے تو اپنی تاک میں ٹوٹنے والے ستارہ کو پاتا ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ اس انقلاب سے زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا جا رہا ہے یا ان کا پروردگار ان کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے، ہم میں اچھے بھی ہیں اور ان کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں، ہم جدا جدا راستوں پر تھے اور ہم سمجھتے تھے کہ ہم خدا کو اس زمین میں عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اس کے قبضہ سے نکل سکتے ہیں، اور اب جب ہم نے اس ہدایت کی بات کو سن لیا تو اب ہم اس پر ایمان لاتے ہیں، تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آتا ہے تو پھر گھاٹے ٹوٹے کا اس کو ڈر نہیں رہتا، ہم میں کچھ اطاعت گزار ہیں کچھ گنہ گار، تو جو اطاعت گزار ہیں ان ہی نے حقیقت میں ہدایت کا راستہ ڈھونڈ نکالا ہے اور جو گنہ گار ہیں وہ جہنم کے ایندھن ہیں۔

پھر سورۂ احقاف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ. قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ. يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ. (احقاف - ۴)

ہم نے جب جنوں کی ایک جماعت کے رخ کو اے پیغمبر تیری طرف پھیر دیا کہ وہ قرآن کو سنیں تو جب وہ آئے تو انہوں نے ایکدوسرے سے کہا چپ رہو، جب قرآن ختم ہو گیا تو وہ اپنی قوم کے پاس گئے کہ انہیں خبر کر دیں، انہوں نے جا کر کہا بھائیو! ہم نے ایک شریعت کی کتاب کو سنا جو موسیٰؑ کے بعد اتاری گئی ہے اور اس کے پہلے جو کتاب الٰہی آئی ہے اس کی تصدیق کرتی ہے اور سچائی اور سیدھی راہ دکھاتی ہے، اے بھائیو! خدا کے پکارنے والے کو قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ تاکہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کرے اور دردناک عذاب سے تم کو پناہ دے۔

صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں نے دو دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام مجید پڑھتے سنا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی یہ دونوں سورتیں الگ الگ واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہوں، پہلے واقعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شریک نہ تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ کسی صحابی نے ان جنوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ایک درخت نے کی، اور تفصیل کیفیت وحی

۱ صحیح مسلم باب الجہر بقراۃ الصبح۔ ۲ صحیح بخاری و مسلم باب مذکور و مسند احمد جلد اول صفحہ ۴۵۷ ۳ صحیح مسلم باب مذکور۔

آسمانی سے معلوم ہوئی، اسی واقعہ کو واقعہ لیلۃ الجن (جن کی رات) کہتے ہیں، لیکن یہ دونوں واقعے مکہ معظمہ ہی میں گزرے ہیں، صحیح مسلم، ترمذی اور مسند طیالسی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ان کے شاگرد خاص علقمہ نے پوچھا کہ آپ صاحبوں میں سے کوئی لیلۃ الجن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؟ انہوں نے کہا نہیں، لیکن ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ شب کو ہم لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا، میدانوں اور گھاٹیوں میں ہر جگہ ڈھونڈا، مگر آپ نہیں ملے، ہم لوگوں کو طرح طرح کے خیال آنے لگے کہ آپ کو کوئی اٹھا لے گیا یا دھوکے سے کسی نے قتل کر دیا، سخت اضطراب اور قلق میں ہم نے یہ رات بسر کی، صبح ہوئی تو دیکھا کہ آپ غار حرا کی طرف سے چلے آ رہے ہیں، ہم سب نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم نے شب کو ہر جگہ آپ کو ڈھونڈا، مگر آپ کہیں نہیں ملے، ہم نے سخت اضطراب اور قلق میں رات بسر کی، فرمایا کہ "رات کو جنوں کا قاصد آیا تھا، میں اس کے ساتھ گیا تھا، میں نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا" اس کے بعد آپ ہم سب کو لے کر اس مقام پر تشریف لے گئے اور وہاں ان کے قیام اور آگ جلانے کے نشانات دکھائے اور فرمایا کہ انہوں نے مجھ سے زاد راہ کی خواہش کی، میں نے ان کے لئے دعا کی کہ وہ جس ہڈی اور گوبر پر گزریں ان کے لئے وہ کھانا ہو جائے۔[1]

مسند ابن حنبل کے زیادات میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی جنوں کی آمد کا ایک اور واقعہ مذکور ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رات کے وقت ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ یکایک آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی میرے ساتھ چلے لیکن وہ نہ چلے جس کے دل میں ذرا سا بھی کھوٹ ہو، ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں پانی کا لوٹا لے کر آپ کے ساتھ ہو لیا، آپ مجھے ساتھ لئے ہوئے مکہ کے آگے پہنچے، وہاں مجھ کو کچھ پرچھائیاں ایک جگہ اکٹھی نظر آئیں، آپ نے ایک خط کھینچ دیا اور فرمایا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں تم یہیں کھڑے رہو، یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے، میں نے دیکھا کہ وہ پرچھائیاں آپ کی طرف چلیں، آپ ان کے ساتھ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے، جب فجر کا اجالا ہوا تو آپ میرے پاس آئے اور وضو کا پانی مانگا، میں نے دیکھا تو وہ پانی کے بجائے کھجور کا شربت (نبیذ) تھا، آپ نے فرمایا، اس میں کیا حرج ہے؟ کھجور بھی پاک ہے اور پانی بھی پاک ہے، یہ کہہ کر آپ نے اسی سے وضو کیا، اس کے بعد نماز کو کھڑے ہوئے تو ان میں سے دو آدمی پاس آ کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! ہم بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے، چنانچہ وہ بھی میرے ساتھ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے، نماز سے فارغ ہو کر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ کون لوگ تھے؟ فرمایا یہ شہر نصیبین کے جن تھے، اپنے کچھ معاملات میرے پاس فیصلہ کے لئے لائے تھے، انہوں نے مجھ سے توشہ مانگا تو میں نے دے دیا، عرض کی یا رسول اللہ! کیا آپ کے ساتھ کوئی توشہ کا سامان تھا؟ فرمایا میں نے انہیں گوبر اور ہڈی کا توشہ دے دیا ہے، گوبر ان کے لئے جو اور ہڈی پر گوشت ہو جائے گی، اسی موقع پر آپ نے گوبر اور ہڈی سے استنجا منع فرمایا۔

۱ صحیح مسلم باب مذکور۔ ۲ ترمذی تفسیر سورۂ احقاف۔ ۳ صحیح مسلم باب الجہر بقراۃ الصبح، صحیح بخاری باب ذکر الجن و فی المسند، صحیح بخاری و مسلم و ترمذی باب الاستنجا۔ ۴ مسند ابن حنبل جلد اول ص ۴۵۸۔

زیادات مسند اور صحیح مسلم کی دونوں روایتیں کیا ایک ہی واقعہ کی دو تفصیلیں ہیں؟ مگر ان دونوں ہی روایتوں کی جزئیات میں اسی قدر فرق ہے کہ وہ یقیناً ایک نہیں ہو سکتیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیادات مسند کی روایت بالکل لغو اور بے سرو پا ہے، اس روایت کا سلسلۂ سند یہ ہے عن ابی فزارۃ عن ابی زید مولیٰ عمرو بن الحریث المخزومی عن عبداللہ بن مسعود، اس میں ابو زید مولیٰ عمرو بن حریث ایک مجہول راوی ہے جس سے محدثین میں کوئی واقف نہیں، حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

ابو زید مولیٰ عمرو بن حریث لا یعرف عن ابن مسعود وعنہ ابو فزارۃ لا یصح حدیثہ ذکرہ البخاری فی الضعفاء ومتن حدیثہ ان نبی اللہ توضأ بالنبیذ وقال ابو احمد الحاکم رجل مجھول قلت مالہ سوی حدیث واحد۔

(میزان الاعتدال)

ابو زید غلام عمرو بن حریث اس کو کوئی جانتا نہیں، اس نے ابن مسعود سے روایت کی ہے اور اس سے ابو فزارہ نے، اس کی حدیث صحیح نہیں، بخاری نے ضعفاء میں اس کو درج کیا ہے، اس کی حدیث کا متن یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیذ سے وضو کیا ابو احمد حاکم کہتے ہیں کہ یہ مجہول الحال آدمی ہے میں کہتا ہوں کہ اس کی یہی ایک حدیث ہے۔

البتہ جامع ترمذی میں اسی قسم کا ایک واقعہ عبداللہ بن مسعودؓ سے فرشتوں کی آمد اور دیدار کے متعلق بروایت صحیح مروی ہے۔



شقِ قمر

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (قمر-۱)

پیغمبر کی صداقت کی گواہی کائنات کا ذرہ ذرہ دیتا ہے، آسمان اور زمین، چاند اور سورج ہر چیز اس کی صداقت کا ثبوت بن جاتی ہے۔ انجیل (متی ۲-۲) میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت ایک نیا ستارہ طلوع ہوا اور جب انہوں نے وفات پائی تو تین گھنٹے کے لئے تمام دنیا میں اندھیرا چھا گیا (متی ۲۷: ۴۵) قربِ قیامت کی ایک نشانی یہ بھی تھی کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے، یہ نشانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر پوری اتری اور قرآن نے کہا۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔

(قمر-۱)

قیامت نزدیک آگئی اور چاند شق ہو گیا، اگر کافر کوئی سا بھی نشان دیکھیں تو اس سے اعراض ہی کریں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو سدا سے ہوتا آیا ہے۔

بعض عقل پرست مسلمانوں نے قربِ قیامت کی مناسبت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شقِ قمر کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ یہ قیامت کے واقعہ کا ذکر ہے، لیکن اس حالت میں اول تو بے قرینہ ماضی (چاند پھٹ گیا) کو مستقبل (چاند پھٹ جائے گا) کے معنی میں لینا پڑے گا، دوسرے یہ کہ اگر قیامت کا واقعہ ہوتا تو اس کے بعد یہ کیوں ہوتا کہ "یہ کافر اگر کوئی سی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور یہ کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہوتا آیا ہے"۔ قیامت سامنے آجانے کے بعد اس کے انکار کے کیا معنی اور اس کو مستمر جادو کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اس کے علاوہ مستند اور صحیح روایات کی کیونکر تردید کی جا سکتی ہے۔

اس شقِ قمر کا واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند ابن حنبل، مسند طیالسی، مستدرک حاکم، دلائل بیہقی، اور دلائل ابو نعیم میں بہ تصریح تمام مذکور ہے کہ صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، جبیرؓ بن مطعم، علیؓ بن ابی طالب اور حذیفہؓ بن یمان وغیرہ نے اس واقعہ کی روایت کی ہے ان میں سب سے صحیح اور مستند تر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے جو صحیح بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں مروی ہے، وہ اس واقعہ کے وقت موقع پر موجود تھے اور اس معجزہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

انشق القمر ونحن مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنیٰ فقال اشھدوا وذھبت فرقۃ نحو الجبل (بخاری و ترمذی ومسلم)

ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا آپ نے فرمایا گواہ رہو

صحیحین میں ان کی دوسری روایت یہ ہے۔

انشق القمر علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرقتین فرقۃ فوق الجبل وفرقۃ دونہ فقال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا تو پہاڑ کے اوپر رہا اور دوسرا اس کے نیچے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشہدوا (صحیح بخاری و مسلم) — آپ نے فرمایا گواہ رہو۔

حضرت انسؓ بن مالک کی یہ روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔

ان اھل مکۃ سألوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یریھم آیۃ فاراھم القمر شقتین حتی رأوا حراء بینھما۔

اہل مکہ نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں آپ نے ان کو چاند کے ٹکڑے دکھائے، ایک ٹکڑا حرا کے اس طرف تھا دوسرا اس طرف۔

صحیح مسلم میں ہے۔

ان اھل مکۃ سألوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یریھم آیۃ فاراھم انشقاق القمر فرقتین۔

اہل مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نشانی طلب کی تو آپ نے چاند کو دو ٹکڑے ہونے کو دکھایا۔

جامع ترمذی میں ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

سأل اھل مکۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم آیۃ فانشق القمر بمکۃ فرقتین فنزلت۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔

اہل مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نشانی طلب کی تو چاند مکہ میں دو ٹکڑے ہو گیا اس پر یہ آیت اتری۔ قیامت آگئی اور چاند پھٹ گیا۔

جامع ترمذی اور مسند ابن حنبل میں جبیرؓ بن مطعم کی جو روایت ہے اس میں ہے کہ اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے کہا کہ محمدؐ نے ہم پر جادو کر دیا ہے، دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو تمام آدمیوں پر تو جادو نہیں کر سکتے، مسند ابو داؤد طیالسی اور بیہقی میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ محمدؐ تمام دنیا پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ مسافروں کو اور مقامات سے آنے دو، دیکھو وہ کیا کہتے ہیں؛ چنانچہ جب اِدھر اُدھر سے مسافر آئے اور ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی اپنا یہی مشاہدہ بیان کیا۔

بہر حال یہ معجزہ رات کے وقت مکہ میں بمقام منیٰ واقع ہوا۔

عقلی حیثیت سے یہ معجزہ زمانہ قدیم سے معرکۃ الآرا رہا ہے، علمائے متکلمین نے فلسفہ قدیم کے اصول پر اس میں خوب خوب موشگافیاں کی ہیں، مثلاً فلاسفہ قدیم کا یہ اعتقاد تھا کہ اجرام فلکی میں خرق والتیام اور شکست وریخت محال ہے، اس لئے شق قمر بھی ناممکن ہے، متکلمین نے ثابت کیا کہ اجرام فلکی میں خرق والتیام اور شکست وریخت ممکن ہے، مگر اب جدید طبیعیات و ہیئت نے ہماری معلومات کے آسمان و زمین کو بدل دیا ہے۔ یہ مباحث بے سود و بیکار ہیں، اب تو ہر روز نئے نئے ستاروں کے شکست وریخت اور تصادم کے حادثے سُنے جا رہے ہیں اور ہیئت جدید اور علم تکوین میں تو زمین، سورج اور ستاروں کے آغاز آفرینش کی داستان ہی اس باب سے شروع ہوتی ہے۔

اس سے دوسرے درجہ پر ایک اور قدیم اعتراض وجواب کتابوں میں لکھا چلا آتا ہے اور ہمارے نیچری ناظرین نے اس کو نئے آب ورنگ سے شہرت دی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ معجزہ درحقیقت واقع ہوتا تو یہ صرف

---

[1] مسند عبداللہ بن مسعود ص ۳۸، حیدر آباد دکن۔

اہل مکہ ہی کو نظر نہ آتا بلکہ اس کو تمام دنیا دیکھتی اور اس کی روایتیں مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتیں لیکن بجز مکہ کے اور ملکوں میں اس واقعہ کا چرچا نہیں ہوا اور تمام قدیم اہل نجوم اور ہیئت و تاریخ اس کی روایت سے خاموش ہیں۔

لوگوں نے اس شبہ کے یہ جوابات دیئے ہیں کہ اولاً ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ واقعہ دوسرے ملک کے لوگوں کو نظر نہیں آیا، تم اس کے ثبوت میں کہو گے کہ اگر نظر آتا تو اس ملک کے اہل تاریخ اس کا ذکر کرتے، حالانکہ کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ملک کا مشہور واقعہ جو دوسرے ملک کی معاصر تاریخوں میں مذکور نہ ہو، صرف اس کا یہ عدم ذکر کیا اس کے انکار کی سند ہو سکتا ہے اور اگر ایسا ہے تو ہندوؤں کی مہابھارت کا تم انکار کر سکتے ہو، حضرت مسیحؑ کے تمام معجزات بلکہ واقعات زندگی تک کا انکار کر سکتے ہو کہ شام و مصر کے معاصر رومی مورخوں نے ایسے عجیب وغریب واقعات کا ایک حرف بھی قلمبند نہیں کیا، اس کے برخلاف ابھی اوپر کی روایتوں میں بیان کیا جا چکا ہے کہ عرب و شام سے آنے والے مسافروں نے یہ بیان کیا کہ انہوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا۔

فلکی حیثیت سے جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اہل ہیئت جو اجرام فلکی کے ایک ایک واقعہ کو قلمبند کرتے آئے ہیں، انہوں نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ رات کے وقت ظاہر ہوا تھا اور اس وقت دنیا کا بڑا حصہ خواب راحت میں مصروف تھا، جو لوگ بیدار بھی ہوں گے، وہ اپنے دوسرے مشاغل میں مصروف ہوں گے اور جنھوں نے دیکھا بھی ہو گا، ان میں کتنا بڑا حصہ ان کا ہو گا جو اپنے مشاہدات کو تحریری صورت میں لانے پر قادر نہ تھے یعنی ناخواندہ تھے اور اگر ان میں چند لکھے پڑھے ارباب ہیئت اور اصحاب تاریخ تھے تو ضروری نہیں کہ انہوں نے اپنے اس مشاہدہ کا تذکرہ بھی کیا ہو یا تذکرہ کیا تو ان کی یادداشت مثل دوسری سینکڑوں علمی یادداشتوں کے ضائع ہو گئی ہو، آغاز آفرینش سے اب تک اجرام فلکی میں لاکھوں انقلابات پیش آئے ہوں گے لیکن کیا وہ سب کے سب دنیا کے اوراق ہیئت میں درج ہیں؛ اور ان کا درج نہ ہونا ان کے عدم وقوع کی دلیل ہے؟ مختلف مذاہب کی کتابوں میں اس قسم کے حوادث فلکی کا ذکر ہے لیکن علم ہیئت و فلک اس کے ذکر سے خاموش ہے، لیکن یہ خاموشی ان کے عدم وقوع پر شہادت ہے؟ خود تمہاری انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت ایک ستارۂ نبوت طلوع ہوا جس کو یورپ کے لوگوں نے دیکھا اور پھر انجیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کو سولی دی گئی تو تمام دنیا دفعۃً تاریک ہو گئی، لیکن کیا ہیئت و افلاک کی کتابوں میں ان انقلابات سماوی کا تذکرہ موجود ہے۔

حوادث فلکی کے حدوث اور وقوع میں بڑی چیز یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ مطالع اور مغارب پر موقوف ہے اور ہر جگہ کے مطالع و مغارب دوسری جگہ سے نہایت مختلف ہیں، بالخصوص قمر کے مطالع میں تو اور بھی سخت اختلاف ہے، ایک جگہ چاند ڈوبتا ہے دوسری جگہ نکلتا ہے، ایک جگہ چاندنی ہے دوسری جگہ اندھیرا ہوتا ہے، ایک جگہ چاند کو گہن لگتا ہے اور دوسرے مقامات کے لوگوں کو وہ نظر تک نہیں آتا، اس لئے اگر تمام دنیا نے اس معجزہ کو نہیں دیکھا تو یہ شق قمر کی نفی کی دلیل نہیں، چنانچہ دنیا کی مختلف باخبر قوموں نے اپنی اپنی کتابوں میں مختلف حوادث فلکی کا ذکر

کیا ہے، لیکن جس واقعہ کو ایک نے بڑے شدومد سے بیان کیا ہے اس کی معاصر قوموں کی کتابیں اس کی شہادت سے قطعاً خالی ہیں، لیکن کیا یہ خاموشی اس کے عدم وقوع کی سند ہو سکتی ہے، علاوہ اور وجوہ کے اس خاموشی اور اختلاف کی ایک وجہ یہی ہوتی ہے کہ تمام دنیا کا ایک مطلع نہیں ہے اس لئے ایک جگہ نظر آتی ہے، دوسری جگہ نہیں آتی، بعض متکلمین نے جن میں ایک شاہ ولی اللہ صاحب بھی ہیں، لکھا ہے اور امام غزالیؒ کا بھی ادھر ہی رجحان معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت چاند میں شگاف نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا، چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

ان اھل مکۃ سألوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یریھم ایۃ فاراھم انشاق القمر فرقتین (صحیح مسلم)

اہل مکہ نے آپ سے نشانی طلب کی تو آپ نے چاند دو ٹکڑے دکھایا۔

ہم ان تمام پرپیچ راستوں سے گزر کر صرف ایک سیدھی سی بات کہہ دینا چاہتے ہیں کہ شق القمر اہل مکہ کی طلب پر ایک آیت الٰہی تھی، یعنی ان منکروں کو ان کی خواہش کے مطابق ثبوت کی ایک نشانی دکھائی گئی تھی، احادیث میں یہ ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، خواہ دراصل چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں یا خدا نے ان کی آنکھوں میں ایسا تصرف کر دیا ہو کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، جو خدا انسانوں کی آنکھوں میں خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے وہ خود چاند میں بھی خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے، پھر چونکہ اللہ نے یہ نشانی اہل مکہ کے لئے ظاہر کی تھی اور ان ہی کے لئے یہ آیہ ثبوت تھی، اس لئے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور روایت کی حاجت نہ تھی، اس بنا پر بالفرض اگر دنیا کے دوسرے حصوں میں شق قمر مشاہدہ نہ ہوا تو یہ حیرت اور تعجب کی بات نہیں، بلکہ اہل مکہ کے علاوہ اور لوگوں کو دوسرے شہروں اور ملکوں میں اس کا نظر نہ آنا ہی مصلحت الٰہی تھی کہ اگر یہ عام طور سے دوسرے اقطاع عالم کے لوگوں کو بھی نظر آتا تو یہ سمجھا جا سکتا کہ یہ آسمان کے طبعی انقلابات میں سے کوئی انقلاب تھا، جیسا کہ اور سینکڑوں قسم کے تغیرات اس سے پہلے ہو چکے ہیں، جیسا کہ فلکیات اور علم بدء الخلق (کسموگرافی اور نیچر ہسٹری) میں مذکور ہیں، لیکن جب اہل مکہ کے علاوہ جو شہر میں تھے یا باہر قافلہ میں تھے صرف ان ہی کو نظر آیا تو اس بات کی صاف اور صریح دلیل ہے کہ یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نشان کے طور پر ظاہر ہوا۔ وللہ الحمد۔

★

غلبۂ روم کی پیشین گوئی

الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ (روم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی الہامی زبان سے جن واقعات کی پیشین گوئی کی ہے، ان سب میں سب سے زیادہ شاندار، سب سے زیادہ صاف و صریح، سب سے زیادہ معرکۃ الآراء، روم کی پیشین گوئی ہے۔

عرب کے چپ و راست دونوں پہلوؤں میں روم و فارس کی پرزور حکومتیں قائم تھیں، اس وقت ایران کا تاجدار خسرو اور روم کا فرماں روا ہرقل تھا، ان دونوں سلطنتوں میں ایک مدت سے معرکہ آرائیوں کا سلسلہ قائم تھا بعثت نبوی کے پانچویں سال یعنی ۶۱۴ء میں ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں میں ایک خونریز جنگ شروع ہوئی، گو ان دونوں قوموں میں کسی قوم نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا تھا تاہم رومی حضرت عیسیٰ کے پیرو اور اہل کتاب تھے اور ایرانیوں کے عقائد مشرکین مکہ کے ساتھ مطابقت رکھتے تھے، اس سبب سے فطرۃً مسلمانوں کو رومی عیسائیوں کے ساتھ اور مشرکین مکہ کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی تھی، اس لئے مسلمانوں اور کفار قریش دونوں کو جنگ کے نتیجہ کا شدت کے ساتھ انتظار تھا۔

ان دونوں سلطنتوں کے حدود دریائے دجلہ و فرات کے کناروں پر آ کر ملتے تھے، رومی سلطنت مشرق میں ایشیائے کوچک، حدود عراق، شام، فلسطین اور مصر میں پھیلی ہوئی تھی، ایرانیوں نے دو طرفہ حملہ کیا، ایک طرف تو وہ دجلہ و فرات کے کناروں سے شام کی طرف بڑھے اور دوسری طرف ایشیائے کوچک کی جانب آذربائیجان سے آرمینیا ہو کر موجودہ اناطولیہ میں داخل ہو گئے اور دونوں طرف سے رومیوں کو پیچھے ہٹاتے ہٹاتے سمندر میں ان کو دھکیل دیا شام کی سمت میں انہوں نے یکے بعد دیگرے اس ارض مقدس کا ایک ایک شہر رومیوں سے چھین لیا۔

۶۱۴ء میں فلسطین اور اس کا مقدس شہر یروشلم صلیبی علم کے بجائے درفش کاویانی کے زیر سایہ آ گیا، کنیسے مسمار کئے گئے، مذہبی شعائر کی توہین کی گئی، ۲۶ ہزار یہودیوں نے ایرانی فوج میں شامل ہو کر ۹۰ ہزار بے گناہ عیسائیوں کا قتل عام کیا، شہنشاہ ایران کے قصر اقامت کی تیس ہزار مقتول سروں سے آرائش کی گئی، ایرانی فتوحات کا سیلاب اس سے آگے بڑھ کر ۶۱۶ء میں پوری وادی نیل یعنی مملکت مصر پر محیط ہو گیا اور آخر سکندریہ کے ساحل پر جا کر تھما اور دوسری طرف تمام ایشیائے کوچک کو زیر و زبر کرتا ہوا باسفورس کے ساحل پر جا کر رکا اور قسطنطنیہ کی دیواروں سے جا کر ٹکرایا، شہنشاہ روم کے دارالسلطنت کے سامنے ایران کے فاتح لشکر نے جا کر اپنے خیمے کھڑے کر دیئے اور اب رومیوں کے بجائے عراق و شام و فلسطین و مصر و ایشیائے کوچک کے وسیع علاقوں میں ایرانی حکومت قائم ہو گئی ہر جگہ آتش کدے تعمیر ہوئے اور مسیح کے بجائے آگ اور سورج کی جبری پرستش کو رواج دیا گیا، رومی سلطنت کی اس تباہی کو دیکھ کر رومی شہنشاہی کی وسیع مملکت میں بغاوتیں کھڑی ہو گئیں، افریقہ میں بھی شورش برپا تھی ...

قسطنطنیہ کے قریب یورپ میں مختلف قومیں قتل و غارت گری میں مصروف ہوگئیں، غرض اس وقت سلطنت روم کے پرزے پرزے اڑ گئے تھے۔

جنگ کا نتیجہ جب ایسا خلافِ امید ظاہر ہوا تو مسلمانوں کو یقیناً رنج اور کفار کو مسرت حاصل ہوئی، اور انھوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ جس طرح ہمارے بھائی غالب ہوتے ہیں، اسی طرح اگر تم ہم سے لڑتے تو ہم غالب ہوتے اس وقت رومیوں کی جو افسوس ناک حالت تھی وہ آپ سن چکے کہ وہ اپنے مشرقی مقبوضات کا ایک ایک چپہ کھو چکے تھے، خزانہ خالی تھا، فوج منتشر تھی، ملک میں بغاوتیں پیدا تھیں، شہنشاہِ روم ہرقل ہمہ تن عیاش، بے پرواہ، سست اور مبتلائے اوہام تھا، ایرانیوں کا فاتح سپہ سالار قسطنطنیہ کے دروازہ پر پہنچ کر رومیوں کے سامنے حسبِ ذیل شرائط پیش کرتا ہے۔

رومی باج ادا کریں، ایک ہزار ٹالنٹ سونا، ایک ہزار ٹالنٹ چاندی، ایک ہزار ریشم کے تھان، ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار باکرہ لڑکیاں ایرانیوں کے حوالہ کریں۔

رومیوں کی کمزوری کی یہ حالت ہے کہ وہ ان شرمناک شرائط کو قبول کرتے ہیں، اس پر بھی جب رومی قاصد شہنشاہِ ایران کے دربار میں مصالحت کا پیغام لے کر جاتا ہے تو مغرور خسرو جواب دیتا ہے کہ مجھ کو یہ نہیں بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے اور اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک شہنشاہِ روم اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر سورج دیوتا کے آگے سر نہ جھکائے گا۔

کارزارِ عالم کا نقشہ یہ تھا کہ معرکۂ جنگ سے بہت دور ایک خشک اور بنجر زمین کی سنسان پہاڑی سے ایک شہزادۂ امن نمودار ہوا اور واقعاتِ عالم کے بالکل خلاف سروشِ غیب سے نغمۂ اقدس میں گویا ہوا۔

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰہِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ وَعْدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ۔ (روم)

رومی قریب تر زمین میں مغلوب ہوگئے، لیکن وہ چند سال میں مغلوب ہو جانے کے بعد پھر غالب ہوں گے خدا ہی کے ہاتھ میں پہلے اور پیچھے سب اختیار رہے اور اس دن مسلمان خدا کی مدد سے خوش ہوں گے وہ جس کی چاہے مدد کرے وہ غالب رحم والا ہے، خدا کا وعدہ ہے خدا اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

یہ پیشین گوئی واقعات کے لحاظ سے اس قدر مستبعد اور ناقابلِ یقین تھی کہ کفار نے اس کے صحیح ہونے کی صورت میں کئی اونٹوں کے ہارنے کی مسلمانوں سے شرط لگائی، اب مسلمانوں اور کافروں کو بڑی شدت سے واقعات کے پہلو کا انتظار رہتا، آخر چند سال کے بعد دنیا نے خلافِ امید پلٹا کھایا، مورخ گبن کے الفاظ میں شہنشاہ جو اپنی ابتدائی اور آخری زندگی میں سستی، عیاشی اور اوہام کا غلام اور رعایا کے مصائب کا نامرد تماشائی تھا، جس طرح صبح و شام کا کہر آفتاب نصف النہار کی روشنی سے پھٹ جاتا ہے، دفعۃً (۶۲۱ء میں) محلوں کا ارکاڈیوس میدانِ جنگ کا سیزر بن گیا اور روم اور ہرقل کی عزت نہایت شاندار

طریقہ سے بچالی گئی۔[۱]

جس وقت ہرقل اپنی بقیہ فوج لے کر قسطنطنیہ سے چلا ہے، لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ رومۃ الکبریٰ کے آخری لشکر کا منظر دنیا کے سامنے ہے۔[۲] لیکن عرب کے نبی اُمی کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور عین اس وقت جب مسلمانوں نے بدر کے میدان میں قریش کو شکست دی، رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا، مشرقی مقبوضات کا ایک ایک شہر واپس لے لیا اور ایرانیوں کو باسفورس اور نیل کے کناروں سے ہٹا کر پھر دجلہ و فرات کے سواحل کی طرف دھکیل دیا۔

اس عظیم الشان پیشین گوئی کی صداقت کے اثر نے دنیا کو محوِ حیرت کر دیا، قریش کے بہت سے لوگ اس صداقت کو دیکھ کر مسلمان ہوگئے۔[۳] واقعہ کے ساڑھے بارہ سو برس کے بعد تاریخ زوالِ روم کا مشہور مصنف گبن اس حیرت ناک پیشین گوئی کی سچائی سے متحیر ہو کر کہتا ہے۔

"مشرق کی ان دو عظیم الشان سلطنتوں کے ڈانڈے پر بیٹھ کر ان دونوں کی ایک دوسرے کو تباہ کر دینے والی روز افزوں کوششوں کی ترقی کو دلی مسرت کے ساتھ بغور مطالعہ کر رہا تھا اور عین اس وقت جبکہ ایرانیوں کو پیہم کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں اس نے اس پیشین گوئی کی جرأت کی کہ چند سال میں فتح و ظفر رومی علم پر سایہ فگن ہوگی، جس وقت پیشین گوئی کی گئی تھی، کوئی پیشین گوئی اس سے زیادہ دور از قیاس نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ ہرقل کی بارہ سال (۶۱۰ء سے ۶۲۲ء تک) کی حکومت نے اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ رومی شہنشاہی کا شیرازہ جلد بکھر جائے گا۔"[۴]

ہرقل کی طبیعت میں اس فوری انقلاب اور واقعات کی رو سے اس حیرت ناک تغیر اور اس کے اسباب کی تفصیل میں تاریخ روم کے مصنفین نے عجیب عجیب باتیں پیدا کی ہیں لیکن انھیں کیا معلوم کہ اس خونی معرکہ سے دور ایک پیغمبر کا ہاتھ رومیوں کی مدد کے لئے دراز تھا اور وہی اس انقلاب اور تغیر کا سب سے بڑا روحانی سبب تھا۔

مستدرک[۵] (علی شرط الصحیحین) اور جامع ترمذی[۶] میں ہے کہ روم و فارس کی جب جنگ شروع ہوئی تو مشرکین ایرانیوں کے طرف دار تھے، کیونکہ وہ بھی بت پرست تھے اور مسلمان رومیوں کے طرف دار تھے کہ وہ اہل کتاب تھے اس وقت ایرانی روم کو دبائے جا رہے تھے، اس پر سورۂ روم کی پیشین گوئی نازل ہوئی، حضرت ابوبکرؓ نے چلا چلا کر تمام مشرکین کو یہ پیشین گوئی سنائی، مشرکین نے کہا کہ اس پیشین گوئی کے لئے کوئی سال مقرر کر دو، حضرت ابوبکرؓ نے پانچ سال کی شرط کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ بضع کا لفظ ۳ سے ۹ تک بولا جاتا ہے، اس لئے دس سال سے کم کی مدت مقرر کرنی چاہیے تھی، چنانچہ اس تشریح کے مطابق نویں سال غزوۂ بدر کے موقع پر پیشین گوئی پوری ہوئی اور رومی غالب آئے۔

غزوۂ بدر ہجرت کے پہلے سال اور بعثت کے چودھویں سال پیش آیا، اس سے ۹ برس پہلے بعثت کا پانچواں

---

[۱] تاریخ زوال روم مصنفہ گبن ج۴ ص۳۰۳ مطبوعہ ۱۸۹۰ء [۲] ایضاً [۳] ترمذی تفسیر سورۂ روم [۴] تاریخ زوال روم ج۴ ص۳۰۲ مطبع مذکور [۵] جلد ۲ تفسیر سورۂ روم [۶] تفسیر سورۂ روم۔

سال ہوگا، اس بنا پر پیشین گوئی کا زمانہ ۵ بعثت اور اس کے پورے ہونے کا زمانہ ۱۴ بعثت یا ۱ھ ہے بعض لوگوں نے اس پیشین گوئی کے پورے ہونے کا زمانہ صلح حدیبیہ کا سال یعنی ۶ھ بیان کیا ہے، یہ صحیح نہیں۔ شاید لوگوں کو اس سے دھوکہ ہوا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ قاصد نبویؐ جب اسلام کا دعوت نامہ لے کر قیصر کے پاس گیا تو وہ اس وقت فتح کا شکریہ ادا کرنے کے لئے شام آیا ہوا تھا، اور معلوم ہے کہ قاصد صلح حدیبیہ کے زمانہ میں روانہ ہوئے تھے، اس لئے لوگوں نے یہ سمجھا کہ حصول فتح کی یہی تاریخ ہے، مگر یہ مغالطہ ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ یہ فتح ملکی کی تاریخ نہیں بلکہ فتح کے جشن کی تاریخ ہے، رومی تاریخ مطابقت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ۶۱۰ء میں آپ کی بعثت ہوئی، ۶۱۰ء سے روم و فارس کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی، ۶۱۳ء میں اعلان جنگ ہوا ۶۱۴ء سے رومیوں کی شکست کا آغاز ہوا اور ۶۲۳ء میں ان کی فتح تکمیل کو پہنچ گئی اس ترتیب سے دیکھئے تو ظاہر ہوگا کہ اس پیشین گوئی کی خوبی یہ ہے کہ آغاز شکست سے آغاز فتح تک جوڑیئے جب بھی تو وہی نو برس ہو گئے ہیں اور اگر انجام شکست سے آغاز فتح تک جوڑیئے تو بھی وہی نو برس ہوں گے۔

اس فتح کی تکمیل کے بعد ہرقل پھر وہی سست و عیاش قیصر بن گیا جو پہلے تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دست قدرت نے صرف اس پیشین گوئی کے پورا کرنے کے لئے چند سال کے واسطے اس کے دل و دماغ کو بیدار اور دست و بازو کو ہشیار کر دیا تھا، پیشین گوئی کی تکمیل کے بعد پھر پہلے کی طرح تعیش اور کاہلی نے اس کو عیش و غفلت کے بستر پر تھپک تھپک کر سلا دیا۔

*

دیگر آیات و دلائل نبویؐ

قرآن مجید میں

طیراً ابابیل کی نشانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں ہوئی جس میں ابرہۃ الاشرم نے ہاتھیوں کی قطار کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ کرنا چاہا تھا، لیکن فضائے آسمانی کے ایک حقیر پرندہ نے کنکریوں کے ذریعہ سے اُن کو ہلاک کر دیا، یہ ایک عظیم الشان نشان تھا جس کا ظہور مسلمان اور عیسائی دونوں تسلیم کریں گے کہ مشرکین عرب کی تائید کے لئے نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ ابرہۃ الاشرم ایک عیسائی بادشاہ تھا جس کا مذہب بہر حال مشرکین سے بہتر تھا، بلکہ یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا نشان تھا جن کی ذات پاک حقیقی طور پر خانہ کعبہ کی حفاظت کی کفیل تھی، یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالےٰ نے اس معجزہ کے ذکر میں خاص طور پر آپؐ کی طرف روئے خطاب کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ (فیل)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ان کی بھی گھاتوں کو بے راہ نہیں کر دیا اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے جو ان کو پتھر کی کنکریوں سے مارتے تھے تو خدا نے ان کو کھائی ہوئی بھس کے مانند کر دیا۔

یہ سورہ واقعہ کے تقریباً ۴۵ برس بعد اتری تھی اور غالباً اس وقت متعدد اشخاص اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہوں گے اور ایسے تو ہزاروں ہوں گے جنھوں نے دیکھنے والوں سے براہِ راست اور بلا واسطہ اس واقعہ کو سنا ہوگا، کفار جو ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے درپے رہتے تھے، اگر اس صورتِ واقعہ کے بیان میں کچھ بھی غلطی یا جھوٹ شامل ہوتا تو وہ اس کی اعلانیہ تردید کر دیتے، مگر ایسا نہیں ہوا، اس لئے اس کی سچائی میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

شہاب ثاقب کی کثرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت عطا ہوئی تو نظم آسمانی میں ایک خاص انقلاب پیدا ہوا، جنات جو پہلے آسمان کے قریب تک جا سکتے تھے ان کی آمد و رفت مسدود کر دی گئی اور ان پر ٹوٹنے والے تاروں کی بارش ہونے لگی، چنانچہ قرآن مجید میں خود جنات کی زبانی بیان ہے۔

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا (جن - ۱)

ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو پایا کہ وہ سخت پہرہ داروں اور ٹوٹنے والوں تاروں سے بھر دیا گیا ہے اور ہم پہلے سننے کو وہاں ٹھکانوں پر بیٹھتے تھے لیکن اب جو کوئی سنے تو تارے کو اپنی تاک میں پائے۔

شرح صدر شرح صدر یعنی سینہ کا کھول دینا یا اس غرض سے چاک کر دینا کہ وہ انوار الٰہی سے معمور کیا جائے، ایک دولت ربانی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی، ارشاد ہوا۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (شرح)

اے محمدؐ کیا ہم نے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا (یا چاک نہیں کر دیا)

احادیث میں گو شرح صدر کی پوری تفصیل مذکور ہے مگر بہرحال قرآن پاک سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خواہ یہ ظاہری طور سے یا باطنی رنگ میں علم و حکمت اور نور معرفت کی غیر معمولی اور مافوق بشری بخشش ہو، ہر صورت میں وہ ایک فہم سے بالاتر کیفیت تھی۔

مکہ سے بیت المقدس تک ایک شب میں سفر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزانہ طریق پر ایک شب میں مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک جو پر اسرار سفر کیا، قرآن نے ان الفاظ میں ان کی تصدیق کی ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى (اسراء-۱)

پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندہ کو خانہ کعبہ سے بیت المقدس تک رات کے وقت ایک شب میں لے گیا۔

حالانکہ ان دونوں مقامات کے بیچ میں اس زمانہ میں مہینوں کا سفر تھا۔

قریش پر قحط سالی کا عذاب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے پہلے بھی یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جب قریش نے آپ کی مخالفت کی تو آپ نے ان کو بد دعا کی کہ خداوندا ان کو سات سال تک قحط میں مبتلا رکھ، جس طرح تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال تک مسلسل قحط کو قائم رکھا تھا، چنانچہ ان پر ایسا سخت قحط پڑا کہ لوگوں نے بھوک کے مارے مردار اور چمڑے کھلائے، یہاں تک کہ جب لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو وہ ان کو دھوئیں کی طرح نظر آتا تھا، یہ حالت دیکھ کر ابو سفیان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمدؐ! تم خدا کی اطاعت اور صلہ رحم کا حکم دیتے ہو، حالانکہ خود تمہاری قوم تباہ ہو رہی ہے اس کے لئے خدا سے دعا کرو، آپ نے دعا فرمائی اور بارش ہوئی جس نے قحط کی مصیبت کو دور کر دیا، اس کے بعد پھر قریش نے حسب دستور آپ کی مخالفت شروع کی تو قیام مکہ ہی کے زمانے میں خدا نے آپ کی زبان سے یہ پیشین گوئی قریش کو سنائی کہ آئندہ اس کا انتقام ایک اور سخت گرفت سے لیا جائے گا، وہ گرفت بدر کی لڑائی تھی چنانچہ سورۂ دخان کی ان آیتوں میں اسی واقعہ کا ذکر ہے[1]۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ

اس دن کا انتظار کر جب آسمان دھواں نمایاں کرے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا، یہ نہایت تکلیف دہ عذاب ہے، خداوندا یہ عذاب ہمارے اوپر سے ہٹا لے، ہم مسلمان ہیں اور کہاں ان کے لئے نصیحت پکڑنا، حالانکہ ان کے پاس ایک رسول کھلم کھلا آیا پھر ان لوگوں نے اس سے اعراض کیا اور کہا یہ سکھایا ہوا پاگل

[1] صحیح مسلم تفسیر سورۂ دخان۔

عَآئِدُوْنَ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ۔ (دخان-۱)

ہے ہم تھوڑی دیر کے لئے عذاب کو ہٹا لینے والے ہیں تم لوگ اسی قدیم حالت کی طرف عود کر جاؤ گے ہم اس روز انتقام لیں گے جو سب سے بڑی پکڑ کا دن ہوگا۔

متوقع ہجرت کی معجزانہ نشانیاں کفار نے دار الندوہ میں چھپ کر آپ کے قتل وغیرہ کے مشورے کئے کوئی مسلمان ان میں شریک تھا اور نہ کسی طرح ہو سکتا تھا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کی خبر اللہ تعالیٰ نے دے دی، دن، تاریخ، وقت سب سے آگاہی ہوگئی اور پھر یہ کہ جس شب کو آپ نے ہجرت کی، سب کو معلوم ہے کہ اس رات کو آپ کے گھر کے چاروں طرف دشمنوں کا پہرہ تھا، تاہم آپ ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر ان ہی کے درمیان سے گزر کر حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ شہر سے نکل گئے، آپ مکہ کے قریب ہی غار ثور میں جا کر چھپے، عرب آثار قدم سے اشخاص کے مقام و گزر گاہ کا پتہ لگانے میں نہایت مشاق تھے، صبح کو وہ آپ کا پتہ لگاتے ہوئے غار مذکور کے دہانہ تک پہنچ گئے، یہاں تک کہ اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو آپ ان کے سامنے تھے حضرت ابوبکرؓ اقتضائے بشری سے گھبرا اٹھے، مگر آپ نے تسلی دی کہ خدا ہمارے ساتھ ہے، چنانچہ ساتھ والے خدا نے یہ تدبیر کی کہ کافروں سے اُن کی یہ سوجھ چھین لی کہ وہ جھک کر دیکھیں اور اُن کے دل میں ایسی بات ڈال دی کہ وہ بے دیکھے واپس چلے گئے، سیر کی اکثر ضعیف روایتوں میں اور مسند ابن حنبل کی ایک روایت میں جو زیادہ کمزور نہیں ہے مذکور ہے کہ مکڑی نے غار کے منہ پر جالے تن دیئے تھے، کفار نے کہا کہ اگر کوئی اس غار میں جا کر چھپتا تو ظاہر ہے کہ یہ جالے ٹوٹ جاتے اور یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے، اس غار سے نکل کر اب آپ مدینہ کی راہ چلے تو قریش کے سوار آپ کے تعاقب میں نظر آئے، چنانچہ سراقہ اپنا گھوڑا دوڑاتا آپ کے قریب پہنچ گیا، دفعۃً گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، تین دفعہ یہی واقعہ پیش آیا، سراقہ اس اعجاز کو دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور خط امان لے کر واپس چلا گیا۔

واقعہ ہجرت کے ان معجزانہ واقعات کا تفصیلی بیان احادیث میں ہے، مگر قرآن مجید کا یہ اجمالی اعتراف ان کی تائیدی شہادت ہے۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ (انفال-۴)

اور یاد کر اے پیغمبر جب کفار تمہارے ساتھ داؤ کر رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا گھر سے نکال دیں، وہ بھی داؤ کر رہے تھے اور خدا بھی داؤ کر رہا تھا اور خدا سب داؤ کرنے والوں میں سے بہتر داؤ کرنے والا ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ

اے لڑائی سے پیچھے رہنے والے لوگو! اگر تم اس پیغمبر کی مدد نہ کرو تو وہ تمہاری مدد سے بے نیاز ہے کہ خدا نے اس وقت اس کی مدد کی جب اس کو کافروں نے مکہ سے نکال دیا تھا اور وہ رفیقوں میں سے ایک تھے جب وہ دونوں غار میں تھے اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے، پھر خدا نے اس پر اپنی

كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ (توبہ - ۶)

تسکین نازل کی اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو نیچا کیا اور خدا ہی کی بات اونچی رہتی ہے اور خدا غالب اور تدبیر والا ہے

خواب میں کفار کا کم دیکھنا

ہجرت کے بعد سب سے بڑا معرکہ غزوۂ بدر کا پیش آیا، جس میں ایک طرف تین سو تیرہ مسلمان تھے جو ہتھیاروں سے بھی پورے آراستہ نہ تھے، دوسری طرف ایک ہزار قریش کی لوہے میں غرق فوج تھی، دنیا قیاس کر سکتی ہے کہ اس جنگ کا خاتمہ کس کے حق میں ہوتا؟ لیکن چونکہ یہ اسلام کی ہمیشہ کے لئے موت وحیات کی ساعت تھی اس لئے کارساز قدرت نے اپنی عجیب وغریب نشانیوں سے حق کو فتح اور باطل کو شکست دی، چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معرکہ کا نقشہ عالم رویا میں دکھایا گیا تھا اور اس میں کفار کی تعداد بہت کم دکھائی گئی تھی جو ان کی ذلت اور شکست کی طرف اشارہ تھا، مسلمانوں نے جب یہ خواب سنا تو ان کی ہمت ہوئی، اگر عالم رویا میں کفار کی کثرت دکھائی جاتی تو مسلمانوں کے حوصلے پہلے ہی سے پست ہو جاتے، چنانچہ قرآن مجید نے اس کی تصریح کر دی۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔ (انفال - ۵)

خدا کے احسان کو یاد کرو جب وہ تجھ کو تیرے خواب میں ان کافروں کو تھوڑا دکھا رہا تھا، اگر تم کو زیادہ کر کے دکھاتا تو تم ہمت ہار دیتے اور لڑائی کے بارہ میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن خدا نے بچا لیا، بے شک خدا سینوں کے راز جانتا ہے۔

مسلمانوں کا کافروں کی نظر میں اور کافروں کا مسلمانوں کی نظر میں کم کر کے دکھانا

اس معرکہ میں سن چکے ہو کہ کافروں کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی، ایسی حالت میں مسلمانوں کا بزدل ہونا لازمی تھا، خدا نے اپنی قدرت کاملہ کا یہ تماشہ دکھایا کہ مسلمانوں کی نگاہوں میں کچھ ایسا تغیر کر دیا کہ وہ مسلمانوں کو بہت تھوڑے معلوم ہونے لگے، اُدھر کفار کو مسلمان تھوڑے نظر آتے تھے، مقصود یہ تھا کہ رؤسائے کفار میدان سے بھاگ کر جانیں بچا کر نہ لے جانے پائیں، اس کی یہ تدبیر کی کہ مسلمان اپنی تعداد سے بھی کم ان کو نظر آنے لگے، اس کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے اپنی فتح کو یقینی سمجھ کر حصول نتیجہ کے لئے نہ تو سرفروشانہ کوشش کی اور نہ بھاگنے کی کوئی ضرورت سمجھی اور یہی بات مسلمانوں کے حق میں مفید ہو گئی۔

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا۔ (انفال - ۵)

خدا کے اس احسان کو یاد کرو جب تم دشمنوں سے صف آرا ہوئے تو وہ تمہاری نگاہوں میں ان کو تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور تم کو ان کی آنکھوں میں کم کر کے دکھا رہا تھا کہ اس کام کو جس کا ہونا مقرر ہے طے کر دے۔

پھر کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کا دونا نظر آنا

پہلے تو خدا نے کافروں کی نگاہ میں مسلمانوں کو کم کر کے دکھایا تاکہ کفار بے پرواہ ہو کر لڑ پڑیں، پھر جب دونوں صفیں

گتھ گئیں تو خدا کے حکم سے مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کی آنکھوں میں ان کی اپنی تعداد سے بھی دونی نظر آنے لگی، اس کا اثر یہ ہوا کہ قریش نے ڈر کر ہمت ہار دی۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ۔ (آل عمران - ۲)

اے یہودیو! تمہارے لئے ان دونوں فوجوں میں جو صف آرا ہوئیں جن میں ایک خدا کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسری خدا کی منکر تھی، یقیناً ایک نشانی تھی، کافروں کا لشکر آنکھوں دیکھتا اپنی مقابل فوج کو اپنے سے دونا دیکھ رہا تھا اور اللہ جس کی چاہتا ہے اپنی مدد سے تائید کرتا ہے اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو چشم بینا رکھتے ہیں، بڑی عبرت ہے۔

فرشتوں کی آمد

یہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ کیونکر گئی؟ کیا آسمان سے فرشتے اتر آئے؟ خدا فرماتا ہے۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (انفال - ۱)

یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں لگاتار ہزاروں فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا اور خدا نے یہ نہیں کیا، لیکن خوش کرنے کے لئے اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں ورنہ فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہے اللہ غالب حکمت والا ہے۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (انفال - ۲)

یاد کرو جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم مسلمانوں کے دل مضبوط کئے رہو، کافروں کے دلوں میں، میں عنقریب رعب ڈال دوں گا۔

میدان جنگ میں پانی برسانا

بدر کے میدان میں جہاں مسلمانوں نے اپنی صفیں قائم کی تھیں وہ جگہ بلند تھی اور جہاں سے قریش کی فوج لڑ رہی تھی وہ جگہ نشیب تھی، اللہ تعالیٰ نے کفار کی شکست کا ایک ظاہری سبب یہ پیدا کر دیا کہ عین اس وقت میدان جنگ میں موسلادھار پانی برسایا جس نے اُدھر تو مسلمانوں کی طرف گرد وغبار بٹھا کر ان کے پاؤں جما دیئے اور ادھر کافروں کی طرف پانی کا ریلا ہوا کہ ان کو زمین پر قدم رکھنا مشکل ہو گیا، خدا خود فرماتا ہے۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ۔ (انفال - ۲)

اور خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب وہ آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تم کو اس پانی سے پاک کرے اور ناپاکی تم سے دور کرے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور اس سے قدموں کو جما دے۔

لڑائیوں میں نیند کا طاری ہونا

معرکۂ جنگ وہ مقام ہے جہاں بڑے بڑے بہادروں کی آنکھ سے نیند اڑ جاتی ہے مگر مایۂ تسکین عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز یہ تھا کہ بدر و احد کے کارزاروں میں مسلمان سپاہیوں کی بے خطری اور بے خوفی کے لئے ان کی آنکھوں پر نیند کا غلبہ کر دیا گیا، تاکہ کسی خوف و خطر کا خیال کئے بغیر وہ اپنے فرض کو انجام دیں، چنانچہ خدا احسان جتاتا ہے۔

وَاِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ۔ (انفال۔۲)	یاد کرو جب خدا اپنی طرف سے تمہاری بے خوفی کے لئے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا۔
ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ۔	پھر خدا نے غم کے بعد بے خوفی کے لئے تم پر نیند اتاری، جو ایک گروہ پر چھا رہی تھی اور دوسرا گروہ تھا جس کو اپنی جان کی فکر غم میں ڈالے تھی۔

آپ کا کنکری پھینکنا

یہ سب کچھ تھا لیکن عین اس دار و گیر کے معرکہ میں ایک مقدس اور پُر سکون دل اور سر بسجود پیشانی کے ساتھ ظاہری ہتھیاروں سے منزہ ہو کر دعاؤں میں مصروف تھا، اس نے سر اٹھایا، اس حیرت ناک منظر پر نگاہ ڈالی اور زمین سے ایک مٹھی کنکری اور خاک اٹھا کر دشمن کی طرف پھینکی دفعۃً باطل کا طلسم چور چور تھا، قرآن گواہی دیتا ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (انفال۔۲)	تو تم نے (مسلمانو) ان کو قتل نہیں کیا، بلکہ خود خدا نے ان کو قتل کیا اور اے پیغمبر تو نے نہیں پھینکا، جب تو نے پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا کہ مسلمانوں کو اس سے (فتح کی) اچھی نعمت عطا کرے خدا دعاؤں کا سننے والا اور بھیدوں کا جاننے والا ہے۔

کوئی رمی کے معنی تیر پھینکنے کے نہ لے کہ آپ نے اس موقع پر کیا، تمام عمر میں سخت سے سخت خطرہ میں بھی کبھی تیغ و تبر اور تیر و خنجر سے دست مبارک کو آلودہ نہیں کیا۔

غزوہ بدر میں دو میں سے ایک کا وعدہ

پڑھ چکے ہیں کہ بدر کے معرکہ سے پہلے قریش کا ایک تجارتی قافلہ مال و اسباب سے لدا ہوا شام سے مکہ جا رہا تھا اور ادھر سے قریش کی فوج بڑے سر و سامان کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کو نکلی تھی، مدینہ سے نکلنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس صورت واقعہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ ان دونوں میں سے ایک چیز تم کو ملے گی یا تو یہ قافلہ اور یا یہ قریش کی فوج شکست کھائے گی، اور تم کو غنیمت کا مال ملے گا، چنانچہ یہ صورت واقعہ بھی درست نکلی اور وعدہ بھی پورا ہوا۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ (انفال۔۱)	اور یاد کرو جب تم سے اللہ وعدہ کر رہا تھا کہ ان دو گروہوں میں ایک تمہارا ہے

غزوۂ احزاب کی خبر

غزوہ احزاب جس میں دفعۃً متحدہ عرب قبائل کا سیلاب مدینہ کے چاروں طرف امنڈ آیا تھا، واقعہ سے بہت پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم رویا میں اس کی اطلاع دی جا چکی تھی، اور آپ نے تمام مسلمانوں کو اس مصیبت کے آنے سے پیشتر باخبر کر دیا تھا، چنانچہ جب یہ صورت حال نظروں کے سامنے آگئی تو اس نشان کے ظاہر ہونے سے مسلمانوں کے ایمان میں اور زیادہ پختگی آگئی اور ان کے دلوں میں آپ کی صداقت کا مزید یقین پیدا ہو گیا۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا۔ (احزاب۔۳)	اور جب مسلمانوں نے ان متحدہ حملہ آور قبائل کو دیکھا تو کہا کہ یہی وہ ہے جس کا وعدہ ہم سے خدا اور اس کے رسول نے کیا تھا اور خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس واقعہ نے ان کو ایمان اور اقرار میں اور زیادہ پختہ کر دیا۔

غزوۂ احزاب میں آندھی

اس غزوہ میں عرب کے مختلف قبائل نے مل کر مسلمانوں پر متحدہ حملہ کیا تھا اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور ڈیرے خیمے ڈال کر اس بات پر جم گئے تھے کہ ہم اسی محاصرہ کی حالت میں مسلمانوں کو مدینہ میں گھیر کر ان کا خاتمہ کر دیں گے، چنانچہ ۲۰ دن تک وہ محاصرہ کئے پڑے رہے، آس پاس کے یہودی جو پہلے مسلمانوں سے عہد کر چکے تھے دشمنوں سے جا کر مل گئے اور اس قدر زور کا حملہ کیا کہ مسلمان فریضۂ نماز بھی وقت پر ادا نہیں کر سکتے تھے، مدینہ میں فاقہ ہونے لگا، منافقین اور کچے دل کے لوگ گھبرا کر ساتھ چھوڑنے لگے کہ عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے باہر اس زور کی آندھی چلائی کہ دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے، طنابیں ٹوٹ گئیں، ہانڈیاں الٹ گئیں اور ایسی سخت سردی پڑی کہ دشمن مضطر ہو کر رہ گئے اور ہمت ہار کر خود محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے، خدا نے مسلمانوں کو اپنا یہ احسان جتایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (احزاب۔۲)	مسلمانو! اپنے اوپر خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب فوجوں نے تم پر حملہ کیا تو ہم نے ان پر ہوا اور ایسی فوجیں بھیجیں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور جو تم کر رہے تھے خدا اس کو دیکھ رہا تھا۔

غزوۂ حنین میں نصرت

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین پیش آیا، گو اس میں مسلمانوں کے ساتھ بڑی بھیڑ شامل تھی لیکن اس میں کچھ نوجوان تھے جو لڑائی کا تجربہ نہیں رکھتے تھے، کچھ مکہ کے نومسلم تھے جو ابھی صبر و ضبط کے خوگر نہیں ہوئے تھے، فوج میں زرہ پوش بھی کم تھے اور مقابلہ قبیلہ ہوازن سے پڑا جو تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، مسلمان جونہی آگے بڑھے، حریف نے ان کو تیروں پر رکھ لیا، پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے لیکن مرکز نبوت اپنی جگہ پر تھا، آپ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا، انہوں نے مہاجرین و انصار کو آوازیں دیں وہ پلٹے تو آپ سواری سے نیچے اترے اور زمین سے ایک مشت خاک اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکی دفعۃً جنگ کا نقشہ بدل گیا، ہوازن شکست کھا کر بھاگ نکلے، یہ واقعہ صحیح مسلم اور دیگر معتبر روایتوں سے مذکور ہے

اور قرآن کی اس صداقت کی گواہی دیتا ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (توبہ۔۴)

خدا نے تمہاری نصرت بہت سے مقامات میں کی اور نیز حنین کے دن جب تمہاری کثرت تعداد نے تم کو مغرور بنا دیا تھا تو یہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی پھر پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹے، پھر اللہ نے اپنی تسکین اپنے رسول پر اور مومنوں پر نازل کی اور وہ فوجیں اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کفر کرنے والوں کو پوری سزا دی۔

"نظر نہ آنے والی فوجوں" کے الفاظ سے قرآن مجید کے ہمیشہ فوق الفہم اور غیر مادی ذرائع و وسائل کی تعبیر کی ہے۔

غیب پر اطلاع غیب پر ذاتی علم تو خدا کے سوا کسی اور کو نہیں، مگر وہ جس کو چاہے اپنی اس بخشش سے سرفراز بھی کر سکتا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے کبھی دور دراز مقامات کی غیوب، کبھی لوگوں کے دلوں کے حالات کبھی مخفی واقعات آئینہ کر دیئے جاتے تھے، مسلمان تو مسلمان، وہ بھی جو سچے دل سے آپ کی صداقت کے قائل نہ تھے اس سے ڈرتے تھے کہ وحی الٰہی جس کے متعلق انھیں تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ واقعات غیبی کے پردہ در ہے، کہیں ان کے مخفی جرائم اور دل کے کھوٹوں کو برملا ظاہر نہ کر دے۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ۔ (توبہ۔۸)

منافقین اس سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورہ اترے جو ان کو ان باتوں سے آگاہ کر دے جو منافقوں کے دلوں میں ہیں۔

بنو نضیر کی سازش کی اطلاع ایک دفعہ ایک ضروری کام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چند رفقائے خاص کے ساتھ بنو نضیر کے قلعہ میں تشریف لے گئے، یہود بنی نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اکابر اسلام کے خفیہ قتل کا اس کو بہترین موقع سمجھا، چنانچہ جس دیوار کے نیچے آپ کھڑے تھے اس کی چھت پر ایک شخص چڑھ گیا کہ اوپر سے ایک بھاری پتھر آپ پر گرا دے کہ دب کر مر جائیں، اللہ تعالیٰ جو اپنے پیغمبر کی حفاظت کا کفیل تھا اس نے بروقت اطلاع دی اور آپ فوراً ان کے دام سے باہر نکل آئے اور ان کو ان کے اس ارادۂ فاسد کی اطلاع بھیج دی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (مائدہ۔۲)

اے مسلمانو: خدا کے اس احسان کو جو اس نے تم پر کیا یاد کرو کہ جب ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا قصد کیا تو خدا نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔

مہاجرین حبش کو بشارت قریش کے گوناگوں مظالم سے تنگ آکر مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اپنے ملک و وطن کو

خیرباد کہہ کر حبش چلی گئی، اول تو غیر ملک اور بے بسی میں ان مسلمانوں کا جانا ہی فکر و تردد کا باعث تھا اور معلوم نہ تھا کہ حبش کے عیسائی بادشاہ اور امراء نئے مذہب کے ان پیرووں کے ساتھ کیونکر پیش آئیں گے؟ اس سے زیادہ فکر کی چیز یہ تھی کہ رؤسائے قریش کے تجارتی تعلقات کے باعث حبش کے امراء ان سے شناسا تھے اور باہم ان کے درمیان دیرینہ روابط تھے، اس کے بعد اس سے بھی زیادہ تردد انگیز یہ واقعہ ہوا کہ رؤسائے قریش نے اپنے گزشتہ تعلقات کی بنا پر نجاشی کے دربار میں تحفے تحائف دے کر اپنے سفراء اس غرض سے بھیجے تاکہ وہ ان بے وطن مسلمانوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت نہ دے، یہ تمام اسباب ایسے تھے جن کی بناء پر مسلمانوں کو عموماً اور مہاجرین کو خصوصاً اپنے مستقبل کی نسبت سخت تشویش کا پیدا ہونا ضرور تھا، اس بنا پر سکینت الٰہی نے ان کو امن و امان کا پیام سنانا ضروری سمجھا چنانچہ اسی تشویش ناک اور تردد انگیز عہد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ (نحل۔۶)

اور جن لوگوں نے اللہ کی خاطر مظلومی کی حالت میں ہجرت کی ہم ان کو بالیقین دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا ثواب سب سے بڑا ہے۔

اگر ہجرت کا لفظ عام ہے اور اس دلیل سے کہ یہ سورہ قیام مکہ کے زمانہ کی ہے اور جن لوگوں نے اس عہد میں ہجرت کی تھی، ان کا ذکر ہے، صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص مہاجرین حبش کے لئے بشارت ہے، سب کو معلوم ہے کہ خدا کا یہ وعدہ کتنا سچا ہوا؟ نجاشی نے نہ صرف یہ کہ قریش کے سفراء کو خلاف توقع ناکام واپس کر دیا بلکہ مسلمانوں کو اس نے بڑی عزت سے جگہ دی اور خود اسلام کی طرف میلان ظاہر کیا، بعض مسلمان چودہ چودہ برس وہاں رہے اور اس اثناء میں کئی نجاشی سریر آرا ہوئے مگر کسی نے اُن سے تعرض نہیں کیا۔

ہجرت کے بعد قریش کو مہلت نہ ملے گی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بے سروسامانی کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، اس حالت کو دیکھ کر کسی شخص کے دل میں یہ خیال بھی نہ پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ بے خانماں قافلہ ایک دن مدینہ سے اس قدر طاقت ور ہو کر نکلے گا کہ جن لوگوں نے ابتدائے نبوت سے آغاز ہجرت تک اس کی جان لینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، وہ اس کے ہاتھوں خود ہلاک و برباد ہو جائیں گے، لیکن قرآن مجید دوسری پیشین گوئی کر رہا تھا، چنانچہ ہجرت سے ایک سال پہلے مکہ معظمہ میں یہ آیت اتری۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل۔۸)

اگر وہ تم کو سرزمین مکہ سے گھبرا چکے تاکہ تم کو اس سے نکال دیں تو وہ تمہارے بعد بہت کم مدت باقی رہیں گے۔

چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور ایک ہی سال کے بعد غزوۂ بدر نے صنادید قریش کا خاتمہ کر دیا اور اہل عرب کی مخالفت کی جڑ کٹ گئی۔

مدینہ میں بڑے بڑے مصائب کا سامنا ہوگا عجب نہیں کہ مدینہ آکر مسلمانوں کو یہ اطمینان ہو گیا ہو کہ ان کی تمام تکلیفوں کا خاتمہ ہو گیا اور اس وقت کوئی ایسا قرینہ بھی نہ تھا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ قریش انتقام کے جوش میں نیام سے تلواریں کھینچ لیں گے اور تمام عرب اس

مہم میں ان کا ہم آہنگ ہو جائے گا اور متصل آٹھ برس تک لڑائیوں کا سلسلہ قائم رہے گا، جس میں مسلمانوں کو فاقہ تنگ دستی، قتل و خونریزی ہر نوع کی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا، مگر عالم غیب کا پیغام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے پہنچ چکا تھا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (بقرہ-۱۹)

اور ہم یقیناً تم کو کسی قدر خوف، فاقہ اور جانوں کی اور مال اور پھلوں کی کمی کی مصیبتوں سے آزمائیں گے۔

دینی اور دنیاوی شہنشاہی کا وعدہ

لیکن اس بے سروسامانی کے عالم میں اس بے خانماں گروہ کے ساتھ خدا تعالےٰ نے ایک وعدہ اور بھی کیا اور ان کو خلافت ارض یعنی دینی و دنیاوی شہنشاہی کی بشارت دی، یہ بشارت واقعات موجودہ کے کس قدر خلاف تھی مگر چند ہی سال میں محال نے وقوع کی صورت اختیار کرلی

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا (سورۂ نور-۱)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا، خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے تم سے پہلے کے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور جو دین ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو مستحکم کردے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

مسلمانوں کی حالت کے لحاظ سے یہ بشارت کس قدر عجیب و غریب تھی، مسلمانوں کا گروہ ایک مظلوم، بیکس اور ضعیف گروہ تھا جس کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دے کر خانماں برباد کر دیا تھا اور اس نے مدینہ میں آکر خدا کے چند نیک بندوں کے سائے میں پناہ لی تھی، یہاں آکر بھی اس کو اطمینان و راحت کی نیند نصیب نہ ہوئی کفار مکہ پہلے ہی سے جان کے دشمن تھے، یہاں آکر دشمنوں کی تعداد میں منافقین اور یہود کا اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہؓ کو ہمیشہ کفار کے حملہ کا خوف لگا رہتا تھا اور ذرا سے شور و غل پر مدینہ میں ہر اسی پھیل جاتی تھی، یہاں تک کہ صحابہ ہمیشہ سوتے جاگتے مسلح رہتے تھے، چنانچہ اس مظلوم گروہ نے اس حالت سے تنگ آکر ایک دن کہا کہ کیا کبھی وہ دن بھی آئے گا، جب ہم کو اطمینان حاصل ہوگا اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہ ہوگا اس پر ان کو قرآن مجید نے خلافت ارض کی بشارت دی[1]۔ اور وہ پوری ہوئی اور اس گروہ نے دنیا پر اس طرح کامیاب حکومت کی کہ اس کے سامنے تمام متمدن حکومتوں کا شیرازہ بکھر گیا، اس سے بڑھ کر اس پیشین گوئی کی صداقت کیا ہو سکتی ہے۔

قبائل عرب کی شکست ہوگی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو غزوات پیش آئے، اسلام کو جو غلبہ حاصل ہوا، کفار کو جو شکستیں ہوئیں، قرآن مجید نے ان کے متعلق پیشین گوئیاں کیں اور اس حالت میں کیں جب ظاہری اسباب کے لحاظ سے کسی کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ جب ہر طرف سے کفار کا ہجوم تھا اور اس ہجوم کو دیکھ کر ان کو یقین تھا کہ تمام عرب مل کر مسلمانوں کا خاتمہ کر دے گا، خدا نے

[1] مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۲۱۰۔

یہ اعلان عام کر دیا کہ عنقریب خود مسلمان تمام عرب قبائل کی مخالفانہ قوتوں کا خاتمہ کر دیں گے۔

أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (قمر-۳)

کیا وہ کفار کہتے ہیں کہ ہم سب ایک اور ایک دوسرے مددگار ہیں، یہ جتھا عنقریب توڑ دیا جائے گا اور وہ پیٹھ پھیریں گے۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا (فتح-۳)

اور اگر کفار تم سے لڑیں گے تو ان کو بھاگنا پڑے گا پھر وہ کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ (توبہ-۲)

تم ان سے لڑو، خدا ان کو تمہارے ہاتھ سے عذاب دے گا اور ان کو رسوا کرے گا اور تم کو ان پر فتح دے گا، اور مسلمانوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا۔

اور یہ تمام پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں پوری ہوئیں، اسلام نے عرب کے تمام قبائل کی مخالفانہ قوتوں کا خاتمہ کر دیا اور انہوں نے ہر موقع پر شکستیں کھائیں۔

قریش کی شکست اور بربادی کے وعدے

مصیبت زدہ اور بے سروسامان مسلمانوں کی تسکین کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قریش کی تباہی و بربادی اور مسلمانوں کی فتح و کامیابی کے متعدد وعدے کئے گئے تھے، جن میں سے بعض آپ کی زندگی میں اور بعض آپ کی وفات کے بعد پورے ہونے والے تھے۔

فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُم مُّنتَقِمُونَ ۝ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِم مُّقْتَدِرُونَ ۝ (زخرف-۴)

پس اگر ہم تجھ کو اٹھا لیں تو بھی ان کافروں سے انتقام لیں گے اور اگر ہم تیری زندگی میں تجھ کو وہ دکھا دیں یعنی کی دھمکی ان کافروں کو ہم نے دی ہے تو ہم ان پر قدرت رکھتے ہیں۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝ (مومن-۸)

تو صبر کر خدا کا وعدہ یقیناً سچا ہے تو جس بات کی دھمکی ہم ان کافروں کو دیتے ہیں اس کو یا تیری زندگی میں دکھا دیں گے یا تجھ کو موت دیں گے تو وہ ہمارے پاس ہی لوٹائے جائیں گے۔

وَإِن مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ

اور اگر تیری ہی زندگی میں بعض وہ وعدے جو ہم نے ان سے کئے ہیں دکھا دیں یا تجھ کو موت دے دیں تو تیرا فرض صرف پیام پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ ہم اسلامی فتوحات کے ذریعہ

أَطْرَافِهَا وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۔ (رعد ۔ ۶)

سرزمین (عرب) کے حدود میں (کافروں کے قبضہ کو) کم کرتے جاتے ہیں، خدا ہی اپنا حکم چلاتا ہے، کوئی اس کے حکم کو رد و بدل نہیں کر سکتا۔

فتح کی پیشین گوئیاں

جو چیز مسلمانوں کے دل سے لگی ہوئی تھی وہ فتح مکہ تھی، یعنی اس شہر پر قبضہ، جہاں سے وہ نہایت بے بسی اور بے کسی کے عالم میں نکلے تھے اور جس کے حدود میں ان کو قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی، وہ گو اب مدینہ کے دار السلطنت میں تھے، تاہم وطن کی یاد دلوں سے کم نہیں ہوتی تھی، ان کو فتح پر فتح ہوتی جاتی تھی، لیکن اُن کے دل کی کلی اپنی شگفتگی کے لئے جس موسم بہار کا انتظار کر رہی تھی، وہ ہنوز نگاہوں سے دور تھا، مگر بشارت الٰہی ہر قدم پر اُن کے لئے تسکین کا نیا پیام لا رہی تھی اور مژدۂ فتح سے اُن کے دل شاد کرتی جاتی تھی، سورۂ قصص میں یہ آیت اتری۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلٰى مَعَادٍ (قصص ۔ ۹)

جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے، وہ تجھ کو ٹھکانے کی طرف پھر لوٹا کر لے جانے والا ہے۔

یعنی مکہ[1]، پھر سورۂ صف میں خدا نے مسلمانوں کو آخرت میں جنت کی بشارت دینے کے ساتھ اس دنیا میں بھی ایک بشارت دی۔

وَأُخْرٰى تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (صف ۔ ۲)

اور دوسری نعمت جس کو تم دل سے چاہتے ہو، وہ خدا کی طرف سے نصرت اور عنقریب فتح ہے، اور مسلمانوں کو بشارت سنا دے۔

صلح حدیبیہ سے پہلے خواب میں آپ کو خانۂ کعبہ کا داخلہ دکھایا گیا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ (فتح ۔ ۴)

خدا نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دیا، تم لوگ یقیناً مسجد حرام میں اگر خدا نے چاہا تو بے خوف و خطر داخل ہو گے، بال منڈا کر یا ترشوا کر کسی سے نہ ڈرو گے۔

حدیبیہ سے واپس آپ آ رہے تھے کہ سورۂ فتح نازل ہوئی۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (فتح ۔ ۱)

ہم نے کھلی فتح تم کو دی۔

آپ نے اسی وقت حضرت عمرؓ کو بلوا کر یہ خوشخبری سنائی، اس کے دو برس کے بعد مکہ کی دولت مسلمانوں کو مل گئی۔

خیبر اور حنین کی فتح کی پیشین گوئی

۶ھ کی صلح حدیبیہ میں فتح مکہ کی پیشین گوئی کی جا چکی تھی جو ۸ھ میں پوری ہوئی لیکن حدیبیہ کی صلح میں مسلمانوں نے رسول کی اطاعت اور متابعت کا جو بہترین نمونہ پیش کیا تھا اور جس صبر اور تحمل سے صلح حدیبیہ کے شرائط کو مسلمانوں نے تسلیم کر لیا تھا اس کے معاوضہ میں اللہ تعالیٰ نے دوسری فتوحات عظیم کا وعدہ مسلمانوں سے کیا جن میں بے شمار مال غنیمت ان کو ہاتھ آنے والا تھا۔

---

[1] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور۔

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا (فتح ۔ ۴)

تو خدا نے وہ جانا جو تم نے نہیں جانا اور اس (فتح مکہ) سے پہلے ایک عنقریب فتح تمہارے لئے بنائی اور اسی نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور خدا گواہ کافی ہے۔

یہ خیبر کی فتح تھی جو صلح حدیبیہ کے ایک سال کے بعد اور فتح مکہ سے ایک سال پہلے حاصل ہوئی اور جس کے ذریعہ عرب میں یہودیوں کی قوت کا خاتمہ ہو گیا اور اسلام کو عرب کے تمام مذاہب پر غلبہ حاصل ہو گیا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۔ (فتح ۔ ۳)

خدا مسلمانوں سے خوش ہو گیا، جب وہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے تو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا (یعنی فتح کے لئے بے چینی) اس کو جان لیا تو اس نے ان پر تسکین نازل کی اور اس کے بدلہ میں سر دست ایک فتح ان کو دی اور بہت سا مال غنیمت جس پر وہ قبضہ کریں گے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ (فتح ۔ ۳)

خدا نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جس کو تم لو گے تو یہ ایک غنیمت تم کو جلد عطا کر دی اور لوگوں کی دست درازی کو تم سے روک دیا اور تاکہ مسلمانوں کے لئے ایک نشانی ہو۔

چنانچہ خیبر کی فتح میں مسلمانوں کو خیبر کی تمام سرسبز و شاداب زمینیں اور ہرے بھرے نخلستان مل گئے اور اس کے ایک سال بعد حنین کی فتح میں مال غنیمت کا بے شمار ذخیرہ (چھ ہزار اسیران جنگ، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی) مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

یہود کو اعلان

عرب کے یہود اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں جان و مال سے دریغ نہیں کرتے تھے تاہم یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے کہ قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق بعض پیشین گوئیاں ایسی کیں کہ اگر وہ ہمت سے کام لیتے تو اس کا ابطال خود ان کے امکان میں تھا، مثلاً یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ وہ خدا کے چہیتے ہیں اور جنت ان کے لئے مخصوص ہے، لیکن چونکہ جنت صرف مرنے کے بعد نصیب ہو سکتی ہے اور جن لوگوں کو اس کے ملنے کا یقین کامل ہو، وہ اس کے لئے جان دینے سے دریغ نہیں کر سکتے اس لئے قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق کہا۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظّٰلِمِينَ (بقرہ ۔ ۱۱)

کہہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے لئے مخصوص ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی آرزو کرو لیکن وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہرگز یہ آرزو نہ کریں گے، خدا ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ (جمعہ۔۱)

کہہ اے یہود! اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ صرف تمہیں خدا کے دوست ہو تو اگر تم اس میں سچے ہو تو موت کی آرزو کرو وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہرگز اس کی آرزو نہ کریں گے خدا ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

لیکن باوجود اس کے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے تھے اور آرزوئے موت اُن کے لئے ممکن تھی تاہم قرآن مجید کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور آج تک کسی یہودی نے لقائے الٰہی کی آرزو میں جان نہیں دی۔

یہود کی دائمی ناکامی

یہود سے دمبدم مقابلہ درپیش تھا اور پورے سات برس تک یہ مقابلہ درپیش رہا، یہود عرب میں بڑی طاقت رکھتے تھے، تمام مالی کاروبار اُن کے قبضہ میں تھا، اُن کے پاس بکثرت دولت تھی، عربوں سے تہذیب و تمدن اور علوم و فنون میں علانیہ فائق تھے، ہر طرح کے سامانِ جنگ رکھتے تھے اور فنِ جنگ سے بھی کماحقہ واقف تھے، مدینہ سے لے کر حدودِ شام تک ان کے تجارتی قلعوں کی مسلسل قطاریں تھیں اور ادھر مسلمانوں کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہ تھی، بایں ہمہ قرآن مجید نے اپنے پیغمبر کی زبانی یہ اعلان عام کر دیا۔

وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ۔

اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو اُن کے لئے یہ بہتر ہوتا ان میں بعض ایماندار اور اکثر فاسق ہیں، وہ تم کو سوا تھوڑی تکلیف دینے کے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور اگر وہ تم سے لڑیں تو پشت پھیر دیں، پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی، ان پر ذلت جہاں کہیں وہ ہوں چھینک ماری گئی ہے لیکن خدا کے کسی وسیلہ سے یا لوگوں کی سفارش سے کبھی کبھی اس ذلت سے بچ جاتیں، خدا کا غضب لے کر وہ لوٹیں گے اور بیچارگی ان پر چھا جاتے گی۔

اُس وقت سے آج تک ان کی ایشیا، افریقہ اور یورپ ہر جگہ کی تاریخ اس صداقت سے معمور پیشین گوئی کی صرف ظرفِ تصدیق ہے۔

روم کی قوت ٹوٹ جائے گی

سنہ ھ کے بعد مسلمانوں کا مقابلہ عرب کے مشرکین اور یہود سے زیادہ سخت اور طاقت ور دشمن رومی عیسائیوں سے آپڑا۔ رومن امپائر کی وسعت، قوت سامان، نظام، فوج، خزانہ کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کی حالت پر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ ایک پرکاہ کا کوہ سے مقابلہ ہے، تاہم اسلام کے پیغمبر کی زبان سے اُسی وقت یقین و تسلی کے کلمات دنیا نے سُن لئے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ

وہی خدا ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (صف۔۱)

بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غلبہ عطا کرے۔

دنیا کو اس پیشین گوئی کی تصدیق کے لئے صرف سال کا انتظار کرنا پڑا۔

خلفائے راشدین کے زمانہ کی لڑائیاں

لیکن قرآن مجید کی پیشین گوئیاں صرف انہی غزوات کے ساتھ مخصوص نہ تھیں جو عہد نبوت میں پیش آئے بلکہ اس کے بعد بھی خلفاء کے زمانہ میں جو عظیم الشان لڑائیاں واقع ہوئیں، ان کے متعلق قرآن مجید نے پہلے سے پیشین گوئی کر دی تھی اور وہ آئندہ زمانہ میں پوری ہوئیں۔ مسلمانوں کو ایرانیوں اور رومیوں سے جو جنگ کرنا پڑی وہ تاریخ اسلام کا ایک نمایاں واقعہ ہے لیکن قرآن مجید نے اس کے نتائج کا پہلے سے اعلان کر دیا تھا۔

قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ (فتح۔۲)

جہاد میں جان چرانے والے بدوؤں سے کہہ دو کہ تم کو ایک سخت طاقتور قوم سے جنگ کرنے کے لئے بلایا جائے گا تم لوگ ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوں گے۔

چنانچہ یہ جنگ ہوئی اور وہی نتیجہ ہوا جس کو قرآن مجید نے دو صورتوں میں یعنی قتل اور اسلام میں محدود کر دیا تھا۔

وفاتِ نبوی کی پیشین گوئی

مکہ کی فتح کے بعد آپ کی زندگی کا مقصد پورا ہو گیا اور اس عام اصول کی بنا پر کہ انبیاء اپنی زندگی کا مقصد پورا کرنے کے بعد نہیں رہتے، وہ وقت آیا کہ آپ اپنی اصلی مرکز یعنی ملاء اعلیٰ سے جا ملیں، اس لئے خداوند تعالیٰ نے اس راز کو ایک مستقل پیشین گوئی کی صورت میں ظاہر کر دیا۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا (والنصر)

جب خدا کی مدد اور فتح آگئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں جھنڈ کے جھنڈ داخل ہو رہے ہیں تو خدا کی تسبیح اور استغفار کر، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس سورہ میں آپ کے وصال کی پیشین گوئی اگرچہ نہایت مبہم الفاظ میں کی گئی ہے لیکن اشارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مژدۂ فتح نہیں بلکہ مژدۂ وصال ہے، کیونکہ مژدۂ فتح کے ساتھ تسبیح و استغفار کو کوئی مناسبت نہیں بلکہ اس کے لئے شکر موزوں ہے، تسبیح و استغفار کا اصلی وقت وہ ہے جب انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے چنانچہ صحابہ میں جو لوگ نکتہ دانِ شریعت تھے وہ اس راز کو سمجھ گئے تھے[1]۔

*

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ مذکور۔

آیات و دلائل نبویہ

بروایت صحیحہ

گزشتہ صفحات میں صرف وہی آیات و دلائل پیش کئے گئے ہیں جو صراحۃً قرآن مجید میں مذکور ہیں یا کم از کم اُن کے اشارات قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں، لیکن ذیل میں ان آیات و دلائل کا استقصاء مقصود ہے جو صحیح اور مستند روایتوں سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، اس قسم کے آیات و دلائل کا گو بڑا حصہ فرداً فرداً اخبارِ احاد سے ثابت ہے مگر مجموعی حیثیت سے ان کا درجہ خبرِ مشہور تک پہنچ جاتا ہے، مثلاً تھوڑی سی مقدار کا بڑھ کر زیادہ ہو جانا، ہاتھ سے پانی کے چشمہ کا اُبل پڑنا، امراض سے غیر معمولی طور پر شفایابی حاصل کرنا اور دعاؤں کا غیر معمولی طریق سے قبول ہو جانا ان میں سے ہر قسم کے معجزات کے جزئی جزئی واقعے گو صرف ایک ایک دو دو راویوں کی زبانی بیان ہوئے ہیں مگر ان میں سے ہر قسم کے معجزہ کے متعلق تو بر تو شہادتیں موجود ہیں جن کی بنا پر اُن میں سے ہر قسم کے معجزات خبرِ متواتر نہیں تو خبرِ مشہور تک ضرور پہنچ جاتے ہیں۔

البتہ بعثت سے پہلے جو عجائبات آپؐ سے صادر ہوئے یا جو غیر معمولی سوانح آپ کو پیش آئے، ان کی صحت محدثانہ اصول سے بہت کم ثابت ہے لیکن اس کی وجہ اس عہد میں اس قسم کے واقعات کا کم ہونا یا غلط ہونا نہیں ہے بلکہ اس عہد کے واقعات کے راوی چونکہ عموماً ماں باپ اور خاندان کے بڑے بزرگ ہوا کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ بعثت کے بعد بلکہ مدینہ کی پُر امن زندگی شروع ہونے کے بعد جب اسلام کے سلسلہ روایت کا صحیح طریقہ سے آغاز ہوا تو آپ کے خاندان کے بزرگوں میں سے جنھوں نے آپ کے بچپن اور نوجوانی کا عہد دیکھا تھا کوئی موجود نہ تھا، والدین پہلے ہی وفات پاچکے تھے، دادا کا بھی انتقال ہو چکا تھا، چچاؤں میں ابولہب آپ کا دشمن ہی تھا، ابوطالب ؔ ایامِ اسلام ہی میں مر چکے تھے، حضرت حمزہؓ ہم سن تھے اور ۳ھ ہی میں شہادت پا چکے تھے، حضرت عباسؓ صرف دو برس بڑے تھے، اس بنا پر محدثانہ اصولِ تنقید کے معیار پر اس زمانہ کے واقعات کا سلسلہ روایت بہت کم صحیح اترتا ہے اور اس لئے وہ غیر مستند ٹھہرتے ہیں۔

بہرحال تمام صحیح معجزات کے استقصاء سے کچھ واقعات بعثت سے پہلے کے معلوم ہوتے ہیں، کچھ مکہ کی زندگی کے اور زیادہ تر مدینہ کے عہد کے جب اسلامی روایتوں کا سلسلہ راویوں کی کثرت کے باعث مستحکم ہو چکا تھا، ملتے ہیں، بعثت کے بعد جو معجزات ظاہر ہوئے ہیں وہ نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہیں، مثلاً بعض واقعات اجسامِ کائنات میں تصرف اور تاثیر کے ہیں، بعض تکثیرِ اشیاء کے ہیں، بعض استجابتِ دُعا اور شفائے امراض وغیرہ کے ہیں، اس لئے ذیل میں ہر نوع کے معجزات کو ہم علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں۔

علاماتِ نبوت

قبل بعثت

ہر شخص اس کو تسلیم کرے گا کہ ممتاز افراد کے سوانحِ زندگی میں شروع ہی سے ایسے آثار پائے جاتے ہیں، جو اُن کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی کرتے ہیں، جب یہ ان عام ممتاز افرادِ انسانی کا یہ حال ہے جو خاندانوں، قوموں اور ملکوں کے صرف ظاہری رہنما اور رہبر ہوتے ہیں تو اس حیثیت سے اُن برتر ہستیوں کی نسبت کیا شبہ ہو سکتا ہے جو قوموں کے روحانی پیشوا اور انسانیت کے حقیقی رہبر اور رہنما ہوتے ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی سوانحِ زندگی میں اس قسم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں، کتبِ سیر و دلائل کے مصنفین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر بعثت تک کے ان تمام واقعات کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے، مگر جیسا کہ پہلے گزر چکا محدثانہ اصول کی سخت گیری نے ہمارے لئے ان کا دائرہ بہت تنگ کر دیا ہے، صحیح روایتوں سے اس عہد کے جو واقعات علاماتِ نبوت کے تحت میں آ سکتے ہیں، وہ حسبِ ذیل ہیں۔

حضرتِ آمنہ کا خواب متعدد صحابیوں سے روایت ہے کہ صحابہ نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اپنا حال بیان فرمایئے، فرمایا، میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں، میری ماں نے جب میں پیٹ میں تھا، خواب دیکھا کہ ان کے بدن سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے،[1] یہ خالد ابن معدان تابعی کی روایت ہے، جو گو ابن سعد میں مرسل ہے، مگر مستدرک میں ہے کہ انہوں نے اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، حضرت عرباضؓ بن ساریہ کی روایت میں کچھ الفاظ زیادہ ہیں، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا، میں خدا کا بندہ اور خاتم انبیاء اس وقت سے ہوں کہ میرا باپ (آدم) آب و گل میں تھا، میں اس کی تفصیل بتاتا ہوں، میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دُعا، عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی ماں آمنہ کا خواب ہوں، اور اسی طرح پیغمبروں کی مائیں خواب دیکھا کرتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے آپ کی ولادت کے وقت خواب دیکھا کہ ایک نور ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے،[2] پھر یہ آیت پڑھی،[3]

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (احزاب - ۶)

اے پیغمبر! میں نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور خدا کے حکم سے خدا کی طرف پکارنے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

---

[1] ابن سعد جلد اول ص ۹۶ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۶۰۰ [2] مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۱۲۷ بیہقی، مستدرک (مع شرح الصحیح) ج ۲ ص ۶۰۰ و ابن سعد ج ۱ ص ۹۶ [3] مستدرک حاکم (صحیح) جلد ۲ ص ۴۱۸۔

ولادت نبوی کی پیشین گوئیاں یہود ونصاریٰ میں

احادیث سیر اور دلائل کی کتابوں میں تو بر تو ایسی روایتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہور نبوی کے عہد میں یہود و نصاریٰ خاص طور سے آنے والے پیغمبر کے منتظر تھے اور اس کے جلد ظہور اور بعثت کی مختلف پیشین گوئیاں کر رہے تھے، ان روایتوں میں سے گو ہر روایت، بجائے خود ضعیف ہے، مگر ان کی مجموعی حیثیت سے یہ قدر مشترک ضرور نکلتا ہے کہ یہ عہد ان لوگوں کے نزدیک آنے والے پیغمبر کے خاص انتظار کا تھا اور مدینہ کے لوگوں میں اور مکہ کے جویانِ حق اشخاص میں اس پیغمبر کے ظہور کا خاص ذکر اور چرچا تھا۔

بُت خانوں سے غیبی آوازیں

اسی طرح ان کتابوں میں بکثرت روایتیں ایسی ہیں جن میں بیان ہے کہ آپ کی پیدائش کے بعد لوگوں نے بُت خانوں کے اندر غیبی آوازیں سنیں کہ اب صنم خانوں کی بربادی کا زمانہ آگیا، پیغمبر صادق کی ولادت ظہور میں آچکی ہے: ان روایتوں کا اکثر حصہ سخت کمزور اور ناقابلِ اعتبار ہے تاہم مجموعی شہادت سے اس قدر اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس عہد میں اس قسم کا کوئی واقعہ ضرور ہوا تھا، چنانچہ صحیح بخاری کے حوالہ سے اس قسم کی ایک روایت آگے آتی ہے۔

شق صدر

تمام اربابِ سیر اور بعض محدثین کی روایت کی بنا پر بچپن کے زمانہ میں جب آپ حضرت حلیمہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے شق صدر کا واقعہ پیش آیا، ایک روایت میں ہے کہ بعض صحابہ نے آپ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! آپ کو سب سے پہلا غیبی واقعہ کیا پیش آیا؟ اس کے جواب میں آپ نے دو فرشتوں کی آمد اور شقِ صدر کا واقعہ بیان کیا۔[1]

اس واقعہ کی سب سے مستند روایت وہ ہے جو حماد بن سلمہ اور ثابت البنانی کے واسطہ سے صحیح مسلم، مسند احمد اور ابن سعد وغیرہ میں ہے کہ آپ ایک روز بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے آپ کو پکڑ کر سینۂ مبارک کو چاک کیا اور قلب اقدس سے خون کا ایک لوتھڑا نکال کر پھینک دیا اور کہا کہ یہی حصہ تجھ میں شیطان کا تھا پھر سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھو کر برابر کر دیا۔ لڑکے بھاگے ہوئے حلیمہ کے پاس آئے کہ محمدؐ کو کسی نے مار ڈالا، حلیمہ آئیں تو دیکھا کہ آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ کے سینہ میں اس زخم کے ٹانکے کے نشان ہم کو نظر آتے تھے،[2] مستدرک میں بھی اسی قسم کی ایک اور روایت خالد بن معدان سے عتبہ بن عبد السلمی کے واسطہ سے مذکور ہے (باب دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۶)

ارباب سیر اور بعض محدثین کی روایت کے مطابق میں نے اس واقعہ کو یہاں لکھ دیا ہے مگر اس باب میں میری جو ذاتی تحقیق ہے وہ اس سے پہلے (شرح صدر) حوالۂ قلم کر چکا ہوں۔

مبارک قدم ہونا

روایتوں میں آپ کے مبارک قدم ہونے کے بہت سے واقعات مذکور ہیں، مگر ان میں سے کوئی بطریق صحیح مروی نہیں، صرف ایک روایت صحیح طریقہ سے مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک صحابی اپنے

[1] مستدرک حاکم جلد ۲ باب معجزات ابن سعد ج ۱ ص ۹۶ و مسند دارمی باب کیف کان اول شان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مسند ابو یعلی و ابو نعیم و ابن عساکر و احمد عن عتبۃ ابی عبدان [2] صحیح مسلم باب الاسراء ابن سعد ج ۱ ص ۹۷ و مسند ابن حنبل روایت حضرت انسؓ ج ۳ ص ۳

باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اسلام سے پہلے جاہلیت میں حج کرنے گئے تھے، تو انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص طواف میں مصروف ہے اور اس کی زبان پر شعر میں دعا ہے۔

یارب رُدّ واصطنع عندی یدا ۔۔۔ رُدّ الی راکبی محمدا

اے میرے پروردگار! میرے سوار محمدؐ کو واپس بھیج اور مجھ پر یہ ایک احسان کر۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ عبد المطلب ہیں، ان کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا انھوں نے اپنے پوتے کو اس کے ڈھونڈنے کے لئے بھیجا ہے اور وہ اب تک لوٹ کر نہیں آیا ہے، ان کا یہ پوتا ایسا ہے کہ انھوں نے جس کام کے لئے اس کو بھیجا ہے ان کو کامیابی ہی ہوئی ہے، کچھ دیر کے بعد آپ اونٹ لے کر واپس آتے نظر آئے، عبد المطلب نے سینہ سے لگا لیا۔[1]

بے ستری میں آپ کا غش کھا کر گرنا

آپ بچہ تھے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر درپیش ہوئی، تمام شرفائے مکہ اس مقدس گھر کے معمار اور مزدور بنے، بچے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے، انہی بچوں کی صف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے، حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تہبند کھول کر گردن پر رکھ لو کہ پتھر کی رگڑ سے گردن پر خراش نہ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا کے حکم کی تعمیل کی، دفعۃً آپ غش کھا کر گر پڑے اور آنکھیں پھٹ کر آسمان سے لگ گئیں، جب ہوش آیا تو آپ کی زبان پر یہ لفظ تھے میرا تہبند، میرا تہبند، لوگوں نے تہبند کر سے باندھ دیا،[2] یہ صحیحین کی روایت ہے، حاکم اور ابو نعیم میں ہے کہ ابو طالب نے اس کے بعد واقعہ دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھے ایک سفید پوش مرد نظر آیا جس نے کہا کہ ستر پوشی کر، بیہقی اور ابن سعد میں اور حاکم کی دوسری روایت میں ہے کہ ندا آئی کہ محمدؐ اپنے ستر کو چھپا، ان روایتوں میں ہے کہ غیب کی یہ پہلی آواز تھی جو آپ کو سنائی دی۔

نیند طاری ہونا

حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ بعثت سے پہلے صرف دو دفعہ میرے دل میں برا خیال آیا اور دونوں دفعہ خدا نے مجھے بچا لیا، ایک دفعہ رات کو میں نوجوان چرواہوں کے ساتھ مکہ سے باہر تھا میرے دل میں آیا کہ شہر کے اندر جا کر لطف احباب اٹھاؤں، چلا تو سر راہ شادی کا ایک جلسہ نظر آیا میں دیکھنے کھڑا ہو گیا تو خدا نے مجھ پر نیند طاری کر دی تو اس وقت تک میں نہ جاگا جب تک سورج کی کرنوں نے آکر میرے شانے نہ ہلائے، دوسری دفعہ جب خیال آیا تو پھر یہی واقعہ گزرا، اس کے بعد میں نے جاہلیت کا کوئی ارادہ نہ کیا یہاں تک کہ خدا نے مجھ کو نبوت سے مشرف کیا۔[3]

صدائے غیب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دفعہ بیٹھے تھے، سامنے

[1] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۶۰۳ ذہبی نے حاکم کی اس روایت کو علیٰ شرط مسلم تسلیم کیا ہے علاوہ ازیں تاریخ بخاری ابن سعد، ابو یعلیٰ، طبرانی، بیہقی، ابو نعیم اور ابن مندہ میں یہ واقعہ مذکور ہے [2] صحیح بخاری ج اول کتاب المناقب باب بنیان الکعبہ، صحیح مسلم [3] مسند ابن راہویہ، ابن اسحاق، بزار، بیہقی، ابو نعیم، ابن عساکر قال ابن حجر اسنادہ حسن متصل ورجالہ ثقات (خصائص کبری، سیوطی ج اول ص ۸۸ بحوالہ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۴۵ علی شرط مسلم)

خندق کھود رہے تھے، اتفاق سے ایک جگہ ایک بہت سخت چٹان نکل آئی۔ لوگوں نے ہر چند اس کو توڑنا چاہا، مگر وہ نہ ٹوٹی، کدالیاں اس پر پڑ پڑ کر اچٹ جاتی تھیں، آخر لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر صورت حال عرض کی، آپ اٹھ کر خود تشریف لائے اور کدال ہاتھ میں لے کر ایک ضرب لگائی تو وہ چٹان ریگ ہو کر چور چور ہو گئی۔[1]

درختوں اور پہاڑوں سے سلام کی آواز حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں ایک طرف کو نکلا تو میں نے دیکھا کہ جو پہاڑ اور درخت بھی سامنے آتا ہے اس سے السلام یارسول اللہ کی آواز آتی ہے اور میں اس کو سن رہا تھا۔[2]

پہاڑ کا ہلنا صحیح بخاری میں ہے ایک دن آپؐ اور آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ[3] اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے۔ ایک پہاڑ پر چڑھے، پہاڑ جنبش کرنے لگا، آپؐ نے پہاڑ کو پائے مبارک سے ٹھوکر مار کر فرمایا، ٹھہر جا! کہ تیری پشت پر اس وقت پیغمبر ہے یا صدیق ہے یا شہید ہے۔[4]

صحیح بخاری میں راوی کو شک ہے، یہ پہاڑ کوہ احد تھا یا کوہ حرا، مگر صحیح مسلم اور مسند احمد میں صرف کوہ حرا کا اور ابو یعلی اور بیہقی میں صرف کوہ احد کا نام ہے، بہر حال اگر یہ کوہ احد تھا تو مدینہ کا یہ واقعہ ہے اور اگر کوہ حرا تھا تو مکہ کا ہے۔

آپ کے اشارہ سے بتوں کا گر جانا فتح سے پہلے خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کا معبد تھا، جب مکہ فتح ہوا تو آپؐ کعبہ میں تشریف لے گئے، دست مبارک میں ایک چھڑی تھی اور زبان اقدس پر یہ آیت کریمہ جاری تھی۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل۔ ۹) — حق آیا اور باطل مٹ گیا، باطل مٹنے ہی کے لئے آیا تھا۔

آپ چھڑی سے جس بت کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ بے چھوئے دھم سے گر پڑتا تھا (فاکہی بتصحیح ابن حبان و بیہقی و طبرانی و ابونعیم)

یہ واقعہ کہ کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے اور آپؐ دست مبارک میں چھڑی لے کر ان بتوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے اور آیت مذکور تلاوت کرتے جاتے تھے، صحیح بخاری و مسلم باب فتح مکہ میں موجود ہے مگر اس اشارہ سے بے چھوئے بتوں کا گر جانا گر تے جانا صحیحین میں مذکور نہیں، البتہ فاکہی میں بروایت عمرؓ اور طبرانی، ابن اسحاق اور ابونعیم میں بروایت ابن عباسؓ موجود ہے۔ فاکہی کی روایت کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے، صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح میں جو روایت ہے اس سے ضمناً اس کے خلاف یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے ان لوگوں سے نکلوا

---

[1] صحیح بخاری (غزوۂ خندق) و نسائی (کتاب الجہاد) و بیہقی و ابونعیم و ابن سعد و ابن اسحاق و ابن جریر [2] جامع ترمذی ذکر معجزات بروایت حسن [3] صحیح بخاری مناقب ابی بکرؓ۔ [4] صحیح مسلم فضائل حضرت طلحہؓ و زبیرؓ۔ صحیحین کے علاوہ یہ واقعہ مسند ابن حنبل بروایت بریدہ اور ترمذی، نسائی اور دار قطنی بروایت حضرت عثمانؓ اور ابو یعلی اور بیہقی میں بروایت سہل بن سعد مذکور ہے۔

کر پھینکوا دیا، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابن عباس لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی ان یدخل البیت وفیہ الالھۃ فامر بہا فاخرجت۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ جب آپؐ مکہ آئے تو اس حالت میں کہ خانہ کعبہ کے اندر بت تھے آپ نے اس کے اندر جانے سے انکار کیا تو آپ نے ان کے باہر نکال دینے کا حکم دیا تو وہ باہر نکال دیئے گئے۔

اگر فاکہی، طبرانی، ابن اسحاق اور ابونعیم کی روایت بالا صحیح ہو تو اس میں اور بخاری کی اس روایت میں یہ تطبیق ممکن ہے کہ پہلے جن بتوں کا ذکر ہے وہ حول البیت یعنی خانہ کعبہ کے باہر چاروں طرف تھے، آپؐ ان کی طرف اشارہ کر کے آیت مذکور کو پڑھتے تھے اور وہ گر جاتے تھے اور خانہ کعبہ کے اندر جو بت تھے اپنے اندر جانے سے پہلے آپ نے ان کو نکلوا کر پھینکوا دینے کا حکم دیا تھا، اسی طرح بخاری و مسلم کی فتح مکہ والی روایت میں جن بتوں کو چھڑی سے کونچے دینے کا ذکر ہے وہ، وہ ہیں جو باہر تھے یعنی حول البیت اور جن کے نکلوانے کا ذکر بخاری کی دوسری روایت میں ہے وہ خانہ کعبہ کے اندر تھے۔

کھانوں سے تسبیح کی آواز حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ تم لوگ معجزوں کو خوف کی چیز سمجھتے ہو اور ہم لوگ ان کو برکت سمجھتے تھے، ہم کھانوں سے جب وہ کھائے جاتے تھے، تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔[1]

زمین کا ایک مرتد کو قبول نہ کرنا ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا اور سورۂ بقرہ و آل عمران پڑھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کتابت وحی کی خدمت کی، چند دنوں کے بعد وہ مرتد ہو کر بھاگ گیا اور عیسائی ہو گیا۔ اور مشہور کیا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی دکھائی یعنی اس کو موت دے دی، اس کے دوستوں نے اسے دفن کیا تو صبح کے وقت لاش قبر کے باہر تھی اس کے دوستوں کو معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ یہ محمدؐ اور اصحاب محمدؐ کا کام ہے، چونکہ وہ ان سے علیحدہ ہو گیا اس لئے قبر کھود کر اس کو باہر پھینک دیا، اس خیال سے ان لوگوں نے اب کے خوب گہری قبر کھود کر اس میں اس کو دفن کیا، صبح کے وقت پھر مردہ قبر سے باہر تھا۔ اب ان کا یہ خیال پختہ ہو گیا اور کہنے لگے کہ یہ مسلمانوں ہی کی حرکت ہے، اب جس قدر وہ گہری قبر کھود سکتے تھے کھود کر اس میں اس کو دفن کیا، صبح کو دیکھا تو پھر وہی منظر سامنے تھا، اب ان کو یقین ہوا کہ یہ آدمی کا کام نہیں، چنانچہ اس کو اسی طرح زمین پر چھوڑ دیا۔[2]

درختوں کا چلنا ایک بار آپؐ سفر میں قضائے حاجت کے لئے نکلے، حضرت جابرؓ پانی لئے ہوئے ساتھ تھے آپؐ نے میدان میں ادھر ادھر دیکھا تو کوئی چیز آڑ کرنے کے لئے نہ ملی، میدان کے کنارے صرف دو درخت تھے، آپؐ ایک درخت کے پاس گئے اور اس کی ایک ڈالی کو پکڑ کر کہا کہ خدا کے حکم سے میری اطاعت کر، وہ فرماں بردار اونٹ کی طرح آپؐ کے ساتھ ہو لیا، پھر دوسرے درخت کے نزدیک تشریف لے گئے اور وہ بھی اسی طرح آپؐ کے ساتھ چل پڑا۔ پھر آپؐ نے دونوں کو ایک جگہ جمع کیا اور فرمایا کہ خدا کے حکم سے جڑ جاؤ، دونوں باہم مل گئے جب آپؐ ان کی آڑ میں فراغت کر چکے تو پھر دونوں درخت الگ الگ اپنی اپنی جگہ پر آ گئے۔[3]

---

[1] صحیح بخاری باب علامات نبوت [2] بخاری باب علامات نبوت فی الاسلام [3] مسلم حدیث جابر الطویل (احمد و دارمی و بیہقی باختلاف یسیر)

اسی قسم کا واقعہ دوسرے سفروں میں بھی پیش آیا ہے، چنانچہ صحابہؓ نے اپنی عینی شہادت کی بنا پر اس کو بیان کیا ہے، حضرت اسامہ بن زیدؓ حجۃ الوداع میں اور حضرت یعلی بن مرۃؓ نے کسی سفر میں اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔

ایک اور واقعہ ہے کہ آپؐ ایک روز اہل مکہ کی ایذارسانی سے نہایت غمگین بیٹھے ہوئے تھے، اسی حالت میں حضرت جبریلؑ آئے اور انہوں نے دریافت کیا تو حضرت جبریلؑ نے کہا یا خود آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی، (روایتیں مختلف ہیں) کہ مجھے ایک ایسی نشانی دکھا جو اس غم کو مجھ سے دور کر دے، حکم ہوا کہ میدان کے کنارے جو ایک درخت ہے آپؐ اس کو بلائیے، آپؐ نے بلایا تو وہ سامنے آکر کھڑا ہو گیا، پھر اس سے واپس جانے کو کہا تو وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا۔ آپؐ نے فرمایا "اب مجھے کوئی غم نہیں"۔

خوشۂ خرما کا چلنا آپؐ کی خدمت میں ایک بدو آیا اور کہا کہ مجھے یہ کیونکر یقین ہو کہ آپؐ پیغمبر ہیں، آپؐ نے فرمایا اگر میں اس خوشۂ خرما کو بلالوں تو تم میری نبوت کی شہادت دو گے؟ اس نے کہا ہاں! آپؐ نے خوشۂ خرما کو بلایا اور وہ درخت سے اتر کر آپؐ کے پاس آیا اور پھر آپؐ کے حکم سے واپس چلا گیا، بدو فوراً اس معجزہ کو دیکھ کر ایمان لے آیا۔

درخت کا چلنا اور اس سے آواز آنا آپؐ ایک سفر میں تھے کہ ایک بدو آتا ہوا نظر آیا، جب وہ آپؐ کے قریب آگیا تو آپؐ نے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ اس نے جواب دیا، مکان کا ارادہ ہے، پھر آپؐ نے فرمایا "تمہیں نیکی کی حاجت ہے"۔ اس نے کہا وہ نیکی کیا ہے؟ آپؐ نے کلمۂ توحید کی تلقین کی، اس نے کہا اس کی شہادت کون دیتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "سامنے کا یہ درخت"، چنانچہ یہ کہہ کر آپؐ نے وادی کے کنارے سے اس درخت کو بلایا، وہ دوڑتا ہوا آیا اور آپؐ کے سامنے کھڑا ہو گیا، آپؐ نے تین بار اس سے کلمۂ توحید پڑھایا اور اس نے پڑھا، پھر وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا اور بدو یہ کہہ کر اپنے مکان کو روانہ ہوا کہ اگر میرے اہل و عیال نے بھی اسلام قبول کر لیا تو ان سب کو لے کر آؤں گا ورنہ تنہا آپؐ کے ساتھ قیام کروں گا۔

بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نوخیز چھوکرا تھا، عقبہ بن معیط ایک قریشی کافر رئیس کی بکریاں مکہ میں چرایا کرتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔

لہ بزار و ابویعلی و بیہقی و ابونعیم، حافظ ابن حجر نے مطالب عالیہ میں اس روایت کی تحسین کی ہے لہ امام احمد بروایت یعلی بن مرۃ و ابن شیبہ برجال ثقات و حاکم بروایت صحیح لہ سنن ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء و مسند احمد عن انس بن مالکؓ و ابن سعد و بزار و بیہقی عن عمر بن الخطاب لہ ترمذی ذکر معجزات نبویؐ نے اس کو صحیح کہا ہے، امام بخاری نے تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور ابویعلی نے ابن عباسؓ سے اس کی روایت کی ہے لہ مسند دارمی صفحہ بسند صحیح، بزار و ابونعیم باختلاف، یسیر و ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۲۱ لہ یہ روایت ابوداؤد طیالسی، مسند ابن حنبل، ابن سعد اور دلائل ابی نعیم میں ہے، طیالسی اور ابونعیم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ جب مشرکین سے بھاگے تھے تب یہ واقعہ پیش آیا یعنی ہجرت کے ایام میں، طیالسی کی اس روایت کا سلسلۂ سند ہر طرح سے محفوظ ہے، ابوداؤد، حماد بن سلمہ سے اور وہ عاصم ابن بہدلہ سے اور عاصم زر بن حبیش سے اور وہ خود عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کی روایت کرتے ہیں، یہ تمام محدثین ثقہ اور متبحر ہیں، بایں ہمہ اس واقعہ کو زمانۂ ہجرت میں قرار

آپؐ نے مجھ سے پوچھا لڑکے! تمہارے پاس دودھ ہے؟ ہم کو پلاؤ گے؟ میں نے کہا میں امین ہوں تم کو نہیں پلا سکتا، آپؐ نے پوچھا، اچھا کوئی بکری کا بچہ ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا لے آؤ۔ حضرت ابوبکرؓ نے بچہ پکڑا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن میں ہاتھ لگایا اور دعا کی، ابوبکرؓ ایک گہرا پتھر لے آئے، اس میں دودھ دوہا گیا، پہلے آپؐ نے خود پیا، پھر حضرت ابوبکرؓ نے پیا، اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر مجھے پلایا۔ دودھ پی کر آپؐ نے فرمایا اے تھن سمٹ جا۔ وہ سمٹ کر خشک ہو گیا۔ اس کے بعد میں آپؐ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ اس عمدہ کلام یعنی قرآن مجید میں سے مجھے کچھ سکھا دیجئے، فرمایا تم سیکھنے والے لڑکے ہو، تو میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ستر سورتیں سیکھیں، جن میں کوئی دوسرا میرا مقابلہ نہیں کر سکتا، ابن سعد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہا کرتے تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دینے سے متعدد خرابیاں نظر آتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس روایت میں کسی صاحب سے سہو ہوئی ہے، اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہجرت کے وقت نوخیز لڑکے تھے اور ابھی تک قرآن مجید سے ناواقف تھے بلکہ مسلمان بھی نہ تھے حالانکہ وہ ہجرت سے بہت پہلے اسلام لا چکے تھے وہ چھٹے مسلمان تھے اور ہجرت کے وقت وہ حبش میں تھے اور وہاں سے اس وقت لوٹے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ جا چکے تھے جیسا کہ نماز میں سلام کرنے والی روایت ہے جو حدیث کی تمام کتابوں میں ہے سے ثابت ہوتا ہے اس لئے وہ اس وقت مکہ میں سرے سے موجود ہی نہ تھے، اس روایت کے ان الفاظ کے متعلق میں اپنے یہ شکوک لکھ چکا تھا کہ رجال اور سیر کی مختلف کتابوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا حال الٹ پلٹ کر پڑھا، سب نے ان کے حال میں اس روایت کو نقل کیا ہے مگر ان شبہات پر کسی کی نظر نہیں پڑی، اسی اثنا میں فتح الباری جلد ہجرت اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ بعینہٖ یہی اعتراضات حافظ ابن حجر کے ذہن میں بھی گزرے ہیں لیکن انہوں نے حسب دستور مختلف روایات کی تطبیق کے متعلق جو ان کا عام اصول ہے اس سے کام لے کر آگے بڑھ گئے ہیں یعنی یہ کہہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ ہجرت کے علاوہ کسی اور زمانہ کا واقعہ ہو، مگر مشکل یہ ہے کہ ہجرت کے علاوہ کوئی اور زمانہ ایسا نہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مشرکین سے بھاگے ہوں لیکن الحمد للہ کہ اثنائے تحقیق میں مجھے مسند احمد بن حنبل (جلد ۱ صفحہ ۳۷۹) میں یہی روایت اسی قسم کی سند سے مل گئی ہے جس میں ان قابل اعتراض الفاظ کے بجائے مطلق یہ الفاظ ہیں کہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا گزر ہوا اس میں فرار اور ہجرت کا مطلق ذکر نہیں ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہجرت سے بہت پہلے کا کوئی واقعہ ہے، پہلے الفاظ کے راوی عاصم سے ان کے شاگرد حماد بن سلمہ ہیں اور دوسرے الفاظ کے راوی ان ہی کے شاگرد ابوبکر عیاش ہیں، گو حافظہ کی خرابی اور اغلاط کی کثرت میں یہ دونوں برابر ہیں تاہم ناقدانہ وجوہ ابوبکر بن عیاش کی تائید میں ہیں، پہلی روایت میں فرّ (بھاگے) کا لفظ ہے اور دوسری میں مرّ یعنی گزرے کا لفظ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ راویوں میں فرّ اور مرّ کے الفاظ میں باہم تشابہ ہو گیا ہے اور بعد کو پھر فرّ کی مناسبت سے من المشرکین بڑھ گیا ہے، ابن سعد نے بسند حسن (جلد اول صفحہ ۱۲۲) اس واقعہ کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے جس سے تمام مسئلہ صاف ہو جاتا ہے، حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں، میں اپنے سے پہلے کسی کا مسلمان ہونا نہیں جانتا، میں گھر کی بکریاں چرا رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ تمہاری کسی بکری میں دودھ ہے میں نے عرض کیا نہیں، آپؐ نے ایک بکری کے تھن میں ہاتھ لگایا فوراً دودھ اتر آیا تو میں اپنے سے پہلے کسی کا مسلمان ہونا نہیں مانتا۔

کہ میرے اسلام لانے میں اسی معجزہ کو دخل ہے[1]۔

سست گھوڑے کا تیز رفتار ہو جانا

ابو طلحہؓ صحابی کا گھوڑا نہایت سست رفتار اور مٹھا تھا، ایک دفعہ مدینہ میں شور و غل ہوا، آپؐ نے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کا چکر لگایا، وہ آپؐ کی سواری کی برکت سے اس قدر تیز رو ہو گیا کہ جب آپؐ واپس تشریف لائے تو فرمایا "یہ تو دریا ہے" اس کے بعد کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا[2]۔

اندھیرے میں روشنی ہونا

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ دو صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رات کو دیر تک حاضر رہے، جب واپس ہوئے تو رات بہت اندھیری تھی، مگر خدا کی قدرت کہ ان کے سامنے دو چراغوں کی طرح آگے آگے کوئی چیز روشن ہو گئی، جب دونوں الگ ہو کر اپنے اپنے گھر چلے تو ایک چراغ ایک کے ساتھ اور دوسرا دوسرے کے ساتھ ہو گیا، یہاں تک کہ دونوں گھر چلے گئے، یہ صحیح بخاری کی روایت[3] ہے، اس میں ان دونوں صحابیوں کے ناموں کی تصریح نہیں، لیکن حاکم، ابن سعد، بیہقی، اور ابو نعیم میں حضرت انسؓ نے ان کے نام عبادؓ بن بشیر اور اسیدؓ بن حضیر بتائے ہیں اور ان میں یہ اضافہ ہے کہ یہ روشنی ان کی لکڑیوں کے سروں میں پیدا ہو گئی تھی، ابو نعیم کی ایک دوسری روایت میں جو حضرت انسؓ ہی سے مروی ہے، عبادؓ بن بشیر اور اسیدؓ بن حضیر کے بجائے حضرت ابو عبسؓ اور ابو بردہؓ کے نام ہیں، روایت کی صحت کی صورت میں ممکن ہے کہ دوسرا واقعہ ہو۔ نیز حاکم، بیہقی اور ابو نعیم میں اسی قسم کا واقعہ ابو عبس ابن جبرؓ صحابی جو ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھا کرتے تھے، ان کو بھی ایک دفعہ پیش آنا بیان کیا گیا ہے۔ تاریخ بخاری اور بیہقی میں ایک سفر میں اندھیری رات کو حمزۃ الاسلمیؓ کی انگلیوں کا روشن ہو جانا بھی مذکور ہے۔

جانور کا سجدہ کرنا

حدیث کی اکثر کتابوں میں چند الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے کہ ایک دفعہ ایک انصاری کا اونٹ باؤلا ہو گیا تھا یا بگڑ گیا تھا، لوگوں نے جا کر آپؐ کو خبر کی، آپؐ نے اس کے پاس جانا چاہا تو سب نے روکا کہ یا رسول اللہ! "یہ آدمی کو کتے کی طرح کاٹ کھاتا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اس کا خوف نہیں یہ کہہ کر آپؐ آگے بڑھے تو اونٹ نے آپؐ کے سامنے آکر اپنی گردن ڈال دی، آپؐ نے اس پر ہاتھ پھیرا اور اس کو پکڑ کر اس کے مالک کے حوالے کر دیا، پھر فرمایا، ہر مخلوق جانتی ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں لیکن گنہگار انسان اور نافرمان جن۔ صحابہ نے یہ منظر دیکھ کر کہا یا رسول اللہ! جب جانور آپؐ کو سجدہ کرتے ہیں تو انسان کو سب سے پہلے کرنا چاہیے، آپؐ نے فرمایا اگر انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے[4]۔

---

[1] ابن سعد جلد اول ص ۲۲۰ [2] صحیح بخاری کتاب الجہاد و باب الرکوب علی الدابۃ الصعبۃ ۴۲۰ ص ۴ [3] صحیح بخاری باب علامات نبوت [4] دارمی۔

[5] امام احمد بن حنبل نے مسند میں متعدد صحابیوں کی سند سے یہ واقعہ نقل کیا ہے چنانچہ کتاب مذکور میں حضرت جابرؓ، حضرت ابن عباسؓ حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ کی مسند دیکھو نیز سنن نسائی و ابن ابی شیبہ طبرانی و بیہقی اہل دلائل نے اس ایک واقعہ کو ذرا ذرا سے لفظی اختلاف کے باعث متعدد واقعات بنا دیا ہے (البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۱۳۹)۔

جانور کا آپؐ کے مرتبے کو پہچاننا

ایک دفعہ آپؐ ایک انصاری کے باغ میں گئے، ایک اونٹ کھڑا چلا رہا تھا، آپؐ کو دیکھ کر وہ بلبلانے لگا اور اس کی دونوں آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے، آپؐ نے قریب جا کر اس کے سر اور کنپٹی پر ہاتھ پھیرا تو وہ چپ ہو گیا، آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کا اونٹ ہے؟ لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا، وہ بلوائے گئے تو آپؐ نے فرمایا، تم ان جانوروں پر جن کو خدا نے تمہارا محکوم بنایا ہے رحم کیا کرو اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور اس کو تکلیف دیتے ہو[1]۔

حافظہ بڑھ جانا

تمام صحابہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایتیں سب سے زیادہ ہیں، حالانکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صرف تین چار برس رہے تھے، لوگوں کو آج بھی اس پر تعجب ہے اور خود ان کے زمانہ میں بھی تھا، لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہمارے مہاجر بھائی تو بیوپار میں لگے رہتے تھے اور انصاری بھائی اپنے کھیتوں میں اور میرا آپؐ کی خدمت میں حاضری کے سوا اور کوئی کام نہ تھا، ایک دن خدمت میں حاضر تھا کہ زبان مبارک سے نکلا کہ جو دامن پھیلا کر اس وقت میری باتیں سینہ میں سمیٹ لے گا وہ پھر کبھی نہ بھولے گا، میں نے دامن پھیلایا جب کلام مبارک ختم ہوا، سینہ میں سمیٹ لیا، اس وقت سے کوئی بات نہ بھولا[2]۔

صحیح بخاری میں یہی واقعہ ایک اور طرح سے بھی مذکور ہے چنانچہ وہ آگے آئے گا۔

*

---

[1] ابو داؤد کتاب الجہاد باب الشفقۃ علی البہائم ص ۲۵۴ ج ۲ و مسند احمد بسند عبداللہ بن جعفر و مسلم بسند مسری بن میمون البدایہ ص ۲۴ ابو نعیم وغیرہ میں اسی واقعہ میں مستند باتیں شامل ہیں [2] صحیح بخاری و صحیح مسلم مناقب ابو ہریرہؓ۔

شفائے امراض

وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ،

پیغمبر دنیا میں درحقیقت بیمار دلوں کے روحانی طبیب بن کر آتے ہیں، مگر کبھی کبھی ارواح و قلوب کے معالجہ میں ان کو جسمانی امراض و عوارض کا علاج بھی کرنا پڑتا ہے، تمام انبیاء میں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اس وصف میں سب سے ممتاز ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس قسم کے معجزات کا وافر حصہ ملا۔

حضرت علیؓ کی آنکھوں کا اچھا ہو جانا حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت سلمہؓ بن اکوع اور حضرت سہیلؓ بن سعد تین چشم دید گواہوں سے روایت ہے کہ غزوہ خیبر میں جب آپؐ نے علم عطا فرمانے کے لئے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو طلب فرمایا تو معلوم ہوا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب چشم ہے اور یہ آشوب جیسا کہ مسند ابن حنبل میں ہے ایسا سخت تھا کہ ایک صاحب (سلمہؓ بن اکوع) ان کا ہاتھ پکڑ کر لائے تھے، آپؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن مل دیا اور دم کر دیا، وہ اسی وقت اچھی ہو گئیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی آنکھوں میں کبھی درد تھا ہی نہیں[1]۔

ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا درست ہونا حضرت عبداللہؓ بن عتیک قلعہ میں داخل ہو کر جب ابو رافع یہودی کو قتل کر کے واپس آنے لگے تو کوٹھے کے زینہ سے گر پڑے جس سے ان کی ایک ٹانگ میں سخت چوٹ آئی، پہلے پہل تو یہ چوٹ معلوم نہیں ہوتی، لیکن بعد کو یہ حالت ہوئی جیسا کہ ابن اسحاق میں ہے کہ ان کے ہمراہی اٹھا کر ان کو لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا، آپؐ نے اس ٹانگ پر دست مبارک سے مسح کر دیا اور فوراً بالکل اچھی ہو گئی اور یہ معلوم ہونے لگا کہ کبھی چوٹ لگی ہی نہ تھی[2]۔

تلوار کے زخم کا اچھا ہونا غزوہ خیبر میں حضرت سلمہؓ بن اکوع کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپؐ نے اس پر تین مرتبہ دم کر دیا، پھر انہیں کوئی شکایت محسوس نہیں ہوئی صرف نشان رہ گیا تھا[3]۔

غزوہ حنین میں حضرت خالدؓ بن ولید کے پاؤں میں زخم تھے، جب لڑائی ختم ہو چکی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا، آپؐ حضرت خالدؓ کی فرودگاہ پوچھتے ہوئے اُن کے پاس آئے، دیکھا کہ کجاوہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں، آپؐ نے ان کے زخم پر ایک نگاہ ڈالی اور اس پر لعاب دہن ڈال دیا، زخم اچھا ہو گیا[4]۔

---

[1] صحیح بخاری باب غزوہ خیبر و مناقب علی کتاب الجہاد و صحیح مسلم باب فضائل علی و مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۵۱، سہیل بن سعد اور سلمہ بن اکوع کی روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے اور حضرت سعدؓ کی روایت صرف مسلم میں ہے۔ [2] بخاری باب قتل ابی رافع میں یہ واقعہ دو طرح بیان ہوا ہے یہاں ان دونوں میں تطبیق کر دی گئی ہے۔ [3] صحیح بخاری باب غزوہ خیبر و مسند ابن حنبل ج ۴ حدیث سلمہ بن اکوع۔ [4] مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۸۸ عبدالرزاق و عبد بن حمید و ابن عساکر۔

اندھے کا اچھا ہونا آپؐ کی خدمت میں ایک اندھا حاضر ہوا اور اپنی تکلیفیں بیان کیں، آپؐ نے فرمایا، اگر چاہو تو دعا کر دوں اور اگر چاہو تو صبر کرو اور یہ تمہارے لئے اچھا ہے، عرض کی دعا کیجئے، فرمایا، اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو کہ خداوندا! اپنی رحمت والے پیغمبر کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کر دے۔ ترمذی[1] اور حاکم[2] کی ایک روایت میں اسی قدر ہے مگر ابن حنبل[3] اور حاکم[4] کی دوسری روایت میں اس کے بعد ہے کہ اس نے ایسا کیا تو فوراً اچھا ہو گیا[5]، حاکم کی ایک اور روایت میں جو علی شرط البخاری ہے یہ واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے، حضرت عثمانؓ بن حنیف صحابی کہتے ہیں کہ ایک نابینا صحابی آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میری خدمت کے لئے کوئی آدمی نہیں، مجھے سخت تکلیف ہے، فرمایا، وضو خانہ میں جا کر وضو کرو، پھر دو رکعت نماز پڑھو، اس کے بعد یہ دعا مانگو، عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ابھی ہم مجلس سے الگ بھی نہیں ہوئے تھے اور نہ کچھ زیادہ بات کرنے پائے تھے کہ وہ نابینا واپس آیا تو ایسا معلوم ہوا کہ اس کو نابینائی کی بیماری کبھی تھی ہی نہیں۔

حبیبؓ بن فدیک ایک اور نابینا صحابی کے اچھے ہونے کا واقعہ ابن ابی شیبہ، طبرانی، بیہقی اور ابو نعیم میں مذکور ہے[6] مگر چونکہ اس کے سلسلہ سند میں مجہول الاسم اشخاص ہیں اس لئے اس کو قلم انداز کر رہا ہے۔

بلا دور ہونا آپؐ ایک سفر میں جا رہے تھے، راستہ میں ایک عورت بچہ کو لئے ہوئے سامنے آئی اور کہا کہ یا رسول اللہ! اس کو دن میں کئی دفعہ کسی بلا کا دورہ ہوتا ہے، آپؐ نے بچہ کو اٹھا کر کجاوہ کے سامنے رکھا اور تین بار کہا کہ اے خدا کے دشمن نکل میں خدا کا رسول ہوں، پھر لڑکے کو اس عورت کے حوالے کر دیا، سفر سے پلٹے تو وہ عورت دو دنبے لے کر حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ! میرا ہدیہ قبول فرمایئے، خدا کی قسم پھر بچے کے پاس وہ بلا نہ آئی، آپؐ نے ایک دنبہ قبول فرما لیا اور دوسرے کو واپس کر دیا[7]۔

گونگے کا بولنا حجۃ الوداع میں آپؐ کی خدمت میں ایک عورت اپنے بچہ کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یہ بولتا نہیں، آپؐ نے پانی منگایا، ہاتھ دھویا اور کلی کی اور فرمایا کہ یہ پانی اس کو پلا دو اور کچھ اس کے اوپر چھڑک دو، دوسرے سال وہ عورت آئی تو بیان کیا کہ لڑکا بالکل اچھا ہو گیا[8] اور بولنے لگا۔

مرض نسیان کا دور ہونا ایک دفعہ حضرت علیؓ نے آکر شکایت کی کہ یا رسول اللہ! قرآن یاد کرتا ہوں تو بھول جاتا ہوں، آپؐ نے فرمایا، اس طرح نماز پڑھ کر یہ دعا مانگو، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح کیا اور فائدہ ہوا، اور جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ پہلے چار چار آیتیں یاد کرتا تھا اور اب چالیس چالیس

---

[1] ترمذی کتاب الدعوات [2] مستدرک ج ۱ ص ۵۱۹ [3] مسند ج ۴ ص ۱۳۸ [4] مستدرک ج ۱ ص ۵۲۶ [5] الخصائص ودلائل ابی نعیم ص ۱۶۰ و اصابہ ترجمہ حبیبؓ بن فدیک [6] مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۱۷۰، ۱۷۱ میں دو حسن روایتوں سے حضرت یعلیٰ بن مرہ سے یہ واقعہ مذکور ہے، علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ اور حاکم میں بھی یہ منقول ہے، دارمی ص ۹ میں یہ واقعہ حضرت جابرؓ سے جس سلسلہ سند سے مذکور ہے وہ مستند نہیں، یہ دارمی اور ابو نعیم میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ (یعنی ایک جن کا ایک بچہ پر مسلط ہونا) اور آپؐ کے اثر سے ایک کتے کے پلہ کی شکل میں نکل کر بھاگنا، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ بھی صحیح نہیں [7] سنن ابن ماجہ باب النشرہ و ابو نعیم ص ۱۶۵ و ابن ابی شیبہ۔

اُنہیں یاد کرلیتا ہوں، پہلے بات بھول جاتا تھا اور اب حرف حرف یاد رہتا ہے[1]۔

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو آپ نے طائف کا عامل مقرر فرمایا، انہوں نے وہاں سے آکر بیان کیا کہ یارسول اللہ مجھے یہ مرض پیدا ہوگیا ہے کہ نماز میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا پڑھتا ہوں؟ آپ نے پاس بُلا کر اُن کے سینہ پر ہاتھ مارا اور منہ میں دم کیا، پھر یہ حالت بالکل زائل ہوگئی[2]۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ نے بھی ایک دفعہ حافظہ کی شکایت کی تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ دامن پھیلاؤ انہوں نے پھیلایا، آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا، پھر فرمایا کہ اب اس کو سمیٹ لو، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا، تب سے پھر میں کوئی بات نہ بھولا[3]۔

بیمار کا تندرست ہونا حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کا واقعہ ہے کہ وہ ایک دفعہ سخت بیمار ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے تو فرمایا کہ یہ: عاسات مرتبہ پڑھو اور ہاتھ مرانیہ پھیرو، حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا تو خدا نے میری بیماری دور کردی، اور اب میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی یہ دعا بتایا کرتا ہوں[4]۔

ایک بار حضرت علیؓ اس قدر بیمار ہوئے کہ موت کی دعا کرنے لگے، آپ کا گزر ہوا تو ان کو اس پر تنبیہ کی اور دعا فرمائی، پھر اُن کو اس مرض کی تکلیف محسوس نہ ہوئی[5]۔

ایک جلے ہوئے بچہ کا اچھا ہونا محمدؓ بن حاطب ایک صحابی ہیں وہ جب بچے تھے تو اپنی ماں کی گود سے گر کر آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے، ان کی ماں ان کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں آپ نے اپنا لعاب دہن اُن پر مَلا اور دُعا پڑھ کر دم کیا، طیالسی اور ابن حنبل میں اسی قدر ہے، مگر امام بخاری نے تاریخ میں بہ سند بیان کیا ہے کہ محمدؓ بن حاطب کی ماں کہتی تھیں کہ بچہ کو لے کر میں وہاں سے اٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ بچہ کا زخم چنگا ہوگیا[6]۔

جنون دور ہونا ایک شخص نے آکر درخواست کی کہ یارسول اللہ! میرا بھائی بیمار ہے، دعا کیجئے۔ پوچھا کیا بیماری ہے؟ عرض کی اس پر جنون کا اثر ہے، فرمایا اس کو لے آؤ، وہ آیا تو آپ نے قرآن مجید کی متعدد سورتیں پڑھ کر جھاڑ دیا، وہ کھڑا ہوا تو اس پر جنون کا کوئی اثر نہ تھا[7]۔

★

[1] جامع ترمذی ابواب الدعوات مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۰۳، ذہبی نے جودت سند کے باوجود اس روایت میں کلام کیا ہے [2] سنن ابن ماجہ باب الفزع والارق [3] صحیح بخاری باب علامات نبوت [4] جامع ترمذی کتاب الطب [5] جامع ترمذی ابواب الدعوات، بروایت حسن و صحیح حاکم فی المستدرک [6] مسند ابوداؤد طیالسی ص ۱۶۹، مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۲۵۹، تاریخ بخاری کی روایت ابن عبدالبر نے بہ سند استیعاب ذکر محمد بن حاطب میں اور سیوطی نے خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۶۹ میں نقل کی ہے [7] سنن ابن ماجہ باب الفزع والارق، اس روایت کے سلسلہ سند میں ابوجناب ایک راوی ہیں جن پر تدلیس کا الزام ہے مگر اس روایت میں تدلیس کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ اعلم۔

استجابتِ دُعا

منجملہ دیگر علامتوں کے اللہ کی بارگاہ میں دعاؤں کا قبول ہونا بھی ایک بڑی علامت ہے جس سے نیک اور مقبول بندوں کی پہچان اور شناخت ہوتی ہے، انبیائے الٰہی سے بڑھ کر خدا کے نیک اور مقبول بندے اور کون ہوسکتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو شرفِ اجابت بخشتا ہے اور ان کی نداؤں کو جو دل کے اندر سے نکلتی ہیں سمعِ قبول سے سُنتا ہے، حضرت آدمؑ نے ندامت کے ساتھ خدا کو پکارا تو اس نے اُن کو معاف کردیا، حضرت نوحؑ نے طوفانی عذاب کی درخواست کی تو پوری ہوئی، حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کے لئے نبوت اور برکت کی دعا کی تو قبول ہوئی، حضرت یونسؑ نے سمندر کی تہ میں سے خدا کو پکارا تو اس نے سُنا، حضرت زکریاؑ نے خانوادۂ نبوت کے لئے ایک وارث مانگا تو دیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بارگاہِ الٰہی میں دعائیں مانگیں، حاجت منزلوں میں اُس کے آگے ہاتھ پھیلائے تنہائیوں میں اس کی رفاقت چاہی، بے کسیوں میں اس کی نصرت مانگی، فقر و فاقہ میں اس کے خزانۂ غیب کی مدد طلب کی، حق کی اشاعت میں اس کی اعانت کی درخواست کی، نیک بندوں کے حق میں اپنے آپ کو اس کے سامنے شفیع بنایا، شریروں کے دفعِ شر کے لئے اس کی غیبی امداد کا سہارا ڈھونڈا، اور ان میں سے ہر موقع پر آپ کے لئے قبول و اجابت کا دروازہ کھول دیا گیا۔

مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ آپ جب کبھی کسی کے حق میں دُعا فرماتے تھے تو وہ نہ صرف اُسی کے بلکہ اس کی اولاد در اولاد کے حق میں مستجاب ہوتی تھی[8]۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب کسی کے متعلق آپ رحمہ اللہ یعنی خدا اس پر رحمت کرے فرماتے تھے تو صحابہ سمجھ جاتے تھے کہ اس کو شہادت نصیب ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا[9]، یہاں تک کہ وہ بھی جو آپ کی دعوتِ حق کے سخت منکر تھے، اس امر کا دل سے یقین رکھتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں حیرت ناک تاثیر ہے، مکہ میں جب قحط پڑا تو ابوسفیان نے بھی بحالتِ کفر اسی آستانہ پر حاضر ہوکر دعائے رحمت کی درخواست کی[10]۔ ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش کے حق میں جو آپ کی نماز میں خلل انداز ہوئے تھے، جب آپ نے بددُعا کی تو وہ خوف سے کانپ اٹھے[11]، یہ واقعات بتفصیل پہلے گزر چکے ہیں، اس لئے یہاں موضوعِ سخن کی تقریب سے اختصار پر اکتفا کی جاتی ہے۔

قریش پر عذاب آنا اور اس کا دور ہونا قریش نے جب اسلام کی سخت مخالفت کی، تو خدا نے ان پر قحط کا عذاب بھیجا اہلِ مکہ سخت مصیبت میں مبتلا ہوئے، بالآخر سوا اس کے کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ اسی رحمتِ عام کی بارگاہ کی طرف رجوع کریں، قریش کے بعض رئیسوں نے خدمتِ نبویؐ میں جاکر عرض کی کہ اے محمدؐ!

[8] مسند احمد بہ روایت حضرت حذیفہ [9] صحیح مسلم باب غزوہ خیبر [10] صحیح بخاری و صحیح مسلم تفسیر سورۂ دخان وغیرہ [11] صحیح بخاری آخر کتاب الوضوء و مسلم باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین۔

تمہاری قوم برباد ہو گئی، خدا سے دعا کرو کہ وہ اس مصیبت سے اس کو نجات دے، رحمت عالمؐ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، دعا قبول ہوئی، خوب پانی برسا اور اہل مکہ کو قحط کے عذاب سے نجات ملی۔[1]

رؤسائے قریش کے حق میں بد دعا آپ ایک دفعہ صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بعض رؤسائے قریش نے عین حالت نماز میں آپؐ کی گردن مبارک پر نجاست ڈال دی، حضرت فاطمہؓ نے آکر جب یہ نجاست ہٹائی تو آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا تو نام بنام دعا مانگی کہ خداوندا! ان کو تو پکڑ۔ چنانچہ سب کے سب بدر کی لڑائی میں مارے گئے تھے۔

حضرت عمرؓ کا اسلام ایک طرف قریش کے سر برآوردہ اصحاب، اسلام اور داعیٔ اسلام کی عداوت اور دشمنی کی کوششوں میں مصروف تھے اور دوسری طرف داعیٔ اسلام ان کی ہدایت و رہنمائی کے پُر محبت ولولوں سے معمور تھا۔ ابوجہل و عمرؓ کہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت اور مستقل تھے، اُن ہی کی ہدایت کا پُر شوق ارمان آپؐ کے قلب مبارک میں سب سے زیادہ تھا، جب تبلیغ و دعوت کے دوسرے حیلے ان پر کامیاب نہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سب سے کارگر حربہ کو ان کے مقابلہ میں استعمال کیا جس کے وار کو کوئی روک نہیں ہو سکتی تھی، آپ نے دعا فرمائی کہ خداوندا! ابوجہل یا عمرؓ میں جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اس سے اسلام کو معزز کر۔[1] ابن ماجہ اور حاکم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے حضرت عمرؓ کا نام لیا تھا، اس دعا کو ابھی چند روز بھی نہیں گزرے تھے کہ حضرت عمرؓ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، کارساز قدرت نے اس دعا کے قبول و تاثیر کا سامان کیونکر پیدا کیا؟ روایتوں میں اس کی تفصیل میں کچھ اختلاف ہے، استاد مرحوم نے سیرت کی پہلی جلد میں حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ جس طرح لکھا ہے وہ حرف حرف الفاروق کی نقل ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن سے کہ جو سورہ پڑھی اور جس سے متاثر ہو کر وہ مسلمان ہوئے وہ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ یعنی سورۂ حدید تھی، اس میں شک نہیں کہ بزار، طبرانی، بیہقی اور ابونعیم میں یہ روایت بھی ہے لیکن صد درجہ کمزور ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عمرؓ کا اسلام مکہ کا واقعہ ہے اور سورۂ حدید مدنی ہے، اس کو حضرت عمرؓ کیوں کر اس وقت پڑھ سکتے تھے، استاد مرحوم نے الفاروق میں واقعہ کتب رجال و تاریخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے لیکن حدیث و سیر کی صحیح روایتوں میں یہ واقعہ دو صورتوں سے مذکور ہوا ہے، ایک تو وہی مشہور صورت ہے کہ حضرت عمرؓ تلوار کر کے لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے نکلے تھے کہ راہ میں ایک مسلمان سے ملاقات ہو گئی اُس نے حضرت عمرؓ کے ارادہ کا حال سُن کر کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوئی اس نئے دین میں داخل

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان و صلوٰۃ الاستسقاء۔ [2] صحیح بخاری غزوۂ بدر۔ [3] جامع ترمذی مناقب عمرؓ بروایت ابن عمرؓ حدیث حسن غریب، ترمذی کے اسی باب میں اسی مضمون کی ایک اور روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے اس میں اس قدر اضافہ ہے کہ اس دعا کے دوسرے ہی دن حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے، مگر اس روایت میں ایک راوی قابل اعتراض ہے، ترمذی کے علاوہ یہ روایت ابن سعد میں تین مختلف سلسلوں میں بسند حسن مذکور ہے (ج ۳، ق ۱ حصہ اول صفحہ ۱۹۱) حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ترجمہ عمرؓ میں لکھا ہے کہ یہ روایت مسند ابویعلیٰ اور مسند ابن حمید وغیرہ میں بھی ہے، خصائص سیوطی میں ہے کہ یہ روایت حاکم، طبرانی، احمد اور صحیح ابن حبان میں بھی ہے۔

ہو چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ غصہ میں اپنی بہن کے گھر گئے اور مار پیٹ کی، بالآخر انہوں نے قرآن کی ایک سورہ بہن سے لے کر پڑھی اور وہ سورۂ طٰہٰ تھی اور جب اس آیت پر پہنچے۔

إِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي (طٰہٰ) — میں ہوں خدا، کوئی خدا نہیں لیکن میں، تو مجھ کو پوجو اور میری یاد کے لئے نماز کھڑی کرو۔

تو یہ اثر ہوا کہ دل سے لا الٰہ الا اللہ پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی، یہ روایت بسند ابن سعد ابویعلیٰ، دارقطنی، حاکم، اور بیہقی میں حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے لیکن یہ صد درجہ کمزور ہے، یہ دو طریقوں سے مروی ہے اور ان دونوں میں ایسے رواۃ ہیں جو قبول کے لائق نہیں اور محدثین نے اس کی تصریح کی ہے۔

دوسری روایت مسند ابن حنبل میں خود حضرت عمرؓ سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرتؐ کے چھیڑنے کو نکلا، آپ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی، اس وقت آپؐ نے سورۃ الحاقہ تلاوت فرمائی، میں کھڑا سنتا رہا اور قرآن کے نظم اور اسلوب سے حیرت میں تھا، دل میں کہا خدا کی قسم یہ شاعر ہے، جیسا قریش کہا کرتے ہیں، ابھی یہ خیال تھا ہی کہ آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ (الحاقہ-۲) — یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں تم بہت کم ایمان رکھتے ہو۔

میں نے کہا یہ تو کاہن ہے، میرے دل کی بات جان گیا کہ اس کے بعد ہی یہ آیت پڑھی۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الحاقہ-۲) — یہ کاہن کا کلام بھی نہیں، تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو، یہ تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے۔

---

[1] طبع اول میں ہم نے اس واقعہ کو لکھا تھا کہ وہ بسند صحیح مذکور ہے مگر تحقیق سے یہ واقعہ اس مرتبہ صحیح کا نہیں ثابت ہوا، دارقطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھ کر کہا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں (باب العبارۃ للقرآن) ذہبی نے مستدرک حاکم (جلد ۴ صفحہ ۵۹) کے استدراک میں لکھا ہے کہ یہ روایت واہی اور منقطع ہے اور میزان الاعتدال میں قاسم بن عثمان بصری کے حال میں جو اس روایت کا ایک راوی ہے لکھا ہے، اس نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا پورا قصہ بیان کیا ہے وہی حکمۃ جدا۔ اور وہ نہایت ہی منکر ہے کنز العمال (فضائل عمرؓ بن الخطاب) میں بھی اس روایت کی کمزوری ظاہر کی گئی ہے، ان روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان اور اسحاق بن ابراہیم الحسنی اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں اور یہ سب پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں لیکن بایں ہمہ کہ یہ روایت اپنی سند کے لحاظ سے نہایت کمزور ہے تاہم اس میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں، ان میں سے متعدد ٹکڑوں کی صحیح روایتوں سے تائید ملتی ہے، مثلاً حضرت عمرؓ کا اپنی بہن اور بہنوئی کو ان کے مسلمان ہو جانے پر آزار دینا (بخاری اسلام سعیدؓ بن زید) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمرؓ کے اسلام کے لئے دعائے خیر کرنا (ترمذی و حاکم) اور متعدد طریقوں سے ایک واقعہ کا ذکر ہونا، گو وہ سب ضعیف ہی کیوں نہ ہوں کچھ نہ کچھ اصلیت کا پتہ دیتا ہے اس لئے ہم نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے۔ [2] جلد اول صفحہ ۱۷، اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن ابتدائی راوی کی ملاقات حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں اس لئے اس میں انقطاع ہے لیکن حضرت عمرؓ کے اسلام کے بارہ میں سب سے محفوظ روایت یہی ہے۔

آپ نے یہ سورہ آخر تک پڑھی اور اُس کو سُن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔

ابن اسحاق نے ان دونوں روایتوں کو بہت کچھ گھٹا بڑھا کر بغیر کسی سند کے اپنی سیرت میں لکھا ہے اس لئے وہ اس باب میں سند کے قابل نہیں، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں یہ دونوں روایتیں لکھ کر چھوڑ دی ہیں اور یہ فیصلہ نہیں کیا ہے کہ ان دونوں واقعوں میں سے مرجح کون ہے؟ اور اگر دونوں قابل قبول ہیں تو ان کی ترتیب کیا ہے؟ میرا خیال یہ ہے کہ اگر یہ دونوں واقعے صحیح ہیں تو ان کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ نے آپ کو نماز میں سورۂ الحاقہ پڑھتے سُنا اور اس سے ان کو اسلام کی طرف میلان ہوا جیسا کہ اُن کے اُس فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوقع الاسلام فی قلبی کل موقع یعنی اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا، تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل اور پختہ کار تھے اس لئے اپنے اسلام کا انہوں نے اعلان نہیں کیا بلکہ اس اثر کو وہ شاید روکتے رہے، لیکن اس کے بعد جب اُن کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور سورۂ طٰہٰ پر نظر پڑی تو پھر دل پہ قابو نہ رہا اور جوش حق کا چشمہ ان کی زبان و دل سے بے اختیار اُبل پڑا اور فوراً در اقدس پر حاضری کی درخواست پیش کی، حضرت انسؓ کی اس روایت میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنا یہ شوق ظاہر کیا، حضرت خبابؓ جو حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی کو سورۂ مذکور کی تعلیم دے رہے تھے اور حضرت عمرؓ کی آواز سُن کر گھر میں چھپ گئے تھے[1]، بے تامل نکل کر سامنے آگئے، اور بشارت دی کہ اے عمرؓ! مژدہ کہ جمعرات کی رات کو تمہارے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دُعا کی تھی شاید اس کے پورے ہونے کا دن آگیا، حضورؐ نے دُعا فرمائی تھی کہ خداوندا! عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابو جہل) سے اسلام کو عزت دے۔

غور کرو کہ یہ دعائے نبوی کس طرح حرف بحرف پوری ہوئی، نہ صرف یہ کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا بلکہ اُن کی ذات سے اسلام کو وہ عزت نصیب ہوئی کہ جس کا ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی دنیا کو اعتراف ہے عبد اللہ بن مسعودؓ گواہی دیتے ہیں کہ ”مازلنا اعزۃ منذ اسلم عمر“ حضرت عمرؓ جب اسلام لائے ہم مسلمانوں کو عزت اور قوت حاصل ہوگئی[2]۔ اسلام کی اس عزت کو اگرچہ سوانح فاروقی کے کارناموں میں تلاش کرو تو دعائے نبوی کے قبول و اجابت کا پُر حیرت سماں نگاہوں کے سامنے گزر جائے گا۔

سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں کا دھنس جانا

جب آپ ہجرت کی غرض سے مدینہ کو روانہ ہوئے تو کفار کے جاسوسوں میں سراقہ نے آپ کا پیچھا کیا اور آپ سے اس قدر قریب آگیا کہ حضرت ابوبکرؓ گھبرا گئے بول اٹھے کہ ”ہم آلئے گئے“ آپ نے ان کی دل دہی کی اور دعا فرمائی جس کے اثر سے اُس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، سراقہ نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ تم دونوں نے مجھے بددعا دی، اب دعا کرو تو میں تمام لوگوں کو تمہارے تعاقب سے واپس لے جاؤں، آپ نے اس کے لئے دُعا فرمائی اور اس نے اس مصیبت سے نجات پائی، وہاں سے واپس آیا تو تمام تعاقب کرنے والوں کو واپس لے گیا[3]۔

مدینہ کی آب و ہوا کے لئے دُعا

مدینہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی، وبا کا بھی اثر تھا، اکثر مہاجرین یہاں آکر بیمار پڑ گئے، اس حالت میں لوگوں کو بار بار اپنا

[1] صحیح بخاری جلد اول باب اسلام عمرؓ [2] ایضاً [3] بخاری باب علامات نبوت۔

وطن مکہ یاد آنے لگا[1]، یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی کہ الٰہی مدینہ کو بھی ہمارے لئے ویسا ہی محبوب کردے جیسا کہ ہم کو مکہ محبوب ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنا دے ”الٰہی ہمارے صاع اور مد میں برکت دے اور اس کو ہمارے لئے صحت بخش بنا دے اور یہاں کا بخار جحفہ میں منتقل کر دے“[2]۔ یہ دعا حرف بحرف قبول ہوئی مہاجرین کو اس شہر سے جو محبت ہوگئی وہ ان کی زندگی کے واقعات سے ظاہر ہے، وہی ابوبکرؓ و بلالؓ[3] جو چند روز میں یہاں سے گھبرا اٹھے تھے، اس کے ایسے والہ و شیدا ہوئے کہ پھر مکہ کا نام بھی نہیں لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں سے وبا کا دُور ہونا خواب میں دکھایا گیا[4]۔

قحط کا دور ہونا اور پانی کا برسنا

ہجرت سے پہلے مکہ میں جب قحط پڑا تھا تو مسلمانوں نے نہیں کافروں نے جا کر آپ سے درخواست کی کہ دُعا کیجئے، آپ نے دُعا فرمائی تو پانی برس گیا[5]، حضرت ابوطالب عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید اسی منظر کو دیکھ کر آپ کی مدح میں یہ شعر کہا تھا۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

محمدؐ گورے رنگ والا ہے اس کے چہرے کے وسیلہ سے ابر باراں کی سیرابی مانگی جاتی ہے یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کا بچاؤ ہے

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آپ جب پانی برسنے کی دُعا مانگتے تو میں آپ کے چہرۂ مبارک کو تکتا رہتا اور ابوطالب کا یہ شعر یاد آتا، آپ دُعا مانگ کر منبر سے اترنے بھی نہیں پاتے تھے کہ مدینہ کا ہر پرنالہ زور و شور سے بہنے لگتا[6]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعے حضرت ابن عمرؓ کے سامنے گزرے تھے، حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے دعا مانگی کہ خداوندا! ہم اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کو وسیلہ بنا کر تیرے سامنے پیش کرتے تھے تو تو ہم کو سیراب کرتا تھا[7]۔

ایک دفعہ مدینہ میں خشک سالی ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لے کر نکلے اور کھڑے ہو کر بارگاہ الٰہی میں دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر دعا مانگی پھر قبلہ رُخ ہو کر چادر الٹی اور دو رکعت نماز پڑھی، ابر آیا، پانی برسا، اور لوگ سیراب ہوگئے[8]۔

دعائے نبویؐ سے پانی برسنے کا سب سے حیرت انگیز لیکن مستند تر واقعہ حسب ذیل ہے جو متعدد طریقوں اور سلسلوں سے احادیث میں مذکور ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک بار مدینہ اور اطراف مدینہ میں قحط پڑا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ! مویشی ہلاک ہوگئے، لوگ بھوکوں مر گئے، خدا سے دعا فرمایئے کہ ہم کو سیراب کرے، آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، یہ اثر ہوا کہ پہلے تو آسمان آئینہ کی طرح صاف تھا اور اب ایک آندھی چلی، بادل امنڈ آئے اور آسمان کا دہانہ کھل گیا، لوگ مسجد سے نکلے تو پانی میں بھیگتے ہوئے مکان تک پہنچے، ایک ہفتہ تک مسلسل پانی برستا رہا یہاں تک کہ لوگ گھبرا اٹھے اور

[1] صحیح بخاری باب الہجرۃ و صحیح مسلم باب الترغیب فی سکنی المدینۃ و باب صیانۃ المدینۃ [2] ایضاً [3] صحیح بخاری کتاب الرؤیا و التعبیر [4] صحیح بخاری باب الاستسقاء [5] صحیح بخاری و ابن ماجہ ابواب الاستسقاء [6] صحیح بخاری ابواب الاستسقاء [7] بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ ابواب الاستسقاء۔

دوسرے جمعہ کو اسی آدمی نے یا کسی اور نے کہا یا رسول اللہ! مکانات گر گئے۔ دعا کیجئے کہ خدا پانی کو روک لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور دعا فرمائی۔ بادل پھٹ گئے اور مدینہ تاج کی طرح چمک اٹھا۔[1]

ابن ماجہ باب الاستسقاء میں اس قسم کے دو واقعے اور لکھے ہیں، اگر وہ اس واقعہ سے الگ ہیں تو اس قسم کے دو واقعوں کا اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضرت انسؓ کے حق میں دعائے برکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی والدہ ان کو چادر میں لپیٹ کر لائیں اور آپ کی خدمت میں بطور خادم کے پیش کیا اور ان کے لئے دعا کی درخواست کی، آپ نے ترقی مال واولاد کی دعا دی۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آج اس دعا کی برکت سے میرے پاس بہ کثرت دولت ہے اور میرے لڑکوں اور پوتوں کی تعداد سو کے قریب پہنچ گئی ہے۔[2] اس دعا کا یہ اثر تھا کہ حضرت انس بن مالک کا باغ تھا جو سال میں دو بار پھل لاتا تھا اور اس میں ایک پھول کا درخت تھا، جس سے مشک کی بو آتی تھی۔[3]

حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعائے علم

ایک بار آپ قضائے حاجت کے لئے گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پہلے ہی سے وضو کا پانی بھر کے رکھ دیا۔ آپ نے ان کو تفقہ فی الدین کی دعا دی۔[4] چنانچہ ان کو یہ درجہ حاصل ہوا کہ انہوں نے "خیر الامۃ" کا خطاب پایا۔

حضرت ام حرامؓ کے حق میں دعائے شہادت

ایک روز آپ ام حرامؓ کے مکان پر تشریف لے گئے انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا، اور سر سے جوئیں نکالنے لگیں، اسی حالت میں آپ کو نیند آ گئی۔ پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، تو ام حرامؓ نے ہنسی کی وجہ پوچھی، آپ نے فرمایا، میری امت میں سے مجاہدین کا ایک گروہ میرے سامنے پیش کیا گیا جو لغرض جہاد دریا میں اس طرح سوار ہو کر چلے گا جس طرح تخت پر بادشاہ۔ ام حرامؓ نے درخواست کی کہ خدا سے دعا فرمایئے کہ میں بھی انہی میں سے ہوں، چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ان کو بحری جنگ کا شرف حاصل ہوا اور دریا سے نکل کر خشکی میں آئیں تو سواری سے گر کر درجہ شہادت حاصل کیا۔[5]

ایک نوجوان کی ہدایت کے لئے دعا

حضرت ابوامامہ باہلیؓ صحابی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اصحاب کے حلقہ میں تشریف فرما تھے، ایک نوجوان نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ یہ سن کر چاروں طرف سے اس پر لوگوں نے ملامت شروع کی، آپ نے روکا، پھر اس نوجوان کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور دلدہی سے پوچھا کہ تم اس فعل کو اپنی ماں کے لئے پسند کرو گے؟ عرض کی، آپ پر قربان نہیں یا رسول اللہ! فرمایا تو اور لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے نہیں پسند کریں گے، تو کیا تم اپنی بیٹی کے لئے یہ پسند کرو گے؟ عرض کی نہیں یا رسول اللہ! فرمایا تو اور لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لئے اس کو پسند نہ کریں گے، تو کیا اپنی بہن کے لئے یہ پسند

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ وابواب الاستسقاء وصحیح مسلم باب صلوۃ الاستسقاء بہ طرق متعددۃ۔ [2] مسلم فضائل انس بن مالکؓ۔ [3] ترمذی مناقب انس۔ [4] مسلم فضائل عبداللہ بن عباسؓ۔ [5] بخاری کتاب الجہاد۔

کرو گے، گزارش کی نہیں یا رسول اللہ! فرمایا تو اور لوگ بھی اپنی بہنوں کے لئے یہ پسند نہ کریں گے، پھر اسی طرح خالہ اور پھوپھی کے متعلق آپ نے پوچھا، اس نے وہی جواب دیا اور آپ بھی اسی طرح فرماتے گئے، اس کے بعد اس پر ہاتھ رکھ کر دعا کی کہ خداوندا! اس کے گناہوں کو بخش دے اور اس کے دل کو پاک اور اس کو عصمت عطا کر۔ ابوامامہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان کا یہ حال تھا کہ وہ کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔[1]

حضرت سعدؓ بن وقاص کی شفایابی کے لئے دعا

حضرت سعدؓ بن وقاص کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی میں مکہ گیا اور وہاں جا کر ایسا سخت بیمار ہوا کہ مرنے کے قریب ہو گیا، یہاں تک کہ وصیت کی تیاری کی، آپ عیادت کو تشریف لائے تو عرض کی یا رسول اللہ! میں اس سر زمین میں مرتا ہوں جس سے ہجرت کی تھی، آپ نے فرمایا نہیں انشاء اللہ۔[2] پھر تین دفعہ دعا کی کہ الٰہی سعد کو شفا دے، سعد کو شفا دے، سعد کو شفا دے۔[3] چنانچہ ان کو شفا ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودہ پندرہ برس تک زندہ رہے اور لشکر عراق کے امیر مقرر ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا

ان ہی حضرت سعدؓ بن وقاص کے حق میں آپ نے دعا فرمائی تھی کہ خداوندا: ان کو مستجاب الدعوات[4] بنا۔ چنانچہ اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جس کو دعا دیتے تھے وہ یقیناً قبول ہو جاتی تھی، کوفہ کی امارت کے زمانہ میں بعض شریروں نے بارگاہ فاروقی میں ان کی غلط شکایت کی، حضرت عمرؓ نے تحقیق حال کے لئے آدمی بھیجا وہ ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں سے حضرت سعدؓ کے متعلق حالات دریافت کرتا پھرتا تھا۔ ایک محلہ کی مسجد میں ایک شخص نے جھوٹی گواہی دی کہ وہ نماز بھی ٹھیک نہیں پڑھاتے، یہ سن کر حضرت سعدؓ بے اختیار ہو گئے۔ فرمایا خداوندا! اگر یہ جھوٹا ہو تو اس کو آزمائش میں ڈال۔ اس شخص کا یہ حال ہو گیا تھا کہ بوڑھے ہو کر اس کی پلکیں لٹک آئی تھیں تاہم بازاروں میں چھوکریوں کو چھیڑتا پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ سعد کی بد دعا مجھے لگ گئی، احادیث وسیر میں ان کی قبولیت دعا کے اور بھی واقعات مذکور ہیں۔

حضرت عروہؓ کے حق میں دعائے برکت

ایک بار آپ نے حضرت عروہؓ کو ایک دینار دیا کہ اس کی ایک بکری خرید لائیں، انہوں نے اس سے دو بکریاں خریدیں، ایک کو ایک دینار پر فروخت کر ڈالا اور آپ کی خدمت میں دوسری بکری اور دینار کو پیش کیا، آپ نے ان کو خرید و فروخت کے معاملات میں برکت کی دعا کی اور اس کا یہ اثر ہوا کہ اگر وہ مٹی بھی خریدتے تھے تو اس میں نفع ہوتا تھا۔[5]

ابوامامہ باہلیؓ کے حق میں دعائے سلامتی

حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہیں فوج بھیج رہے تھے، میں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! میرے لئے دعا کیجئے کہ شہادت نصیب ہو۔ فرمایا خداوندا! ان کو سالم و غانم واپس لا۔ چنانچہ ہم صحیح و سلامت مال غنیمت لے کر واپس ہوئے

[1] مسند احمد، ج ۵ ص ۲۵۶ بسند صحیح و شعب الایمان بیہقی۔ [2] نسائی کتاب الوصیۃ۔ [3] صحیح مسلم کتاب الوصیۃ۔ [4] ترمذی مناقب سعد بن ابی وقاص۔ [5] صحیح بخاری کتاب ... [6] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ۔

پھر کہیں فوج جانے لگی، میں نے پھر وہی درخواست کی، آپ نے پھر وہی دعا دی اور پھر وہی ہوا، تیسری دفعہ پھر یہی موقع پیش آیا، میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے دو دفعہ دعائے شہادت کے لئے درخواست پیش کی قبول نہ ہوئی، اب یہ تیسرا موقع ہے، آپ نے پھر وہی دعا دی اور وہی نتیجہ تھا۔[1]

حضرت طلحہؓ کے حق میں برکت اولاد کی دعا

حضرت ابو طلحہؓ کی بیوی نہایت ہوشمند اور اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر دل سے فدا تھیں، ایک دفعہ ان کا بچہ بیمار ہوا، حضرت ابو طلحہؓ گھر سے باہر ہی تھے کہ بچہ نے دم توڑ دیا، بیوی نے بچہ کو ایک گوشہ میں لٹا دیا، ابو طلحہؓ جب گھر واپس آئے تو بیوی سے دریافت کیا کہ بچہ کیسا ہے؟ نیک بخت نے جواب دیا کہ وہ آرام پا گیا، ابو طلحہؓ سمجھے کہ وہ اچھا ہے، دونوں میاں بیوی ایک ہی بستر پر سوتے، ابو طلحہؓ صبح کو اٹھے، غسل کرکے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کو جانے لگے تو بیوی نے اصل حقیقت ظاہر کی، ابو طلحہؓ نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب کا ماجرا سنایا تو فرمایا شاید کہ خدا نے آج شب کو برکت عطا کی ہو، چنانچہ اس شب کی برکت مقررہ مہینوں کے بعد پوری ہوئی[2]، ایک انصاری کہتے ہیں کہ برکت کا یہ اثر ہوا کہ میں نے ابو طلحہؓ کی نو اولادیں دیکھیں اور سب کی سب قرآن خواں تھیں[3]۔

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کے حق میں دعائے ہدایت

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کافرہ تھیں، ابوہریرہؓ ان کو دعوت اسلام دیتے تھے لیکن وہ نہیں مانتی تھیں، ایک دن انہوں نے حسب دستور دعوت اسلام دی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا، حضرت ابوہریرہؓ کو سخت تکلیف ہوئی، وہ روتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس ناگوار واقعہ کا ذکر کیا اور درخواست کی کہ میری والدہ کے لئے ہدایت کی دعا فرمائیے، آپ نے دعا کی کہ خداوندا! ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت نصیب کر، حضرت ابوہریرہؓ کو اس دعا کے قبول ہونے کا اس درجہ یقین تھا کہ وہ خوش خوش گھر واپس آئے دیکھا کہ دروازہ بند ہے، ماں نے پاؤں کی آہٹ سنی تو کہا کہ دروازے پر ٹھہرے رہو، حضرت ابوہریرہؓ کو پانی گرنے کی آواز بھی محسوس ہوئی، جب وہ غسل کرکے کپڑے بدل چکیں تو دروازہ کھولا اور کلمہ شہادت پڑھا، حضرت ابوہریرہؓ خوشی کے مارے الٹے پاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے اور آپ کو مژدہ سنایا، آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور دونوں کو دعا دی[4]۔

اونٹ کا تیز ہو جانا

ایک غزوہ میں حضرت جابرؓ کی سواری کا اونٹ اس قدر تھک گیا یا بیمار ہو گیا کہ تقریباً چل نہیں سکتا تھا، آپ نے دیکھا تو دعا دی اور اب وہ اس قدر تیز ہو گیا کہ تمام اونٹوں کے آگے آگے رہتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر پھر دریافت فرمایا کہ اے جابر! اب کیا حال ہے؟ عرض کی آپ کی دعا کی برکت قبول ہوئی[5]۔

بیمار کا اچھا ہونا

آپ ایک صحابی کی عیادت کو تشریف لے گئے جو ضعف سے چوزہ ہو گئے تھے، آپ نے فرمایا کیا تم صحت کی حالت میں خدا سے کوئی دعا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں! میں خدا سے دعا کرتا تھا کہ مجھے آخرت میں

[1] مسند احمد ج ۴ ص ۲۲۸ و ابو یعلی و بیہقی [2] صحیح مسلم فضائل ابو طلحہؓ [3] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب من لم یظہر الحزن عند المصیبۃ۔
[4] صحیح مسلم فضائل ابوہریرہؓ [5] صحیح بخاری کتاب الجہاد۔

جو عذاب دینا ہے وہ دنیا ہی میں دے دے، آپ نے فرمایا سبحان اللہ! تم دنیا کے عذاب کے متحمل نہیں ہو سکتے تو تم نے یہ دعا کیوں نہیں کی۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (بقرہ-۲۵) — خداوندا ہم کو دنیا و آخرت دونوں میں بھلائی دے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

اس کے بعد آپ نے درگاہ خداوندی میں دعا کی اور خدا نے ان کو شفا عطا فرمائی[1]۔

سواری میں قوت آجانا

حضرت جریرؓ ایک صحابی تھے جو گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر نہیں بیٹھ سکتے تھے، ایک بار آپ نے ان کو ذی الخلیفہ کے بت خانے کے ڈھانے کے لئے بھیجنا چاہا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گھوڑے پر جم کر نہ بیٹھنے کی شکایت کی، آپ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور دعا دی کہ خداوندا! اس کو گھوڑے پر بیٹھنے کی قوت دے اور اس کو ہادی و مہدی بنا۔ چنانچہ وہ گئے اور اس میں آگ لگا کر آئے[2]۔

ایک مغرور کا ہاتھ شل ہو جانا

آپ کے سامنے ایک شخص نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا، آپ نے فرمایا داہنے ہاتھ سے کھاؤ، اس نے غرور سے کہا، میں اس سے کھا نہیں سکتا، چونکہ اس نے غرور سے کہا تھا، آپ نے فرمایا، خدا کرے ایسا ہی ہو، چنانچہ اس کے بعد ایسا ہوا کہ وہ داہنے ہاتھ کو اٹھا کر واقعی اپنے منہ تک نہیں لے جا سکتا تھا[3]۔

قبیلہ دوس کا مسلمان ہونا

ایک بار حضرت طفیل دوسیؓ اپنے رفقاء کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! دوس کے قبیلہ نے دعوت اسلام کے قبول کرنے سے انکار کیا، آپ اس پر بددعا فرمائیے لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔

بالآخر یہ دعا قبول ہوئی اور پورا قبیلہ مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوا۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَّاْتِ بِهِمْ[4] — خداوندا دوس کو ہدایت دے اور ان کو لا۔

رفع بے پردگی کے لئے دعا

ایک حبشیہ عورت نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے صرع کا دورہ ہوتا ہے جس سے میں بے پردہ ہو جاتی ہوں، میرے لئے دعا فرمائیے، ارشاد ہوا اگر صبر کرنا چاہو تو تمہیں جنت نصیب ہوگی اور اگر کہو تو میں دعا کروں کہ خدا تم کو صحت دے، اس نے کہا میں صبر کرتی ہوں لیکن ستر عورت کے لئے دعا فرمائیے۔ چنانچہ آپ نے اس کے لئے دعا کی[5]۔

سلطنت کسریٰ کی تباہی

پڑھ چکے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے لئے جب کسریٰ کے پاس خط بھیجا تو اس نے خط کو چاک کرکے پھینک دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے اس کو بددعا دی کہ اس کے بھی پرزے پرزے ہو جائیں[6]، چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس کی سلطنت

[1] صحیح مسلم کتاب الدعوات باب کراہۃ الدعا بتعجیل العقوبۃ فی الدنیا [2] صحیح مسلم فضائل جریر بن عبد اللہ بجلی [3] صحیح مسلم باب آداب الطعام والشراب واحکامہما [4] صحیح بخاری قصۃ دوس، کتاب الجہاد، ومسلم فضائل غفار واسلم ودوس وغیرہا [5] صحیح مسلم باب ثواب المومن فیما یصیبہ من المرض، کتاب البر والصلۃ [6] صحیح بخاری کتاب الجہاد۔

کے پرخچے اڑ گئے۔

دعائے برکت کا اثر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فوج کو صبح تڑکے روانہ فرماتے تھے اور تمام امت کے لئے دعا کی تھی کہ خداوندا! میری امت کو صبح کے سویرے میں برکت دے، ایک تجارت پیشہ صحابی نے اس پر عمل کیا اور اپنا سامان تجارت عموماً صبح سویرے روانہ کرنا شروع کیا، چنانچہ اس دعا کی برکت ظاہر ہوئی اور وہ اتنے دولت مند ہو گئے کہ ان کو اپنی دولت کے رکھنے کو جگہ نہیں ملتی تھی[1]۔

طول عمر کی دعا

ام قیسؓ ایک صحابیہ تھیں ان کا لڑکا مر گیا تو وہ اس قدر بدحواس ہو گئیں کہ غسل جنازہ دینے والے سے کہا کہ میرے بچے کو ٹھنڈے پانی سے غسل نہ دو، ورنہ مر جائے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو مسکرائے اور ان کو طول عمر کی دعا دی، چنانچہ انہوں نے تمام عورتوں سے زیادہ عمر پائی۔

ایک بچہ کی ہدایت کے لئے دعا

رافع بن سنان نے اسلام قبول کر لیا لیکن بی بی نے جس کی گود میں ایک لڑکی تھی اس سعادت ابدی سے انکار کیا، اب اختلاف مذہب کی بنا پر لڑکی کے بارے میں نزاع پیدا ہوئی، بارگاہ نبوت میں مقدمہ پیش ہوا، آپ نے دونوں کو الگ الگ بٹھایا اور کہا کہ لڑکی کو بلاتے جاؤ دونوں نے بلایا تو لڑکی ماں کی طرف بڑھی، آپ نے اس حالت کو دیکھ کر دعا فرمائی کہ خداوندا! اس کو ہدایت دے اس کا یہ اثر ہوا کہ لڑکی کا رخ فوراً باپ کی طرف پھر گیا، یہ ابوداؤد کی روایت ہے[2]۔

ابن سعد نے اسی قسم کا ایک اور واقعہ ابوسلمہؓ صحابی کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بچہ تھے ان کے دادا اور نانا میں ایک کافر اور ایک مسلمان تھا، دونوں نے بچہ کی تولیت کا دعویٰ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ خود بچہ کے اختیار پر رکھ دیا، پہلے تو بچہ اپنے کافر رشتہ دار کی طرف بڑھا، آپ نے فرمایا، خدا اس کو ہدایت دے۔ فوراً بچہ مسلمان عزیز کی طرف چلا گیا اور فیصلہ اسی کے حق میں رہا[3]۔

*

---

[1] ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ صفحہ ۱۶۳ باب ما یرجیٰ من البرکت فی البکور و مسند جلد ۳ صفحہ ۴۳۶ عن صخر الغامدی [2] ابوداؤد صفحہ ۲۲۶ کتاب الطلاق باب اذا اسلم الابوان مع من یکون الولد [3] ابن ماجہ باب تخییر الصبی بین ابویہ میں بھی یہ روایت ہے۔

اشیاء میں اضافہ

مسلمانوں کی ابتدائی زندگی جس فقر و فاقہ میں گزری تھی، اس کا حال کتاب کے مختلف حصوں میں پڑھ چکے ہو، کئی کئی دن گزر جاتے تھے کہ ان کو کھانے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی، ایسی حالت میں اگر برکت الٰہی ان کو اپنا خاص مہمان نہ بنا لیتی تو ان کا کیا حشر ہوتا؟ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے تھوڑی سی روٹی اور مچھلی سے کئی سو آدمیوں کو شکم سیر کر دیا اور یہ ان کا بڑا معجزہ سمجھا جاتا ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور فیض روحانی سے ایک دفعہ نہیں متعدد دفعہ اس قسم کے برکات ظاہر ہوئے۔

تھوڑے سے کھانے میں ستر آدمیوں کا سیر ہونا

ایک دن حضرت ابوطلحہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے محسوس کیا کہ آپ بھوک کی شدت سے ضعیف ہو رہے ہیں، گھر آئے اور بی بی ام سلیم سے کہا کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضعیف آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھوکے ہیں، تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے، انھوں نے جو کی چند روٹیاں دوپٹے میں لپیٹ کر حضرت انسؓ کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیجیں، وہ روٹیاں لے کر آئے تو آپ صحابہؓ کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے، حضرت انسؓ سامنے کھڑے ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ کیا ابوطلحہؓ نے تمہارے ہاتھ کھانا بھیجا ہے؟ انہوں نے کہا، ہاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہؓ کے ساتھ اٹھے اور حضرت ابوطلحہؓ کے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت انسؓ نے ان کو خبر کی تو انھوں نے بی بی سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جماعت کے ساتھ تشریف لاتے ہیں اور ہمارے پاس کھلانے کا کوئی سامان نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوطلحہؓ کے ساتھ آئے اور ام سلیمؓ سے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو، لاؤ۔ انہوں نے وہی روٹیاں پیش کیں جو حضرت انسؓ کے ہاتھ بھیجی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کو چورا کیا گیا اور ام سلیمؓ نے گھی کا برتن انڈیل دیا جس نے سالن کا کام دیا، لیکن ان ہی روٹیوں میں یہ برکت ہوئی کہ آپ دس دس آدمیوں کو بلا بلا کے کھلاتے تھے اور وہ شکم سیر ہو ہو کے جاتے تھے، یہاں تک کہ ستر اسی آدمی آسودہ ہو گئے[1]۔

چھوہارے کے ڈھیر کا بڑھ جانا

حضرت جابرؓ کے والد نے اپنے اوپر یہودیوں کا قرض چھوڑ کر وفات کی، قرضداروں نے تقاضا کیا تو حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ والد نے اپنے اوپر قرض چھوڑ کر انتقال کیا ہے اور بجز کھجوروں کے میرے پاس ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں صرف کھجوروں کی پیداوار سے کئی برس تک یہ قرض ادا نہیں ہو سکتا، آپ میرے ساتھ نخلستان میں تشریف لے چلئے تاکہ آپ کے ادب سے قرضدار مجھ پر سختی نہ کریں، آپ ان کے ساتھ تشریف لائے اور کھجوروں کا جو ڈھیر لگا ہوا تھا اس کے گرد چکر لگا کر دعا کی اور اسی پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اپنا اپنا قرض لیتے جاؤ، آپ کی دعا کی تاثیر سے ان ہی کھجوروں میں یہ برکت ہوئی کہ تمام قرض ادا ہو گیا اور جس قدر کھجوریں قرضداروں کو ادا کی گئی تھیں، اتنی ہی بچ رہیں[2]۔

---

[1] صحیح بخاری علامات النبوۃ [2] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ۔

کھانے میں حیرت انگیز برکت

چونکہ اصحاب صُفہ بالکل محتاج تھے اور ان کی معاش کا کوئی سامان نہ تھا، اس لئے آپؐ نے ایک بار حکم دیا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کے کھانے کا سامان ہو وہ اصحاب صُفہ میں سے ایک کو اور جن کے پاس چار آدمیوں کی غذا ہو وہ دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے، چنانچہ اس اصول کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں دس اور حضرت ابوبکرؓ کے حصے میں تین آدمی آئے، یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں آئے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے یہاں کھانا کھایا، اور آپؐ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، اس لئے کسی قدر رات گزر گئی، وہ گھر میں دیر سے آئے تو ان کی بیوی ام رومان نے کہا کہ مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں رہ گئے؟ انہوں نے کہا کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا؟ وہ بولیں بغیر تمہارے ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا، حضرت ابوبکرؓ نہایت برہم ہوئے اور ان لوگوں کو کھانا کھلانا شروع کیا وہ لوگ جو لقمہ اٹھاتے تھے اس میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ جب وہ لوگ شکم سیر ہو کر کھا چکے تو بچا ہوا کھانا پہلے سے بھی زیادہ نکلا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس برکت کو دیکھ کر ام رومان کی طرف مسرت سے دیکھا اور غصہ میں اگرچہ کھانے کی قسم کھا چکے تھے لیکن قسم توڑنے کے لئے ایک لقمہ اس میں سے کھایا اور تمام کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بھیج دیا، وہ کھانا آپ کے گھر میں صبح تک رہا، دوسرے روز آپ کی خدمت میں بارہ آدمی آئے، جن میں سے ہر ایک کے ساتھ کتنی کتنی آدمی خدا جانے کتنے تھے، آپؐ نے وہ کھانا ان کے پاس بھیج دیا اور وہ لوگ بھی سیر ہو گئے[1]۔

گھی کی مقدار میں برکت

ام مالکؓ کا دستور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمیشہ ایک برتن میں گھی ہدیۃً بھیجا کرتی تھیں، جب ان کے بچے سالن مانگتے اور گھر میں نہ ہوتا تو وہ اس برتن کو جس میں آپ کی خدمت میں گھی بھیجتی تھیں، اٹھا لاتیں اور اس میں سے بقدر ضرورت گھی نکل آتا، ایک دن انہوں نے اس برتن کو نچوڑ لیا، پھر آپؐ کی خدمت میں آئیں تو آپؐ نے فرمایا، اگر تم نے اس کو نچوڑ کر نہ لیا ہوتا تو ہمیشہ اس میں سے گھی نکلا کرتا[2]۔

جَو کی مقدار میں برکت

ایک بار ایک شخص نے آپؐ سے غلہ مانگا، آپؐ نے تھوڑے سے جَو دے دیئے، اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ وہ روز اپنے لئے، اپنی بی بی کے لئے، اپنے مہمان کے لئے اس میں سے صرف کرتا تھا اور اس میں کمی نہ ہوتی تھی، ایک دن اس نے اس کو تولا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے فرمایا، اگر تم اس کو نہ تولتے تو ہمیشہ ایک حالت پر قائم رہتا[3]۔

کھانے میں حیرت انگیز اضافہ

غزوۂ احزاب میں تمام مہاجرین اور انصار خندق کھود رہے تھے، حضرت جابرؓ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت بھوکے ہیں وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے ایک صاع جَو نکالا اور گھر میں ایک بکری تھی، حضرت جابرؓ نے اس کو ذبح کیا اور بی بی نے آٹا گوندھا، گوشت دیگچی میں چڑھایا گیا تو حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لینے کے

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ [2] صحیح مسلم باب معجزات النبی و مسند احمد عن جابرؓ [3] ایضاً

لئے چلے، بی بی نے کہا کہ دیکھو آپؐ کے ساتھ لوگوں کو لا کر مجھے رسوا نہ کرنا، حضرت جابرؓ آئے اور چپکے سے آپؐ کے کان میں کہا کہ ہم نے کھانے کا انتظام کیا ہے، آپؐ چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے چلئے، لیکن آپؐ نے تمام اہل خندق کو پکارا کہ آؤ جابرؓ نے دعوت عام کی ہے اور حضرت جابرؓ سے کہا کہ جب تک میں نہ آلوں چولہے سے دیگچی نہ اتاری جائے اور روٹی نہ پکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کو لے کر روانہ ہوئے، حضرت جابرؓ گھر میں آئے تو بی بی نے برا بھلا کہنا شروع کیا، انہوں نے کہا میں کیا کروں، تم نے جو کہا تھا میں نے اس کی تعمیل کر دی، آپؐ آئے تو بی بی نے آپ کے سامنے آٹا پیش کیا، آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ملا دیا اور برکت کی دعا دی، اسی طرح دیگچی میں بھی لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت کی، اس کے بعد آپؐ نے روٹی پکانے اور سالن نکالنے کا حکم دیا، کم و بیش ایک ہزار آدمی تھے سب کھا کر واپس گئے لیکن گوشت اور آٹے میں کوئی کمی نہیں ہوئی[1]۔

تھوڑی سی زاد راہ میں غیر معمولی برکت

غزوۂ تبوک میں صحابہؓ کو بھوک کی انتہائی تکلیف ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سواریوں تک کے ذبح کرنے کی اجازت دے دی، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپؐ کے پاس آئے اور کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی، آپؐ بچا ہوا زاد راہ سب سے طلب فرمائیں اور اس پر دعائے برکت کریں، ممکن ہے کہ خدا اس میں ان کا بھلا کر دے، آپؐ نے ایک چادر بچھوائی اور تمام فوج کا زاد راہ جمع کرا دیا اور اس پر برکت کی دعا کی، پھر تمام لوگوں سے فرمایا کہ اپنے اپنے برتن بھر لیں لوگوں نے تمام برتن بھر لئے اور خوب سیر ہو کر کھایا، یہاں تک کہ کھانے سے بچ گیا[2]۔

تھوڑی سی زاد راہ میں عظیم برکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے، صحابہ بھوک سے اس قدر بیتاب تھے کہ اونٹنیاں ذبح کرنی چاہیں، لیکن آپؐ نے تمام لوگوں کے زاد راہ کے جمع کرنے کا حکم دیا، ایک چادر بچھائی گئی اور اس پر تمام زاد راہ ڈھیر کیا گیا، اس تمام سامان کی مجموعی مقدار نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی اور اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی، لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھا لیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے، کھانے کے بعد آپؐ نے پانی طلب فرمایا، ایک صاحب ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے، آپؐ نے اس کو پیالہ میں انڈیل دیا اور ۱۴ سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا[3]۔

آدھ سیر آٹے اور ایک بکری میں برکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے، ۱۳۰ آدمیوں کی جماعت ساتھ تھی، آپؐ نے لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کچھ کھانے کا سامان ہے؟ ایک شخص ایک صاع آٹا لایا اور وہ گوندھا گیا، پھر ایک کافر بکریاں چراتا ہوا آیا، آپؐ نے اس سے ایک بکری خرید فرمائی اور ذبح کرنے کے بعد کلیجی کے بھوننے کا حکم دیا اور ہر شخص کو تقسیم کی، گوشت تیار ہوا تو دو پیالوں میں بھرا گیا، اور سب کے سب کھا کر آسودہ ہو گئے اور بچ بھی گیا[4]۔

تھوڑے سے کھانے میں غیر معمولی برکت

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے ایک بار ایک قسم کا کھانا تیار

[1] بخاری ج ۲ ص ۵۸۹ ذکر غزوہ خندق [2] صحیح مسلم ج ۱ اول ص ۳۲ مصر کتاب الایمان [3] مسلم ج ۲ ص ۷۱ مصر باب خلط ازواد اذا قلت

[4] بخاری ج ۱ ص ۱۱۰ کتاب الاطعمہ

کیا اور حضرت انسؓ کو بھیجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلا لائیں، وہ گئے تو آپؐ نے پوچھا کہ کیا میرے ساتھیوں کو بھی بلایا ہے؟ حضرت انسؓ نے گھر میں آکر پوچھا تو حضرت انسؓ نے آپؐ سے آکر کہا کہ وہ تو ذرا سی چیز ہے جس کو ام سلیمؓ نے تیار کیا ہے، آپؐ تشریف لائے اور وہ کھانا سامنے رکھا گیا تو فرمایا کہ دس دس آدمیوں کو لاؤ، اس طرح چالیس آدمی دس دس کرکے آئے اور شکم سیر ہو کر کھایا لیکن کھانے میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی[1]۔

قلیل تعداد میں کثیر برکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کیا تو حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے تھوڑا سا حیس (ایک قسم کا کھانا ہوتا ہے) تیار کیا اور ایک طشت میں کرکے حضرت انسؓ کے ہاتھ آپؐ کی خدمت میں بھیجا، حضرت انسؓ کھانا لے کر آئے تو آپؐ نے بہت سے اصحاب کو مدعو کیا، تقریباً تین سو آدمی جمع ہو گئے، آپؐ نے حکم دیا کہ دس دس آدمی حلقہ باندھ کر بیٹھ جائیں اور اپنے سامنے سے کھانا شروع کریں، تمام لوگ کھا کر آسودہ ہو گئے، لیکن اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ جس وقت میں نے طشت کو اٹھا کر رکھا اس وقت کھانا زیادہ تھا یا جب لوگوں کے سامنے رکھا گیا تھا[2]۔

ایک پیالہ میں حیرت انگیز برکت

سمرہ بن جندبؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ دس دس آدمی صبح سے شام تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ سے متصل کھاتے رہتے تھے، لوگوں نے پوچھا کہ اس میں اس قدر بڑھتی کیونکر ہوتی جاتی تھی؟ انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ "وہاں" سے۔

دودھ کے پیالہ میں برکت

ایک دن حضرت ابوہریرہؓ بھوک کی شدت سے بے تاب ہو کر راستہ میں بیٹھ گئے، حضرت ابوبکرؓ کا گزر ہوا تو ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی، لیکن اس کا مقصد اپنی حالت زار کی طرف توجہ دلانا تھا، وہ گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی، پھر حضرت عمرؓ گزرے، انہوں نے اسی غرض سے ان سے بھی ایک آیت پوچھی، لیکن انہوں نے بھی بے التفاتی کی، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا اور آپؐ نے ان کے چہرے کو دیکھ کر اصل حقیقت معلوم کر لی اور ان کو پکارا، حضرت ابوہریرہؓ نے لبیک کہا اور ساتھ ہو لیے، آپؐ گھر میں داخل ہوئے تو دودھ کا پیالہ بھرا ہوا نظر آیا، پوچھنے سے معلوم ہوا کہ ہدیۃً آیا ہے، آپؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کو حکم دیا کہ اصحاب صُفّہ کو بلا لائیں، حضرت ابوہریرہؓ کو یہ ناگوار گزرا کہ اس دودھ کا سب سے زیادہ مستحق تو میں تھا، لیکن آپؐ کی تعمیل ارشاد سے چارہ نہ تھا، مجبوراً اصحاب صُفّہ کو بلا لے گئے اور سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، آپؐ کے حکم سے حضرت ابوہریرہؓ نے سب کو پلانا شروع کیا، جب سب کے سب سیراب ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ کو ہاتھ پر رکھا اور ابوہریرہؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور کہا کہ اب صرف ہم اور تم باقی ہیں، آؤ بیٹھو اور پینا شروع کرو، آپؐ ان کو متصل پلاتے رہے یہاں تک کہ وہ خود بول اٹھے کہ اب گنجائش نہیں، اس کے بعد آپؐ نے خود پیالہ لیا اور جو کچھ بچ گیا تھا بسم اللہ کہہ کر پی گئے[3]۔

بکری کے دست میں برکت

ایک صحابیؓ نے آپؐ کے لئے گوشت پکایا، چونکہ آپؐ کو بکری کا دست نہایت مرغوب

[1] بخاری ج ۲ ص ۸۱۹ کتاب الاطعمہ [2] صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۵۵۰ مصر کتاب النکاح [3] ترمذی ص ۶۰۲ باب ماجاء فی آیات نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم [4] بخاری ج ۲ ص ۹۵۶ کتاب الرقاق۔

تھا، انھوں نے آپؐ کو دونوں دست دیئے، جب آپؐ ان کو تناول فرما چکے تو پھر دست مانگا، انھوں نے کہا یا رسول اللہ! بکری کے کتنے دست ہوتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، خدا کی قسم! اگر تم خاموش رہتے تو میں جس قدر دست مانگتا تم مجھے دیتے رہتے[1]۔

بکری کے تھنوں میں برکت

حضرت مقدادؓ سے روایت ہے کہ میں اپنے دو رفیقوں کے ساتھ سخت عسرت اور فاقہ زدگی کی حالت میں آیا اور تمام صحابہ کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کیا لیکن کسی نے ہماری کفالت منظور نہیں کی، بالآخر ہم سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ ہم کو گھر لے گئے، وہاں تین بکریاں بندھی ہوئی تھیں، آپؐ نے فرمایا کہ ان کا دودھ دوھ کر پیا کرو، چنانچہ ہم سب دودھ کے اپنا حصہ پی لیتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ کا حصہ رکھ دیتے تھے، آپؐ رات کو آتے تو پہلے نرم آواز میں سلام کرتے، پھر مسجد میں آکر نماز پڑھتے، اس کے بعد اپنا حصہ دودھ پیتے، ایک دن جب کہ میں اپنے حصہ کا دودھ پی چکا تھا شیطان نے مجھ کو دھوکہ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے یہاں سے آتے ہیں، وہ آپؐ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے ہیں اور آپ ان کو تناول فرماتے ہیں، آپؐ کو اس دودھ کی ضرورت نہیں، میں اس کے دھوکہ میں آگیا اور تمام دودھ اٹھا کر پی گیا، جب میرے پیٹ میں گنجائش نہ رہی تو شیطان یہ کہہ کر پچھتاتا ہوا کہ کم بخت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ پی گیا، جب آپؐ تشریف لائیں گے اور اپنے حصہ کو نہ پائیں گے تو تجھ کو بددعا دیں گے اور تیرا دین و دنیا سب برباد ہو جائے گا۔

چنانچہ اس ڈر سے میری آنکھوں کی نیند اڑ گئی، آپؐ تشریف لائے حسب معمول سلام کیا اور نماز پڑھی، اس کے بعد دودھ کو کھولا تو آپؐ کا حصہ غائب تھا، آپؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور میں سمجھا کہ آپؐ اب مجھ پر بددعا فرمائیں گے اور میں ہلاک ہو جاؤں گا، لیکن آپؐ نے یہ دعا فرمائی "خداوندا! جس شخص نے مجھ کو کھلایا، اس کو کھلا اور جس نے مجھے پلایا، اسے پلا"۔ اب میں چادر لپیٹ کے اٹھا، ہاتھ میں چھری لی کہ ان بکریوں میں جو سب سے زیادہ فربہ ہو اس کو ذبح کروں، لیکن مجھے معلوم ہوا کہ ان سب کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا ہے، اب میں نے ایک برتن کی طرف ہاتھ بڑھایا جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال کو یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ کبھی اس قدر دودھ ہوگا کہ اس میں

دودھ جاتا رہیگا لیکن میں نے ابھی دودھ [illegible] نیند آنے لگا، میں نے دودھ کو آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنا حصہ پی چکے؟ میں نے کہا آپ پلا دیجیے

آپؐ نے پی کر مجھے دودھ عنایت فرمایا، چنانچہ جب مجھے معلوم ہوا کہ آپؐ سیر ہو گئے اور آپؐ کی دعا کی برکت میں شامل ہو گیا تو میں ہنستے ہنستے زمین پر گر پڑا اور آپؐ کی خدمت میں اول سے آخر تک تمام واقعہ بیان کیا، آپؐ نے فرمایا "یہ خداوند تعالیٰ کی رحمت ہے، تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کیوں نہیں جگایا کہ وہ بھی پیتے"۔ میں نے کہا کہ جب میں نے آپؐ کے ساتھ پی لیا تو مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کسی اور نے پیا یا نہیں؟

ایک وسق جو کی برکت

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو کچھ وسق (ایک پیمانہ) جو کے سوا کچھ گھر میں نہ تھا تو میں نے اسی کو کھانا شروع کیا تو وہ ختم ہی ہونے پر نہیں آتا تھا تو

[1] شمائل ترمذی باب صفۃ ادام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۹ مصر باب اکرام الضیف۔

ہم نے اس کو تولا تو پھر وہ ختم ہو گیا یعنی اس کی وہ برکت جاتی رہی۔[1]

توشہ دان بھرا رہتا

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھ پر اسلام میں تین مصیبتیں سب سے سخت پڑیں، پہلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات، دوسری حضرت عثمانؓ کی شہادت، تیسری میرے توشہ دان کا جاتے رہنا، لوگوں نے پوچھا کیوں کیسا توشہ دان؟ انہوں نے کہا، آپ ایک غزوہ میں تھے، رسد ختم ہو گئی تھی آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ ابو ہریرہؓ! کچھ تمہارے پاس ہے؟ میں نے عرض کی کہ کچھ کھجوریں ہیں، ارشاد ہوا وہ لے آؤ، میں لایا تو آپؐ نے ان کو دستر خوان پر پھیلا دیا، اکیس کھجوریں تھیں، آپ ایک ایک کھجور لے کر اور اس پر خدا کا نام پڑھ کر رکھتے جاتے تھے، پھر آپ نے سب کو ملا دیا اور حکم دیا کہ دس دس آدمی آکر شریک ہوں، چنانچہ اس طرح لوگ آتے گئے اور پوری فوج سیر ہو گئی اور کچھ کھجوریں بچ گئیں، میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اس پر میرے لئے برکت کی دعا فرمایئے، آپؐ نے دعا کی، میں نے ان کو اپنے توشہ دان میں ڈال لیا، ان کی برکت یہ تھی کہ جب میں ہاتھ ڈالتا تھا اس میں سے کھجوریں نکل آتی تھیں اور ۵۰ وسق تو میں نے اس میں سے راہِ خدا میں خیرات کی، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ تک میں اسی سے کھاتا رہا، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ہنگامہ میں جہاں اور چیزیں گئیں، توشہ دان بھی جاتا رہا۔[2]

تھوڑی کھجوروں میں برکت

حضرت دُکینؓ اور نعمانؓ بن مقرن صحابی کہتے ہیں کہ ہم لوگ چار سو چودہ آدمی خدمت نبویؐ میں ایک ساتھ حاضر ہوئے اور ہم سب نے کھانے کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ ان کو کھانا کھلاؤ، انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس تو اسی قدر ہے جو بال بچوں کو کافی ہو، ارشاد ہوا، جاؤ ان کو کھلا دو، عرض کی جیسا حکم ہو تعمیل میں عذر نہیں، یہ کہہ کر حضرت عمرؓ ہم کو لے کر چلے اور ایک جگہ لاکر بٹھایا اور جو کچھ کھجوریں تھیں وہ سامنے لاکر رکھ دیں، اور ان میں یہ برکت نظر آئی کہ ہم سب سیر ہو گئے لیکن کھجوروں میں کمی نہیں آئی۔[3]

*

---

[1] صحیح بخاری و مسلم [2] مسند محمد، جامع ترمذی، ابن سعد، ابن حبان و بیہقی [3] مسند احمد عن دکین و ابو داؤد و ابن حبان و ابن سعد عن نعمان بن مقرن

پانی جاری ہونا

عرب کے خشک و ریگستانی ملک میں سب سے کمیاب جنس پانی کا ایک چشمہ ہے، دنیا کے فاتحوں اور کشور کشاؤں کے حملوں سے یہ ملک جن اسباب کی بنا پر ہمیشہ محفوظ رہا ہے ان میں سے ایک قوی سبب اس میں پانی کے وجود کی کمیابی بھی ہے، چنانچہ یونانیوں، رومیوں اور ایرانیوں کی ہمتیں اسی لئے اس صحرائے لق و دق میں آباد قبائل کے فتح سے قاصر رہیں، غور کرو کہ اسلام کا فاتحانہ لشکر بھی اگر نبوت کے برکات الٰہی کے یہ چشمے اس کے ساتھ نہ ہوتے تو اس مشکل کو وہ کبھی حل کر سکتا تھا؟

انبیائے عالم میں صرف ایک حضرت موسیٰؑ کی ذات ہے جن کے لئے ایک دفعہ چٹان کی رگیں پانی کی سوتیں بنیں لیکن رسول عرب کے لئے مشکیزہ کا چمڑہ، گوشت و پوست کی انگلیاں، خشک چشموں کے دہانے، سوکھے ہوئے کنوؤں کی سوتیں، دہانِ مبارک کی کلیاں متعدد دفعہ پانی کا خزانہ ثابت ہوئیں۔

مشکیزہ سے پانی اُبلنا

ایک دفعہ آپؐ سفر میں تھے، صبح کو آنکھ کھلی اور آپؐ نے نماز پڑھانی شروع کی تو ایک صحابی جماعت سے الگ ہو گئے، آپ نے شریک جماعت نہ ہونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جنابت کا عذر کیا چونکہ پانی نہ تھا اس لئے ان کو آپؐ نے تیمم کا حکم دیا، اس کے بعد آپؐ نے چند صحابہ کو پانی کی جستجو میں روانہ فرمایا، وہ لوگ چلے تو ایک عورت ملی جو اونٹ پر دو مشکیزوں میں پانی لاد کر لئے جا رہی تھی، ان لوگوں نے اس چشمہ کا پتہ پوچھا تو اس نے کہا، اس جگہ پانی نہیں ہے، پھر ان لوگوں نے دریافت کیا کہ تمہارے قبیلہ اور چشمہ کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے؟ اس نے ایک دن اور ایک رات کی مسافت بتائی، وہ لوگ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے مشکیزوں کو چھو دیا، آپؐ کے دست مبارک کی برکت سے اس پانی کی مقدار میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ چالیس آدمیوں نے اس سے خوب سیراب ہو کر پانی پیا اور اپنے اپنے تمام مشکیزے اور برتن بھر لئے، اس کے بعد آپؐ نے کھجور اور روٹی کے ٹکڑے جمع کر کے اس عورت کو دیئے، وہ اپنے گھر آئی تو حیرت و استعجاب سے لبریز تھی، اس نے اپنے قبیلے کے لوگوں سے کہا کہ میں نے سب سے بڑے ساحر کو یا اس کے معتقدین کے خیال میں ایک پیغمبر کو دیکھا، آخر اسی خاتون کے اثر سے یہ پورا قبیلہ مع اس عورت کے مسلمان ہو گیا۔[1]

انگلیوں سے پانی جاری ہونا

ایک دن آپؐ مقام زوراء میں تھے، عصر کا وقت آ گیا تو صحابہ نے پانی کی جستجو شروع کی، لیکن صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی ملا، جب آپؐ کی خدمت میں پانی کا برتن پیش کیا گیا تو آپؐ نے اس پر اپنا ہاتھ ڈال دیا اور انگلیوں سے پانی کا فوارہ چھوٹنے لگا، یہاں تک کہ تقریباً تین سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔[2]

پانی کا بڑھ جانا

آپؐ صحابہ کے ساتھ کسی سفر میں تھے، نماز کا وقت آیا تو صحابہ نے پانی تلاش کیا لیکن کہیں نہ ملا، ایک صحابی پیالہ میں تھوڑا سا پانی لائے، پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وضو کیا پھر پیالے پر تینے

---

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ [2] صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی باب معجزات۔

انگلیاں پھیلا دیں، پانی کی مقدار میں اس قدر برکت ہوئی کہ تقریباً ستر آدمیوں کے وضو کے لئے کافی ہوا۔[1]

انگلیوں کی برکت

ایک بار نماز کا وقت آیا تو جن لوگوں کا گھر مسجد کے قریب تھا وہ گھر کے اندر وضو کرنے کے لئے چلے گئے لیکن بقیہ لوگ بے وضو رہ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک برتن میں وضو کا پانی پیش کیا گیا، آپؐ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالنا چاہا تو اس کا دہانہ اس قدر تنگ نکلا کہ آپؐ کی ہتھیلیاں اس کے اندر نہ پھیل سکیں اس لئے آپؐ نے اپنی انگلیاں اسکے اندر ڈالیں اور وہ پانی تقریباً ۸۰ آدمیوں کے وضو کیلئے کافی ہوا۔[2]

انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہنا

صلح حدیبیہ کے دن صحابہ پیاس سے بے تاب ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صرف چمڑے کے ایک برتن میں پانی تھا، آپؐ نے اس سے وضو کرنا شروع کیا تو تمام صحابہ آپؐ کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھے، آپؐ نے اس بے تابی کی وجہ پوچھی تو لوگوں نے کہا کہ ہماری ضروریات کے لئے صرف یہی پانی تھا، آپؐ نے اس کے اندر ہاتھ ڈال دیا اور آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی جاری ہوا، چودہ پندرہ سو آدمی ساتھ تھے، سب نے اس سے وضو کیا اور سیراب ہو کر پانی پیا۔[3]

کلی سے پانی بڑھ جانا

دوسری روایت ہے کہ صحابہ اس دن اس کنوئیں پر ٹھہرے جس کا نام حدیبیہ تھا اور اس کا تمام پانی اولیچ لیا، یہاں تک کہ کنوئیں کے اندر ایک قطرہ پانی نہ رہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو کنوئیں کے کنارے بیٹھ گئے اور تھوڑا سا پانی منہ میں لے کر اس میں کلی کر دی، تھوڑی دیر میں پانی اس قدر ابلا کہ تمام صحابہ اور صحابہ کے تمام اونٹ سیراب ہو گئے۔[4]

ہاتھ منہ دھونے کی برکت

غزوۂ تبوک کے سفر میں دو، دو وقت کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے جا رہے تھے ایک دن عشاء اور مغرب کی نماز ایک ساتھ ادا کی، پھر فرمایا، کل تم لوگ دوپہر کے وقت تبوک کے پاس پہنچو گے لیکن جب تک میں نہ آلوں کوئی شخص اس کے پانی میں ہاتھ نہ لگائے، لوگ پہنچے تو نہر تسمہ کی طرح تنگ اور باریک نظر آئی، آپؐ کے حکم سے لوگوں نے پانی کو اولیچنا شروع کیا، پانی ایک گڑھے میں جمع ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں منہ ہاتھ دھوتے، پھر وہ پانی نہر میں ڈال دیا گیا تو وہ پانی سے ابل گئی۔[5]

انگلیوں کی برکت

آپؐ نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا، انہوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈا پانی نہیں ملا، انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی ٹھنڈا کر کے رکھتے تھے، حضرت جابرؓ نے آپؐ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپؐ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا، لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی نکلا، اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ میں جذب ہو کر رہ جاتا، حضرت جابرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تو آپؐ نے اس برتن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو طشت کے اندر رکھ کے حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کر کے ہاتھ پر پانی گرائیں، حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا تو پہلے آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی امنڈا، پھر طشت بھر گیا، یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے، اس کے بعد آپؐ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرا رہ گیا۔[6]

---

[1] صحیح بخاری و مسلم باب معجزات و مسند احمد عن انسؓ بن مالک [2] صحیح بخاری باب معجزات [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً [6] مسلم باب حدیث جابر الطویل۔

انگلیوں سے پانی کا جوش مارنا

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک بار عصر کا وقت آ گیا، صرف تھوڑا سا بچا ہوا پانی رہ گیا تھا، آپؐ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں اور اُن کے اندر سے پانی جوش مارنے لگا، یہاں تک کہ ۱۴۰۰ آدمیوں نے اس سے وضو کیا اور سیراب ہو گئے۔[1]

تھوڑے پانی میں کثیر برکت

ایک بار آپؐ سفر میں تھے، صبح کے وقت قافلہ سے الگ ہو کر سو گئے اور چند شخص سے جو ساتھ تھے کہہ دیا کہ نماز کا خیال رکھنا، لیکن سب کے سب سو گئے اور سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوتے تو دن نکل چکا تھا، اب سب کے سب گھبرا کے اٹھے تو آپؐ نے کوچ کرنے کا حکم دیا، دن چڑھا تو آپؐ نے سواری سے اتر کر وضو کیا، تھوڑا سا پانی جو بچ رہا تھا اس کی نسبت ابو قتادہؓ سے فرمایا کہ اس کو محفوظ رکھنا، اس سے ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہو گا، جب آفتاب خوب بلند ہو چکا تو آپؐ قافلہ سے جا ملے لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ! پیاس نے ہم کو مار ڈالا، آپ نے فرمایا تم لوگ تباہ نہیں ہو سکتے، یہ کہہ کر اپنے وضو کا بچا ہوا پانی ابو قتادہؓ سے طلب کر کے لوگوں کو پلانا شروع کیا اور تمام لوگ سیراب ہو گئے۔[2]

انگلیوں سے پانی اُبلنا

حبان بن بح الصدائی کا بیان ہے کہ میری قوم حالت کفر میں تھی، مجھے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے فوجی تیاریاں فرما رہے ہیں اور آپؐ کو اطلاع دی کہ میری قوم مسلمان ہے، پھر میں نے رات بھر آپ کے ساتھ سفر کیا، جب صبح ہوئی تو میں نے اذان دی، آپؐ نے پانی کا برتن مجھے عطا فرمایا، میں نے اس سے وضو کیا، پھر آپؐ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں اور ان کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی ابلنے لگا، آپؐ نے حکم دیا کہ جو شخص چاہے اُس سے وضو کرے۔[3]

ایک اور واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ معجزات کو برکت سمجھا کرتے تھے، چنانچہ ایک بار ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، پانی کی کمی کی شکایت ہوئی تو آپؐ نے بچے ہوئے پانی کو طلب فرمایا، وہ ایک برتن میں آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا اور آپ نے اس میں ہاتھ ڈال کر فرمایا کہ وضو کے مبارک پانی کی طرف دوڑو، خدا کی طرف سے برکت ہو گی، میں نے دیکھا تو آپؐ کی انگلیوں کے درمیان پانی ابل رہا تھا۔[4]

یہ واقعات جو مختلف عنوانوں میں بیان کئے گئے ہیں، ممکن ہے کہ ان میں سے بعض ایک ہی قصہ کی متعدد حکایتیں ہوں، لیکن چونکہ ہر ایک کے ساتھ خصوصیت میں کچھ فرق و امتیاز محسوس ہوا اس لئے ان کو مستقل واقعات کی صورت دے دی گئی ہے۔

★

---

[1] بخاری، ج ۲ صفحہ ۴ کتاب الاشربہ [2] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب قضاء الصلوٰۃ الفائتہ [3] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۶۹ [4] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام

اطلاعِ غیب

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (جن-۲)

قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار بے نقاب کیا ہے کہ "غیب کا علم خدا کے سوا کسی اور کو نہیں" چنانچہ قرآن مجید میں اس معنی کی بکثرت آیتیں ہیں اور ان کا منشا، یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کی صفت سے خدا کے سوا کسی اور کو متصف نہیں کیا جا سکتا۔

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ (یونس) — کہہ دے (اے پیغمبر) کہ غیب تو خدا ہی کے لئے ہے۔

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ (نمل) — کہہ دے (اے پیغمبر) کہ خدا کے سوا آسمان و زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا۔

یعنی خدا کے سوا کسی مخلوق کو غیب کا ذاتی علم نہیں اور نہ غیب کی باتیں خدا نے آسمان و زمین میں کسی مخلوق کو بتائی ہیں، چنانچہ قیامت کے دن تمام انبیا۔ کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا۔

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (مائدہ-۱۵) — جس دن خدا تمام پیغمبروں کو جمع کرے گا اور کہے گا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا، وہ کہیں گے کہ ہم کو کچھ علم نہیں، غیب کی باتوں کا پورا جاننے والا تو ہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اعلم الانبیا تھے، ان کو یہ اقرار کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ (انعام-۵) — کہہ دے اے پیغمبر کہ میں نہیں کہتا کہ خدا کے تمام خزانے میرے قبضہ میں ہیں اور یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں نہیں جانتا۔

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (اعراف-۲۳) — کہہ دے اے پیغمبر! کہ میں اپنے آپ کے لئے کسی نفع و ضرر پر قادر نہیں ہوں لیکن یہ کہ خدا جو چاہے، اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو بہت سے فائدے اٹھا لیتا اور مجھ کو کبھی مصیبت نہ پیش آتی، لیکن میں تو ایماندار قوم کو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔

ان آیتوں نے صاف کھول دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ غیب کا ذاتی علم تھا اور نہ تمام غیب کی باتیں آپ کو بتائی گئی تھیں، البتہ خدا تعالیٰ نے اپنے علم میں سے جو کچھ چاہا اور پسند کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتاً فوقتاً اس سے مطلع فرماتا رہا، چنانچہ صاف ارشاد ہوا۔

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ (بقرہ-۳۴) — وہ (یعنی مخلوقات الٰہی) خدا کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے لیکن اتنے کا جتنے کا خدا چاہے۔

سورۂ جن میں فرمایا۔

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (جن-۲) — اللہ تعالیٰ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا لیکن اس پیغمبر پر جس کو پسند کرے۔

دوسری جگہ سورۂ آل عمران میں فرمایا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (۱۸) — اور خدا غیب کی باتیں تم کو نہیں بتا سکتا لیکن وہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے (اس کے لئے) چن لیتا ہے۔

امور غیب میں سے قیامت کے متعلق تصریح کر دی گئی ہے کہ اس کا علم کسی کو عطا نہیں ہوا ہے۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً یَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (اعراف) — (اے پیغمبر!) لوگ تجھ سے قیامت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کب لنگر انداز ہو گی؟ کہہ دے کہ اس کا علم تو صرف میرے پروردگار ہی کو ہے، وہی اپنے وقت پر اس کو ظاہر کرے گا، وہ وقت آسمان و زمین میں بڑا بھاری ہو گا، وہ دفعۃً آ جائے گا، تجھ سے وہ قیامت کا حال اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا وہ تجھے معلوم ہے اور تو چھپاتا ہے کہہ دے کہ اس کا علم صرف خدا ہی کے پاس ہے لیکن اکثر آدمی نہیں سمجھتے۔

صحاح میں حضرت جبریلؑ کے ایک مسافر کی صورت میں آنے کی جو روایت ہے اور جس میں انہوں نے ایمان، اسلام اور احسان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات پوچھے ہیں اور آپ نے ان کے جوابات دیئے ہیں اس کے آخر میں وہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہو گی؟ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ما المسئول عنها باعلم من السائل وساحدثك عن اشراطها (کتاب الایمان مسلم و بخاری) — جس سے پوچھتے ہو وہ پوچھنے والے سے اس باب میں زیادہ علم نہیں رکھتا، ہاں اس کی علامتیں بتاؤں گا۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں کہ جو تم سے یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی باتیں جانتے تھے وہ جھوٹا ہے، قرآن نے صاف کہہ دیا ہے۔[1]

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا۔ — کسی نفس کو یہ علم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا۔

ایک دفعہ چند لڑکیاں آپ کے سامنے بیٹھی کچھ گا رہی تھیں، گاتے گاتے ایک نے ان میں سے کہا۔

وفینا نبی یعلم ما فی غد — ہم میں سے ایک نبی ہے جو کل کی ہونے والی بات جانتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا[2]، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ غیب کی کنجی پانچ باتیں ہیں، اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔[3]

---

[1] صحیح بخاری تفسیر نجم [2] صحیح بخاری کتاب النکاح [3] صحیح بخاری تفسیر لقمان۔

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ (لقمان-۴)

خدا ہی کے پاس اس آنے والی گھڑی کا علم ہے، وہی پانی برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، اور نہ یہ کوئی جانتا ہے کہ کس سرزمین میں وہ مرے گا۔

یہی روایت بخاری کے دوسرے باب میں اس طرح ہے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں، جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ حاملہ عورت کے رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی، اور نہ خدا کے سوا کوئی یہ جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا اور نہ خدا کے علاوہ کسی کو اس کا علم ہے کہ پانی کب برسے گا اور نہ بجز خدا کے کسی کو اس کی خبر ہے کہ وہ کہاں مرے گا۔[1]

بہر حال ان مخصوص باتوں کے علاوہ جن کا علم صرف عالم الغیب کو ہے، اپنے غیب کی باتوں میں جن باتوں کو وہ مناسب سمجھتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتاً فوقتاً ان کی اطلاع دیتا تھا، سورۂ ہود میں بعض انبیاء کے تذکرہ کے بعد خدا فرماتا ہے۔

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ (ہود-۴)

یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں، ان کو نہ تو جانتا ہے اور نہ تیری قوم جانتی تھی۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوا

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (تکویر-۱)

یعنی آپ کو امور غیب میں سے جس کی تعلیم دی جاتی ہے آپ اپنی امت کو اس کے بتانے میں بخل نہیں فرماتے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گرہن لگا تھا، آپ نے صحابہ کے ساتھ نماز کسوف ادا فرمائی تھی اور نماز کے بعد ایک نہایت بلیغ و مؤثر خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا،

یا امۃ محمد واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا (صحیح بخاری باب الصدقۃ فی الکسوف وتفسیر سورۂ مائدہ)

اے گروہ محمد! خدا کی قسم! اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

ایک دفعہ نماز کے بعد آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا،

هل ترون قبلتي ههنا فواللہ ما يخفى علي خشوعكم ولا ركوعكم اني لاراكم من وراء ظهري۔ (بخاری)

تم دیکھتے ہو کہ میرا رخ ادھر ہے، لیکن خدا کی قسم مجھ سے نہ تمہارا خشوع اور نہ تمہارا رکوع پوشیدہ رہتا ہے میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا،

اني لاراكم من ورائي كما اراكم۔ (بخاری باب عظۃ الامام الناس)

میں جس طرح تم کو دیکھ رہا ہوں اسی طرح میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

[1] صحیح بخاری کتاب الرد علی الغیب باب عالم الغیب۔

احادیث میں متعدد صحابہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ خطبہ دے رہے تھے، بعض صاحبوں نے کچھ سوالات کئے جن کو آپ نے پسند نہیں کیا، آپ کو جوش آگیا، آپ نے فرمایا سلونی شئتم جو چاہو مجھ سے دریافت کر لو، ایک شخص نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا "حذافہ" دوسرے نے اٹھ کر کہا اور میرے باپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا سالم غلام شیبہ، اور بار بار آپ فرماتے جاتے تھے، پوچھو مجھ سے، پوچھو مجھ سے یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم کو اللہ اپنا پروردگار، محمد اپنا رسول اور اسلام اپنا دین پسند ہے۔[1]

صحابہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپ نے صبح کی نماز پڑھ کر تقریر شروع کی، یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا، ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر عصر تک پھر تقریر کی، اس کے بعد عصر کی نماز پڑھی، اس سے فارغ ہو کر غروب آفتاب تک پھر تقریر کا سلسلہ جاری رہا، اس طویل خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا یعنی آغاز آفرینش سے لے کر قیامت تک کے واقعات، پیدائش عالم، علامات قیامت، فتن، حشر و نشر سب کچھ سمجھایا، صحابہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ بہت کچھ بھول گئے، بعضوں کو بہت کچھ یاد ہے، ان واقعات میں سے کوئی واقعہ پیش آجاتا ہے تو ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی شخص کی صورت ذہن سے اتر جاتی ہے، پھر اس کو دیکھ کر یاد آجاتی ہے۔[2]

نجاشی شاہ حبش جس کے سایہ حکومت میں جا کر مسلمانوں نے پناہ لی تھی اور جس نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کیا تھا جس دن اس نے حبش میں وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس سانحہ کی اطلاع دی، آپ نے فرمایا کہ آج تمہارے بھائی نجاشی نے وفات پائی اور اس کے بعد اس کے جنازہ کی نماز غائبانہ ادا فرمائی۔[3]

۸ھ میں غزوۂ موتہ پیش آیا ہے تو آپ نے فوج کا علم زیدؓ بن حارثہ کو عنایت کیا اور فرمایا کہ جب زیدؓ شہید ہوں تو یہ امانت جعفرؓ کے سپرد کی جائے، جب وہ بھی جان بحق ہوں تو عبداللہؓ بن رواحہ اس خدمت کو انجام دیں اور جب وہ بھی کام آجائیں تو مسلمان اپنے مشورہ سے جس کو چاہیں اپنا سردار بنائیں، یہ افسری اور سرداری کے متعلق ترتیبی بیان درحقیقت واقعہ کا اظہار تھا، میدان جنگ میں پہلے زیدؓ نے شہادت پائی، ان کی جانشینی جعفرؓ نے کی، وہ بھی جب علم نبوت پر قربان ہو چکے تو عبداللہؓ بن رواحہ نے پیش قدمی کی، جب وہ بھی نثار ہو گئے تو مسلمانوں نے خالدؓ بن ولید کو اپنا افسر بنایا، چونکہ اس جنگ میں رومیوں کی عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا، اس لئے مسلمانوں کو بڑا اضطراب تھا، عین اس وقت جب مدینہ سے کوسوں دور شام کی سرحد پر یہ خونی مناظر درپیش تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں منبر پر تشریف فرما تھے، دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور فرما رہے تھے علم کو زیدؓ نے لیا وہ شہید ہوئے، پھر جعفرؓ نے لیا وہ بھی جان بحق ہوئے تو عبداللہؓ بن رواحہ نے لیا، انہوں نے بھی شہادت پائی تو خالدؓ بن ولید نے لیا اور ان کو فتح دی گئی۔[4]

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم۔ [2] صحیح مسلم باب اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یکون الی قیام الساعۃ۔ [3] صحیح بخاری کتاب الجنائز و صحیح مسلم۔ [4] صحیح بخاری کتاب الجنائز و باب علامات النبوۃ فی الاسلام و غزوۂ موتہ۔

ایک غزوہ میں ایک شخص نہایت جانبازانہ حملے کر رہا تھا، صحابہ نے دیکھا تو اس کی بڑی تعریف کی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ "یہ جہنمی ہے"، صحابہ کو اس پر بڑا تعجب ہوا اور ایک صحابی اس کے پیچھے ہو لئے، ایک موقع پر اس کو سخت زخم لگا اور اس نے بے صبری کی حالت میں خودکشی کر لی، وہ صحابی خدمت مبارک میں دوڑے ہوئے آئے اور کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں"، آپ نے فرمایا کہ کیا واقعہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ابھی حضورؐ نے ایک شخص کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے، لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تھا، میں اس کے پیچھے ہو لیا، میں نے دیکھا کہ ایک زخم کے صدمہ سے اس شخص نے خودکشی کر لی۔[1]

ایک غزوہ میں ایک شخص شریک تھا، وہ قتل ہوا، کسی نے آکر خبر دی کہ یا رسول اللہ! فلاں شخص شہید ہو گیا، فرمایا کہ ناممکن ہے، شہادت اس کے لئے کہاں، میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے، کیونکہ مال غنیمت میں سے اس نے ایک عبا چرائی تھی۔[2]

مسلمانوں نے ۸ھ میں طائف کا محاصرہ کیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو چکا تھا کہ طائف کی فتح اس محاصرہ سے مقدر نہیں، اس لئے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل ان شاء اللہ محاصرہ کو چھوڑ کر کوچ کریں گے، لوگوں کو اتنی محنت و زحمت کے بعد حصول فتح کے بغیر واپسی شاق ہوئی اور انہوں نے کہا ہم فتح حاصل کئے بغیر چلے جائیں۔ آپ نے فرمایا، اچھا کل پھر قسمت آزمائی کر لو، چنانچہ دوسرے دن مسلمان لڑے تو ان کو زیادہ نقصانات ہوئے، شام ہوئی تو آپ نے فرمایا "کل ان شاء اللہ ہم محاصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے"، مسلمانوں کو اس سے تعجب ہوا اور آپ مسکرا دیئے، یہ گویا اس بات کا اظہار تھا کہ تمہیں میری طرح حقیقت حال کا علم نہ تھا۔[3]

عُمیر بن وہب اسلام کا سخت دشمن تھا، وہ اور صفوان بن امیہ دونوں خانہ کعبہ میں بیٹھ کر بدر کے مقتولین پر ماتم کر رہے تھے، اور بالآخر ان دونوں میں پوشیدہ طور سے یہ سازش قرار پائی کہ عُمیر مدینہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ سے قتل کر آئے اور اگر وہ مارا گیا تو صفوان اس کے تمام قرض اور گھر کے مصارف اور اولاد کی پرورش کی ذمہ داری اپنے سر لے گا، عُمیر یہاں سے اٹھ کر گھر آیا اور تلوار کو زہر میں بجھا کر مدینہ کو چل کھڑا ہوا، مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھ لیا وہ اس کو پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، آپ نے پوچھا کہ عُمیر یہاں کس ارادہ سے آئے ہو؟ اس نے کہا اپنے بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں، فرمایا کیوں نہیں! کیا تم نے اور صفوان نے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی ہے؟ عُمیر یہ راز کی بات سن کر سناٹے میں آگیا اور اس کو سخت تعجب ہوا اور بے اختیار بول اٹھا کہ محمدؐ بے شک تم خدا کے پیغمبر ہو، خدا کی قسم! میرے اور صفوان کے سوا کسی تیسرے کو اس معاملہ کی خبر نہ تھی۔[4]

حضرت وابصہ اسدیؓ صحابی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اس غرض سے حاضر خدمت ہوا کہ نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کروں، لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں، آپ نے فرمایا، وابصہ! میں تمہیں بتاؤں کہ تم کیا پوچھنے آئے

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۴۰۶، باب العمل بالخواتیم صفحہ ۹۷۸۔ [2] جامع ترمذی باب ماجاء فی الغلول [3] صحیح بخاری و مسلم غزوۂ طائف [4] تاریخ طبری بروایت عروہ بن زبیر صفحہ ۱۳۰۴ طبع یورپ

ہو؟ عرض کی ارشاد ہو؟ فرمایا، تم نیکی اور گناہ کی حقیقت پوچھنے آئے ہو؟ عرض کی قسم اس ذات کی جس نے آپ کو بھیجا، آپ نے سچ فرمایا، ارشاد ہوا، نیکی وہ ہے جس کے کرنے کے خیال سے تمہارے دل میں انشراح اور خوشی پیدا ہو اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے، اگرچہ لوگوں نے اس کے کرنے کا فتویٰ ہی کیوں نہ دے دیا ہو۔[1]

ایک دفعہ ایک صحابیہ نے آپ کی دعوت کی، بکری ذبح کی اور آپ کو اور دیگر رفقاء کو کھانا کھانے کے لئے بلایا آپ تشریف لے گئے اور گوشت کا ایک لقمہ اٹھا کر ابھی چکھا ہی تھا کہ فرمایا یہ بکری اپنے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے، صحابیہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آل معاذ اور ہمارے خاندان میں پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ ہماری چیز بے تکلف لیتے ہیں اور ہم ان کی چیز۔[2] دوسری روایت میں ہے کہ اس نے جواب دیا کہ ہاں یا رسول اللہ! میں نے اپنی پڑوسن سے یہ بکری مانگی، اس نے اپنے شوہر سے پوچھے بغیر دے دی۔

غزوۂ خیبر میں ایک یہودیہ نے آپ کی دعوت کی، کھانے میں بکری کا گوشت تھا، آپ نے چند رفقاء کے ساتھ اس کو کھانا چاہا، ابھی پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ ہاتھ روک لو، اس گوشت میں زہر ملایا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ خیبر کے تمام یہود کو جمع کیا جائے، جب وہ جمع ہو گئے تو آپ نے دریافت کیا کہ جو کچھ میں پوچھوں گا سچ سچ بتاؤ گے، انہوں نے ہاں کہا، آپ نے فرمایا تمہارے باپ کا کیا نام ہے، انہوں نے کچھ بتایا، آپ نے فرمایا، تم جھوٹے ہو، تمہارے باپ کا یہ نام ہے۔ اس امتحان کے بعد آپ نے دریافت فرمایا، کیا تم نے بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ کو کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا کہ بکری کے اس دست نے مجھ سے کہا۔[3]

حضرت صہیبؓ بن سنان جو صہیب رومی کر کے مشہور ہیں، جس شب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، انہوں نے بھی ہجرت کرنی چاہی لیکن کفار نے ان کو روک دیا، وہ رات بھر کھڑے رہے اور بیٹھنے کا نام بھی نہیں لیا، کفار نے ان کی اس حالت کو دیکھ کر کہا کہ چلو اس کو تو پیٹ کے عارضہ نے خود ہی مجبور کر دیا ہے، یہ لوگ کروٹ لے کر سو گئے، انہوں نے نگہبانوں سے اپنے کو آزاد پا کر مدینہ کا راستہ لیا، کافروں نے ان کو پکڑ لیا، آخر کچھ زر و نقد دے کر ان سے رہائی حاصل کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھنے کے ساتھ فرمایا اے ابو یحییٰ! تمہاری خرید و فروخت بڑے نفع کی رہی، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھ سے پہلے کوئی یہاں آیا نہیں جو اس راز کی آپ کو خبر کرتا، یہ یقیناً آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوا ہے۔[4]

حضرت حذیفہؓ کی والدہ مکرمہ نے ایک دن اپنے بیٹے پر عتاب کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اتنے دن ہو گئے کیوں نہ گئے، انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ آج جا کر اپنی اور آپ کی مغفرت کی

[1] مسند ابن حنبل حدیث وابصۃ الاسدی و ابو یعلی و بیہقی و ابو نعیم فی حلیۃ الاولیاء، ذکر وابصۃ بن معبد الجہنی و بزار [2] سنن نسائی و حاکم فی المستدرک عن جابرؓ [3] سنن ابی داؤد و کتاب الدیات و دارمی کلام الموتی و بیہقی [4] مستدرک حاکم جلد ثالث صفحہ ۳۹۸ بروایت صحیح ذہبی نے بھی اس کی تصریح کی ہے ذکر ہجرۃ صہیبؓ۔

دعا کراؤں گا، چنانچہ وہ مغرب کی نماز میں جا کر حاضر ہوئے، عشاء کی نماز کے بعد جب آپ واپس ہوئے تو یہ بھی پیچھے چلے، آپ نے آواز پہچان کر فرمایا کون، حذیفہ؟ خدا تمہاری اور تمہاری ماں کی مغفرت کرے[1]۔ گویا درخواست سے پہلے ہی حذیفہ کی درخواست سمع اقدس تک پہنچ چکی تھی۔

صحابہؓ کو آپ کی اس قوت اطلاع کا اس قدر یقین تھا کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے صحابہ کو اپنے ایک ایک عمل کا خوف لگا رہتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ خدا آپ کو اس کی خبر کر دے، یہاں تک کہ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہم لوگ اپنی بیویوں سے بھی کھل کر ملتے ہوئے ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری نسبت قرآن میں کچھ نازل ہو جائے تو رسوائی ہو[2]۔ علاوہ ازیں منافقین کے تمام اندرونی حالات اور ناموں سے بھی آپ کو ایک ایک کر کے واقفیت تھی[3]۔

★

---

[1] جامع ترمذی مناقب حذیفہؓ [2] صحیح بخاری مسند احمد ج ۲ ص ۶۲ [3] صحیح بخاری۔

اہل کتاب کے سوالات کے جواب دینا

یہ دوست دشمن اور موافق و مخالف سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھے پڑھے نہ تھے یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتابوں سے آپ کو تعلیمی واقفیت نہ تھی، توراۃ و انجیل اور علمائے یہود و نصاریٰ نے ان کی شرحوں میں یا اپنی دوسری مذہبی تصنیفات میں جو کچھ لکھا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ایک صفحہ بھی ملاحظہ نہیں فرمایا تھا اور یہی چیزیں اس وقت یہود و نصاریٰ کے ایمان و عقائد کا جزو ہو گئی تھیں اور عوام میں ان ہی کتابوں کو مقبولیت حاصل تھی باایں ہمہ آپ کا ان کے سوالات کا صحیح جواب دینا آپ کی روحانی تعلیم کی کھلی شہادت ہے، مکہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو کفار عرب کو عموماً آپ کے اس دعویٰ پر یقین نہیں آیا اس لئے انہوں نے معجزات طلب کئے اور جب وہ دکھائے گئے تو ان کو سحر اور جادو کہنے لگے، پھر ان کو خیال آیا کہ یثرب، خیبر اور شام میں جا کر یہودیوں سے ملیں اور ان سے پوچھ کر چند ایسے سوالات دریافت کریں جن کے جوابات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مانگے جائیں اور چونکہ وہ لکھے پڑھے نہیں ہیں اور مکہ میں بھی کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کو ان کے جوابات بتا سکے گا، اس لئے وہ ان کے جوابات نہ دے سکیں گے اور اس طرح اس مدعی نبوت کی قلعی کھل جائے گی اور اس کا کذب سب پر واضح ہو جائے گا، اس خیال کی بنا پر وہ یہودیوں سے جا کر ملے، ان سے آپ کے حالات بیان کئے اور آپ سے پوچھنے کے لئے ان سے چند سوالات مانگے، چنانچہ انہوں نے چند سوالات دیئے کہ یہ جا کر اس سے پوچھو، اگر وہ پیغمبر ہو گا تو ہرگز ان کا جواب نہ دے سکے گا۔

یہ تین تاریخی سوالات تھے، اصحاب کہف کا حال، حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کی ملاقات کا واقعہ اور ذوالقرنین کا قصہ، اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں قصے وحی کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیئے اور آپ نے ان کو پڑھ کر کفار کو سنایا، چنانچہ سورہ کہف میں یہ تینوں قصے مذکور ہیں اور آخری قصہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ کفار کے سوال کے جواب میں ہے۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا (کہف ۔ ۱۱)	اور کفار تجھ سے اے پیغمبر! ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں کہہ دے کہ میں اس کا تھوڑا ذکر تم کو سناتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے جو گویا یہودیوں ہی کا شہر تھا تو انہوں نے بھی مناسب سمجھا کہ اس مدعی نبوت کے دعوائے نبوت کا امتحان ان ہی کتابی سوالات سے لیا جائے، کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ ہماری کتابوں سے واقف نہیں، اس لئے وہ ان کے صحیح جوابات نہ دے سکے گا اور اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ یہ سوالات، یا جن کتابوں میں وہ سوالات مذکور ہیں، وہ غیر معتبر ہیں تو ان سوالوں اور کتابوں کا اثر یہود میں اس قدر ہے کہ ان کی تکذیب سے خود محمدؐ کی جہالت اور کذب دعویٰ (نعوذ باللہ) کا پردہ فاش ہو جائے گا، لیکن اتنے بڑے مجمع میں سب لوگ بدنیت ہی نہ تھے بلکہ ان میں بعض لوگ نیک نیت بھی تھے اور وہ نیک نیتی سے یہ سمجھتے تھے کہ ہماری کتابوں میں جو مخفی اسرار لکھے ہوئے ہیں، ان کو پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں بتا سکتا۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ آئے تو عبداللہ بن سلام مدینہ کے ایک مشہور یہودی عالم آپؐ سے ملنے آئے اور کہا کہ میں آپؐ سے تین سوال کروں گا جن کا جواب پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا، یہ بتایئے کہ قیامتؑ کی پہلی علامت کیا ہے؟ اور اہل جنت کی پہلی غذا کیا ہوگی؟ اور بچہ کبھی ماں سے اور کبھی باپ سے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک لے جائے گی اور اہل جنت کی پہلی غذا مچھلی کا جگر ہے، اور ماں یا باپ سے بچہ کی مشابہت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جب باپ کا نطفہ سبقت کرتا ہے تو بچہ باپ سے مشابہ ہوتا ہے اور جب ماں کا نطفہ سبقت کرتا ہے تو ماں سے مشابہ ہوتا ہے، عبداللہ بن سلام نے یہ جواب سن کر کہا کہ میں آپؐ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک یہودی عالم خدمت والا میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمدؐ! میں تم سے چند سوالات کروں گا تم جواب دو۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے جواب سے تم کو فائدہ ہوگا، اس نے کہا سنو! یہ بتاؤ کہ قیامت کے دن جس وقت آسمان اور زمین بدلے جائیں گے، لوگ کہاں ہوں گے؟ فرمایا پل کے پیچھے تاریکی میں؛ دوسرا سوال اس نے کیا کہ سب سے پہلے جنت میں جانے کی کس کو اجازت ملے گی؟ جواب دیا ان غریبوں کو جو راہ حق میں گھر سے بے گھر ہوتے ہیں، اس نے کہا اب میں تم سے وہ بات پوچھتا ہوں جس کا جواب روئے زمین پر صرف پیغمبر یا پیغمبر کے علاوہ ایک دو آدمی ہی دے سکتے ہیں۔ بتاؤ کہ بچہ کبھی لڑکی اور کبھی لڑکا کیوں ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، مرد کا نطفہ سپید اور عورت کا زرد ہوتا ہے، جب یہ دونوں ملتے ہیں تو اگر مرد کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ خدا کے حکم سے لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ لڑکی ہوتی ہے، یہودی نے یہ جواب سن کر کہا کہ بے شک تم نبی ہو اور یہ کہہ کر چلا گیا، آپؐ نے فرمایا، یہ جوابات مجھ کو خدا نے القا کئے، مجھے پہلے سے معلوم نہ تھے۔

مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ ایک دفعہ چند یہودی خدمت اقدس میں آئے اور کہا کہ ہم آپؐ سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتے ہیں، جن کا جواب پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا، آپؐ نے فرمایا جو تم چاہو پوچھ سکتے ہو لیکن وعدہ کرو کہ اگر میں نے ایسے جوابات دیئے جن کو تم نے صحیح سمجھا تو کیا اسلام قبول کر لو گے؟ انہوں نے کہا ہاں ہم کو یہ شرط منظور ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا پوچھو کیا پوچھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ چار سوالوں کے جواب دیجئے پہلا یہ کہ حضرت یعقوبؑ نے توراۃ کے اترنے سے پہلے جو کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کا کیا واقعہ ہے؛ دوسرا یہ کہ ایک ہی نطفہ کبھی نر اور کبھی مادہ کیونکر ہو جاتا ہے؟ تیسرا یہ کہ توراۃ میں نبی اُمّی کی کیا پہچان بتائی گئی ہے؟ اور چوتھا یہ کہ فرشتوں میں سے تمہارا دوست یا نگہبان کون ہے؟ آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا، تم کو اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ پر توراۃ نازل کی، تم یہ جانتے ہو کہ ایک دفعہ یعقوبؑ سخت بیمار تھے، انہوں نے نذر مانی کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو کھانے اور پینے کی جو چیز مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے وہ چھوڑ دوں گا، ان کو کھانے میں سب سے زیادہ اونٹ کا گوشت اور پینے میں اونٹ کا دودھ پسند تھا، چنانچہ صحت کے بعد انہوں نے اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا۔

یہودیوں نے کہا خدایا سچ ہے، آپ نے فرمایا، خدایا گواہ رہو۔ پھر فرمایا میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ پر توراۃ نازل کی، تم کو یہ معلوم ہے کہ مرد کا نطفہ گاڑھا اور سپید ہوتا ہے اور عورت کا پتلا اور زرد، ان میں جو جنس غالب ہوتی ہے وہ نطفہ بھی خدا کے حکم سے وہی ہو جاتا ہے اور اسی کے مشابہ ہو جاتا ہے، انہوں نے کہا خدایا درست ہے۔ آپ نے فرمایا، خدایا گواہ رہو۔ پھر فرمایا، میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰؑ پر توراۃ نازل کی تم کو یہ معلوم ہے کہ اس نبی کی آنکھیں سوئیں گی اور دل نہیں سوئے گا، انہوں نے کہا خدایا ہاں، آپ نے فرمایا، خدایا گواہ رہ۔ یہودیوں نے کہا اچھا یہ بتایئے کہ فرشتوں میں آپؐ کا رفیق کون ہے؟ اس جواب کے معلوم کرنے کے بعد ہم آپؐ کے ساتھ ہو جائیں گے یا آپ سے الگ ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا میرا رفیق جبرئیل ہے اور دنیا میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں ہوا جس کا وہ رفیق نہ ہو۔ یہودیوں نے کہا، تو ہم پھر آپ کے ساتھ نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ ہمارا دشمن ہے۔

صحیح بخاری باب التفسیر (بنی اسرائیل) میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کھیت میں جا رہا تھا کہ راہ میں چند یہودی ملے، انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ محمدؐ سے کچھ پوچھنا چاہیئے، بعضوں نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں، شاید وہ کوئی ایسا جواب دیں جو تم کو ناگوار ہو، بالآخر انہوں نے طے کیا کہ بہرحال کچھ پوچھنا چاہیئے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ محمدؐ! بتاؤ روح کیا چیز ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ آپؐ پر وحی نازل ہو رہی ہے، جب وحی نازل ہو چکی تو آپؐ نے یہ آیت پڑھی،

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل)	وہ پوچھتے ہیں کہ روح کیا ہے اے پیغمبر! کہہ دے کہ روح میرے پروردگار کی ایک بات ہے اور تم کو علم کا بہت کم حصہ دیا گیا ہے۔

جامع ترمذی (تفسیر بنی اسرائیل) مستدرک حاکم ج ا ص ۹، اور مسند احمد میں ہے کہ حضرت صفوانؓ بن عسال مرادی روایت کرتے ہیں کہ دو یہودی راستہ میں جا رہے تھے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ پوچھیں، دوسرے نے کہا کہ اس کو پیغمبر نہ کہو، اگر وہ اپنی نسبت پیغمبر کہتے سنے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی، اس کے بعد وہ دونوں آپؐ کی خدمت میں آئے اور آکر پوچھا کہ موسیٰؑ کو جو نو احکام ملے تھے وہ کیا تھے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ تھے کہ شرکؔ نہ کرو، زنا نہ کرو، ناحق قتل نہ کرو، چوری نہ کرو، جادو نہ کرو، بے گناہ کی چغلی نہ کھاؤ، سود نہ کھاؤ، پاکدامن عورت پر بہتان نہ باندھو، اور میدانِ جنگ سے فرار نہ کرو (راوی کو اس نویں حکم میں شک ہے) پھر فرمایا اور تمہارے لئے اے یہود خاص حکم یہ ہے کہ سبت نہ مناؤ۔ ان دونوں نے یہ جواب سن کر آپؐ کے دست و پائے مبارک کے بوسے دیئے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ پیغمبر ہیں، آپؐ نے فرمایا تو پھر تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے، انہوں نے کہا داؤد نے دعا کی تھی کہ اس کی نسل میں ہمیشہ پیغمبر ہوا کرے گا اور اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو ہم ڈرتے ہیں کہ یہود ہم کو مار ڈالیں گے۔

*

اخبارِ غیب یا پیشین گوئی

فطرتِ بشری کے عجز اور بے چارگی کا سب سے بڑا دردناک نظارہ مستقبل سے ناواقفیت اور جہالت ہے انسان کی مضطرب اور بے چین فطرت مستقبل کے بحرِ ظلمات میں ہاتھ پاؤں مارتی ہے اور تھک کر اپنی نادانی اور جہالت کا اعتراف کر لیتی ہے اور اسی لئے وہ اس بات پر مجبور ہے کہ جو انسانیت سے مافوق کسی دعویٰ کی مدعی ہو اس کی آزمائش اور امتحان کے لئے اسی بحرِ بے کراں کی شناوری کو معیار اور سند قرار دے دے چنانچہ یہی اخبارِ غیب اور پیشین گوئی کی قدرت نبوت اور رسالت بلکہ عام بزرگی اور ولایت کے ثبوت پر نوعِ انسانی کے عام افراد کے نزدیک ایک دلیل ہیں اور حجت قائمہ ہے، بنی اسرائیل کے نزدیک یہ وصف نبوت کا اس درجہ لازمہ تھا کہ ان کی زبان میں پیغمبر کا نام ہی "پیشین گو" ہے۔ عربی، عبرانی اور دوسری سامی زبانوں میں "نبی" یا "نابی" جو پیغمبر کے معنی میں مستعمل ہے، اس کے لغوی معنی مخبر اور پیشین گو کے ہیں اور نبوت کے معنی مخبری اور پیشین گوئی کے ہیں، اسی لئے بنی اسرائیل کے نزدیک نبی اور پیغمبر کی صرف اسی قدر حقیقت ہے کہ وہ غیب کا قاصد اور جہانِ نادیدہ کا مخبر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کی یہ کیفیت تھی کہ تمام عرب کاہنوں کے جال میں گرفتار تھا، عرب کے تمام مشرکانہ معابد کاہنوں کے دار السلطنت تھے، جن میں بیٹھ کر وہ عرب کے دل و دماغ پر حکومت کر رہے تھے، مشہور کاہنوں کے پاس لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے تھے اور ان سے مستقبل اور غیب کی باتیں دریافت کرتے تھے، وہ ایک خاص قسم کی مقفیٰ اور مسجع عبارتوں میں ان کو غیب کی اور مستقبل کی باتیں بتاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پیغمبر بنا کر عربوں کے درمیان بھیجے گئے تو ان کے لئے ثبوت نبوت کی سب سے بڑی دلیل یہی اخبارِ غیب اور پیشین گوئی ہو سکتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیسیوں پیشین گوئیاں کیں اور مستقبل کے واقعات اور باتوں کے رأی العین کی طرح پیش فرمایا اور وہ سب کی سب بے کم و کاست پوری اتریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پیشین گوئیوں کا صدور مختلف حالتوں میں ہوا اور آپ کو ان کی اطلاع مختلف صورتوں میں دی گئی، مثلاً کبھی قرآن مجید کی وحی کی صورت میں، کبھی عالمِ خواب میں اور کبھی زبان صداقت نشان کے عام الفاظ میں جس میں طریقہ اطلاع کا اظہار نہیں ہے، قرآن مجید کی پیشین گوئیوں کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے، خواب کی پیشین گوئیوں کا تذکرہ کچھ عالمِ رؤیا کے بیان میں آچکا ہے، باقی پیشین گوئیاں سطور ذیل میں تحریر ہیں۔

فتوحاتِ عظیمہ کی اطلاع

اسلام کا آغاز جس اطمینانی اور بے سروسامانی کے ساتھ ہوا، اس سے کس کو اس وقت خیال ہو سکتا تھا کہ چند منتے، فاقہ کش، غریب الدیار مسلمانوں کے بازوؤں میں

یہ قوت پیدا ہو جائے گی کہ وہ قیصر و کسریٰ کے تخت کو الٹ دیں گے، لیکن پیغمبرِ صادقؐ نے اسی وقت بشارت سنائی کہ مسلمانو! تم عنقریب قسطنطنیہ فتح کرو گے، مدائن تمہارے ہاتھوں میں آئے گا، قیصر و کسریٰ کے خزانے تمہارے دستِ تصرف میں ہوں گے، مصر تمہاری حکومت میں داخل ہوگا، تم سے اور ترکوں سے جن کی چھوٹی آنکھیں اور چوڑے چہرے ہوں گے (ترکستانی و منغولی ترک) جنگ[1] ہوگی۔ دنیا ان میں سے کس واقعہ کی تردید کر سکتی ہے؟

یہ پیشین گوئیاں الگ الگ بھی کی گئی ہیں، مگر مجموعی حیثیت سے اس وقت کی گئیں جب مسلمان مدینہ میں محصور ہو رہے تھے اور تمام عرب مدینہ کو گھیرنے کے لئے امنڈا چلا آرہا تھا اور مسلمان ہر آن اپنی موت کا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر جب خندق کھودتے ہوئے ایک سخت پتھر حائل ہو گیا تھا اور صحابہ اس کے توڑنے سے عاجز ہو چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معجز نما ضرب خارا شگاف سے پتھر کے ٹکڑے کر دیئے تھے تو آپ نے تین ضربیں ماری تھیں اور ہر ضرب کے بعد ایک چنگاری سی اڑتی تھی اور آپ ہر بار نعرہ لگاتے تھے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. (انعام - ۱۴)	اور تیرے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف سے پوری ہوئیں اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا، اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

بعض صحابہ نے حقیقت دریافت کی، فرمایا، جب میں نے پہلی ضرب ماری تو کسریٰ کے شہر اور ان کے اردگرد میرے سامنے کر دیئے گئے، یہاں تک کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے ان کو دیکھا، حاضرین نے عرض کی یارسول اللہ! دعا کیجئے کہ وہ فتح ہوں، آپ نے دعا فرمائی، پھر فرمایا، دوسری ضرب میں قیصر کے شہر اور اس کے اس پاس کے مقامات دیکھے، حاضرین نے پھر عرض کی یارسول اللہ! ان کی فتح کی بھی دعا فرمایئے، آپ نے دعا کی، پھر ارشاد ہوا کہ تیسری ضرب میں حبشہ کے شہر اور گاؤں نگاہوں کے سامنے آئے، پھر فرمایا، حبشہ والے جب تم سے تعرض نہ کریں تم بھی تعرض نہ کرو اور ترکوں کو اس وقت تک چھوڑ دو جب تک وہ تمہیں چھوڑ دیں۔[2] پیشین گوئی تو تمثیل کی شکل میں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے اور صریح الفاظ میں بھی بشارت سنادی تھی، فرمایا تم لوگ جزیرۂ عرب میں لڑو گے اور خدا فتح دے گا، پھر فارس سے لڑو گے اور فتح ہوگی، پھر روم سے لڑو گے اور فتح ہوگی۔[3]

قیصر و کسریٰ کی بربادی کی خبر

عین اس وقت جب کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں پورے جاہ و جلال سے دنیا پر حکمران تھیں اور بظاہر ان کی بربادی کا کوئی سامان نہ تھا کہ مکہ کے منادیِ حق نے یہ پیشین گوئی کی، اذا هلك كسرى فلا كسرى بعده واذا هلك قيصر فلا قيصر بعده. جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو پھر دوسرا قیصر نہ ہوگا۔[4]

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام میں یہ حدیثیں ہیں۔ [2] سنن نسائی کتاب الجہاد۔ [3] صحیح مسلم کتاب الفتن۔

[4] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ و صحیح مسلم وغیرہ۔

نہ صرف تاریخ بلکہ آج بھی دنیا کا مشاہدہ اس آواز کی صداقت سے معمور ہے، ایرانی مجوسیوں کی شہنشاہی کی شکست کے بعد کیا پھر کسی ایرانی مجوسی شہنشاہ کا تاجِ خسروی کسی نے دیکھا اور رومی شہنشاہی کی بربادی کے بعد رومی قوم کا وجود بھی اس سطحِ زمین پر کہیں نظر آیا؟

سازوسامان کی بشارت

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ میرے گھر تشریف لائے اور دریافت کیا کہ کیا قالین ہے؟ عرض کی ہمارے پاس قالین کہاں؟ ارشاد فرمایا کہ عنقریب تم قالینوں اور عمدہ فرشوں پر بیٹھو گے، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ وہ دن آیا جب ہم قالینوں پر بیٹھے، اب میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ قالین ہٹا لے جاؤ، تو وہ کہتی ہے کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے۔[۱]

امن وامان کی بشارت

عدی بن حاتم کا بیان ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ دو شخص آئے، ایک نے بھوک کی اور دوسرے نے رہزنی کی شکایت کی، آپ نے عدی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، کیوں عدی، تم نے حیرہ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا، دیکھا تو نہیں، لیکن اس کو جانتا ہوں، آپ نے فرمایا اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ حیرہ سے ایک ہودج نشین عورت چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا، اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسریٰ کا خزانہ فتح کر لیا گیا، اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا چاندی لے کر نکلے گا کہ کسی کو خیرات دے لیکن دولت کی کثرت کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ عدیؓ کے دل میں یہ بات کھٹکی تھی کہ آخر قبیلہ طے کے وہ ڈاکو کیا ہو جائیں گے جنہوں نے تمام ملک میں آگ لگا رکھی ہے۔ لیکن خود عدیؓ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھ لیا کہ حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت تنہا چل کر آتی ہے اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے واپس جاتی ہے اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوتا، ان کا بیان ہے کہ جن لوگوں نے کسریٰ کا خزانہ فتح کیا ان میں، میں بھی تھا، صرف تیسری پیشین گوئی میرے سامنے پوری ہونے سے رہ گئی ہے جو لوگ زندہ رہیں گے وہ اس کو بھی پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیں گے۔[۲] چنانچہ راویوں کا بیان ہے کہ بنو امیہ کی سلطنت کے زمانہ میں یہ واقعہ بھی بعینہٖ گزرا۔

ابوصفوان کے قتل کی خبر

ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو مدینہ منورہ کا دارالامان مل گیا اور اسلام روز بروز ترقی کرنے لگا تو یہ دیکھ کر قریش کے سردار مدینہ پر حملہ کی تدبیریں سوچنے لگے، اسی اثنا میں انصار کے ایک رئیس سعدؓ عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے اور ابوصفوان (امیہ) کے گھر جا کر مہمان ہوئے، ابوصفوان ایک دفعہ موقع پا کر ان کو طواف کرانے لایا، وہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابوجہل نکل آیا، اس نے کہا تم مکہ آکر بے خوف وخطر کعبہ کا طواف کرتے ہو، حالانکہ تم نے بے دینوں (مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے اور سمجھتے ہو کہ خدا ورسول کی تم نصرت کر رہے ہو، خدا کی قسم! اگر ابوصفوان کے ساتھ تم نہ ہوتے تو یہاں سے سلامت گھر نہ جا سکتے، حضرت سعدؓ نے ڈانٹ کر جواب دیا کہ اگر تم ہم کو طواف نہ کرنے دو گے تو ہم تمہارا قافلہ تجارت مدینہ کے راستہ سے گزرنے نہ دیں گے، صفوان نے کہا کہ اے سعد!

---

[۱] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ [۲] ایضاً

ان سے سخت لہجہ میں گفتگو نہ کرو، یہ اس وادی کے سردار ہیں۔

حضرت سعدؓ نے کہا اے صفوان! اپنی طرفداری رہنے دو، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم عنقریب مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے، ابوصفوان نے کہا کیا وہ یہاں آکر مجھے ماریں گے، انھوں نے جواب دیا، یہ مجھے نہیں معلوم۔ یہ سن کر ابوصفوان کے بدن پر رعشہ پڑ گیا، وہ گو کافر تھا لیکن اس کو معلوم تھا کہ دہن رسالت سے آج تک کوئی غلط بات نہیں نکلی، چنانچہ اس کے بعد بدر کی لڑائی کا موقع پیش آیا تو اس کی بیوی نے جانے سے روکا اور سعدؓ کی پیشین گوئی یاد دلائی، ابوصفوان نے بھی ڈر کر اس فوج میں شرکت سے انکار کر دیا، لیکن ابوجہل اس کو سمجھا بجھا کر لے گیا، بالآخر اسی کارزار میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔[۱]

نام بنام مقتولینِ بدر کی خبر

بدر کا معرکہ جب پیش آنے والا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو لے کر میدان میں گئے اور بتایا کہ یہ فلاں کافر کی قتل گاہ ہے، یہ ابوجہل کا مقتل ہے، یہاں قریش کا وہ بڑا سردار مارا جائے گا، یہ عجیب وغریب پیشین گوئی تھی۔ تین سو ساڑھے تین سو نیم مسلح بے سروسامان سپاہیوں کا افسر ایک ہزار سے زیادہ سپاہیوں کی غرق آہن باساز و سامان فوج کی شکست اور افسروں کے قتل وموت کا اعلان کر رہا تھا، صحابہ کہتے ہیں کہ ہر سردار قریش کے لئے آپ نے جو جگہ مقرر فرما دی تھی وہیں اس کی لاش خاک وخون میں لتھڑی پائی گئی۔[۲]

فاتح خیبر کی تعیین

خیبر میں یہودیوں کے متعدد مستحکم اور مضبوط قلعے تھے، ہر روز مسلمان افسر علم و فوج لے کر جاتے تھے اور زور آزمائی کرتے تھے اور شام کو ناکام واپس آتے تھے ایک دن آپؐ نے فرمایا کہ کل علم میں اس کے ہاتھ میں دوں گا جس کو خدا اور اس کا رسول پیار کرتا ہے اور اسی کے ہاتھ پر کل فتح ہوگی، اسلام کے صف میں ہر حوصلہ مند شمشیر زن نے کل کی توقع پر بے قراری میں رات بسر کی، کو کبۂ صبح جب طلوع ہوا تو حضرت علیؓ پردۂ غبار سے نمودار ہوئے، حضرت ممدوح کو آشوب چشم تھا اس لئے وہ ساتھ نہ آسکے تھے، آپ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ میں علم دیا اور خیبر کا میدان اسی دن ان کے ہاتھوں سے سر ہوا۔[۳]

حضرت فاطمہ زہراؓ کی وفات کی اطلاع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کو اپنے پاس بلایا اور ان کے کان میں کوئی بات کہی کہ وہ رونے لگیں، تھوڑی دیر کے بعد ان سے ایک اور بات کہی کہ وہ ہنسنے لگیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھ کو دیکھ کر تعجب ہوا اور ان سے اس کا سبب دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ کا راز ظاہر نہیں کر سکتی، جب آپ کی وفات ہو گئی تو حضرت عائشہؓ نے دوبارہ ان سے دریافت کیا، حضرت فاطمہؓ نے کہا ہاں اب میں بتا سکتی ہوں، حضورؐ نے پہلے مجھ سے یہ فرمایا کہ میں اسی بیماری میں انتقال کروں گا اور پھر

---

[۱] صحیح بخاری آغاز کتاب المغازی [۲] صحیح مسلم غزوہ بدر [۳] صحیح بخاری فتح خیبر

فرمایا اے فاطمہؓ! میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم آکر مجھ سے ملو گی[1]۔ یہ دونوں باتیں صحیح ثابت ہوئیں آپؐ نے اسی مرض میں وفات پائی اور آپؐ کی وفات کے تقریباً چھ ہی مہینوں کے بعد حضرت فاطمہ زہراؓ بھی اس دنیا سے چل بسیں۔

خود اپنی وفات کی اطلاع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سال وفات پائی آپؐ نے اسی سال اس دنیا سے اپنی تشریف بری کا عام اعلان کر دیا تھا، حجۃ الوداع سے پہلے معاذؓ کو داعی اسلام بنا کر یمن بھیجا تھا، ان کو رخصت کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا، معاذؓ! اب اس کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو گے، واپس آؤ گے تو میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے، یہ سن کر وہ رونے لگے۔ حجۃ الوداع کے مجمع میں ہزاروں مسلمانوں کے روبرو آپؐ نے فرمایا، "شاید کہ آئندہ سال تم مجھے نہ پا سکو گے"[2]۔ مرض الموت سے کچھ دن پیشتر فرمایا کہ خدا نے اپنے بندہ کو دنیا اور آخرت کی زندگی کا اختیار دیا تو اس نے آخرت کی زندگی پسند کی[3]۔

فتح یمن کی خبر

یمن ۸ھ میں فتح ہوا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فتح اور وہاں کے مسلمانوں کی دور دراز ملکوں میں ہجرت کی خبر پہلے ہی دے دی تھی، آپؐ نے فرمایا تھا، یمن فتح کیا جائے گا تو لوگ اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اور اہل وعیال اور جو ان کا کہا مانیں گے ان کو لے کر آئیں گے، حالانکہ مدینہ ہی کا قیام ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ جانتے[4]۔ آخر یمن خود آپؐ کی زندگی ہی میں فتح ہوا اور وہاں سے لوگ نکل نکل کر ایک طرف مشرق میں خراسان اور ترکستان تک اور دوسری طرف مغرب میں افریقہ اور سپین تک پھیل گئے اور پھر ان تمام ملکوں میں یمنی اور حجازی قبائل کی باہمی خانہ جنگی کے باعث تباہی، تاریخ کے مشہور و معروف واقعات ہیں۔

فتح شام کی خبر

پھر فرمایا اور شام مفتوح ہو گا تو لوگ اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اور اپنے اہل وعیال اور ہمراہیوں کو لے کر آئیں گے اور مدینہ ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ جانتے[5]، امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا، عنقریب تم لوگ شام کی طرف ہجرت کرو گے تو وہ تمہارے لئے فتح کر دیا جائے گا[6]، معلوم ہے کہ شام فتح ہونے کے ساتھ وہ عربوں کا مسکن بن گیا اور آج بھی ان کی آبادی وہاں سب سے زیادہ ہے۔

فتح عراق کی خبر

پھر ارشاد ہوا کہ عراق مفتوح ہو گا اور لوگ وہاں بھی اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اہل وعیال کو لے کر آئیں گے، حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر تھا اگر وہ سمجھتے[7]۔ فتح عراق کی بعض اور روایتیں بھی ہیں۔

خوزستان اور کرمان کی فتوحات اور ترکوں سے جنگ

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت سے پہلے تم لوگ ایسے لوگوں سے لڑو گے جن

---

[1] صحیح مسلم باب الفضائل و صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام [2] مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۲۳۵ [3] صحیحین مناقب ابی بکرؓ [4] صحیح مسلم کتاب الحج و موطا امام مالک و عبدالرزاق و ابن خزیمہ و ابن حبان [5] بحوالہ سابق [6] مسند ابن حنبل حدیث معاذؓ [7] صحیح مسلم کتاب الحج و موطا امام مالک۔

کے جوتے بال کے ہوں گے[1]۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا، اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک تم خوز و کرمان کے عجمیوں سے نہ لڑو گے، جن کے چہرے سرخ، ناکیں چپٹی، آنکھیں چھوٹی ہوں گی، ان کے چہرے ہتھوڑوں سے پٹی ہوئی ڈھالوں کے مانند ہوں گے (یعنی چوڑے چپٹے) اور ان کے جوتے بال کے ہوں گے[2]۔ اور روایتوں میں یہ الفاظ ہیں، اس وقت تک قیامت نہ آئے گی، جب تک مسلمان ترکوں سے نہ لڑلیں، جن کے چہرے چپٹے ہوں گے، جن کے لباس بال کے ہوں گے اور بال ہی کے موزے (یا جوتے) پہن کر وہ چلتے ہوں گے[3]۔ یہ تمام پیشین گوئیاں پہلی ہی صدی کے آخر تک پوری ہو گئیں۔

فتح مصر کی بشارت اور ایک واقعہ کا حوالہ

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، تم عنقریب مصر فتح کرو گے جہاں کا قیراط مشہور ہے، جب اس کو فتح کرو تو وہاں کے باشندوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا کیونکہ تمہارے ان کے درمیان تعلق اور رشتہ ہے (حضرت ابراہیمؑ کی بیوی اور حضرت اسمٰعیلؑ کی ماں ہاجرہ مصر کی تھیں) اور جب تم دیکھنا کہ وہاں ایک اینٹ بھر جگہ کے لئے دو آدمی لڑتے ہوں تو وہاں سے نکل جانا، خود حضرت ابوذرؓ نے بعینہ ایسا ہی دیکھا اور وہ وہاں سے واپس چلے آئے[4]۔

غزوۂ ہند کی خبر

ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان یہ سن کر خوش ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان قدسی بیان سے ہندوستان میں اسلام کے داخل اور غالب ہونے کی خوشخبری سنائی تھی، آپؐ نے فرمایا میری امت کے دو گروہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ آتش دوزخ سے بچائے گا، ایک وہ جو ہندوستان کے غزوہ میں شریک ہو گا، دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے (مسلمانوں سے) ہندوستان کے غزوہ کا وعدہ فرمایا تھا تو اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو اس کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کر دوں گا تو اگر میں اس میں شہید ہوا تو بہترین شہید ٹھہروں گا اور اگر زندہ لوٹا تو میں آتش دوزخ سے آزاد ابوہریرہ ہوں گا[5]۔ یہ پیشین گوئیاں امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ کی سنن میں جو سلطان محمود کے حملہ ہندوستان (۳۹۲ھ) تقریباً سو برس پہلے لکھی گئی ہے۔

بحر روم کی لڑائیاں

بحر روم جس کو بحر اخضر اور بحر متوسط (مڈیٹرین سی) بھی کہتے ہیں، یورپ اور ایشیا کی اور اب گویا اسلام اور عیسائیت کی حد فاصل ہے اور اس زمانہ میں یہ رومیوں کی بحری قوت کا جولانگاہ تھا، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواب راحت سے مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا اس وقت خواب میں میری امت کے کچھ لوگ تخت شاہی پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے دکھائے گئے، یہ بحر اخضر میں دجہاد کے لئے، اپنے جہاز ڈالیں گے[6]۔ یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہؓ کے عہد میں پوری ہوئی اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری

---

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوت فی الاسلام [2] ایضاً [3] ایضاً [4] صحیح مسلم باب الوصیۃ باہل مصر کتاب فضائل الصحابہ و مسند احمد ج ۵ ص ۱۴۳ (حدیث ابی ذرؓ) و مسند ابی عوانہ و ابی حبان [5] یہ دونوں روایتیں سنن نسائی کتاب الجہاد میں ہیں [6] صحیح بخاری باب کتاب الرؤیا فی النہار و مسلم باب غزوۃ البحر کتاب الامارۃ و ابوداؤد کتاب الجہاد۔

میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر، بحرِ اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا کو عبور کر کے قسطنطنیہ کی چہار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔

بیت المقدس کی فتح بیت المقدس اسلام کا دوسرا قبلہ ہے اور اس کی تولیت امت محمدیہ کا حق تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس تولیت کی بشارت دے دی تھی اور فرمادیا تھا کہ میری موت کے بعد یہ واقعہ پیش آئے گا، عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے چند واقعے گن رکھو (اول) میری موت، پھر بیت المقدس کی فتح[1]۔ اس کے بعد آپ نے چار اور باتیں بیان فرمائیں یہ بشارت حضرت عمرؓ کے عہد میں ۱۶ھ میں پوری ہوئی۔

فتح قسطنطنیہ کی بشارت فتح قسطنطنیہ کی متعدد بشارتیں ہیں، ایک دفعہ فرمایا کہ تم لوگ یقیناً آئندہ قیصر کے خزانوں پر متصرف ہوگے[2]۔ اور فرمایا، میری امت کی ایک جماعت بحیرہ اخضر (بحیرہ روم، جس کے ساحل پر قسطنطنیہ ہے) سوار ہوگی[3] مسلمانوں کی پہلی جماعت اسی قسطنطنیہ کی فتح کے لئے اس دریا میں سوار ہوئی، آثارِ قیامت کے سلسلہ میں فرمایا، یہ ہوگا، یہ ہوگا، پھر تم قسطنطنیہ فتح کروگے[4] ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، تم لوگ بے شبہ قسطنطنیہ فتح کروگے تو اس کا حاکم (مسلمان) کتنا اچھا حاکم ہوگا اور وہ فتح کرنے والی فوج کیسی اچھی فوج ہوگی[5]، مسلمان خلفاء اور سلاطین میں سے ہر باہمت نے اس کو پورا کرنے کے لئے قسمت آزمائی کی مگر ازل سے یہ سعادت سلطان محمد فاتح کی قسمت میں آچکی تھی۔

فتح روم کا اشارہ جس طرح قسطنطنیہ مشرقی رومی سلطنت کا پایۂ تخت تھا، رومیہ (روم) مغربی رومی سلطنت کا دارالحکومت تھا اور جو اب اٹلی کا پایۂ تخت ہے، یہ مغربی عیسائیوں کا مقدس شہر ہے، اگو صاف اور صریح الفاظ میں نہیں لیکن اشارۃً پایا جاتا ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو اس کی فتح کی بشارت دی تھی، چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ اسپین اور مغرب کے مسلمانوں نے اس کے مناروں کے اوپر بھی اسلام کا علم ایک دفعہ بلند کر دیا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے کسی نے پوچھا کہ پہلے قسطنطنیہ فتح ہوگا یا رومیہ؟ انھوں نے اپنی یادداشت کے کاغذوں کو دیکھ کر جواب دیا کہ ہم لوگ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد حاضر تھے کہ کسی نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! پہلے قسطنطنیہ فتح ہوگا یا رومیہ؟ فرمایا نہیں پہلے ہرقل کا شہر فتح ہوگا[6]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیہ کے متعلق جو زیادہ وضاحت نہیں فرمائی، اس کی وجہ غالباً یہ ہو کہ مسلمانوں کی حکومت کا وہاں فتح کے بعد قسمتِ الٰہی میں باقی رہنا منظور نہ تھا۔

فاتح عجم کا اشارہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی میں مکہ معظمہ گئے تھے، وہاں جاکر وہ اس قدر سخت بیمار پڑے کہ ان کو اپنی زندگی کی امید نہ رہی، آنحضرت

[1] صحیح بخاری باب الجزیہ [2] صحیح بخاری و صحیح مسلم [3] صحیح مسلم [4] صحیح بخاری رکوب البحر و علامات النبوت و باب الرؤیا فی النہار [5] صحیح مسلم و ترمذی کتاب الفتن [6] مسند احمد عن ابی عبداللہ بن ابی بشر الخثعمی و حاکم و ابن ابی شیبہ [7] ایضاً عن ابی قبیل التابعی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص، ج ۲ ص ۲۴ ابن ابی شیبہ۔

صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے تو ان کا اضطراب دیکھ کر ان کو تسلی دی اور ان کے حق میں دعا کی اور فرمایا کہ تم اگر خدا نے چاہا تو ابھی نہیں مروگے، تم اگر خلوص سے کام کروگے تو درجہ عظیم ملے گا، بہتیرے لوگوں کو تم سے فائدہ اور بہتوں کو تم سے نقصان پہنچے گا[1]، یہ حضرت سعدؓ کے عجمی فتوحات کی بشارت تھی کہ حضرت سعدؓ نے سپہ سالار اسلام بن کر بڑا درجہ پایا اور چند سال میں کسریٰ کا تاج و تخت چھین لیا اور اس طرح مسلمانوں کو ان کی ذات سے فائدہ عظیم اور مجوسیوں کو نقصان عظیم پہنچا۔

مرتدین کی اطلاع حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں عرب کے متعدد اطراف میں دعویداران کاذب پیدا ہوگئے اور بہت سے لوگ جو اسلام کا کلمہ پڑھ چکے تھے ان کے ساتھ ہوگئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کی پہلے ہی اطلاع دے دی تھی، فرمایا کہ حوض کوثر پر بہت سے لوگ آئیں گے، میں کہوں گا کہ یہ میرے ساتھی ہیں، لیکن فرشتے ان کو دھکے دے کر نکال دیں گے اور کہیں گے کہ یارسول اللہ! آپ کو معلوم نہیں کہ یہ آپ کے بعد بدل گئے تھے[2]۔

حضرت زینبؓ کی وفات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہراتؓ کو اطلاع دی تھی کہ تم میں سب سے پہلے مجھ سے آکر وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا، ازواج مطہرات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت تھی اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ اس پیشین گوئی کے مطابق وہ اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم میں سے سب سے پہلے حضرت زینبؓ نے وفات پائی تو ہم سمجھے کہ ہاتھ کی لمبائی سے حضورؐ کا کیا مقصد تھا (ہاتھ کا لمبا ہونا عربی میں کشادہ دستی اور فیاضی سے کنایہ ہے) زینبؓ ہم سب سے زیادہ کشادہ دست تھیں[3]۔

ام ورقہؓ کو شہادت کی خوشخبری ام ورقہؓ ایک صحابیہ تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر کا ارادہ کیا تو انہوں نے درخواست کی کہ یارسول اللہ! مجھ کو بھی اس میں شرکت کی اجازت دیجئے، شاید کہ خدا مجھے شہادت نصیب کرے، فرمایا، تم اپنے گھر ہی میں رہو تمہیں شہادت نصیب ہوگی، چنانچہ وہ زندگی ہی میں اس پیشین گوئی کے مطابق شہیدہ کہلاتی تھیں، ان کے پاس ایک غلام اور ایک لونڈی تھی، حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان دونوں نے مل کر ایک رات ان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور اس طرح اطلاع نبوی کے مطابق انہوں نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی[4]۔

خلفاء کی بشارت حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، بنی اسرائیل کی سرداری اور نگہبانی انبیاء کرتے تھے، جب کوئی نبی مرتا تھا تو دوسرا نبی اس کا قائم مقام ہوتا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے[5]۔

[1] صحیح بخاری باب الہجرۃ و صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد و نسائی باب الوصایا [2] صحیحین حدیث کوثر [3] صحیح مسلم فضائل حضرت زینبؓ [4] سنن ابی داؤد باب الامامۃ و ابن راہویہ [5] صحیح مسلم کتاب الامارۃ۔

بارہ خلفاء آپ کے بعد بارہ خلفاء کے ہونے کی بشارتیں حدیث کی مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ میں آئی ہیں، صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں، اس وقت تک یہ اسلامی حکومت اچھی رہے گی، جب تک اس پر بارہ آدمی حکومت کریں گے۔ یہ حکومت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک اس پر بارہ خلیفہ حکمران نہ ہولیں، بارہ خلیفوں تک اسلام معزز اور محفوظ رہے گا، میرے بعد قریش میں سے بارہ خلیفہ ہوں گے، پھر چھوٹے لوگ ہوں گے، ابوداؤد کتاب المہدی میں یہ الفاظ ہیں، یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا، یہاں تک کہ اس میں بارہ خلیفہ گزر جائیں، ان سب پر تمام امت مجتمع ہوگی، علمائے اہل سنت میں سے قاضی عیاض اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے، حافظ ابن حجر ابوداؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفائے راشدین اور بنی امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجتماع رہا یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیزؒ، یزید ثانی، ہشام، شیعہ فرقہ تو اس حدیث کی تشریح میں اپنے بارہ اماموں کو پیش کردے گا،

خلافت راشدہ کی مدت فرمایا، خلافت (یعنی خلافت راشدہ) میرے بعد تیس برس ہوگی، پھر بادشاہی ہو جائے گی۔ یہ تیس سال کی مدت حضرت علیؓ کی خلافت پر تمام ہوتی ہے،

خلیفہ کا نام	خلافت کی مدت	خلیفہ کا نام	خلافت کی مدت
حضرت ابوبکرؓ	۱۱ھ تا ۱۳ھ	حضرت عثمانؓ	۲۳ھ تا ۳۵ھ
حضرت عمرؓ	۱۳ھ تا ۲۳ھ	حضرت علیؓ	۳۵ھ تا ۴۰ھ

شیخین کی خلافت کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گو صریح اور صاف الفاظ میں اپنے جانشینوں کی تعیین نہیں فرمادی تھی مگر آپ کو یہ علم بخشا جاچکا تھا کہ حالات اس طرح رونما ہوں گے، ایک دفعہ آپ نے بیان فرمایا کہ میں سویا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو ایک کنوئیں کی جگت پر دیکھا جس پر ڈول پڑا ہوا تھا، میں نے اس میں سے اتنے ڈول پانی نکالے جتنے خدا نے چاہے، پھر اس ڈول کو ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکرؓ نے لیا، انہوں نے بھی اس سے ایک ڈول پانی کھینچا، مگر ان کے کھینچنے میں کسی قدر ضعف تھا، خدا ان کو معاف کرے، پھر یہ ڈول ایک بڑا سا ڈول بن گیا، تو خطاب کے بیٹے (عمرؓ) نے اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس طرح کھینچا کہ کسی طاقت ور آدمی کو میں نے ان کے برابر کھینچتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ حوض لبالب بھر گیا اور پینے والوں کا چاروں طرف سے ہجوم ہوگیا،

یہ خلافت صدیقی و فاروقی کی تمثیلی پیشین گوئی ہے جس کی آئندہ واقعات نے حرف حرف تصدیق کی،

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ [2] مقدمہ تاریخ الخلفاء سیوطی [3] جامع ترمذی کتاب الفتن سنن ابی داؤد، حاکم، نسائی، بیہقی [4] صحیح بخاری کتاب المناقب کتاب الرویا صحیح مسلم مناقب آخری فقرے حتی ضرب الناس بعطن کا مرادی ترجمہ ہے لفظی نہیں، دیکھو فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۲،

مسلمانوں کو دولت کی کثرت اور فتنوں کے ظہور سے آگاہ کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن فتنوں کا آغاز ہوا اور مسلمانوں میں جو خانہ جنگیاں پیش آئیں ان کا پورا پورا علم آپ کو عطا ہوا تھا اور اسی لئے آپ نے بار بار مسلمانوں کو اس سے متنبہ کردیا تھا، ایک دفعہ آپ صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر تھے، آپ نے ہمراہیوں سے پوچھا کہ مجھ کو جو نظر آرہا ہے وہ تم دیکھ رہے ہو؟ سب نے عرض کی نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں پر بارش کی طرح فتنے برس رہے ہیں۔ دوسری دفعہ فرمایا، خدا کی قسم! مجھ کو تم پر فقر و فاقہ کا خوف نہیں بلکہ دولت کا خوف ہے کہ جس طرح تم سے پہلوں پر دنیا پھیلادی گئی تھی، تم پر بھی پھیلادی جائے، تو تم اس میں آپس میں رشک و حسد کرنے لگو اور جس طرح اس نے تم سے پہلوں کو غافل کردیا تم کو بھی غافل کردے۔ ایک اور موقع پر ارشاد ہوا۔ دیکھو میرے بعد ایک دوسرے کی گردن نہ مارنے لگنا۔ ایک دفعہ ارشاد ہوا۔ ایک زمانہ آئے گا کہ تمہارے سامنے دن کو ایک کھانے کا پیالہ اور رات کو دوسرے کھانے کا پیالہ آئے گا اور کعبہ کے پردوں کی طرح (بیش قیمت اور عمدہ) تمہارے لباس ہوں گے، حاضرین نے عرض کی یارسول اللہ! ہم اس حالت میں اچھے ہیں یا اس حالت میں اچھے رہیں گے، فرمایا نہیں تم اس حالت میں اچھے ہو کہ تم سب باہم ایک دوسرے سے محبت اور پیار کرتے ہو اور اس وقت تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے اور ایک دوسرے کا گلا کاٹو گے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ مجلس میں رونق افروز تھے، فرمایا کہ میرے بعد اختلاف اور فتنہ ہوگا، لوگوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ تو اس وقت ہم کو کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ امیر اور اس کے رفقاء کا ساتھ دینا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا، عنقریب میرے بعد کچھ فتنے پیدا ہوں گے جن میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد فتنوں کا ظہور ہوگا خلافت راشدہ کے عہد میں جو فتنے برپا ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی دے دی تھی اور آپ نے بعض صحابہ کو بتادیا تھا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے صحابہ سے پوچھا کہ حضورؐ نے فتنہ کی نسبت جو فرمایا تھا وہ کس کو زیادہ یاد ہے، حضرت حذیفہؓ نے کہا مجھے یاد ہے۔ انسان کو اہل و عیال اور دولت و مال میں جو فتنہ پیش آتا ہے وہ نماز، صدقہ، اچھی باتوں کے کہنے اور بری باتوں کے روکنے سے دور ہوجاتا ہے، حضرت عمرؓ نے کہا میں اس کی نسبت نہیں پوچھتا، میں اس فتنہ کو پوچھتا ہوں جو سمندر کی موجوں کی طرح لہریں لے گا۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا اے امیرالمومنین! اس فتنہ سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کہ اس کے اور آپ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے، دریافت فرمایا کہ کیا یہ دروازہ کھول دیا جائے گا یا توڑ دیا جائے گا، حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا توڑ دیا جائے گا، حضرت عمرؓ نے کہا تو یہ دروازہ کبھی بند نہ ہوسکے گا، حضرت حذیفہؓ نے کہا ہاں ایسا ہی ہے،

[1] صحیح بخاری کتاب الفتن و حجۃ الوداع [2] صحیح بخاری و مسلم کتاب الفتن [3] مسند احمد حدیث طلق بن نظری، و مستدرک حاکم [4] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۹۹ ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے [5] صحیح بخاری کتاب الفتن۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا کہ کیا حضرت عمرؓ کو معلوم تھا کہ وہ دروازہ کون تھا؟ انھوں نے جواب دیا ہاں بے شک ان کو اس کا اسی طرح علم تھا جس طرح اس بات کا علم ہے کہ آج کے بعد کل آئیگا۔ راوی کہتا ہے میں لحاظ سے نہ پوچھ سکا کہ وہ دروازہ کون تھا؟ اس لئے مسروق (تابعی) سے کہا کہ وہ حضرت حذیفہؓ سے اس کو دریافت کریں، مسروق نے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ وہ دروازہ خود حضرت عمرؓ کا وجود تھا۔[1] یہ دروازہ جب سے ٹوٹا تو کس کو معلوم نہیں کہ اسلام پر فتنوں کا سیلاب امنڈ آیا۔

فتنے مشرق کی جانب سے اٹھیں گے

مستند اور معتبر حدیثوں میں پوری تصریح کے ساتھ بروایات کثیرہ مذکورؓ ہے کہ اسلام میں فتنوں کا آغاز مشرق کی طرف سے ہوگا، آپؐ نے انگلی سے اشارہ کر کے بار بار فرمایا کہ ادھر سے جدھر شیطان کی سینگیں یعنی سورج کی کرنیں نکلتی ہیں، یہ اشارہ عرب سے مشرق کی جانب تھا یعنی عراق کی طرف، دیکھو حضرت عمرؓ کا قاتل عجمی تھا، حضرت عثمانؓ کے عہد کا فتنہ عراق ہی سے اٹھ کر مصر تک پھیلا، جنگ جمل اسی سرزمین پر ہوئی، حضرت علیؓ یہیں شہید ہوئے، امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ صفین یہیں پیش آئی، خوارج اسلام کا پہلا گمراہ کن فرقہ یہیں سے نکلا، جبریہ اور قدریہ وغیرہ اسلام کے دیگر فرقوں کی یہ بدعتیں جنھوں نے اسلامی عقائد کی سادگی کو پارہ پارہ کر دیا یہیں پیدا ہوئے، جگر گوشۂ رسول اور خانوادۂ نبوت کا قافلہ یہیں فرات کے کنارے لٹا، مختار نے ادعائے کاذب کا فتنہ یہیں پیدا کیا، شیعیت جس نے اسلام کو دو حصوں میں منقسم کیا یہیں کی پیداوار ہے، حجاج کی سفاکیاں اسی سرزمین پر ہوئیں، ترک و تاتار کی غارت گریوں کے نتائج جنھوں نے اسلام کی رہی سہی طاقت اور عرب و خلافت عربی کا تار تار الگ کر دیا یہیں رونما ہوتے حتیٰ کہ اس جنگ عظیم میں بھی واحد اسلامی طاقت کے ساتھ غداری کے نتائج بھی اولاً یہیں ظاہر ہوتے اور اس کے اثرات بعد کو اور اطراف میں بھی رونما ہوتے۔

حضرت عثمانؓ کو فتنہ کی اطلاع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے ایک باغ میں ٹیک لگائے بیٹھے تھے حضرت ابوبکرؓ دروازہ کھلوا کر آئے تو آپؐ نے ان کو جنت کی بشارت دی، حضرت عمرؓ آئے اور آپؐ نے ان کو جنت کا مژدہ سنایا، اس کے بعد حضرت عثمانؓ آئے تو آپؐ نے ان کو جنت کی بشارت کے ساتھ فتنہ و امتحان سے دوچار ہونے کی بھی اطلاع دی، چنانچہ ان کو اپنے زمانۂ خلافت میں یہ فتنہ و امتحان پیش آیا اور شہادت نصیب[2] ہوئی، حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی اور بھی روایتیں ہیں۔

حضرت عمرؓ اور عثمانؓ شہید ہوں گے

ایک دفعہ مکہ معظمہ میں کوہ ثبیر یا کوہ احد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، آپؐ کی رفاقت میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے کہ دفعۃً پہاڑ کو جنبش ہوئی، آپؐ نے فرمایا، اے ثبیر! ٹھہر جا کہ تیری پشت پر ایک پیغمبر، ایک صدیق اور دو شہید ہیں، پیغمبر اور صدیق کو تو سب جانتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد یہ بھی معلوم

---

[1] صحیح بخاری کتاب الفتن [2] صحیح بخاری و مسلم کتاب الفتن وغیرہ [3] صحیح مسلم فضائل عثمان۔

ہو گیا کہ وہ دو شہید کون تھے۔[1]

حضرت علی مرتضیٰؓ کی مشکلات اور شہادت

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم سے میری امت میرے بعد بے وفائی کرے گی،[2] حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اے علیؓ! خبردار کہ تم کو میرے بعد مصیبت پیش آئے گی، حضرت علیؓ نے استفسار کیا کہ کیا یہ مصیبت میری سلامتی دین کے ساتھ پیش آئے گی؟ فرمایا، ہاں تمہاری سلامتی دین کے ساتھ۔[3] حضرت علیؓ اور بعض صحابہ ایک سفر میں ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے، آپؐ نے فرمایا میں بتاؤں کہ دو سب سے بدبخت انسان کون ہیں؟ لوگوں نے عرض کی کہ ہاں یا رسول اللہ بتایئے۔ ایک ثمود کا سرخ رنگ بدبخت جس نے ناقہ کو قتل کیا، دوسرا وہ جو اے علی تمہارے یہاں پر (گردن کی طرف اشارہ کیا) تلوار مارے گا۔[4]

جنگ جمل کی خبر

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ کے درمیان جو اتفاقی لڑائی بصرہ میں پیش آگئی تھی اس کو جنگ جمل کہتے ہیں، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہراتؓ کے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپؐ نے فرمایا، تم میں سے کسی پر حوأب کے کتے بھونکیں گے (حوأب عراق میں ایک تالاب کا نام ہے) حضرت عائشہؓ جب اصحاب جمل کے ساتھ روانہ ہوئیں اور حوأب کے تالاب پر پہنچیں اور کتوں نے بھونکنا شروع کیا تو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد آئی۔[5]

حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی جنگ

ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہ آئے گی، جب تک دو ایسے گروہ باہم جنگ آزما نہ ہوں گے، جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ ایک ہی ہوگا۔[6] علماء کا بیان ہے کہ یہ پیشین گوئی حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی لڑائیوں پر صادق آتی ہے۔[7]

حضرت عمارؓ شہید ہوں گے

آپؐ نے غزوۂ خندق میں حضرت عمارؓ کے سر پر دست شفقت پھیر کر فرمایا، افسوس تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔[8] یہ پیشین گوئی متعدد صحابہ سے منقول ہے، حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کی معیت میں امیر معاویہؓ کے ساتھیوں کے ہاتھ سے جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

امام حسنؓ کی مصالحت

ایک دفعہ آپؐ حضرت امام حسنؓ کو لے کر گھر سے باہر نکلے اور ان کو گود میں لے کر منبر پر چڑھے پھر فرمایا کہ میرے اس فرزند کے ذریعہ سے خدا مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرا دے گا۔[9] چنانچہ یہ پیشین گوئی حضرت علیؓ کی شہادت کے چھ مہینے بعد پوری ہوئی اور طرفداران علیؓ اور حامیان معاویہؓ میں بعض شرائط پر صلح ہو گئی۔

---

[1] صحیح بخاری مناقب ابی بکرؓ و صحیح ترمذی مناقب عثمانؓ بروایت حسن و سنن نسائی و دارقطنی [2] یہ تینوں روایتیں مستدرک حاکم میں ہیں، امام ذہبی نے پہلی روایت کو مطلق صحیح، دوسری کو بشرط بخاری و مسلم صحیح اور تیسری کو بشرط مسلم صحیح کہا ہے، ج ۳ ص ۱۴۱، حیدرآباد [5] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۵۲، ۹۷ [6] صحیح مسلم فتن [7] دیکھو شرح مسلم [8] دیکھو شرح مسلم [9] صحیح بخاری علامات النبوۃ فی الاسلام و صحیح مسلم و ترمذی باب المناقب و حاکم ترجمہ امام حسنؓ ج ۳۔

نوخیز حکمرانِ قریش کے ہاتھوں اسلام کی تباہی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مخصوص اصحاب کو اسلام کے مستقبل سے باخبر کر دیا تھا، ان میں ایک حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے، وہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی بربادی قریش کے چند نوخیزوں کے ہاتھ سے ہو گی حضرت ابوہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو سب کو نام بنام گنا دوں۔[1] یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح نکلی، حضرت عثمانؓ کے عہد کا سیاسی طوفان ان کی شہادت پھر جمل کی لڑائی، یہ سب چند نوخیز قریشی رئیس زادوں کے بے جا امنگوں کے نتائج تھے جیسا کہ عام تاریخوں میں مسطور ہے اور صحیح بخاری میں ہے کہ راوی کہتا ہے ہم نے شام جا کر بنی مروان کو دیکھا تو ان کو اسی طرح نوخیز نوجوان پایا۔[2]

یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر

امیر معاویہؓ نے ۶۰ھ میں وفات پائی اور ان کے بجائے یزید تخت نشین ہوا اور یہی اسلام کے سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور روحانی ادبار و نکبت کی اولین شب ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے متعدد روایتیں ہیں، مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ۶۰ھ کے شروع ہونے سے اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگا کرو، اور دنیا ختم نہ ہو گی یہاں تک کہ اس پر ایسے ایسے حکمران نہ ہو لیں۔[3] حاکم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا عربوں پر افسوس اس مصیبت سے جو ان کے آغاز پر قریب آئے گی، امانت لوٹ کا مال اور صدقہ و خیرات جرمانہ اور تاوان سمجھا جائے گا اور گواہی پہچان سے دی جائے گی اور فیصلے ہوا و ہوس سے ہوا کریں گے، بیہقی میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ مدینہ کے بازار میں یہ کہتے جاتے تھے کہ خدایا! مجھے ۶۰ھ اور لڑکوں کی حکومت کا زمانہ نہ پاؤں، خدا نے ان کی یہ دعا قبول کی اور ۵۹ھ میں انہوں نے وفات پائی۔[4]

امام حسینؓ کی شہادت

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی متعدد پیشین گوئیاں حاکم، بیہقی، ابن راہویہ اور ابونعیم میں مذکور ہیں، مگر اصولاً ان روایات کا درجہ بلند نہیں، تاہم اتنی بات مجملاً ثابت ہوتی ہے کہ آپؐ کو اس واقعہ کا علم ضرور عطا کیا گیا تھا اور آپؐ نے اہل بیت کو اس کے متعلق کوئی خاص اطلاع دی تھی، اس باب میں بہتر ین حدیث حاکم کی یہ روایت ہے جس کو اس نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ میں نے یحییٰ (پیغمبر) کا بدلہ ستر ہزار سے لیا تھا اور میں تیرے نواسے کا بدلہ ستر اور ستر ہزار سے لوں گا، حافظ ذہبی نے اس روایت کو علی شرط مسلم تسلیم کیا ہے[5] لیکن روایت خود اس کا اشارہ کرتی ہے کہ اس سے پہلے حضرت حسینؓ کی شہادت کی اطلاع دی جا چکی تھی، یہ اطلاع الٰہی حرف بحرف صحیح ہوئی، امام موصوف کی شہادت کے بعد مختار کے ہاتھوں قاتلین حسینؓ سے اسی قدر انتقام لیا گیا۔

خوارج کی اطلاع

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، قبیلۂ بنو تمیم کا ایک آدمی آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! انصاف سے مال تقسیم فرمایئے،

---

[1] صحیح بخاری کتاب الفتن [2] اول کتاب الفتن [3] مسند احمد احادیث ابی ہریرہؓ [4] یہ روایتیں خصائص کبریٰ سیوطی ج ۲ ص ۱۳۶ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہیں [5] مستدرک ج ۳ ص ۱۷۸۔

آپؐ نے فرمایا، میں نہ انصاف کروں گا تو کون کرے گا! اس کی گستاخی پر حضرت عمرؓ سخت برہم ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اجازت دیجئے تو اس کی گردن اڑا دوں، آپؐ نے فرمایا جانے دو، اس کے ایسے رفقاء ہوں گے جن کے نماز روزے کے مقابل تم کو اپنے نماز روزے حقیر معلوم ہوں گے، وہ لوگ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن گلے کے نیچے نہ اترے گا، مذہب کے دائرہ سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانہ کے پار نکل جاتا ہے، اس گروہ کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک سیاہ فام شخص پیدا ہوگا جس کے دونوں بازوؤں میں عورت کے سینہ کی طرح گوشت لٹکتا ہوگا، حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اس گروہ سے جنگ کی اور میں ان کے ساتھ موجود تھا، اس سیاہ فام کی تلاش کی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علامات بتائی تھیں وہ ان کے ساتھ متصف نکلا۔[1]

مختار اور حجاج کی اطلاع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قبیلۂ ثقیف میں دو شخص پیدا ہوں گے جن میں ایک کذاب دوسرا مبیر یعنی ہلاک کرنے والا ہوگا، چنانچہ جب حجاج ثقفی نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو پھانسی دی اور ان کی والدہ حضرت اسماءؓ کو بلایا تو انہوں نے جانے سے انکار کیا، بار بار کے انکار کے بعد حجاج خود ان کے پاس آیا، بہت سے سوال و جواب کے بعد انہوں نے کہا کہ قبیلۂ ثقیف کے دو شخصوں کے متعلق آپؐ نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی ان میں کذاب (مختار ثقفی) کو تو ہم نے دیکھ لیا اور مبیر کے متعلق میرا خیال ہے کہ وہ تم ہی ہو، یہ سن کر حجاج چپ چاپ الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔[2]

حجاز میں ایک آگ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی، جب تک حجاز میں ایک ایسی آگ نہ نکلے جس کی روشنی بصریٰ کے اونٹوں کی گردنوں کو روشن نہ کر دے یہ روایت صحیح مسلم[3] اور حاکم میں ہے، امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ آگ ہمارے زمانے میں ۶۵۴ھ میں مدینہ میں ظاہر ہوئی اور آگ اس قدر بڑی تھی کہ مدینہ کے مشرقی پہلو سے لے کر پہاڑی تک پھیلی تھی اس کا حال شام اور تمام شہروں میں بتواتر معلوم ہوا اور ہم سے اس شخص نے بیان کیا جو اس وقت مدینہ میں موجود تھا۔[4] ابو شامہ ایک اور معاصر مصنف کا بیان ہے کہ ہمارے پاس مدینہ سے خطوط آئے جن میں لکھا تھا کہ چہار شنبہ کی رات کو جمادی الثانیہ کی تیسری تاریخ کو مدینہ میں ایک سخت دھماکہ ہوا، پھر بڑا زلزلہ آیا جو ساعت بساعت بڑھتا رہا، یہاں تک کہ پانچویں کو بہت بڑی آگ پہاڑی میں قریظہ کے محلہ کے قریب نمودار ہوئی جس کو ہم مدینہ کے اندر اپنے گھروں سے اس طرح دیکھتے تھے کہ گویا وہ ہمارے قریب ہی ہے اور ترائیاں بہہ نکلیں اور ہم اس کو دیکھنے کو چڑھے تو دیکھا کہ پہاڑ آگ بن کر بہہ رہے ہیں اور ادھر ادھر شعلہ بن کر جا رہے ہیں، آگ کے شعلے پہاڑ معلوم ہوتے تھے، محلوں کے برابر برابر چنگاریاں اڑ رہی ہیں، یہاں تک کہ یہ آگ مکہ معظمہ اور صحرا سے بھی نظر آتی تھی، لوگ گھبرا کر روضۂ نبویؐ میں دعا و استغفار کے لئے جمع ہو گئے تھے، یہ حالت ایک مہینہ سے زیادہ رہی، علامہ ذہبی اس واقعہ

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۵۱۰ باب علامات النبوۃ فی الاسلام [2] مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کذاب ثقیف و مبیرہا [3] کتاب الفتن [4] شرح مسلم نووی ج ۲ ص ۳۹۳ نولکشور [5] تاریخ الخلفاء بحوالہ ابو شامہ واقعات ۶۵۴ھ

کے متعلق لکھتے ہیں کہ اسی سال (۶۵۴ھ) میں مدینہ میں آگ نکلی جو ان بڑی نشانیوں میں سے تھی جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی، اس آگ میں اس شدت اور روشنی کے باوجود گرمی نہ تھی اور چند روز رہی، اہل مدینہ کا خیال تھا کہ قیامت آگئی تو انہوں نے خدا کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کیا، اس آگ کا حال بتواتر معلوم ہے، حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ متعدد لوگوں سے جو بصریٰ میں اس وقت موجود تھے، یہ شہادت منقول ہے کہ انہوں نے رات کو اس کی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں دیکھیں[1]۔

ایک صدی یا ایک دور کے بعد انقلاب

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اخیر زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشاء کے بعد حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا، آج اس شب میں، میں تم کو بتاؤں کہ اس سے سو برس بعد آج کے لوگوں میں سے کوئی بھی روئے زمین پر باقی نہ رہے گا راوی کہتا ہے کہ اس سے آپ کا مقصود ایک دور (قرن) کا ختم ہو جانا تھا، حضرت جابرؓ اسی واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے آپؐ نے فرمایا کہ تم قیامت کی نسبت دریافت کرتے ہو، اس کا علم تو خدا کو ہے، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج روئے زمین پر کوئی سانس لینے والی جان نہیں جو سو برس بعد زندہ رہے گی[2] اس سے مقصود صحابہؓ کے خیر و برکت کے دور کا اختتام تھا، ابوالطفیلؓ صحابی سب سے اخیر میں مرے ہیں، ان کا بیان تھا کہ اب میرے سوا کوئی باقی نہیں جس نے جمال محمدیؐ سے آنکھیں روشن کیں، یہ ابوالطفیلؓ پہلی صدی کے اختتام پر رحلت گزین ہوتے۔

چار دوروں کے بعد پورا انقلاب

متعدد راویوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے علی الاعلان فرمایا کہ بہترین دور (قرن) وہ ہے جس میں، میں ہوں، پھر اس دور کے لوگ جو میرے بعد ہیں، پھر اس دور کے لوگ جو ان کے بعد ہیں، پھر اس دور کے لوگ جو ان کے بعد ہیں، پھر ایسے لوگ ہوں گے جو گواہی کے لئے بلائے نہیں جائیں گے خود جا کر گواہی دیں گے، خیانت کار ہوں گے امین نہ ہوں گے، نذر مانیں گے لیکن ایفا نہ کریں گے[3]، پہلا دور عہد نبوی ہے، دوسرا دور صحابہؓ کا ہے، تیسرا تابعین کا، چوتھا تبع تابعین کا۔ یہ چار عہد اسلام کے روحانی، دینی، اخلاقی، مناقب و مکارم کا اور صلحائے امت ائمہ دین اور علمائے خیر کے پے در پے ظہور اور وجود کا اور خالص مذہبی علوم کی نشو و نما، ترتیب و تدوین اور نشر و اشاعت کا ہے، اس کے بعد ہی بدعات کا سیلاب امنڈتا ہے، علمائے سوء اور امرائے جور بیدار ہوتے ہیں، فرق باطلہ کا ظہور ہوتا ہے، فقہاء میں جمود آتا ہے، علماء میں ہوا و ہوس راہ پاتی ہے، ہند، فارس اور یونان کے فلسفیانہ خیالات مسلمانوں میں رائج ہوتے ہیں، اسلام کے اعتقادی و عملی قویٰ سست ہو جاتے ہیں اور تمام نظام ابتر ہو جاتا ہے۔

---

[1] مختصر تاریخ الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۱۲۱ حیدرآباد [2] تاریخ الخلفاء واقعات ۶۵۴ھ [3] یہ تمام حدیثیں صحیح مسلم باب فضل صحابہ میں ہیں اور پہلی روایت ابوداؤد کتاب الملاحم میں بھی مذکور ہے [4] صحیح مسلم فضل صحابہ و مسند احمد حدیث بریدہؓ۔

مدعیان کاذب

صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے تیس کاذب و دجال پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے[1]، ایسے مدعیان کاذب کی تعداد اگر مسیلمہ کے وقت سے لے کر آج تک کی تاریخوں سے چن کر الگ کی جائے تو قریب قریب تیس کے پہنچ جائے گی، جن میں سے دو جو ہندوستان اور ایران میں ابھی ابھی گزرے ہیں وہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں۔

منکرین حدیث

ابوداؤد میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا، میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے ہوئے غرور کی شان سے، بیٹھا ہو اور اس کے پاس میرے کاموں میں سے کوئی کام جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا یا جس سے میں نے منع کیا، وہ اس سے بیان کیا جاتے تو کہے کہ ہم نہیں جانتے جو ہم نے قرآن میں پایا اسی کو مانتے ہیں[2]، بیہقی میں اس سے زیادہ صاف الفاظ ہیں، دور اول میں اگر یہ پیشین گوئی معتزلہ پر صادق آسکتی تھی تو اب آجکل معرو ہند کے ان اشخاص پر پوری طرح صادق آتی ہے جو خود کو اہل القرآن کے نام سے موسوم کر رہے ہیں۔

تجارت کی کثرت اور اس میں عورتوں کی شرکت

قیامت کے آثار اور نشانیوں میں سے ایک یہ واقعہ بھی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے خصوصیت کا سلام ہوگا اور تجارت کی کثرت ہوگی، یہاں تک کہ عورت بھی اپنے مرد کا ہاتھ اس میں بٹایا کرے گی[3]۔ کیا اس موجودہ دور تمدن سے بڑھ کر اس پیشین گوئی کی صداقت کا کوئی اور زمانہ ہوگا آج سے زیادہ کبھی تجارت کی گرم بازاری تھی اور عورتیں کبھی اس سے پہلے اس بے باکی سے مردوں کے دوش بدوش ہو کر اس پیشہ میں در آئی تھیں۔

اہل یورپ کی کثرت

آپؐ نے صحابہ کے سامنے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ قیامت جب آئے گی تو روم سب سے زیادہ ہوں گے[4]۔ عربوں کے محاورہ میں روم سے مقصود اہل فرنگ یعنی اہل یورپ ہیں ۔۔۔ آج اہل یورپ کی یہ کثرت ہے کہ اس وقت ان کے وجود سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں اور ان کی قوت و طاقت کا دنیا کی کوئی قوم مقابلہ نہیں کر سکتی، یہ پیشین گوئی آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی گئی تھی اور آج اس کی صداقت آفتاب کی طرح روشن ہے

سود کی کثرت

پہلے دو چار لوگ سود کھاتے تھے اور کھلاتے تھے جو براہ راست اس کا کاروبار کرتے تھے، لیکن آپؐ نے پیشین گوئی کی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو سود نہ کھائے گا اگر وہ براہ راست نہ کھائے گا تو اس کا غبار یا دھواں بھی اڑ کر اس تک ضرور پہنچے گا[5]۔ کیا آج وہی زمانہ بعینہٖ نہیں ہے، آج کی تجارت اور سوداگری تمام تر سود پر مبنی ہے، یہاں تک کہ ہمارے ملک کی ہر چیز جو بازار سے خریدی جاتی ہے وہ بیسیوں سودی معاملوں سے گزر کر ہم تک پہنچتی ہے، تمام وہ لوگ جن کی معیشت سرکاری نوکری ہے اور اکثر غیر سرکاری نوکر بھی بنک کے جمع شدہ روپیوں سے معاوضہ حاصل کرتے ہیں اور امراء اور اہل دولت بھی اپنا

---

[1] صحیح مسلم باب فتن و ابوداؤد ملاحم کے علاوہ مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ اور ابو یعلیٰ بزار اور طبرانی میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اسی قسم کی روایت ہے [2] سنن ابی داؤد باب لزوم السنۃ [3] مسند احمد ج اول ص ۴۱۹ مصر و ادب المفرد امام بخاری باب تسلیم الخاص مستدرک حاکم و بزار و طبرانی [4] صحیح مسلم کتاب الفتن [5] ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ باب الربوا، مسند احمد عن ابی ہریرہؓ۔

سرمایہ امانتی منافع سے وصول کرتے ہیں، غرض آج دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں کی جا سکتی ہے جو تمام تر سود سے پاک اور مبرا ہو اور یورپ کے تمدن کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ عالمگیر اثر ہے، یہ عظیم الشان پیشین گوئی کتنی بڑی صداقت پر مبنی ہے اور جس کو کبھی کوئی انسان صرف قیاس سے اس بلند آہنگی کے ساتھ دنیا کو نہیں سنا سکتا ہے۔

یہودیوں سے جنگ

صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ مسلمانوں اور یہودیوں میں ایک عظیم الشان جنگ ہوگی، یہودی شکست کھا کر چٹانوں اور درختوں کے پیچھے چھپیں گے تو وہاں بھی ان کو پناہ نہ ملے گی اور ان میں سے آواز آئے گی کہ اے مسلمان دیکھ! یہ یہودی چھپا ہے۔ اس حدیث کو پڑھتے ہوئے پہلے دل میں خطرہ گزرتا تھا کہ الٰہی! یہودیوں میں نہ تو قوت ہے نہ کوئی ان کی سلطنت ہے، نہ مسلمانوں کے درمیان کہیں ان کی بڑی آبادی ہے، یہ لڑائی کیونکر پیش آئے گی؟ مگر پچھلی جنگ نے اپنے نتیجہ کے طور پر فلسطین میں جو صورت نمایاں کر دی ہے اور عہد نامۂ بالفور نے فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے اور صیہونی تحریک نے فلسطین کو خالص یہودی ملک بنانے اور بالآخر وہاں یہودی سلطنت قائم کرنے کا جو تہیہ کیا ہے اس نے مخبر صادق علیہ السلام کی پیشین گوئی کی صداقت کے منظر کو آنکھوں کے سامنے کر دیا ہے۔

حجاز کا انقطاع مصر، شام اور عراق سے

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عراق نے اپنا نقرئی سکہ (درہم) اور غلہ کا پیمانہ (قفیز) روک دیا، شام نے اپنے غلہ کا پیمانہ (مد) اور اپنا طلائی سکہ (دینار) روک دیا اور مصر نے اپنے غلہ کا پیمانہ (اردب) اور اپنی اشرفی روک دی اور تم وہیں لوٹ گئے جہاں سے چلے تھے، حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ اس حدیث کے ارشادِ نبوی ہونے پر ابوہریرہؓ کا گوشت اور خون گواہی دیتا ہے۔

اس حدیث میں درحقیقت دو پیشین گوئیاں ہیں ایک یہ کہ مسلمان ان ممالک کو فتح کریں گے اور حجاز کے تعلقات وہاں سے قائم ہوں گے اور اس خشک اور بنجر خطہ کی پرورش ان ہی ہمسایہ علاقوں سے ہوگی اور پھر وہ زمانہ آئے گا جب یہ علاقے الگ ہو جائیں گے اور حجاز پھر ویسا ہی ہو جائے گا جیسا اسلام سے پہلے یا اسلام کے آغاز میں تھا پہلی پیشین گوئی تو حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں پوری ہوئی اور اس وقت سے لے کر تیرہ سو برس تک برابر یہ حالت قائم رہی، حجاز کے لئے ہر قسم کا سامان ان ہی ممالک کی پیداوار سے آتا تھا، مصر و شام سے برابر غلہ قانوناً بھیجا جاتا تھا، سالانہ نذرانے تقسیم ہوتے تھے، بڑی بڑی جائیدادیں وقف تھیں، لیکن ہمارے خیال میں اس دوسری پیشین گوئی کا محل اس زمانہ سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ تیرہ سو برس کے اندر کبھی ایسا زمانہ پیش نہیں آیا جب حجاز، عراق و شام اور مصر سے دفعۃً منقطع ہو گیا ہو۔ آج حجاز کی وہی حالت نہیں جو اسلام سے پہلے یا آغازِ اسلام میں تھی جب عراق پر ایرانی اور شام و مصر پر رومی حکمران تھے اور خود عرب کے صوبے پراگندہ اور بے نظام تھے اور ہر قطعہ پر ایک حاکم فرمانروا تھا، آج عراق و مصر و فلسطین و بحرین وغیرہ پر انگریز اور شام پر فرانسیسی حکمران ہیں، عرب کے تمام صوبے پراگندہ اور بے نظام ہیں اور ہر خطہ پر ایک مستقل فرمانروا ہے اور باہمی آتشِ جنگ و جدل برپا

لہ صحیح مسلم باب الفتن لہ ایضاً۔

ہے، ایک کو دوسرے کی ماتحتی سے عار ہے، عراق کا غلہ اور نذرانہ بند ہے، شام کی موقوفہ جائیدادیں فرانسیسیوں نے ضبط کر لیں اور آپ نے گزشتہ سال سن لیا کہ مصر نے حجاز کے غلہ اور اشرفیوں کا وہ نذرانہ بند کر دیا جو عہدِ فاروقؓ سے اب تک کبھی بند نہیں ہوا تھا۔

اہل یورپ سے شام میں جنگ

صحیح مسلم وغیرہ میں فتن اور آثارِ قیامت کے سلسلہ میں متعدد حدیثیں ایسی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ نے صاف و صریح الفاظ میں اپنی امت کو یہ اطلاع دی ہے کہ آخر زمانہ میں دجال کے ظہور اور نزولِ مسیحؑ سے پہلے ملک شام میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان عظیم الشان خونی معرکے پیش آئیں گے، گو اس ملک میں ان دونوں کے درمیان صلیبی جنگوں نے اس قسم کے سینکڑوں خونی معرکے پیش کئے ہیں مگر جنگِ عظیم نے شام کی جو صورتِ حال پیدا کر دی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات آنے والے خونی معرکوں کی تقریب و تمہید ہیں۔

مسلمانوں کے خلاف تمام دنیا کی قومیں اٹھ کھڑی ہونگی

ابوداؤدؒ اور بیہقی میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا، قریب ہے کہ قومیں تم پر حملہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گی (یعنی تم پر متحدہ حملہ کریں گی)، جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالہ پر گرتے ہیں، حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ اس لئے کہ اس زمانہ میں ہم مسلمانوں کی تعداد کم ہو جائے گی فرمایا نہیں، تمہاری تعداد ان دنوں بہت بڑی ہوگی لیکن تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے سیلاب کی سطح پر کف اور خس و خاشاک ہوتا ہے کہ سیلاب ان کو بہائے لئے جاتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب دور کر دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا، کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ کمزوری کیا ہوگی؟ فرمایا۔ دنیا (فوائدِ دنیا) کی محبت اور موت سے کراہت۔ موجودہ دنیائے اسلام کے پیشِ نظر تاریخ میں کیا حرف حرف اس کی تصدیق نہیں ہے؟

☆

لہ کتاب الملاحم۔

معجزاتِ نبوی ﷺ کے متعلق غیر مستند روایات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے متعلق جو جھوٹی اور بے سروپا روایتیں مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہیں ضرورت نہ تھی کہ اس کتاب میں ان کو کسی حیثیت سے جگہ دی جائے، مگر چونکہ عام ناظرین کے دلوں میں ان کو اس کتاب میں نہ پاکر مختلف قسم کے شبہے پیدا ہوں گے، اس لئے صرف ان کی تسکین اور کشفِ حقیقت کی خاطر ان روایتوں سے بھی اس کتاب میں تعرض کرنا ضروری پڑا۔ یہ روایتیں زیادہ تر کتب دلائل میں ہیں، یعنی ان کتابوں میں ہیں جن کو لوگوں نے عام حدیث کی کتابوں سے الگ کر کے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے ذکر و تفصیل میں لکھا ہے۔

یہی کتابیں ہیں جنھوں نے معجزات کی جھوٹی اور غیر مستند روایتوں کا ایک انبار لگا دیا ہے اور ان ہی سے میلاد و فضائل کی تمام کتابوں کا سرمایہ مہیا کیا گیا ہے، خوش اعتقادی اور عجائب پرستی نے ان غلط معجزات کو اس قدر شرفِ قبول بخشا کہ ان کے پردہ میں آپ کے تمام صحیح معجزات چھپ کر رہ گئے! اور حق اور باطل کی تمیز مشکل ہو گئی، حالانکہ اس تمام ذخیرہ سے کتب صحاح اور خصوصاً بخاری و مسلم یکسر خالی ہیں، لیکن تیسری اور چوتھی صدی میں اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ اس درجہ بے احتیاطی کے ساتھ لکھی گئیں کہ محدثین ثقات نے ان کو بیشتر ناقابلِ اعتبار قرار دیا، کتب دلائل کے ان مصنفین کا مقصد معجزات کی صحیح روایات کو یکجا کرنا نہیں بلکہ کثرت سے عجیب و حیرت انگیز واقعات کا مواد فراہم کرنا تھا، تاکہ خاتم المرسلین کے فضائل و مناقب کے ابواب میں معتد بہ اضافہ ہو سکے، البتہ جو احتیاط پسند محدثین آئے مثلاً زرقانی وغیرہ، وہ ان روایات کے نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تردید اور تضعیف بھی کرتے گئے، لیکن جو چیز اس وسعت کے ساتھ پھیل گئی ہو جو اسلامی لٹریچر کا ایک جزو بن گئی ہو اور جو اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہو، اس کے لئے صرف اس قدر کافی نہیں بلکہ وہ مزید تنقید کی محتاج ہے، خصوصاً اس لئے کہ ہمارے ملک میں میلاد کی مجلسوں میں جو بیانات پڑھے جاتے ہیں وہ تمام تر ان ہی بے بنیاد روایتوں سے بھرے ہوتے ہیں۔

اس تنقید کے تین حصے ہو سکتے ہیں، اصولِ روایت کی بنا پر ان کتابوں کا اور محدثین میں ان کے مصنفوں کا درجہ کیا ہے؟ ان کتابوں میں جو غلط موضوع اور ضعیف معجزات مذکور ہیں ان کے پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ ان کتابوں کے خاص خاص مشہور اور زبان زد معجزات کی روایتی حیثیت کیا ہے؟

کتب دلائل اور اُن کے مصنفین کا درجہ

علمائے اسلام نے روایات کی تنقید اور اُن کے اصول کے منضبط کرنے میں جو کوششیں کی ہیں اور جو خدمات انجام دی ہیں ان کی پوری تفصیل کتاب کے مقدمہ میں گزر چکی ہے، اسی سلسلہ میں یہ بات بھی ضمناً آگئی ہے کہ ان روایات کی جانچ اور تنقید میں جن کا تعلق احکام فقہی سے ہے، محدثین نے جو سختی اور شدت اختیار کی ہے وہ مناقب

اور فضائل کے باب میں نہیں کی ہے، چنانچہ علم حدیث کے بڑے بڑے اماموں نے علانیہ اس کا اعتراف کیا ہے یہی وجہ ہے کہ آیات قرآنی کے الگ الگ فضائل، نام بنام تمام خلفاء کے مناقب، مقامات اور شہروں کے محامد اعمال انسانی کے مبالغہ آمیز ثواب و عقاب کے بیانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کاہنین عرب کی پیشین گوئیاں اور اشعار اور عجیب و غریب غیر صحیح فضائل معجزات اور برکات وغیرہ کا یہ بے پایاں دفتر روایات میں موجود اور کتابوں میں مدون ہے۔

یہ روایات زیادہ تر تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں، تیسرے درجہ میں بقول شاہ ولی اللہ صاحبؒ یہ کتابیں ہیں[1]۔

مسند ابو یعلی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند طیالسی، بیہقی، طحاوی اور طبرانی کی تصنیفات، ان میں سچی جھوٹی، اچھی بری، قوی، ضعیف ہر قسم کی حدیثیں پہلو بہ پہلو درج ہیں اور چوتھے درجہ میں وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین صدیوں کے بعد پیدا ہوئے، انہوں نے چاہا کہ اول اور دوم درجوں میں جو روایتیں داخل نہیں کی گئی تھیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیں، یہ روایتیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کی روایتوں کو حدیث کے اماموں نے قلمبند کرنا پسند نہیں کیا تھا اور قصہ گو واعظین محض اُن سے رونق محفل کا کام لیتے تھے، اسرائیلیات، اقوالِ حکماء، اشارات حدیث، قصص و حکایات اور روایاتِ نامعتبر کو انہوں نے حدیث کا درجہ دے کر کتابوں کے اوراق میں مدون کر دیا، کتاب الضعفاء لابن حبان کامل لابن عدی اور خطیب، ابونعیم، جوزقانی، ابن عساکر، ابن نجار اور دیلمی کی تصنیفات کا اسی طبقہ میں شمار ہے۔

اس تفصیل کے بعد شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں، صرف اول اور دوم درجہ کی کتابوں پر یعنی صحاح ستہ پر محدثین کا اعتماد ہے اور ان ہی پر ان کا مدار ہے، تیسرے طبقہ کی کتابوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو فن کے ناقد اور جوہری ہیں، جن کو اسماء الرجال پر عبور اور علل حدیث سے واقفیت ہے، الغرض جو صحیح اور غلط اور خطاء و صواب میں کامل امتیاز رکھتے ہیں، چوتھے طبقہ کی کتابوں کو جمع اور تدوین کرنا اور اُن کو کام میں لانا متاخرین کی ایک قسم کی بے فائدہ کاوش فکر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آیات و دلائل پر جو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے کچھ تیسرے طبقہ میں اور بقیہ تمام تر چوتھے طبقہ کی کتابوں میں داخل ہیں، متاخرین نے عام طور سے یہ سرمایہ جن کتابوں سے حاصل کیا ہے وہ طبری، طبرانی، بیہقی، دیلمی، بزار اور ابو نعیم اصفہانی کی تصنیفات ہیں، حافظ قسطلانی نے ان ہی روایات کو تمیز اور نقد کے بغیر مواہب لدنیہ میں داخل کیا اور معین فراہی نے ان کو معارج النبوۃ میں فارسی زبان میں اس آب و رنگ سے بیان کیا کہ یہ روایتیں گھر گھر پھیل گئیں اور عوام نے اس شیفتگی اور وارفتگی کے ساتھ ان کو قبول کیا کہ اصلی اور صحیح معجزات اور آیات بھی اس پردہ میں چھپ کر رہ گئے۔

مواہب لدنیہ اور معارج النبوۃ وغیرہ کا سرمایہ جن کتابوں سے ماخوذ ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب طبقات کتب الحدیث۔

کتاب الطبقات لابن سعد، سیرت ابن اسحاق، دلائل النبوۃ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ، دلائل النبوۃ ابو اسحاق حربی المتوفی ۲۸۵ھ، شرف المصطفےٰ، ابو سعید عبد الرحمٰن بن حسن اصفہانی المتوفی ۴۰۷ھ، تاریخ و تفسیر ابو جعفر بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ، مولد یحییٰ بن عائذ، دلائل النبوۃ جعفر ابن محمد مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ دلائل النبوۃ ابو القاسم اسماعیل اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ، تاریخ دمشق ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ لیکن متاخرین میں ان روایات کا سب سے بڑا خزانہ یہ دو کتابیں ہیں، کتاب الدلائل ابو نعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ اور کتاب الدلائل امام بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ۔

ان بزرگوں کے بذات خود معتبر اور مستند ہونے میں کسی کو کم کلام ہے، جو کچھ کلام ہے وہ اس میں ہے کہ انہوں نے ہر قسم کے راویوں سے ہر قسم کی روایتیں نقد اور تمیز کے بغیر اخذ کیں اور ان کو کتابوں کے اوراق میں مدون کر دیا اور عام لوگوں نے ان مصنفین کی عظمت اور جلالت کو دیکھ کر ان روایتوں کو قبول کر لیا، حالانکہ ان میں نہ صرف ضعیف اور کمزور بلکہ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں اور ان کے سلسلۂ روایت میں ایسے راوی آتے ہیں جن کو محدثین کے دربار میں صف نعال میں بھی جگہ نہیں مل سکتی، ان مصنفین نے یہ کیا کہ ہر قسم کا سلسلۂ روایت لکھ دیا ہے اور لوگ اس سلسلۂ روایت کو دیکھ کر صحیح اور غلط، سچی اور جھوٹی روایت کا خود فیصلہ کر لیں گے، ان روایتوں کی تدوین میں ضروری احتیاطیں مدنظر رکھیں، یا یوں کہو کہ عشق نبویؐ نے فضائل و مناقب کی کثرت کے شوق میں ہر قسم کی روایتوں کے قبول کرنے پر ان کو آمادہ کر دیا، حالانکہ خود اسی جذبۂ عشق اور اسی ولولۂ شوق نے ثقات محدثین اور علم حدیث کے اکابر کو روایتوں اور راویوں کے نقد اور بحث میں اس قدر سخت گیر بنا دیا تھا کہ وہ ایک لفظ بھی تحقیق اور کاوش کے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے اور من کذب علی متعمدا کی دارو گیر سے ہمیشہ ڈرتے اور کانپتے رہتے تھے محدث ابن مندہ نے کتاب الدلائل کے مصنف حافظ ابو نعیم اصفہانی کی نسبت نہایت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں، علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں ان دونوں معاصرین کے درمیان محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لا اعلم لهما ذنبا اكثر من روايتهما الموضوعات ساكتين عنها (ترجمہ ابو نعیم)

مجھے ان دونوں کا اس سے زیادہ کوئی گناہ معلوم نہیں کہ وہ موضوع روایتوں کو خاموشی کے ساتھ روایت کر جاتے ہیں۔

لیکن ثقات محدثین کی بارگاہ میں یہ کوئی معمولی گناہ ہے؟ یہی ان کی خاموشی خدا انہیں معاف کرے آج ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کی بنیاد بن گئی ہے۔

اس سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ ہمارے علمائے رجال نے زیادہ تر ان راویوں کی بحث و تدقیق کی ہے جو پہلی تین صدیوں میں تھے اس لئے چوتھی اور پانچویں صدی کے رواۃ اور رجال کے نام و نشان ہماری موجودہ اسماء الرجال کی کتابوں میں بہت کم ملتے ہیں، اگر تراجم و انساب میں ان کے کچھ حالات مل جاتے ہیں تو محدثانہ حیثیت سے ان پر نقد و تبصرہ نہیں ملتا، اس لئے ان بزرگوں کے شیوخ اور راویوں میں مجہول الحال اشخاص کی بھی کمی نہیں، اس بنا پر ان کتابوں کی روایتوں کی تنقید کرنا نہایت مشکل ہے۔

اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج غالباً چھٹی صدی سے ہوا ہے[1] تتبع سے یہ ثابت ہوا کہ ان روایتوں کا بڑا حصہ ان ہی کتابوں کے ذریعہ سے پھیلا ہے جو ان مجالس کی غرض سے وقتاً فوقتاً لکھی گئیں اور جن کے بکثرت حوالے مواہب لدنیہ میں جا بجا آتے ہیں۔

علامہ سیوطیؒ کی خصائص کبریٰ جو حیدرآباد میں چھپ گئی ہے، معجزات کے موضوع پر سب سے زیادہ مبسوط اور جامع تالیف ہے، علامہ ممدوح نے صحاح ستہ کے علاوہ احمد، سعید ابن منصور، طیالسی، ابن ابی شیبہ، حاکم، ابو یعلی بلکہ ان سے بھی فروتر، بیہقی، ابو نعیم، بزار، ابن سعید، طبرانی، دارمی بلکہ غیر محتاط مصنفوں مثلاً ابن ابی الدنیا، ابن شاہین، ابن ابی النجار، ابن مندہ، ابن مردویہ، ابن عساکر، دیلمی، خرائطی، خطیب وغیرہ کی کتابوں کو اپنا ماخذ بنایا قوی اور ضعیف اور صحیح و غلط ہر قسم کے واقعات کا انبار لگا دیا اور مختلف دفتروں میں جو کچھ پھیلا تھا ان کو خصائص کی دو جلدوں میں یکجا کر دیا، تاہم مصنف کو یہ فخر ہے، جیسا کہ دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ اس تالیف میں موضوع اور بے سند روایتوں سے اگرچہ احتراز کیا گیا ہے لیکن ضعیف روایتیں جن کی سندیں ہیں وہ داخل کر لی گئی ہیں،

غور کے قابل امر یہ ہے کہ بلا امتیاز بھلی بری کسی سند کا موجود ہونا، روایت کی معتبری کی حجت کیونکر ہو سکتی ہے؟ اس سے زیادہ یہ کتاب ہے کہ کتاب میں صحیح و غلط، قوی اور ضعیف، مشہور و منکر ہر قسم کی روایتوں کو ان کے درجہ اور مرتبہ کے ذکر کے بغیر پہلو بہ پہلو وہ لکھتے چلے گئے ہیں، اس لئے عام ناظرین کو یہ پتہ نہیں لگتا کہ اس انبار خانہ میں جہاں جواہرات کا خزانہ ہے وہیں خزف ریزوں کا بھی ڈھیر لگا ہے، پوری کتاب میں شاید دس بیس مقام سے زیادہ نہیں جہاں مصنف نے اپنی روایتوں کے درجہ استناد کا پتہ دیا ہو، اس سے زیادہ یہ کہ بعض واقعات کے متعلق باوجود ان کی شدید روایت پرستی کے، ان کو بتحقیق معلوم تھا کہ صحیح نہیں تاہم چونکہ وہ پہلی کتابوں میں مندرج تھے، ان کی نقل سے احتراز نہیں کیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے موقع پر عام کتب میلاد میں جو عجیب و غریب واقعات مذکور ہیں ان کو تمامہا دلائل ابو نعیم سے نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔

هذه الآثار والتي قبلها فيها نكارة شديدة ولم اورد في كتابي هذا اشد نكارة منها ولم تكن نفسي تطيب بايرادها لكن تبعت الحافظ ابا نعيم في ذلك (خصائص ج ۱ ص ۴۹)

اس روایت اور اس سے پہلے دو روایتوں میں سخت نامعتبر باتیں ہیں اور میں نے اپنی کتاب میں اس سے زیادہ ناقابل اعتبار روایتیں نہیں لکھیں، میرا دل ان کے لکھنے کو نہیں چاہتا تھا لیکن حافظ ابو نعیم کی پیروی کر کے لکھ دیں۔

ایک اور جگہ خطیب کی ایک کتاب سے وفد نجران کے متعلق ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، حالانکہ وہ خود اس روایت کو بے اعتبار سمجھتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں۔

واخرج الخطيب في المتفق والمفترق

خطیب نے المتفق والمفترق میں ایسی سند سے جس میں

[1] الملک المظفر شاہ اربل مولود ۵۴۹ھ متوفی ۶۳۰ھ نے جیسا کہ ابن خلکان نے اس کے حال میں لکھا ہے مولد شریف بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے منایا کرتا، یہ جنگ صلیبی کا زمانہ تھا اس کے لئے ابن دحیہ المتوفی ۶۳۳ھ نے ۶۰۴ھ میں کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر تصنیف کی۔

بسند فیہ مجاہیل (ج ۲ ص ۲۵)

مجہول الحال راوی ہیں بیان کیا ہے

ایک اور مقام پر ایک گدھے کا واقعہ نقل کرتے ہیں جو گدھے کی صورت میں ایک جن تھا اور آپ کی سواری میں آنے کا مشتاق تھا، یہ لوگوں کے گھروں میں جا کر اشارہ سے ان کو بلا لاتا تھا، یہ عجیب جانور آپ کو خیبر میں ملا تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کے مظالم کی داستان سنائی اور جب آپ نے وفات پائی تو فرطِ غم سے اپنے کو کنوئیں میں گرا کر جان دے دی، حافظ سیوطی نے ابن عساکر سے یہ واقعہ خصائص میں نقل کیا ہے اور اس پر بے تعرض کئے گزر گئے ہیں، حالانکہ بعینہٖ اسی واقعہ کے متعلق ابن حبان کے حوالہ سے اپنی دوسری تصنیف اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں لکھتے ہیں کہ یہ سرتاپا موضوع ہے۔

محدث صابونی نے معجزہ کی ایک روایت لکھ کر پھر خود ہی اس پر جرح کی ہے کہ اس کی سند اور متن دونوں غریب ہیں، بایں ہمہ وہ اس کے متعلق آخری رائے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ۔

ھو فی المعجزات حسن۔

معجزات میں وہ حسن (اچھی) ہے۔

اس پر علامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں۔

لان عادتھم المحدثین التساھل فی غیر الاحکام والعقائد (ج ۴ ص ۱۶۲)

یہ اس لئے کہ محدثین کی عادت ہے کہ عقائد اور احکام کے علاوہ دیگر روایتوں میں وہ نرمی برتتے ہیں۔

لیکن کیا یہ اصول صحیح ہے؟ اور من کذب علی متعمدًا کی تہدید سے خالی ہے، معجزات ہوں یا فضائل، ضرور ہے کہ آپ کی طرف جس چیز کی نسبت بھی کی جائے وہ شک و شبہ سے پاک ہو، جیسا کہ امام نووی، حافظ عسقلانی، ابن جماعۃ، طیبی، بلقینی اور علامہ عراقی نے اپنی اپنی تصنیفات میں اس کی تصریح کی ہے۔

معجزات کے متعلق غلط اور موضوع روایتوں کے پیدا ہونے کے اسباب

(۱) ان روایتوں کے پیدا ہونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ مقبولیتِ عام کی بنا پر یہ کام واعظوں اور میلاد خوانوں کے حصہ میں آیا، چونکہ یہ فرقہ علم سے عموماً محروم ہوتا ہے اور صحیح روایات تک اس کی دسترس نہیں ہوتی اور ادھر گرمیٔ محفل اور شورِ احسنت کے لئے اس کو دلچسپ اور عوام فریب باتوں کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی، اس لئے لامحالہ اُن کو اپنی قوتِ اختراع پر زور دینا پڑا، ان میں جو کسی قدر محتاط تھے انہوں نے ان کو لطائفِ صوفیانہ اور مضامینِ شاعرانہ میں ادا کیا، سننے والوں نے ان کو روایت کی حیثیت دے دی یا بعد کو ان ہی بیانات نے روایت کی حیثیت اختیار کر لی اور جو نڈر اور بے احتیاط تھے، انہوں نے یہ پردہ بھی نہیں رکھا بلکہ ایک سند جوڑ کر انہوں نے براہِ راست اس کو حدیث و خبر کا مرتبہ دے دیا، حافظ سیوطی علامہ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

احدھما القصاص ومعظم البلاء منھم یجری لانھم یریدون احادیث تنفق وترقق والصحاح

جھوٹی حدیثیں بنانے والوں میں ایک واعظوں کا گروہ ہے اور سب سے بڑی مصیبت ان ہی سے پیش آتی ہے کیونکہ وہ ایسی حدیثیں چاہتے ہیں

سنہ ۱۳۰۰ ج ۱ ص ۶۲ [1] خصائص سیوطی ج ۱ ص ۵۳ [2] دیکھو موضوعات ملا علی قاری ص ۱ مطبوعہ مجتبائی دہلی۔

یقل فیہ ھذا ثم ان الحفظ یشق علیھم ویتفق عدم الدین وھم یحضرھم جمال۔ (آخر کتاب اللآلی المصنوعہ ص ۲۳۹)

جو مقبولِ عام اور مؤثر ہو سکیں اور صحیح حدیثوں میں یہ بات نہیں اس کے علاوہ صحیح حدیثوں کا یاد رکھنا ان کو مشکل ہے نیز ان کے ساتھ ان میں دینداری نہیں ہوتی اور ان کی محفلوں میں جاہلوں ہی کا مجمع ہوتا ہے

چنانچہ فضائل و مناقب، عذاب و ثواب، بہشت و دوزخ، وقائع میلاد اور معجزات و دلائل کا جو جعلی دفتر پیدا ہو گیا ہے وہ زیادہ تر ان ہی جاہلوں کا ترتیب دیا ہوا ہے۔

علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ تاویل مختلف الحدیث میں جو اب مصر میں چھپ گئی ہے کہتے ہیں کہ احادیث و روایات میں فساد تین راستوں سے آیا، منجملہ ان کے ایک راستہ واعظین ہیں۔

والقصاص فانھم یمیلون وجوہ العوام الیھم ویستدرون ما عندھم بالمناکیر والغرائب والاکاذیب من الاحادیث ومن شان العوام القعود عند القاص ما کان حدیثہ عجیبا خارجا عن فطر العقول او کان رقیقا یحزن القلوب ویستغزر العیون (ص ۳۵۶)

اور واعظین کیونکہ وہ عوام کا رخ اپنی طرف پھیرنا چاہتے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس کو لغو، منکر اور عجیب و غریب باتیں بیان کر کے وصول کرتے ہیں اور عوام کی حالت یہ ہے کہ اسی وقت تک ان واعظین کے پاس بیٹھتے ہیں جب تک وہ خارج از عقل باتیں یا ایسی مؤثر باتیں بیان کیا کرتے ہیں جو اُن کے دلوں میں اثر پیدا کریں اور ان کو رلائیں۔

آپ کی برتری اور جامعیت کا تخیل

(۲) ان روایات کے پیدا ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ مسلمانوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیا ہیں، آپ کامل ترین شریعت لے کر مبعوث ہوئے ہیں، آپ تمام محاسن کے جامع ہیں، یہ اعتقاد بالکل صحیح ہے، لیکن اس کو لوگوں نے غلط طور پر وسعت دے دی ہے اور انبیائے سابقین کے تمام معجزات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جمع کر دیا اور وہ اس اعتقاد کی بدولت تمام مسلمانوں میں پھیل گئے، بیہقی اور ابونعیم نے دلائل میں اور سیوطی نے خصائص میں اعلانیہ دوسرے انبیاء کے معجزات کے مقابل میں ان ہی کے مثل آپ کے معجزات بھی ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے ہیں اور ثابت کرنا چاہا ہے کہ جس طرح آپ کی تعلیم تمام انبیاء کی تعلیمات کا اثر خلاصہ اور مجموعہ ہے، اسی طرح آپ کے معجزات بھی تمام دیگر انبیاء کے معجزات کا مجموعہ ہے اور جو کچھ عام انبیاء سے متفرق طور پر صادر ہوا وہ تمام کا تمام مجموعاً آپ سے صادر رہا، ظاہر ہے کہ اس مماثلت اور مقابلے کے لئے تمام تر صحیح روایتیں دستیاب نہیں ہو سکتیں اس لئے لوگوں نے ان ہی ضعیف اور موضوع روایتوں کے دامن میں پناہ لی، کہیں شاعرانہ تخیل کی بلند پروازی اور نکتہ آفرینی سے کام لیا، مثلاً حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے تمام اسماء کی تعلیم کی، دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی تمام اسماء کی تعلیم دی، حضرت ادریسؑ کے متعلق قرآن میں ہے کہ خدا نے ان کو بلند جگہ میں اٹھایا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندی اس سے بھی آگے قاب قوسین تک ہوئی، حضرت نوحؑ کی طوفان کی دعا اگر قبول ہوئی تو آپ کی قحط کی دعا قبول ہوئی، حضرت صالحؑ کے لئے اونٹنی معجزہ تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹ نے باتیں کیں، حضرت ابراہیمؑ آگ میں نہ جلے آپ سے بھی آتشیں معجزے صادر ہوئے

حضرت اسماعیلؑ کے گلے پر اگر چھری رکھی گئی تو آپؐ کا سینہ بھی چاک کیا گیا، حضرت یعقوبؑ سے بھیڑیئے نے گفتگو کی، روایت کی گئی ہے کہ آپؐ سے بھی بھیڑیا ہم کلام ہوا، ابو نعیم میں حکایت ہے کہ حضرت یوسفؑ کو حسن کا آدھا حصہ عطا کیا گیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا حصہ دیا گیا، حضرت موسیٰؑ کے لئے پتھر سے نہریں جاری ہوئیں، تو آپؐ کی انگلیوں سے پانی بہا، حضرت موسیٰؑ کی لکڑی معجزہ دکھاتی تھی تو آپؐ کے فراق میں چھوہارے کا درخت بھی رویا اور چھوہارے کی خشک ٹہنی تلوار بن گئی، حضرت موسیٰؑ کے لئے بحر احمر شق ہوا تو آپؐ کے لئے معراج میں آسمان و زمین کے درمیان کا دریائے فضا بیچ سے پھٹ گیا، یوشعؑ کے لئے آفتاب ٹھہر گیا تو آپؐ کے اشارے سے آفتاب ڈوب کر نکلا، حضرت عیسیٰؑ نے گہوارہ میں کلام کیا تھا، یہ روایت وضع کی گئی کہ آپؐ نے بھی گہوارے میں کلام کیا اور آپؐ کی زبان سے پہلے تکبیر و تسبیح کی صدا بلند ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا معجزہ مُردوں کو زندہ کرنا ہے اور صرف ان ہی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی یہ معجزہ منسوب کیا گیا، ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی، اس نے کہا جب تک آپؐ میری لڑکی کو زندہ نہ کردیں گے میں ایمان نہ لاؤں گا، چنانچہ آپؐ نے اس کی قبر پر جا کر آواز دی اور وہ زندہ نکل کر باہر آئی اور پھر چلی گئی، اسی طرح یہ روایت بھی گھڑی گئی ہے کہ آپؐ کی والدہ بھی آپ کی دعا سے زندہ ہوئیں اور آپؐ پر ایمان لائیں۔

(۳) قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کے گزشتہ صحیفوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشین گوئیاں ہیں اور ان کے مطابق یہود و نصاریٰ کو ایک آنے والے پیغمبر کا انتظار تھا، اس واقعہ کو دروغ گو راویوں نے یہاں تک وسعت دی کہ یہودیوں کو دن، تاریخ، سال، وقت اور مقام سب کچھ معلوم تھا چنانچہ ولادت نبویؐ سے قبل علمائے یہود ان سب کا پتہ بتایا کرتے تھے اور عیسائی راہبوں کو تو ایک ایک خط و خال معلوم تھا بلکہ پرانے گھرانوں اور ویرانوں اور کنیسوں میں ایسی مخفی کتابیں موجود تھیں، جن میں آپؐ کا تمام حلیہ رکھا تھا اور اگلے لوگ ان کو بہت بہت چھپا کر رکھتے تھے بلکہ بعض دیروں میں تو آپؐ کی تصویر تک موجود تھی، توراۃ و انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض پیشین گوئیاں حقیقت میں موجود تھیں اور وہ آج بھی ہیں لیکن وہ استعارات و کنایات اور مجمل عبارتوں میں ہیں، ان کو ضعیفہ و موضوع روایتوں میں صاف صاف آپؐ کے نام و مقام کی تخصیص و تعیین کے ساتھ پھیلایا گیا۔

عرب میں بُت خانوں کے مجاور اور کاہن تھے جو فال کھولتے تھے اور پیشین گوئیاں کرتے تھے، ان کا ذریعہ علم جنات اور شیاطین تھے، چنانچہ جب آپ کے قرب ولادت کا زمانہ آیا تو عموماً بت خانوں سے اور بتوں کے پیٹ سے آوازیں سنائی دیتی تھیں، کاہن مقفیٰ اور مسجع فقروں میں اور جنات شعروں میں یہ خبر سنایا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا زمانہ قریب آگیا، یمن کے ایک بادشاہ کی طرف آپؐ کی منقبت میں پورا ایک قصیدہ منسوب کیا گیا، ملوک یمن، شاہان فارس اور قریش کے اکابر نے آپؐ کو خواب میں دیکھا، پتھروں پر اسم مبارک لوگوں کو منقوش نظر آتا تھا، قریش کا مورث اعلیٰ کعب بن لوئی ہر جمعہ کو اپنے قبیلے کے لوگوں کو

یکجا کر کے اُن کے سامنے خطبہ دیتا تھا جس میں مسجع فقروں اور شعروں میں آپؐ کے ظہور کی خوشخبری ہوتی تھی، مکہ کے لوگ احبار اور راہبوں کی زبان سے محمد آپؐ کا نام سُن کر اپنے بچوں کا یہی نام رکھتے تھے کہ شاید یہی پیغمبر ہو جائے، مدینہ کے لوگوں کو ان ہی یہودیوں کی زبانی یہ معلوم ہو چکا تھا کہ شہر یثرب آپؐ کا دار الہجرت ہوگا اسی لئے وہ آپؐ کے ورود کے منتظر تھے، سطیح کاہن کا آپؐ کی پیشین گوئی میں ایک طویل افسانہ ہے لیکن اس ذخیرہ کا بڑا حصہ موضوع اور جعلی ہے اور باقی نہایت ضعیف اور کمزور ہے اور ان میں جو ایک آدھ صحیح ہے وہ پہلے گزر چکا ہے۔

شاعرانہ تخیل کو واقعہ سمجھ لینا

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش عالم کی رحمت کا باعث تھی، اس لئے کائنات کا فخر و ناز اس پر بجا ہو سکتا ہے، اگلے واعظوں اور میلاد خوانوں نے اس واقعہ کو شاعرانہ انداز میں اس طرح ادا کیا کہ آمنہ کا کاشانہ نور سے معمور ہو گیا، جانور خوشی سے بولنے لگے پرندے تہنیت کے گیت گانے لگے، مغرب کے چرندوں اور پرندوں نے مشرق کے چرندوں اور پرندوں کو مبارکباد دی، مکہ کے سوکھے درختوں میں بہار آگئی، ستارے زمین پر جھک گئے، آسمانوں کے دروازے کھل گئے، فرشتوں نے ترانہ مسرت بلند کیا، انبیاء نے روئے روشن کی زیارت کی، فرشتوں نے بچہ کو آسمان و زمین کی سیر کرائی، شیطانوں کی فوج پابہ زنجیر کی گئی، پہاڑ غرور سے اونچے ہو گئے، دریا کی موجیں خوشی سے اچھلنے لگیں، درختوں نے سبزی کے نئے جوڑے پہنے، بہشت و جنت کے ایوان نئے سر و سامان سے سجائے گئے وغیرہ، بعد کے واعظوں اور میلاد خوانوں نے اس شاعرانہ انداز بیان کو واقعہ سمجھ لیا اور روایت تیار ہو گئی۔

آئندہ واقعات کو اشارات میں ولادت کے موقع پر بیان کرنا

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں یا بعد کو جو واقعات ظہور پذیر ہوئے ان کا وقوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے زمانہ میں تسلیم کر لیا گیا ہے اور ان کو بحیثیت معجزہ کے آئندہ واقعات کا پیش خیمہ بنایا گیا ہے، مثلاً آپؐ کے زمانہ میں بت پرستی کا استیصال ہو گیا، کسریٰ و قیصر کی سلطنتیں فنا ہو گئیں، ایران کی آتش پرستی کا خاتمہ ہو گیا، شام کا ملک فتح ہوا، ان واقعات کو معجزہ اس طرح بنایا گیا کہ جب آپؐ کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے تمام بت سرنگوں ہو گئے، قصر کسریٰ کے کنگرے ہل گئے، آتشکدہ فارس بجھ کر رہ گیا، بحر ساوہ خشک ہو گئی، ایک نور چمکا جس سے شام کے محل نظر آنے لگے۔

(۶) بعض واقعات ایسے ہیں جن کو کسی حیثیت سے معجزہ نہیں کہا جا سکتا، لیکن تکثیر معجزات کے شوق میں ذرا سا بھی کسی بات میں عجوبہ پن اُن کو نظر آیا تو اس کو مستقل معجزہ بنا لیا، مثلاً حضرت عائشہؓ سے ایک روایت ہے اور وہ مسند امام احمد بن حنبل میں بھی مذکور ہے کہ آپؐ کے گھر میں کوئی پالتو جانور تھا، جب آپ اندر تشریف لاتے تو وہ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ایک جگہ بیٹھا رہتا تھا، جب آپ باہر چلے جاتے تو وہ ادھر اُدھر دوڑنے لگتا تھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانات کو بھی آپؐ کی جلالت قدر اور حفظ مراتب کا پاس تھا اور آپؐ کی عظمت و شان سے واقف تھے، لیکن درحقیقت یہ کوئی معجزہ نہیں بلکہ عام لوگوں سے بھی بعض جانور اسی

طرح ہل مل جاتے ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت جابرؓ سخت بیمار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو گئے تو وہ بے ہوش تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کر کے ان کے منہ پر پانی چھڑکا تو ان کو ہوش آگیا، یہ ایک معمولی واقعہ ہے مگر کتب دلائل کے مصنفین نے اس کو بھی معجزہ قرار دے دیا ہے۔[1]

اسی طرح یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے تھے، یہ روایت متعدد طریقوں سے مروی ہے، مگر ان میں سے کوئی طریقہ بھی ضعف سے خالی نہیں ہے، حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ آپ کا مختون پیدا ہونا متواتر روایتوں سے ثابت ہے اس پر علامہ ذہبی نے تنقید کی ہے کہ تواتر تو کجا صحیح طریق سے ثابت بھی نہیں (مستدرک ج ۲ باب اخبار النبی) اور بقول علامہ ابن قیم (زاد المعاد) اگر یہ ثابت بھی ہو تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ ایسے بچے اکثر پیدا ہوتے ہیں۔

روایات صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے یا سجدہ میں جاتے تھے تو آپ کی بغل کی سپیدی نظر آتی تھی، یہ ایک معمولی بات ہے مگر محب طبری، قرطبی اور سیوطی وغیرہ نے اس کو بھی معجزہ اور آپ کا خاصہ قرار دے دیا ہے۔

معجزات کی تعداد بڑھانے کے شوق میں کتب دلائل کے مصنفین نے یہ بھی کیا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی روایت میں اگر مختلف سلسلہ سند کے راویوں میں باہم موقع، مقام یا کسی اور بات میں ذرا سا بھی اختلاف نظر آیا تو اس کو چند واقعہ قرار دے دیا، مثلاً ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک اونٹ جو دیوانہ ہو گیا تھا یا بگڑ گیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس کے پاس گئے تو اس نے مطیعانہ سر ڈال دیا، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ جب جانور آپ کے سامنے سر جھکاتے ہیں تو ہم کو انسان ہو کر مزید آپ کے سامنے سربسجود ہونا چاہئے، آپ نے فرمایا، اگر میں کسی انسان کو سجدہ کرنا روا رکھتا تو بیوی کو کہتا کہ شوہر کو سجدہ کرے، یہ ایک ہی واقعہ ہے جو ذرا ذرا سے اختلاف بیان کی بنا پر چودہ پندرہ واقعات بن گئے ہیں۔

الفاظ کے نقل میں بے احتیاطی

(۷) ان کتابوں میں بعض معجزات ایسے مذکور ہیں جن کی اصل صحاح میں مذکور ہے اور اس طرح مذکور ہے کہ وہ کوئی معجزہ نہیں بلکہ معمولی واقعہ ہے لیکن نیچے درجے کی روایتوں میں بے احتیاط راویوں نے الفاظ کے ذرا الٹ پھیر سے اس کو معجزہ قرار دے دیا، صحاح کی متعدد روایتوں میں ہے کہ شانۂ مبارک پر ابھرا ہوا گوشت تھا جس کو "خاتم نبوت" کہتے تھے اور آپ کی انگشت مبارک میں جو نقرئی خاتم (چاندی کی انگوٹھی) تھی، اس پر "محمد رسول اللہ" منقوش تھا، بے احتیاط راویوں نے ان دونوں واقعوں کو ملا دیا اور اس طرح واقعہ کی صورت حاکم کی تاریخ نیشاپور، ابن عساکر کی تاریخ دمشق اور ابو نعیم کی دلائل میں جا کر یوں ہو جاتی ہے کہ پشت مبارک کے گوشت کی خاتم نبوت پر کلمہ وغیرہ کی عبارتیں لکھی تھیں۔

[1] خصائص کبریٰ سیوطی جلد دوم ص ۱ حیدرآباد دکن۔

مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت

دلائل و معجزات کے باب میں موضوع، منکر، ضعیف، غرض ہر قسم کی قابل اعتراض روایات کا اتنا بڑا انبار ہے کہ اگر ایک ایک کر کے اس کی جانچ پڑتال کی جاتے تو ایک مستقل ضخیم جلد تیار ہو جائے، لیکن یہاں اس کا موقع نہیں، اس لئے ہم صرف ان روایتوں کی تنقید پر قناعت کرتے ہیں جو عام طور سے ہمارے ملک میں مشہور ہیں اور میلاد کی محفلوں میں ان کو بصد شوق و ذوق پڑھا اور سنا جاتا ہے۔

(۱) اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ روایت آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح و قلم، عرش و کرسی، جن و انس غرض سب سے پہلے نور محمدیؐ کو پیدا کیا اور پھر لوح و قلم، عرش و کرسی، آسمان و زمین، ارواح و ملائکہ سب چیزیں اسی نور سے پیدا ہوئیں، اس کے متعلق اول ما خلق اللہ نوری یعنی سب سے پہلے خدا نے میرا نور پیدا کیا۔ کی روایت عام طور سے زبانوں پر جاری ہے، مگر اس روایت کا پتہ احادیث کے دفتر میں مجھے نہیں ملا، البتہ ایک روایت مصنف عبد الرزاق میں ہے یا جابر اول ما خلق اللہ نور نبیک من نورہ۔ اے جابر سب سے پہلے خدا نے تیرے پیغمبر کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ اس کے بعد ذکر ہے کہ اس نور کے چار حصے ہوئے اور انہی سے لوح و قلم، عرش و کرسی، آسمان و زمین اور جن و انس کی پیدائش ہوئی۔

زرقانی وغیرہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے مگر افسوس ہے کہ اس کی سند نہیں لکھی، ہندوستان میں مصنف عبد الرزاق کی گو دوسری جلد ملتی ہے مگر پہلی نہیں ملتی، دوسری جلد دیکھی گئی اس میں یہ حدیث مذکور نہیں اس لئے اس روایت کی تنقید نہ ہو سکی، اور چونکہ کتاب مذکور میں صحیح حدیثوں کے ساتھ ساتھ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں اور فضائل و مناقب میں اس کی روایتوں کا اعتبار کم کیا جاتا ہے، اس لئے اصولی حیثیت سے اس روایت کے تسلیم کرنے میں مجھے پس و پیش ہے،[1] اس تردد کو قوت اس سے اور بھی زیادہ ہوتی ہے کہ صحیح احادیث میں مخلوقات الٰہی میں سب سے پہلے "قلم تقدیر" کی پیدائش کا تصریحی بیان ہے کہ اول ما خلق اللہ القلم۔[2]

(۲) روایتوں میں ہے کہ یہ نور پہلے ہزاروں برس سجدہ میں پڑا رہا، پھر حضرت آدمؑ کے تیرہ و تار جسم کا چراغ بنا پھر آدمؑ نے مرتے وقت شیثؑ کو اپنا وصی بنا کر یہ نور ان کے سپرد کیا، اسی طرح یہ درجہ بدرجہ ایک سے دوسرے پیغمبر کو سپرد ہوتا رہا اور حضرت عبد اللہ کو سپرد ہوا اور حضرت عبد اللہ سے حضرت آمنہ کو منتقل ہوا، نور کا سجدہ میں پڑے رہنا اور اس کا موجود ہونا بالکل موضوع ہے اور نور کا ایک دوسرے وصی کو درجہ بدرجہ منتقل ہوتا رہنا

[1] بعض ارباب سیر نے اس بنا پر کہ فضائل میں ہر قسم کی روایات قبول کر لی جاتی ہیں اور خصوصاً جبکہ اس کی تائید ان کے خیال میں دوسرے طریقوں سے ہوتی ہے، اس روایت کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۴۳ مگر جو علما ہر قسم کی روایت میں صحت کے پہلو کا خیال ضروری سمجھتے ہیں ان کو اس میں کلام ہے البتہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انبیاء میں اول مخلوق ہونا ثابت ہے

[2] جامع ترمذی کتاب القدر، ان علماء نے جنہوں نے اول ما خلق اللہ نوری کو قبول کر لیا ہے، نور محمدی اور قلم کی اولیت پیدائش پر تطبیق کی کوشش کی ہے۔

بے سروپا ہے، طبقات ابن سعد اور طبرانی اور ابو نعیم اور بزار میں اس آیت پاک،

اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۙ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ (شعراء) — وہ خدا جو تجھ کو دیکھتا ہے جب تو تہجد کی نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں تیرے الٹ پھیر کو بھی دیکھتا ہے۔

کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبروں کی پشت بہ پشت منتقل ہونا خدا دیکھ رہا تھا، لیکن اول تو پوری آیت کے الفاظ اور سیاق اس مطلب کا ساتھ نہیں دیتے اور دوسرے یہ روایت اعتبار کے قابل نہیں۔

(۳) روایت ہے کہ یہ نور جب (بلوغ کے وقت) عبد المطلب کو سپرد ہوا تو وہ ایک دن خانہ کعبہ میں سوئے ہوئے تھے سو کر اٹھے تو دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل لگا ہے اور بدن پر جمال و رونق کا خلعت ہے، یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے، آخر کار ان کے باپ ان کو قریش کے ایک کاہن کے پاس لے گئے اس نے کہا کہ آسمانوں کے خدا نے اجازت دی ہے کہ اس لڑکے کا نکاح کر دیا جائے، اس نور کے اثر سے عبد المطلب کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور وہ نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا، قریش پر قحط وغیرہ کی جب کوئی مصیبت آتی تھی تو وہ اس نور کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے تو قبول ہوتی تھی۔

یہ روایت ابو سعد نیشاپوری (المتوفی ۴۰۶ھ) نے اپنی کتاب شرف المصطفیٰ میں ابو بکر بن ابی مریم کے واسطہ سے کعب احبار (نو مسلم یہودی) تابعی سے نقل کی ہے، اول تو یہ سلسلہ ایک تابعی تک موقوف ہے اور آگے کی سند نہیں، علاوہ ازیں کعب احبار گو نو مسلم اسرائیلیوں میں سب سے بہتر سمجھے جاتے ہیں تاہم امام بخاری ان کے کذب کا تجربہ بیان کرتے ہیں، اسلام میں اسرائیلیات اور عجیب و غریب حوادث کی روایات کے سرچشمہ یہی ہیں بیچ کا راوی ابو بکر ابن ابی مریم باتفاق محدثین ضعیف ہے، ان کا دماغ ایک حادثہ کے باعث ٹھیک نہیں رہا تھا

(۴) ابو نعیم، حاکم، بیہقی اور طبرانی میں ایک روایت ہے کہ عبد المطلب یمن گئے تھے، وہاں ایک کاہن ان کے پاس آیا اور ان کی اجازت سے ان کے دونوں نتھنوں کو دیکھ کر بتایا کہ ایک ہاتھ میں نبوت اور دوسرے میں بادشاہی کی علامت ہے، تم بنو زہرہ کی کسی لڑکی سے جا کر شادی کرو، ان مصنفوں کا مشترک راوی عبد العزیز بن عمران الزہری ہے، اس کی نسبت میزان میں ہے کہ امام بخاری نے کہا، اس کی حدیث نہ لکھی جائے، نسائی نے کہا متروک ہے، یحییٰ نے کہا شعر و شاعری کا آدمی ہے، ثقہ نہ تھا، عبد العزیز کے بعد کا راوی اس میں یعقوب بن زہری ہے جس کی نسبت ابن معین کہتے ہیں کہ اگر ثقات سے روایت کرے تو خیر لکھو، ابو زرعہ نے کہا، وہ کچھ نہیں وہ واقدی کے برابر ہے، امام احمد نے کہا وہ کچھ نہیں اس کی حدیث لاشے کے برابر ہے، ساجی نے کہا وہ منکر الحدیث ہے علاوہ ازیں اس روایت میں بعض اور مجہول بھی ہیں، حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے لیکن امام ذہبی نے نقد مستدرک میں یعقوب اور عبد العزیز دونوں کو ضعیف کہا ہے۔

(۵) روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ کی پیشانی میں جب یہ نور چمکا تو ایک عورت جو کاہنہ تھی، اس نے نور کو پہچانا اور چاہا کہ وہ خود عبد اللہ سے ہم بستر ہو کر اس نور کی امین بن جائے مگر یہ سعادت اس کی قسمت میں نہ تھی،

اس وقت عبد اللہ نے عذر کیا اور گھر چلے گئے، وہاں یہ دولت آمنہ کو نصیب ہوئی، عبد اللہ نے واپس آ کر اس کاہنہ سے اب خود درخواست کی تو اس نے رد کر دی کہ اب وہ نور تمہاری پیشانی سے منتقل ہو چکا۔

یہ روایت الفاظ اور جزئیات کے اختلاف کے ساتھ ابن سعد، خرائطی، ابن عساکر، بیہقی اور ابو نعیم میں مذکور ہے، ابن سعد میں تین طریقوں سے اس کی روایت ہے، ایک طریقہ میں پہلا راوی واقدی ہے، دوسرے میں کلبی ہے، یہ دونوں مشہور دروغ گو ہیں، تیسرا طریقہ ابو یزید مدنی تابعی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، ابو یزید مدنی کی اگرچہ بعض ائمہ نے توثیق کی ہے مگر مدینہ کے شیخ الکل امام مالک فرماتے ہیں کہ میں اس کو نہیں جانتا، ابو زرعہ نے کہا مجھے معلوم نہیں، ابو نعیم نے چار طریقوں سے اس کی روایت کی ہے لیکن کوئی ان میں قابل وثوق نہیں، ایک طریقہ میں نضر بن سلمہ اور احمد بن محمد بن عبد العزیز بن عمر و الزہری اور یہ تینوں نامعتبر ہیں، تیسرے سلسلہ میں مسلم بن خالد الزنجی ہیں جو ضعیف سمجھے جاتے ہیں اور متعدد مجاہیل ہیں، چوتھا طریقہ یزید بن شہاب الزہری پر ختم ہے اور وہ اپنے آگے کا سلسلہ نہیں بتاتے اور ان کا حال بھی نہیں معلوم، بیہقی کا سلسلہ وہی تیسرا ہے، خرائطی اور ابن عساکر کا یوں بھی اعتبار نہیں۔

(۶) حضرت عباسؓ سے روایت کی گئی ہے کہ عبد مناف اور قبیلہ مخزوم کی دو سو عورتیں گنی گئیں کہ جنہوں نے اس غم میں کہ عبد اللہ سے ان کو یہ دولت حاصل نہ ہوئی وہ مر گئیں، لیکن انہوں نے شادی نہ کی (یعنی عمر بھر کنواری رہیں) اور قریش کی کوئی عورت نہ بچی جو اس غم میں بیمار نہ پڑ گئی ہو، یہی حکایت ہے جس کا غلط ترجمہ اردو مؤلفین میلاد نے یہ کیا ہے کہ اس رات دو سو عورتیں رشک و حسد سے مر گئیں، یہ روایت سند کے بغیر زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں بصیغہ روی یعنی بیان کیا گیا ہے، مذکور ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود مصنف کو بھی اس کے صحت میں کلام ہے، یہ درحقیقت بالکل بے سند اور بے اصل روایت ہے اور کسی معتبر کتاب میں اس کا پتہ نہیں۔

(۷) روایت ہے کہ اس رات کو کسریٰ کے محل میں زلزلہ پڑ گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور ساوہ کی نہر واقع (فارس) اور بعض روایتوں میں طبریہ کی نہر (واقع شام) خشک ہو گئی اور فارس کا آتش کدہ جو ہزار دن برس سے روشن تھا، بجھ گیا اور کسریٰ نے ایک ہولناک خواب دیکھا جس کی تعبیر یمن کے ایک کاہن سطیح سے دریافت کی گئی، یہ قصہ بیہقی، خرائطی، ابن عساکر اور ابو نعیم میں سند اور سلسلہ روایت کے ساتھ مذکور ہے، ان سب کا مرکزی راوی مخزوم ابن ہانی ہے جو اپنے باپ ہانی مخزومی (قریش) سے جس کی ڈیڑھ سو برس کی عمر تھی بیان کرتا ہے، ہانی کے نام کا کوئی صحابی جو مخزومی قریشی ہو اور جو ڈیڑھ سو برس کی عمر رکھتا ہو معلوم نہیں، اصابہ وغیرہ میں اسی روایت کے سلسلہ میں ان کا نام مشکوک طریقہ سے آیا ہے، ان کے صاحبزادہ مخزوم بن ہانی سے محدثین میں بھی کوئی شناسا نہیں، نیچے کے راویوں کا بھی یہی حال ہے، یہاں تک کہ ابن عساکر جیسے ضعیف روایتوں کے سرپرست بھی اس روایت کو غریب کہنے کی جرأت کرتے ہیں اور ابن حجر جیسے کمزور روایتوں کے سہارا اور پشت پناہ بھی اس کو مرسل ماننے کو تیار ہیں، ابو نعیم کی روایت میں محمد بن جعفر بن امین مشہور وضاع ہے۔

(۸) روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوتے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی ماں شفا بنت اوس ولادت کے وقت زچہ خانہ میں موجود تھیں، وہ کہتی ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو پہلے غیب سے ایک آواز آئی، پھر مشرق و مغرب کی ساری زمین میرے سامنے روشن ہو گئی، یہاں تک کہ شام کے محل مجھ کو نظر آنے لگے، میں نے آپ کو کپڑا پہنا کر لٹایا ہی تھا کہ اندھیرا چھا گیا اور میں ڈر کر کانپنے لگی، پھر داہنی طرف سے کچھ روشنی نکلی تو آواز سنی کہ کہاں لے گئے تھے؟ جواب ملا کہ مغرب کی سمت۔ ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ پھر وہی کیفیت پیدا ہوئی میں ڈر کر کانپی اور آواز آئی کہ کہاں لے گئے تھے؟ جواب ملا کہ مشرق کی سمت۔ یہ حکایت ابونعیم میں ہے اس کے بیچ کا راوی احمد بن محمد بن عبدالعزیز زہری نامعتبر ہے اور اس کے دوسرے رواۃ مجہول الحال ہیں۔

(۹) روایت ہے کہ حضرت آمنہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے، اے آمنہ تیرا بچہ تمام جہان کا سردار ہوگا جب پیدا ہو تو اس کے نام احمد اور محمد رکھنا اور یہ تعویذ اس کے گلے میں ڈالنا، جب وہ بیدار ہوئیں تو سونے کے پتر پر یہ اشعار لکھے ملے (اس کے بعد اشعار ہیں) یہ قصہ ابونعیم میں ہے جس کا راوی ابوغزیہ محمد بن موسیٰ انصاری ہے جس کی روایتوں کو امام بخاری منکر کہتے ہیں، ابن حبان کا بیان ہے کہ دوسروں کی حدیثیں چرایا کرتا تھا اور ثقات سے موضوع روایتیں بنا کر بیان کیا کرتا تھا، متاخرین میں حافظ عراقی نے اس روایت کو بے اصل اور شامی نے بہت ہی ضعیف کہا ہے، ابن اسحاق نے بھی اس کو بے سند روایت کہا ہے، ابن سعد میں یہ روایت واقدی کے حوالہ سے ہے جس کی دروغ گوئی محتاج بیان نہیں۔

(۱۰) روایت: عثمانؓ بن ابی العاص صحابی کی ماں ولادت کے وقت موجود تھیں، وہ کہتی ہیں کہ جب آمنہ کو دردِ زہ ہوا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام ستارے زمین پر جھکے آتے ہیں، یہاں تک کہ میں ڈری کہ کہیں زمین پر نہ گر پڑیں اور جب پیدا ہوئے تو جدھر نظر جاتی تھی تمام گھر روشنی سے معمور تھا، یہ قصہ ابونعیم، طبرانی اور بیہقی میں مذکور ہے، اس کے رواۃ میں یعقوب بن محمد زہری پایۂ اعتبار سے ساقط ہے اور عبدالعزیز بن عمر بن عبدالرحمٰن بن عوف ایک محض داستان گو اور جھوٹا تھا۔

(۱۱) روایت: حضرت آمنہ کہتی ہیں کہ مجھے ایام حمل میں حمل کی کوئی علامت معلوم نہ ہوئی اور عورتوں کو ان ایام میں جو گرانی اور تکلیف محسوس ہوتی ہے وہ بھی نہ ہوئی، بجز اس کے کہ معمول میں فرق آ گیا تھا، قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس قصہ کو ابن اسحاق اور ابونعیم کے حوالہ سے بیان کیا ہے، لیکن ابن اسحاق کا جو نسخہ ابن ہشام کے نام سے مشہور اور چھپا ہوا ہے اور نیز دلائل ابونعیم کے مطبوعہ نسخہ میں تو اس قسم کا کوئی واقعہ مذکور نہیں، قسطلانی کی پیروی میں دوسرے بے احتیاط متاخرین مثلاً صاحب سیرت حلبیہ اور مصنف خمیس نے بھی ابن اسحاق اور ابونعیم ہی کی طرف اس روایت کی نسبت کی ہے، لیکن ابن سیدالناس نے عیون الاثر میں بجا طور سے اس روایت کے سلسلے واقدی کا حوالہ دیا ہے، دراصل یہ قصہ ابن سعد نے نقل کیا ہے اور اس کی روایت کے دو سلسلے لکھے ہیں، مگر ان میں سے ہر ایک کا سر سلسلہ واقدی ہے اور اس کی نسبت محدثین کی رائے پوشیدہ نہیں علاوہ ازیں ان میں سے کوئی سلسلہ بھی مرفوع نہیں، پہلا سلسلہ عبداللہ بن وہب پر ختم ہوتا ہے جو اپنی پھوپھی

سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ ہم یہ سنا کرتے تھے ..... دوسرے سلسلہ کو واقدی زہری پر جا کر ختم کر دیتا ہے۔

(۱۲) ایک روایت اس کے بالکل برخلاف ابن سعد میں یہ ہے کہ غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت و عظمت کے باعث حضرت آمنہ کو سخت گرانی اور بار محسوس ہوتا تھا، وہ کہا کرتی تھیں کہ میرے پیٹ میں کئی بچے رہے، مگر اس بچہ سے زیادہ بھاری اور گراں مجھے کوئی نہیں معلوم ہوا، اول تو یہ روایت معروف اور مسلّم واقعہ کے خلاف ہے، حضرت آمنہ کے ایک کے سوا کوئی اور بچہ ہوا اور نہ حمل رہا، دوسرے یہ کہ اس روایت کا سلسلہ ناتمام ہے، اسی معنی کی ایک اور روایت شدادؓ بن اوس صحابی کی زبانی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے والدین کا پہلوٹا ہوں، جب میں شکم میں تھا تو میری ماں عام عورتوں سے بہت زیادہ گرانی محسوس کرتی تھی (کنز العمال کتاب الفضائل)، معافی بن زکریا القاضی نے اس روایت پر اتنی ہی جرح کی ہے کہ یہ منقطع ہے یعنی شداد بن اوس اور ان کے بعد کے راوی مکحول میں ملاقات نہیں، اس لئے بیچ میں ایک راوی کم ہے حالانکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس کا پہلا راوی عمر بن صبیح کذاب، وضاع اور متروک تھا۔

(۱۳) روایت: جب ولادت کا وقت آیا، خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آسمانوں اور بہشتوں کے دروازے کھول دو، فرشتے باہم بشارت دیتے پھرتے تھے، سورج نے نور کا نیا جوڑا پہنا، اس دنیا کی تمام عورتوں کو یہ رعایت ملی کہ سب فرزند نرینہ جنیں، درختوں میں پھل آ گئے، آسمان میں زبرجد و یاقوت کے ستون کھڑے کئے گئے نہر کوثر کے کنارے مشک خالص کے درخت اگائے گئے، مکہ کے بت اوندھے ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔

یہ حکایت مواہب لدنیہ اور خصائص کبریٰ میں ابونعیم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے، لیکن ابونعیم کی دلائل النبوۃ کے مطبوعہ نسخہ میں جہاں اس کا موقع ہو سکتا تھا وہاں یہ روایت مجھ کو نہیں ملی، ممکن ہے کہ ابونعیم نے اپنی کسی اور کتاب میں یہ روایت لکھی ہو یا یہ مطبوعہ نسخہ نامکمل ہو، بہرحال اس روایت کی بنا صرف اس قدر ہے کہ ابونعیم جو چوتھی صدی کے ایک راوی عمرو بن قتیبہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد قتیبہ جو بڑے فاضل تھے یہ بیان کرتے تھے، قسطلانی نے مواہب میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ وہ مطعون ہے، حافظ سیوطی نے خصائص میں اس کو منکر کہا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام تر بے سند اور موضوع ہے۔

(۱۴) روایت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حمل میں ہونے کی جو نشانیاں تھیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس رات کو قریش کے سب جانور بولنے لگے اور کہنے لگے کہ کعبہ کے خدا کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شکم مادر میں آ گئے، وہ دنیا جہان کی امان اور اہل دنیا کے چراغ ہیں، قریش اور دیگر قبائل کی کاہنہ عورتوں میں کوئی عورت ایسی نہ تھی کہ اس کا جن اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو گیا ہو اور ان سے کہانت کا علم چھین لیا گیا اور دنیا کے تمام بادشاہوں کے تخت اوندھے ہو گئے اور سلاطین اس دن گونگے ہو گئے مشرق کے وحشی جانوروں نے مغرب کے وحشی جانوروں کو جا کر بشارت دی، اسی طرح ایک دریا نے

دوسرے دریا کو خوشخبری سنائی اور پورے ایامِ حمل میں ہر ماہ آسمان و زمین سے یہ ندا سُنی جانے لگی کہ بشارت کہ حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمین پر ظاہر ہونے کا زمانہ قریب آیا، حضرت کی والدہ فرماتی تھیں کہ جب میرے حمل کے چھ مہینے گزر رے تو خواب میں کسی نے مجھ کو پاؤں سے ٹھوکر دے کر کہا کہ اے آمنہ! جہان کا سردار تیرے پیٹ میں ہے، جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمدؐ رکھنا اور اپنی حالت کو چھپاتے کہتی ہیں کہ جب ولادت کا زمانہ آیا تو عورتوں کو جو پیش آتا ہے وہ مجھ کو بھی پیش آیا اور کسی کو میری اس حالت کی خبر نہ تھی، میں گھر میں تنہا تھی، عبدالمطلب خانہ کعبہ کے طواف کو گئے تھے تو میں نے ایک زور کی آواز سُنی جس سے میں ڈر گئی، میں نے دیکھا کہ ایک سپید مرغ ہے جو اپنے بازو کو میرے دل پر مل رہا ہے، اس سے میری تمام وحشت دور ہو گئی اور درد کی تکلیف بھی جاتی رہی، پھر ایک طرف دیکھا کہ سپید شربت ہے، پیاسی تھی، دودھ سمجھ کر اس کو پی گئی، اس کے پینے سے ایک نور مجھ سے نکل کر بلند ہوا پھر میں نے دیکھا کہ چند عورتیں جن کے قد لمبے لمبے ہیں گویا عبدالمطلب کی بیٹیاں ہیں، وہ مجھے غور سے دیکھ رہی ہیں، میں تعجب کر رہی ہوں کہ ان کو کیسے میرا حال معلوم ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان عورتوں نے کہا، کہ ہم فرعون کی بیوی آسیہ اور عمران کی بیٹی مریم اور یہ حوریں ہیں، میرا درد بڑھ گیا اور ہر گھڑی آواز اور زیادہ بلند تھی اور خوف ناک ہوتی جاتی تھی، اتنے میں ایک سپید دیبا کی چادر آسمان و زمین کے درمیان پھیلی نظر آئی اور آواز آئی کہ، اس کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپا لو، میں نے دیکھا کہ چند مرد ہوا میں معلق ہیں، ان کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے ہیں اور میرے بدن سے موتی کی طرح پسینہ کے قطرے ٹپک رہے تھے جس میں مشکِ خالص سے بہتر خوشبو تھی اور میں دل میں کہہ رہی تھی کہ کاش عبدالمطلب اس وقت پاس ہوتے، پھر میں نے پرندوں کا ایک غول دیکھا جو نہیں معلوم کدھر سے آئے، وہ میرے کمرے میں گھس آئے، ان کی منقاریں زمرد کی اور بازو یاقوت کے تھے، میری آنکھوں سے اس وقت پردے اٹھا دیئے گئے تو اس وقت مشرق و مغرب سب میری نگاہوں کے سامنے تھے، تین جھنڈے نظر آئے، ایک مشرق میں ایک مغرب میں اور ایک خانہ کعبہ کی چھت پر، اب درد زیادہ بڑھ گیا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مجھے کچھ عورتیں ٹیک لگائے بیٹھی ہیں اور اتنی عورتیں بھر گئیں کہ مجھے گھر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی، اسی اثنا میں بچہ پیدا ہوا، میں نے پھر کر دیکھا تو وہ سجدہ میں پڑا تھا اور دو انگلیوں کو آسمان کی طرف دعا کی طرح اٹھاتے تھا، پھر ایک سیاہ بادل نظر آیا جو آسمان سے اُتر کر نیچے آیا اور بچہ پر چھا گیا اور بچہ میری نگاہ سے چھپ گیا، اتنے میں ایک منادی سُنی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زمین کے پورب اور پچھم گھما دو اور سمندروں کے اندر لے جاؤ کہ سب اس کے نام نامی اور شکل و صورت کو پہچان لیں اور جان لیں کہ یہ مٹانے والے ہیں، یہ اپنے زمانہ میں شرک کا نام و نشان مٹا دیں گے، پھر تھوڑی ہی دیر میں بادل ہٹ گیا اور آپ دودھ سے زیادہ سفید کپڑے میں لپٹے نظر آئے جس کے نیچے سبز ریشم تھا، ہاتھوں میں سفید موتیوں کی تین کنجیاں تھیں، اور ایک آواز آئی کہ محمدؐ کو فتح و نصرت اور نبوت کی کنجیاں دی گئی ہیں۔

میں نے دل پر جبر کر کے یہ پوری حکایت نقل کی ہے، یہ اس لئے کہ میلاد کے عام جلسوں کی رونق ان ہی روایتوں سے ہے، یہ روایت ابونعیم میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے اور سند کا سلسلہ بھی ہر طرح درست ہے مگر اگر کسی کو اسماء الرجال سے آگاہی نہ بھی ہو اور وہ صرف ادبِ عربی کا صحیح ذوق رکھتا ہو تو وہ فقط روایت کے الفاظ اور عبارت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر دے گا کہ یہ تیسری چوتھی صدی کی بنائی ہوئی ہے اس روایت میں یحییٰ بن عبداللہ البابلی اور ابوبکر بن ابی مریم ہیں، پہلا شخص بالکل ضعیف ہے اور دوسرا ناقابلِ حجت ہے ان کے آگے کے راوی سعید بن عمرو الانصاری از ان کے باپ عمرو الانصاری کا کوئی پتہ نہیں۔

(۱۵) اسی قسم کی ایک اور روایت حضرت عباسؓ سے نقل کی جاتی ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے چھوٹے بھائی عبداللہ جب پیدا ہوئے تو اُن کے چہرے پر سورج کی سی روشنی تھی اور والد نے ایک دفعہ خواب دیکھا، بنو مخزوم کی ایک کاہنہ نے یہ خواب سُن کر پیشین گوئی کی کہ اس لڑکے کی پشت سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تمام دنیا پر حکومت کرے گا، جب آمنہ کے شکم سے بچہ پیدا ہوا تو میں نے ان سے پوچھا کہ ولادت کے اثنا میں تم کو کیا کیا نظر آیا؟ انہوں نے کہا کہ جب مجھے درد ہونے لگا تو میں نے بڑے زور کی آواز سُنی جو انسانوں کی آواز کی طرح نہ تھی اور سبز ریشم کا پھریرا یاقوت کے جھنڈے میں لگا ہوا آسمان و زمین کے بیچ میں گڑا نظر آیا اور میں نے دیکھا کہ بچہ کے سر سے روشنی کی کرنیں نکل نکل کر آسمان تک جاتی ہیں، شام کے تمام محل آگ کا شعلہ معلوم ہوتے تھے اور اپنے پاس مرغابیوں کا ایک جھنڈ دکھائی دیا جس نے بچہ کو سجدہ کیا، پھر اپنے پروں کو کھول دیا۔ اور سعیرہ اسدیہ کو دیکھا کہ وہ کہتی ہوئی گزری کہ تیرے اس بچہ نے بُتوں اور کاہنوں کو بڑا صدمہ پہنچایا، ہائے سعیرہ ہلاک ہو گئی، پھر ایک بلند و بالا سپید رنگ جوان نظر آیا جس نے بچہ کو میرے ہاتھ سے لیا اور اس کے منہ میں اپنا لعابِ دہن لگایا، اس کے ہاتھ میں سونے کا طشت تھا، بچہ کے پیٹ کو پھاڑا، پھر اس کے دل کو نکالا، اس میں سے ایک سیاہ داغ نکال کر پھینک دیا، پھر سبز حریر کی ایک تھیلی کھولی، اس میں سے ایک انگوٹھی نکال کر مونڈھے کے برابر مہر کی اور اس کو ایک کُرتہ پہنا دیا۔ اے عباس یہ میں نے دیکھا۔

اس روایت کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے کہ ناقلین نے اس کے ضعف کو خود تسلیم کیا ہے اور حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ اس روایت اور اس سے پہلے کی دو روایتوں (۱۳، ۱۴) میں سخت نکارت ہے اور میں نے اپنی اس کتاب (خصائص) میں ان تینوں سے زیادہ منکر کوئی روایت نقل نہیں کی اور میرا دل ان کے لکھنے کو نہیں چاہتا تھا لیکن میں نے محض ابونعیم کی تقلید میں لکھ دیا ہے، جن روایتوں کو حافظ سیوطی لکھنے کے قابل نہ سمجھیں، آپ ان کے ضعف کے درجہ کو سمجھ سکتے ہیں، سیوطی اس روایت کا ماخذ ابونعیم کو بتاتے ہیں مگر یہ روایت دلائل ابی نعیم کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں ملی، یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی دو سال بڑے تھے، جب آمنہ نے وفات پائی تو وہ سات آٹھ برس کے بچہ ہوں گے۔

(۱۶) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آمنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا قصہ بیان کر رہی

تھیں کہ میں حیرت میں تھی کہ تین آدمی دکھائی دیئے جن کے چہرے سورج کی طرح چمک رہے تھے، ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ تھا جس سے مشک کی سی خوشبو آ رہی تھی، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت تھا جس کے چار گوشے تھے اور ہر گوشہ میں سپید موتی رکھا تھا اور ایک آواز آئی اے حبیب اللہ! یہ پوری دنیا پورب پچھم، خشکی و تری سب مجسم ہو کر آئی ہے، اس کے جس گوشہ کو چاہیئے مٹھی میں لے لیجیئے، آمنہ کہتی ہیں کہ میں نے گھوم کر دیکھا کہ بچہ کہاں ہاتھ رکھتا ہے؛ میں نے دیکھا کہ اس نے بیچ میں ہاتھ رکھا تو کہنے والے کی آواز سُنی کر محمدؐ نے کعبہ کے خدا کی قسم! کعبہ پر قبضہ کر لیا، ہاں یہ کعبہ اس کا قبلہ اور مسکن بنے گا، تیسرے کے ہاتھ میں سپید حریر لپٹا تھا، اس نے اس کو کھولا تو اس میں ایک انگوٹھی نکلی جس کو دیکھ کر دیکھنے والوں کی آنکھیں حیرت کرتی تھیں، پھر وہ میرے پاس آیا تو طشت والے نے اس انگوٹھی کو لے کر اس آفتابہ سے سات بار اس کو دھویا اور بچہ کے مونڈھے پر مہر کر دی، اور حریر میں اس کو لپیٹ کر مشک خالص کے تاگے سے اس کو باندھ دیا اور تھوڑی دیر تک اپنے بازوؤں میں لپٹائے رکھا، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ رضوان جنت تھا، پھر بچے کے کان میں کچھ کہا جس کو آمنہ کہتی ہیں کہ میں سمجھ نہ سکی اور پھر اس نے کہا، اے محمدؐ! بشارت ہو کہ کسی نبی کو کوئی ایسا علم عطا نہیں کیا گیا جو تم کو نہیں بتا دیا گیا، تم سب پیغمبروں سے زیادہ شجاع بنائے گئے تم کو فتح و نصرت کی کنجی دی گئی اور رعب و داب بخشا گیا جو تمہارا نام سنے گا اس نے تم کو کبھی دیکھا بھی نہ ہو تو وہ کانپ جائے گا کہ اے خدا کے خلیفہ!

اس روایت کا ماخذ یہ ہے کہ یحییٰ بن عائذ المتوفی ۳۰۶ھ نے اپنی کتاب میلاد میں اس کا ذکر کیا ہے، ابن دحیہ محدث نے بڑی جرأت کر کے اس خبر کو "غریب" کہا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کو غریب کہنا بھی اس کی توثیق ہے، یہ تمام تر بے اصل اور بے بنیاد ہے،

(۱۷) روایت:۔ آمنہ کہتی ہیں کہ جب ولادت ہوئی تو ایک بہت بڑا ابر کا ٹکڑا نظر آیا جس میں سے گھوڑے کے ہنہنانے اور پروں کے پھڑپھڑانے اور لوگوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں، وہ ابر کا ٹکڑا بچے کے اوپر آ کر چھا گیا اور بچہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، البتہ منادی کی آواز سنائی دی کہ محمدؐ کو ملکوں ملکوں پھراؤ اور سمندروں کی تہوں میں لے جاؤ کہ تمام دنیا ان کے نام و نشان کو پہچان لے اور جن و انس چرند و پرند، ملائکہ بلکہ ہر ذی روح کے سامنے ان کو لے جاؤ، ان کو آدمؑ کا خلق، شیثؑ کی معرفت، نوحؑ کی شجاعت، ابراہیمؑ کی دوستی، اسماعیلؑ کی زبان، اسحاقؑ کی رضا، صالحؑ کی فصاحت، لوطؑ کی حکمت، موسیٰؑ کی سختی، ایوبؑ کا صبر، یونسؑ کی طاعت، یوشعؑ کا جہاد، داؤدؑ کی آواز، دانیالؑ کی محبت، الیاسؑ کا وقار، یحییٰؑ کی پاک دامنی اور عیسیٰؑ کا زہد عطا کرو اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو، آمنہ کہتی ہیں کہ پھر یہ منظر ہٹ گیا تو میں نے دیکھا کہ آپ سبز حریر میں لپٹے ہیں اور اس کے اندر سے پانی ٹپک رہا ہے، آواز آئی، ہاں محمدؐ نے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا اور کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے حلقۂ اطاعت میں نہ آ گئی ہو، کہتی ہیں کہ پھر میں نے دیکھا تو نظر آیا کہ آپ کا چہرہ چودھویں رات

کے چاند کی طرح ہے اور مشک خالص کی سی خوشبو آپ سے نکل رہی ہے، دفعۃً تین آدمی نظر آئے، ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ ہے، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں سپید ریشم ہے، اس نے سپید ریشم کو کھول کر اس میں سے انگوٹھی، جس کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں نکالی، پہلے اس نے انگوٹھی کو سات دفعہ اس آفتابہ کے پانی سے دھویا، پھر مونڈھے پر مہر کر کے بچہ کو تھوڑی دیر کے لئے اپنے بازوؤں میں لپیٹ لیا اور پھر مجھے واپس کر دیا،

اس حکایت کی بنیاد یہ ہے کہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں السعادۃ والبشریٰ نامی ایک میلاد کی کتاب سے اس کو نقل کیا ہے اور السعادۃ والبشریٰ کا مصنف کہتا ہے کہ اس نے خطیب سے اس کو لیا ہے روایات کے لحاظ سے خطیب کی تاریخ کا جو درجہ ہے وہ کس کو معلوم نہیں، قسطلانی نے اس روایت کو ابونعیم کی طرف بھی منسوب کیا ہے، مگر دلائل ابونعیم کے مطبوعہ نسخہ میں تو اس کا پتہ نہیں، غنیمت ہے کہ حافظ قسطلانی نے خود تصریح کر دی ہے کہ اس میں سخت نکارت ہے۔

(۱۸) روایت:۔ آمنہ کہتی ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو ایک روشنی چمکی جس سے تمام مشرق و مغرب روشن ہو گیا اور آپ دونوں ہاتھ ٹیک کر زمین پر گر پڑے (شاید مقصود یہ کہنا ہے کہ آپ سجدہ میں گرے)، پھر مٹھی سے مٹی اٹھائی (اہل میلاد اس سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ آپ نے روئے زمین پر قبضہ کر لیا) اور آسمان کی طرف سر اٹھایا۔

یہ حکایت ابن سعد میں متعدد طریقوں سے مذکور ہے، مگر ان میں سے کوئی قوی نہیں، اسی کے قریب قریب ابونعیم اور طبرانی میں روایتیں ہیں، ان کا بھی یہی حال ہے۔

(۱۹) روایت:۔ جس شب کو آپ پیدا ہوئے، قریش کے بڑے بڑے سردار جلسہ جمائے ہوئے تھے ایک یہودی نے جو مکہ میں سوداگری کرتا تھا ان سے آ کر دریافت کیا کہ آج تمہارے یہاں کسی کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے؟ سب نے اپنی لاعلمی ظاہر کی، اس نے کہا اللہ اکبر! تم کو نہیں معلوم تو خیر، میں جو کہتا ہوں اس کو سُن رکھو، آج شب کو اس پچھلی امت کا نبی پیدا ہو گیا، اس کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں ایک نشانی ہے، اس میں گھوڑے کی ایال کی طرح کچھ اوپر تلے بال ہیں، وہ دو دن تک دودھ نہ پیئے گا، کیونکہ ایک جن نے اس کے منہ میں انگلی ڈال دی ہے جس سے وہ دودھ نہیں پی سکتا، جب جلسہ چھٹ گیا اور لوگ گھروں کو لوٹے تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے، لوگ اس یہودی کو آمنہ کے گھر لائے، اس نے بچہ کی پیٹھ پر تل دیکھا تو غش کھا کر گر پڑا، جب ہوش آیا، لوگوں نے سبب پوچھا، اس نے کہا، خدا کی قسم! اسرائیل کے گھرانے سے نبوت رخصت ہو گئی، اے قریش، تم اس کی پیدائش سے خوش ہو، ہشیار! خدا کی قسم! ایک دن یہ تم پر ایسا حملہ کرے گا جس کی خبر چار دانگ عالم میں پھیلے گی۔

یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے، مگر اہل علم جانتے ہیں کہ حاکم کا کسی روایت کو صحیح کہنا ہمیشہ تنقید کا محتاج رہتا ہے، چنانچہ حافظ ذہبی نے تلخیص مستدرک (جلد ۲ ص ۶۰۲) میں حاکم

کی تردید کی ہے، اس کا سلسلۂ روایت یہ ہے کہ یعقوب ابن سفیان فسوی ابو غسان محمد یحییٰ کنانی سے اور یہ اپنے باپ (یحییٰ بن علی کنانی) سے اور وہ محمد بن اسحاق (مصنف سیرت) سے روایت کرتے ہیں، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ابن اسحاق نے خود اپنی سیرت سے یہ روایت نہیں لی ہے، ابو غسان محمد بن یحییٰ کو گو بعض محدثین نے اچھا کہا ہے مگر محدث سلیمانی نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے (ایسی باتیں بیان کرنے والا جن کی تصدیق دیگر معتبر بیانات سے نہیں ہوتی) کہا ہے، ابن حزم نے ان کو مجہول کہا ہے، بہر حال اُن تک غنیمت ہے، مگر ان کے باپ یحییٰ بن علی کا کہیں کوئی ذکر نہیں کہ یہ کون تھے اور کب تھے؟ اسی قسم کی ایک اور روایت بحیرا راہب کے متعلق ابو جعفر بن ابی شیبہ سے ہے اور ابو نعیم نے دلائل میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں اس کو ذکر کیا ہے، لیکن زرقانی نے لکھ دیا ہے کہ ابو جعفر بن ابی شیبہ نامعتبر ہے۔

(۲۰) روایت:۔ حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! مجھ کو جس نشانی نے آپؐ کے مذہب میں داخل ہونے کا خیال دلایا وہ یہ ہے کہ جب آپؐ گہوارہ میں تھے تو میں نے دیکھا کہ آپؐ چاند سے اور چاند آپؐ سے باتیں کرتا تھا اور انگلی سے آپؐ اس کو جدھر اشارہ کرتے تھے ادھر جھک جاتا تھا، فرمایا، ہاں میں اس سے اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور رونے سے بہلاتا تھا اور عرش کے نیچے جا کر جب وہ تسبیح کرتا تھا تو میں اس کی آواز سنتا تھا۔

یہ حکایت دلائل بیہقی، کتاب المائتین صابونی، تاریخ خطیب اور تاریخ ابن عساکر میں ہے، مگر خود بیہقی نے تصریح کر دی ہے کہ یہ صرف احمد بن ابراہیم جبلی کی روایت ہے اور وہ مجہول ہے، صابونی نے روایت لکھ کر کہا ہے کہ یہ سند اور متن دونوں لحاظ سے غریب ہے، علاوہ ازیں حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تا ہم ایک ہی دو سال بڑے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شیر خوارگی کے عالم میں وہ خود شیر خوار ہوں گے۔

(۲۱) حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ج ۶ ص ۳۴۴) میں واقدی کی سیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے گہوارہ میں کلام کیا، ابن سبع المتوفی ــــ کی خصائص میں ہے کہ فرشتے آپؐ کا گہوارہ ہلاتے تھے اور (پیدائش کے بعد) سب سے پہلا فقرہ زبان مبارک سے یہ نکلا الحمد للہ کبیرا والحمد للہ کثیرا ابن عائذ وغیرہ میلاد کی بعض اور کتابوں میں اور فقرے بھی منسوب ہیں مثلاً کہ آپؐ نے لا الہ الا اللہ یا جلال ربی الرفیع پڑھا۔

واقدی کی سیر سے مراد اگر واقدی کی مغازی ہے تو اس کا مطبوعہ کلکتہ نسخہ جو میرے پیش نظر ہے اس میں یہ واقعہ مذکور نہیں اور اگر ہوتا بھی تو واقدی کا اعتبار کیا ہے؟ ابن سبع اور ابن عائذ وغیرہ زمانہ متاخر کے لوگ ہیں اور قدماء سے روایات کی نقل میں بے احتیاط ہیں، کسی قدیم ماخذ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، معلوم نہیں یہ روایتیں انہوں نے کہاں سے لیں۔

(۲۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت اور شیر خوارگی کے زمانہ کے فضائل اور معجزات جب آپؐ کو حلیمہ سعدیہؓ اپنے گھر لے جاتی ہیں، ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابو یعلی، طبرانی، بیہقی، ابو نعیم، ابن عساکر اور ابن سعد

میں بہ تفصیل مذکور ہیں، حلیمہ سعدیہؓ کا آنا اور آپؐ کا ان کو دیکھ کر مسکرانا، حلیمہؓ کے خشک سینوں میں دودھ بھر آنا، آپؐ کا صرف ایک طرف کے سینہ سے سیر ہو جانا اور دوسری طرف کا اپنے رضاعی بھائی کے لئے بہ انصاف چھوڑ دینا، آپؐ کے سوار ہوتے ہی حلیمہؓ کی کمزور اور دُبلی پتلی گدھی کا تیز رو، طاقت ور اور فربہ ہو جانا اور حلیمہؓ کے قبیلہ کی قحط زدہ زمین کا سرسبز و شاداب اور ہرا بھرا ہو جانا، حلیمہؓ کی بکریوں کا موٹا ہونا اور سب سے زیادہ دودھ دینا، آپؐ کا غیر معمولی نشوونما پانا، دو برس کے سن میں آپؐ کے سینہ کا چاک ہونا، حلیمہؓ کا اس واقعہ سے ڈر کر آپؐ کو آمنہ کے پاس واپس لانا، آمنہ کا حلیمہ کو تسلی دینا، یہ تمام واقعات ان کتابوں میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔

یہ واقعات دو طریقوں سے مروی ہیں ایک طریقہ کا مشترک راوی جہم بن ابی جہم ایک مجہول شخص ہے اور دوسرے کا مشترک راوی واقدی ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

پہلے طریقہ سے اس کو ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابو یعلی، طبرانی اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے، اس کا سلسلہ یہ ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے جہم بن ابی جہم مولیٰ حارث بن حاطب جمحی نے کہا اور وہ کہتا ہے کہ مجھ سے عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب نے خود بیان کیا یا کسی ایسے شخص نے بیان کیا جس نے عبد اللہ بن جعفر سے سُنا اور عبد اللہ بن جعفر نے حلیمہ سعدیہ سے سُنا، اس روایت میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جہم اس روایت کا خود عبد اللہ بن جعفر سے سننا یقینی نہیں آتا، بلکہ وہ کہتا ہے کہ عبد اللہ بن جعفر یا کسی نے ان سے سُن کر مجھ سے کہا، معلوم نہیں وہ کون تھا؟ اور کیسا تھا؟ ابو نعیم وغیرہ متاخرین نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ شک سرے سے نظر انداز ہو گیا ہے، اگر بالفرض جہم نے عبد اللہ بن جعفر سے سُنا تو عبد اللہ بن جعفر کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آٹھ نو برس کے تھے اور ۸ھ کے بعد حبش کے ملک سے مدینہ آئے تھے، حلیمہ سے ملنا اور اُن سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے بلکہ علمائے سیر و رجال میں خود حلیمہ سے ملنا اور ان کے بعد آپ سے ملاقات میں اختلاف ہے، صرف ایک دفعہ غزوۂ ہوازن کے موقع پر ان کا آنا کسی کسی نے بیان کیا ہے، مگر اس موقع پر عبد اللہ بن جعفر کا جو کم سن تھے موجود ہونا اور ان سے ملنا مطلق ثابت نہیں، جہم بن ابی جہم جو اس روایت کا سر بنیاد ہے، ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسی روایت کی تقریب سے اس کا نام لکھ کر لکھا ہے لا یعرف یعنی معلوم نہیں یہ کون تھا۔

دوسرا طریقہ وہ ہے جس کا مرکزی راوی واقدی ہے، اس سلسلہ سے ابن سعد، ابو نعیم اور ابن عساکر نے اس واقعہ کو لکھا ہے، یہ سلسلہ علاوہ ازیں کہ واقدی کے واسطہ سے ہے موقوف بھی ہے یعنی کسی صحابی تک وہ نہیں پہنچتا، اس کو واقدی زکریا بن یحییٰ بن یزید سعدی سے اور وہ اپنے باپ یحییٰ بن زید سعدی سے نقل کرتا ہے، ابن سعد نے دوسری جگہ (ج اول ص ۹۷) ایک اور سلسلہ سے اس کو واقدی سے روایت کیا ہے اور واقدی عبد اللہ بن زید بن اسلم سے اور عبد اللہ اپنے باپ زید بن اسلم تابعی سے نقل کرتے ہیں، یہ سلسلہ بھی علاوہ ازیں کہ اس کا پہلا راوی وہی واقدی ہے اور روایت بھی موقوف ہے، زید مذکور کی نسبت اہل مدینہ

کلام کرتے تھے اور ان کے بیٹے عبداللہ کو اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے، اس لئے یہ سلسلہ بھی استناد کے قابل نہیں ہے، ابونعیم نے تیسری روایت میں واقدی کے واسطہ سے ان واقعات کو بے سند لکھا ہے۔

(۲۳) شق صدر یعنی سینہ مبارک کے چاک ہونے کا واقعہ معراج میں پیش آنا مسلّم ہے مگر بعض لوگوں نے بچپن کے زمانہ میں بھی اس واقعہ کا پیش آنا بیان کیا ہے، بچپن کے وقت کی تعیین میں ان روایتوں میں اختلاف ہے، اکثر روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت حلیمہؓ کے پاس قیام کے زمانہ میں یہ پیش آیا، جب عمر شریف غالباً صرف چار برس کی تھی، ایک دو روایتوں میں ہے کہ اس وقت آپؐ دس برس کے تھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ عہد طفولیت میں شق صدر کی جس قدر روایتیں ہیں، صحیح مسلم کی روایت کے علاوہ وہ تمام تر ضعیف ہیں صحیح مسلم کی روایت میں حماد بن سلمہ کی غلطی سے معراج کا واقعہ عہد طفولیت میں بیان ہوگیا ہے، اس بارہ میں ہم نے اپنی تحقیق شرح صدر کی بحث میں مفصل بیان کی ہے۔

(۲۴) حضرت حلیمہؓ کے پاس قیام کے زمانہ میں ایک اور واقعہ بھی راویوں نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بعض یہودیوں نے یا عرب قیافہ شناسوں نے (روایت میں اختلاف ہے) یہ معلوم کرلیا کہ نبی آخرالزمان ہیں اور یہی ہمارے آبائی کیش اور مذہب کو دنیا سے مٹائیں گے، یہ سمجھ کر انہوں نے آپؐ کو خود قتل کرنا چاہا، یا دوسروں کو آپؐ کے قتل پر آمادہ کرنا چاہا (روایت میں اختلاف ہے) ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حلیمہؓ آپؐ کو پہلے پہل مکہ معظمہ سے لے کر عکاظ کے میلہ میں آئیں، وہاں قبیلہ ہذیل کا ایک قیافہ شناس بڈھا تھا، عورتیں اپنے اپنے بچوں کو لے کر اس کے پاس آتی تھیں اور فال نکلواتی تھیں، اس کی نظر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو وہ چلا اٹھا کہ اس کو قتل کر ڈالو مگر آپ لوگوں کی نظر سے غائب ہوچکے تھے، حلیمہؓ آپ کو لے کر چل دی تھیں، لوگوں نے بڈھے سے واقعہ پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے ابھی وہ بچہ دیکھا جو تمہارے اہل مذہب کو قتل کرے گا اور تمہارے بتوں کو توڑے گا اور وہ کامیاب ہوگا، اس کے بعد لوگوں نے آپؐ کو بہت ڈھونڈا مگر آپ نہ ملے، حضرت حلیمہؓ نے اس کے بعد پھر آپؐ کو کسی قیافہ شناس یا فال دیکھنے والے کے سامنے پیش نہ کیا، ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد اس بڈھے کی عقل جاتی رہی اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرگیا۔

دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت آمنہؓ نے حلیمہ کو کہہ دیا تھا کہ میرے بچہ کو یہودیوں سے بچائے رکھنا، اتفاق سے جب وہ آپؐ کو لے کر چلیں تو کچھ یہودی راستہ میں مل گئے، انہوں نے آپؐ کا حال سن کر ایک دوسرے سے کہا کہ اس کو مار ڈالو، پھر انہوں نے دریافت کیا کہ کیا یہ بچہ یتیم ہے؟ حلیمہ نے کہا، نہیں! میں اس کی ماں ہوں اور اپنے شوہر کو بتایا کہ وہ اس کا باپ ہے، انہوں نے کہا کہ اگر یہ یتیم ہوتا تو ہم اس کو قتل کر ڈالتے (یعنی آخری پیغمبر کی ایک علامت یتیمی بھی تھی اور چونکہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ علامت بچہ میں پائی نہیں جاتی، اس سے ان کا یقین جاتا رہا)

یہ روایتیں ابن سعد جلد اول صفحہ ۷۱، ۹۸ تک ہیں، مگر حالت یہ ہے کہ پہلی روایتوں کا ماخذ

واقدی کی داستانیں ہیں اور اس پر بھی ان کے سلسلے ناتمام ہیں، آخری روایت کا سلسلہ یہ ہے کہ محمد بن عاصم کلابی، ہمام بن یحییٰ، اسحاق بن عبداللہ، گو یہ تینوں عموماً ثقہ اصحاب ہیں مگر ان کی یہ روایت موقوف ہے یعنی آخری راوی اسحاق بن عبداللہ گو تابعی ہیں، مگر وہ کسی صحابی سے اس کا سننا ظاہر نہیں کرتے، معلوم نہیں یہ روایت ان کو کہاں سے پہنچی۔

تقریباً اسی واقعہ کو ابونعیم نے دلائل میں اس طرح بیان کیا ہے کہ حلیمہ جب آپؐ کو مکہ سے لے کر روانہ ہوئیں تو ایک وادی میں پہنچ کر ان کو حبش کے کچھ لوگ ملے (جو غالباً عیسائی ہوں گے) حلیمہؓ ان کے ساتھ ہوگئیں، انہوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپؐ کی نسبت کچھ دریافت کیا، اس کے بعد بہت غور سے انہوں نے آپؐ کو دیکھنا شروع کیا، دونوں مونڈھوں کے بیچ میں جو مہر نبوت تھی وہ دیکھی، آپؐ کی آنکھوں میں تھوڑی سرخی تھی، اس کو دیکھتے رہے، پھر پوچھا کہ کیا بچہ کی آنکھوں میں یہ سرخی کسی بیماری سے ہے حلیمہؓ نے کہا نہیں، یہ ہمیشہ سے اسی طرح ہے، انہوں نے کہا خدا کی قسم! یہ پیغمبر ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے چاہا کہ بچہ کو حضرت حلیمہؓ سے چھین لیں، لیکن خدا نے آپؐ کی حفاظت کی، ابونعیم کی اس روایت کا سلسلہ نہایت ضعیف اور کمزور ہے، اور اس کے رواۃ مجہول الحال لوگ ہیں۔

(۲۵) کہتے ہیں کہ پیار اور محبت سے حضرت حلیمہؓ آپؐ کو دھوپ میں نکلنے نہیں دیتی تھیں، ایک دن آپؐ اپنی رضاعی بہن کے ساتھ دھوپ میں نکل پڑے۔ حلیمہ نے دیکھا تو لڑکی پر خفا ہوئیں کہ تم دھوپ میں کیوں لے گئیں؟ لڑکی نے کہا اماں جان میرے بھائی کو دھوپ نہیں لگتی، میں نے دیکھا کہ اس پر بادل سایہ کئے تھے جدھر وہ جاتا تھا وہ بھی چلتے جاتے تھے اور جہاں وہ رک جاتا تھا وہ بھی رک جاتے تھے اس کیفیت سے وہ یہاں تک پہنچا ہے، ابن سعد نے دو طریقوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے، ایک میں تو صرف واقدی کا حوالہ ہے اور اس کے آگے کوئی نام نہیں دیا ہے (ص ۷، ج اول) اور دوسرے میں ہے کہ واقدی نے معاذ بن محمد سے اور اس نے عطا سے اور عطا نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا، ابن سعد کے علاوہ ابونعیم، ابن عساکر اور ابن طراح نے بھی اسی سلسلہ سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے، مگر اس سلسلہ میں واقدی کے علاوہ معاذ بن محمد مجہول اور نامعتبر ہے۔

یہاں تک تو ہم نے فضائل و معجزات کی غلط اور ضعیف روایتوں کی مسلسل تنقید کی ہے، اگر اسی طرح ہم آخر تک نبھانا چاہیں تو یہ دفتر ان اوراق میں نہیں سما سکتا، اس لئے ہم نے صرف مشہور ترین روایتوں کی تنقید پر قناعت کرتے ہیں۔

(۲۶) سب سے مشہور بحیرا راہب کا قصہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپؐ دس بارہ برس کے تھے تو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر کیا، راہ میں ایک عیسائی خانقاہ ملی، جس میں بحیرا نام ایک راہب رہا کرتا تھا، اس نے آپؐ کو دیکھ کر اور علامتوں سے پہچان کر یہ جان لیا کہ پیغمبر آخرالزمان اور سردار عالم یہی ہیں، اس نے دیکھا کہ ابر آپ پر سایہ فگن ہے، جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے ہیں اس کی

شاخیں آپ پر جھکی آتی ہیں، اس نے آپ کی خاطر قافلہ کی دعوت کی اور ابوطالب سے باصرار کہا کہ اس بچے کو مکہ واپس لے جاؤ، ورنہ رومی اگر اس کو پہچان گئے تو اس کو قتل کر ڈالیں گے (شاید اس لئے کہ آپ کے ہاتھوں ان کی سلطنت کا خاتمہ ہوگا) ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ رومیوں کا ایک گروہ پہنچ گیا، دریافت سے ظاہر ہوا کہ رومیوں کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ پیغمبر آخر الزمان کے ظہور کا وقت آ گیا ہے اس لئے رومیوں نے تحقیق حال کے لئے ہر طرف اپنے دستے روانہ کئے ہیں، بحیرا نے ان سے کہا کہ خدا کی تقدیر ٹل نہیں سکتی، اس لئے بہتر ہے کہ تم واپس جاؤ۔ وہ رُک گئے اور ادھر ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ واپس بھیج دیا اور حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو آپ کے ساتھ کر دیا اور بحیرا نے کیک اور ناشتہ آپ کے ساتھ کیا۔

یہ روایت اختصار اور تفصیل کے ساتھ سیرت کی اکثر کتابوں میں اور بعض حدیثوں میں بھی مذکور ہے مگر ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ کتب سیر میں اس کے متعلق جس قدر روایتیں ہیں، ان سب کے سلسلے کمزور اور ٹوٹے ہوئے ہیں، اس قصہ کا سب سے محفوظ طریقۂ سند وہ ہے جس میں عبدالرحمان بن غزوان جو ابونوح قراد کے نام سے مشہور ہے، یونس بن اسحاق سے اور وہ ابوبکر بن ابی موسیٰ سے اور وہ اپنے باپ ابوموسیٰ اشعریؓ سے اس کی روایت کرتے ہیں۔

یہ قصہ اس سلسلۂ سند کے ساتھ جامع ترمذی، مستدرک حاکم، مصنف ابن ابی شیبہ، دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں مذکور ہے، ترمذی نے اس کو حسن و غریب اور حاکم نے صحیح کہا ہے، استاذ مرحوم نے سیرت کی پہلی جلد (طبع اول صفحہ ۱۳۰ و طبع دوم صفحہ ۱۶۵) میں اس روایت پر پوری تنقید کی ہے اور عبدالرحمان بن غزوان کو اس سلسلہ میں مجروح قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اس روایت کو موضوع سمجھتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلۂ سند میں نہ صرف عبدالرحمان بن غزوان بلکہ دوسرے رواۃ بھی جرح کے قابل ہیں۔

(۱) سب سے اول یہ کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ مسلمان ہو کر ۷ھ میں یمن سے مدینہ آتے تھے اور یہ واقعہ اس سے ۵۰ برس پہلے کا ہے، حضرت ابوموسیٰؓ نہ تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اور نہ کسی اور شریک واقعہ کی زبان سے اپنا سننا بیان کرتے ہیں، اس لئے یہ روایت مُرسل ہے۔

(۲) اس واقعہ کو حضرت ابوموسیٰؓ سے ان کے صاحبزادے ابوبکر روایت کرتے ہیں، مگر ان کی نسبت کلام ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے کوئی روایت سنی بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ ناقدین فن کو اس باب میں بہت کچھ شک ہے، امام ابن حنبلؒ نے اس سے قطعی انکار کیا ہے۔ بنا بریں یہ روایت منقطع ہے اس کے سوا ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔

(۳) ابوبکر سے یونس بن اسحاق اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں، گو متعدد محدثین نے ان کی توثیق کی ہے تاہم عام فیصلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں، یحییٰ کہتے ہیں کہ ان میں سخت بے پروائی تھی، شعبہ نے ان پر تدلیس

کا الزام قائم کیا ہے، امام احمد ان کی اپنے باپ سے روایت کو ضعیف اور ان کی عام روایتوں کو مضطرب اور ایسی ویسی کہتے ہیں۔ ابوحاتم کی رائے ہے کہ وہ راست گو ہیں، لیکن ان کی اپنے باپ سے حدیث حجت نہیں، ساجی کا قول ہے کہ وہ سچے ہیں اور بعض محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے، ابوحاکم کا بیان ہے کہ اکثر ان کو اپنی روایتوں میں وہم ہو جاتا تھا۔

(۴) چوتھا راوی عبدالرحمٰن بن غزوان ہے جس کا نام مستدرک اور ابونعیم میں ابونوح قراد ہے، اس کو اگرچہ بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے، تاہم وہ متعدد منکر روایتوں کا راوی ہے، ممالیک والی جھوٹی حدیث اسی نے روایت کی ہے، ابواحمد حاکم کا بیان ہے کہ اس نے امام لیث سے ایک منکر روایت نقل کی ہے ابن حبان نے لکھا ہے کہ وہ غلطیاں کرتا تھا اور امام لیث اور مالک سے ممالیک والی حدیث نقل کرنے کی وجہ سے اس کی طرف سے دل میں خلجان ہے۔

(۵) حافظ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن غزوان کی منکر روایتوں میں سب سے زیادہ منکر بحیرا راہب کا قصہ ہے، اس قصے کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس میں یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے بلالؓ کو آپ کے ساتھ کر دیا حالانکہ حضرت ابوبکرؓ اس وقت بچے تھے اور حضرت بلالؓ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

(۶) حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے، حافظ ذہبی مستدرک کی تلخیص میں اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ میں اس روایت کو بنایا ہوا خیال کرتا ہوں، کیونکہ اس میں بعض واقعات غلط ہیں (مستدرک ج ۲ ص ۶۱۵)

(۷) امام بیہقی اس کی صحت کو صرف اس قدر تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قصہ اہل سیر میں مشہور ہے، حافظ سیوطی نے خصائص میں امام موصوف کے اس فقرہ سے یہ سمجھا ہے کہ وہ بھی اس کے ضعف کے قائل ہیں، اس لئے اصل روایت میں ابن سعد وغیرہ نے چند اور سلسلے نقل کئے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔

(۲۷) اسی قسم کا ایک اور واقعہ دوسری دفعہ کے سفر شام میں جب آپ حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر بصریٰ تک تشریف لے گئے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے ساتھ اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی تھا، اس کی زبانی روایت ہے کہ ہر جگہ ابر آپ پر سایہ افگن رہتا، کبھی فرشتے اپنے پروں کا سایہ کرتے تھے، ایک عیسائی خانقاہ کے قریب جہاں نسطورا راہب رہتا تھا، آپ نے ایک درخت کے نیچے آرام کیا، راہب نے یہ دیکھا تو میسرہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ اس نے نام و نشان بتایا، راہب نے کہا کہ اس درخت کے نیچے پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں ٹھہرا ہے۔ پھر دریافت کیا کہ ان کی آنکھوں میں ہمیشہ یہ سرخی رہتی ہے؟ غلام نے اثبات میں جواب دیا، راہب نے کہا تو یہ یقیناً آخر زمانہ کا پیغمبر ہے، تم کبھی اس کی رفاقت نہ چھوڑنا، اسی درمیان میں ایک شخص سے خرید و فروخت میں کوئی جھگڑا پیش آیا، خریدار نے آپ سے کہا کہ تم لات و عزیٰ کی قسم کھاؤ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان کی قسم نہیں کھاتا۔ راہب نے میسرہ سے کہا خدا کی قسم! یہ پیغمبر ہے، اس کی صفتیں ہماری کتابوں میں لکھی ہیں، میسرہ کا بیان ہے کہ جب

دوپہر کی سخت دھوپ پڑتی تو دو فرشتے آپؐ پر سایہ کر لیتے، جب آپؐ تجارت سے فارغ ہو کر مکہ آ رہے تھے، اتفاق سے اس وقت حضرت خدیجہؓ چند سہیلیوں کے ساتھ کوٹھے پر تھیں، حضرت خدیجہؓ کی نظر آپؐ پر پڑی کہ آپؐ اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپؐ پر سایہ افگن ہیں، انھوں نے یہ منظر اپنی سہیلیوں کو دکھایا اور میسرہ سے اس کا تذکرہ کیا، میسرہ نے کہا پورے سفر میں یہی تماشا دیکھتا آیا ہوں اور اس کے بعد اس نے نسطور راہب کی گفتگو بھی ان سے دہرائی۔

یہ واقعہ ابن اسحاق، ابن سعد، ابو نعیم اور ابن عساکر میں ہے، ابن اسحاق میں اس روایت کی کوئی سند نہیں ہے، بقیہ کتابوں میں اس کی سند یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین واقدی سے اور واقدی موسیٰ بن شیبہ سے اور وہ عمیرہ بنت عبداللہ بن کعب سے اور عمیرہ ام سعد بنت کعب سے اور وہ یعلی بن طیبہ صحابی کی بہن نفیسہ بنت منیہ سے جو صحابیہ تھیں، روایت کرتے ہیں، واقدی کی بے اعتباری تو محتاج بیان نہیں، اس کے علاوہ موسیٰ بن شیبہ کی نسبت امام ابن حنبل کہتے ہیں، احادیثہ مناکیر۔ اس کی حدیثیں منکر ہیں، عمیرہ بنت ابن کعب اور ام سعد کا حال معلوم نہیں۔

ابن سعد، ابن اسحاق، بیہقی اور ابو نعیم میں ہے کہ قریش نے جب بنو ہاشم کا مقاطعہ کر کے شعب ابی طالب میں محصور کیا اور باہم ایک معاہدہ مرتب کر کے خانہ کعبہ میں رکھ دیا تو چند سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے دیمک کو بھیجا جس نے کاغذ کو کھا لیا، ایک روایت میں ہے کہ خدا کا نام چھوڑ کر باقی عبارت کو جس میں بنو ہاشم کے مقاطعہ کا عہد تھا اس نے کھا لیا تھا اور دوسری روایت میں ہے کہ خدا کا نام کھا لیا تھا اور بقیہ عبارت چھوڑ دی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے مطلع فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے اس کا ذکر کیا، ابوطالب نے قریش کو اس کی خبر کی اور بالآخر اس واقعہ کے جھوٹ سے یا سچ ہونے پر معاہدہ باقی رہنے یا ٹوٹ جانے کا فیصلہ قرار دیا، کفار نے جب کاغذ کو اتار کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق ہو گئی۔

ابن اسحاق کی روایت بے سند ہے، بقیہ تمام روایتیں یا واقدی اور ابن لہیعہ سے ہیں جن کا اعتبار نہیں اور یا ثقات سے ہیں تو وہ تمام تر مرسل ہیں، ان مرسل روایتوں میں اگر کوئی بہتر روایت ہے تو وہ بیہقی میں موسیٰ بن عقبہ کی ہے جو امام زہری سے اس کو روایت کرتے ہیں، مگر وہ زہری تک پہنچ کر رہ جاتی ہے کسی صحابی تک نہیں پہنچتی۔

(۲۹) مشہور ہے کہ ہجرت میں جب آپؐ نے غار ثور میں پناہ لی تو خدا کے حکم سے فوراً غار کے منہ پر بنولے یا ببول کا درخت اگ آیا، جس کی ڈالیاں پھیل کر چھا گئیں، کبوتر کے ایک جوڑے نے آ کر وہاں انڈے دے دیئے اور مکڑی نے جالے تن دیئے تاکہ مشرکین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کے اندر ہونے کا گمان نہ ہو، درخت کے اُگنے، کبوتر کے انڈے دینے، مکڑی کے جالا تننے، ان تینوں کا ذکر صرف ابو مصعب مکی کی روایت میں ہے، بقیہ روایتوں میں صرف کبوتروں کے انڈے دینے اور مکڑی کے جالا تننے کا بیان ہے۔

بہرحال یہ واقعہ کتب سیر میں ابن اسحاق، ابن سعد، دلائل بیہقی اور ابو نعیم میں اور کتب حدیث میں سے ابن مردویہ اور بزار میں ہے، ابن مردویہ، بزار اور بیہقی میں جو روایت ہے، نیز ابن سعد اور ابو نعیم کی ایک روایت ابو مصعب مکی سے ہے جو متعدد صحابہ سے اس واقعہ کا سننا ظاہر کرتا ہے، ابو مصعب سے عون بن عمرو القیسی اس کی روایت کرتا ہے لیکن یہ دونوں صاحب پایۂ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں، ابو مصعب مکی مجہول ہے اور عون بن عمرو کی نسبت ابن معین کہتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث اور مجہول ہے۔ ابو نعیم میں عون بن عمرو کے بجائے عوین بن عمرو القیسی لکھا ہے، یہ عوین بن عمرو بھی بے اعتبار ہے، عقیلی نے اس کا ضعفا میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی روایتوں کی تصدیق نہیں ہوتی اور اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ابو مصعب مجہول ہے[1]۔

استاذ مرحوم نے سیرت جلد اول واقعہ ہجرت میں صرف ابو مصعب کی روایت پر تنقید کی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ابو مصعب کے علاوہ اور دوسرے سلسلوں سے بھی یہ مروی ہے، چنانچہ ابن سعد نے ایک اور طریقہ سے اس واقعہ کی روایت کی ہے، مگر اس روایت کا ہر سلسلہ واقدی ہے جس نے متعدد روایتوں کو یکجا کر کے ان کی ایک مشترک روایت ہجرت تیار کی ہے، اس واقعہ کی بہترین روایت وہ ہے جو مسند ابن حنبل میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں،

فمروا بالغار فرأوا علی بابه نسج العنکبوت	کفار آپؐ کی تلاش میں غار کے منہ تک پہنچ گئے دیکھا کہ منہ پر
فقالوا لو دخل ھھنا لم یکن نسج العنکبوت	مکڑی کے جالے ہیں تو انھوں نے کہا کہ اگر محمدؐ اس کے اندر
علی بابه (ج ۱ ص ۳۴۸)	جاتے تو یہ جالے نہ ہوتے۔

لیکن ان الفاظ سے اس واقعہ کا غیر معمولی ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ البتہ اس روایت کی بنا پر اس کو تائیدات میں جگہ دی جا سکتی ہے تاہم یہ روایت بھی قوی نہیں، اس کے راوی مقسم ہیں جو اپنے کو مولی ابن عباسؓ کہتے ہیں، اور ان سے عثمان الجزری نام ایک شخص روایت کرتا ہے، مقسم کی اگرچہ متعدد محدثین نے توثیق کی ہے اور امام بخاری نے صحیح میں ان سے حجامت کی روایت نقل کی ہے مگر وہ خود کتاب الضعفاء میں ان کو ضعیف کہتے ہیں، ابن سعد نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے، ساجی نے لکھا ہے کہ لوگوں نے ان کی روایت میں کلام کیا ہے، ابن حزم نے لکھا ہے کہ وہ قوی نہیں۔ اور عثمان الجزری جو عثمان بن عمرو ساج الجزری ہے اور کہیں عثمان بن ساج کے نام سے مشہور ہے۔ گو ابن حبان نے اپنے مشہور تساہل کی بنا پر اس کو ثقات میں داخل کیا ہے، مگر محدث ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی جاتی، حجت میں پیش نہ کی جائے، علامہ ذہبی میزان میں اور حافظ ابن حجر نے لسان میں صرف ابو حاتم کا قول نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نسبت محدثین کا آخری فیصلہ یہی ہے۔

---

[1] دیکھو لسان میزان ترجمہ ابو مصعب مکی و عون بن عمرو اور میزان الاعتدال ترجمہ عون بن عمرو اور عوین بن عمرو۔

(۳۰) روایتوں میں ہے کہ اسی سفر میں راہ میں ایک جگہ بکریوں کے ایک چرواہے سے آپ نے دودھ طلب کیا، اس نے معذرت کی کہ کوئی دودھ والی بکری نہیں، لیکن آپ نے اس کی اجازت سے ایک دودھ والی بکری کے تھن میں ہاتھ لگایا، فوراً دودھ نکل آیا، چنانچہ سب نے دودھ پیا، چرواہا یہ دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ چرواہا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے، لیکن عام معجزات کے تحت میں ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا واقعہ زمانہ ہجرت کا نہیں بلکہ وہ کسی اور زمانہ کا ہے، عبداللہ بن مسعودؓ کا واقعہ مسند طیالسی اور مسند احمد میں خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی صحیح روایات کے ساتھ مذکور ہے، مسند ابویعلی، مستدرک حاکم اور طبرانی میں بجائے عبداللہ بن مسعودؓ کے صرف "عبد" یعنی ایک غلام کا ذکر ہے جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا، صحابہ میں سے اس کے راوی قیس بن نعمان سکونی ہیں: یہ صرف ایک دفعہ ایک وفد کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور ان سے صرف یہی ایک روایت مروی ہے، بعضوں نے ان سے ایک اور روایت ہدیہ کی بھی نقل کی ہے، مگر ظاہر ہے کہ وہ شریکِ واقعہ نہ تھے، انھوں نے یہ واقعہ کس سے سُنا؟ معلوم نہیں، اس لئے یہ روایت مُرسل ہے اس کے ایک راوی عبیداللہ بن ایاد بن لقیط کی گو اوروں نے توثیق کی ہے مگر بزار نے لکھا ہے کہ وہ قوی نہیں، تاہم ذہبی نے تلخیص مستدرک (جلد ۳ ص ۹) میں اور حافظ ابن حجر نے اصابہ (ترجمہ قیس بن نعمان سکونی) میں اس کو صحیح کہا ہے، مگر یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو واقعہ ہجرت کی مفصل روایت صحیحین میں ہے، اس میں ایک غلام کے بکری کے دودھ پلانے کا واقعہ مذکور ہے مگر اس معجزہ کا وہاں نام ونشان بھی نہیں۔

ہجرت کے موقع پر بے دودھ والی بکری کے تھنوں میں دودھ پیدا ہوجانے کا مشہور ترین معجزہ اُم معبد کے خیمہ کا ہے۔ کہتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ کی راہ میں قبیلہ خزاعہ کے ایک خاندان کا میدان میں خیمہ تھا، ام معبد اور ابومعبد دونوں میاں بیوی اس خیمے میں رہتے تھے اور مسافروں کو آرام پہنچایا کرتے تھے، بکریوں کی پرورش پر ان کا گزارہ تھا، صبح کو ابومعبد تمام اچھی اور دودھ والی بکریاں لے کر چراگاہ کو نکل گیا تھا صرف بے دودھ والی دبلی بکریاں خیمہ میں رہ گئی تھیں، اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا اُدھر سے گزر ہوا، کھانے پینے کی کچھ چیزیں آپ نے بقیمت طلب کیں جو نہیں ملیں، خیمہ کے ایک گوشہ میں ایک بکری نظر آئی، آپ نے پوچھا کہ ام معبد یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے کہا یہ لاغری سے بکریوں کے ساتھ نہ جا سکی، پھر فرمایا کہ اس کے کچھ دودھ ہے؟ جواب دیا یہ دودھ سے معذور ہے، راوی کا بیان ہے کہ امسال خشک سالی تھی اور لوگ قحط میں مبتلا تھے، فرمایا کہ مجھے اس کے دوہنے کی اجازت ہے؟ عرض کی میرے ماں باپ قربان اگر اس کے دودھ ہو تو دوہ لیجئے، آپ نے دعا فرمائی اور پھر بسم اللہ کہہ کر تھن میں ہاتھ لگایا، فوراً اس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا، دودھ سب نے پی لیا اور کچھ بچ گیا اور قافلہ نبوی آگے روانہ ہوا، کچھ دیر کے بعد ابومعبد آیا دیکھا کہ گھر میں دودھ رکھا ہے، تعجب سے پوچھا، یہ دودھ کہاں سے آیا؟ بکریاں تو سب میرے ساتھ تھیں

ام معبد نے سارا قصہ بیان کیا، ابومعبد نے کہا ذرا اس شخص کی صورت وشکل بیان کرو؟ ام معبد نے نہایت تفصیل سے آپ کے حسن وجمال اور شکل وشمائل کی تصویر کھینچی جس کو سُن کر ابومعبد نے کہا یہ تو خدا کی قسم قریش والا آدمی معلوم ہوتا ہے، جس کا کچھ حال میں سُن چکا ہوں، میری آرزو ہے کہ مجھے اس کی صحبت میسر ہوتی اور جب انشاء اللہ موقع مل گیا میں یہ کروں گا، اسی وقت مکہ میں کچھ اشعار غیب سے سُنے گئے، یہ اشعار بھی روایت میں ہیں، ان اشعار میں ام معبد کا اس واقعہ کا بیان ہے، حضرت حسانؓ نے جب ہاتف کی یہ آواز سُنی تو ان اشعار کے جواب میں اشعار کہے (یہ جوابی اشعار بھی روایت میں مذکور ہیں)

یہ روایت بغوی، ابن شاہین، ابن سکن، ابن مندہ، طبرانی، بیہقی، ابونعیم اور حاکم میں ام معبد کے بھائی حبیش بن خالد کی زبانی مذکور ہے اور حاکم نے نہ صرف یہ کہ اس کو صحیح کہا ہے بلکہ اور دیگر طریقوں سے بھی اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، مگر معلوم ہے کہ حاکم کے تصحیح کہنے کی علماء کی نگاہ میں کوئی قدر وقیمت نہیں، چنانچہ حافظ ذہبی نے اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے تصریح کردی ہے کہ ان میں سے کوئی طریقہ سند صحیح کے شرائط کے مطابق نہیں، حافظ ذہبی نے مجملاً اسی قدر لکھا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت حاکم کے علاوہ اور کتابوں میں بھی اسی سلسلہ سند سے مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ حزام اپنے باپ ہشام سے اور ہشام اپنے باپ حبیش بن خالد خزاعی سے ناقل ہیں، حزام مجہول ہیں، حبیش بن خالد سے صرف یہی ایک روایت تمام کتب حدیث میں مذکور ہے، حبیش اصل واقعہ کے وقت موجود نہ تھے، معلوم نہیں انھوں نے کس سے سُنا اس لئے یہ روایت اگر ثابت بھی ہو تو مرسل ہے، حاکم نے دو طریقوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے ایک انھی حزام اور ہشام بن حبیش کے ذریعہ سے اور دوسرے عمر بن صباح سے اور وہ ام معبد کے شوہر ابومعبد سے راوی ہیں، پہلے طریقہ میں حاکم نے یہ کمال کیا ہے کہ حبیش کے بجائے خود ہشام ابن حبیش بن خویلد (یعنی خالد) کو اصل راوی اور صحابی قرار دیا ہے، ظاہر ہے کہ اس طریق سے روایت کا ارسال اور بڑھ گیا ہے ہشام کا صحابی ہونا بھی مشکوک ہے، دوسرے طریقہ میں عمر بن صباح گو ثقہ ہیں، مگر ابومعبد سے ان کی سماعت ثابت نہیں، چنانچہ ابن حجر نے تہذیب میں لکھا ہے کہ حر ابومعبد سے مرسل روایتیں کرتے ہیں، یہ تو ان تمام روایتوں کے اوپر کے راویوں کا حال ہے، نیچے کے راویوں میں اکثر مجہول لوگ ہیں، حر والی روایت میں نیچے ایک شخص محمد بن بشر سکری ہے جس کو ازدی نے منکر الحدیث اور ابن عدی نے واہی کہا ہے[1] ابونعیم نے دلائل میں ایک اور صحابی سلیط ابو سلیمان انصاری بدریؓ سے اس کی روایت کی ہے، سلیط سے ان کے بیٹے سلیمان اور ان سے ان کے بیٹے محمد بن سلیمان بن سلیط انصاری روایت کرتے ہیں لیکن ان سلیط کا نام صرف اسی روایت کے راوی کی حیثیت سے بعض مؤلفین سیر صحابہ نے لیا ہے، ورنہ ان کا کوئی حال ہم کو معلوم نہیں، سلیط انصاری بدری جو مشہور ہیں، وہ سلیط بن قیس انصاری خزرجی بدری ہیں، ان کے بیٹے کا نام عبداللہ تھا جن سے کوئی نسل چلی

---

[1] لسان المیزان ترجمہ محمد بن بشر بن ابان السکری۔

نہیں، لیکن ان سے روایت نسائی میں موجود ہے، مگر سلیط ابو سلیمان انصاریؓ بدری سے کوئی روایت اس کے سوا موجود نہیں، اسی لئے اسماء الرجال صحابہ کے مؤلفین میں سے بعض نے ان کو اور سلیط بن قیسؓ انصاری بدری کو ایک سمجھا ہے، اگر ایسا ہے تو سلیمان ان کے بیٹے اور محمد ان کے پوتے کا نام نہ تھا؛ اور اگر دو ہیں تو اصحاب بدر کے سب نام گنے ہوتے ہیں، ان میں سلیط بن قیس خزرجی کے سوا کوئی دوسرا سلیط نام نہیں، پھر یہ مدینہ کے باشندہ تھے اور ام معبد قبیلہ خزاعہ کی تھی جو مکہ اور مدینہ کے بیچ آباد تھا، معلوم نہیں کہ سلیط انصاریؓ نے کس سے سُنا؟ پھر ان کے بیٹے سلیمان اور پوتے محمد سے ہم کو کوئی واقفیت نہیں، حافظ ابن حجر لسان المیزان میں محمد بن سلیمان بن سلیط انصاری کے تحت میں لکھتے ہیں۔

قال العقیلی مجھول بالنقل روی عن ابیہ عن جدہ فذکر قصۃ ام معبد وھو واہ وقال لیس ھذا الطریق محفوظا فی حدیث ام معبد.... قال ابن مندہ مجھول۔

علاوہ ازیں ان روایتوں کے الفاظ ام معبد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باہم طرزِ تخاطب اور اشعار کی زبان اور ابو معبد کی گفتگو میں ایک خاص غرابت ہے جس کو ناقدینِ حدیث اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہاتفِ غیب نے تو اشعار مکہ میں لوگوں کو سنائے اور حسانؓ نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، مدینہ میں بیٹھے بیٹھے ان کا جواب کہا، ہجرت کے سال میں مکہ کے آس پاس قحط کا پڑنا اور خشک سالی ہونا بھی ثابت نہیں۔

مجھے ہجرت کے موقع پر ان دودھ والی روایتوں کے تسلیم کرنے میں اس لئے بھی پس و پیش ہے کہ ہجرت کے رفیق سفر حضرت ابو بکرؓ سے واقعاتِ ہجرت کی جو روایت صحیح بخاری میں مذکور ہے اس میں ایک جگہ چرواہے سے دودھ مانگ کر پینے کا ذکر موجود ہے مگر اس معجزہ کا مطلق ذکر نہیں ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابو بکرؓ کی زبانی یہ قصہ ان الفاظ میں مذکور ہے، دفعۃً ایک چرواہا نظر آیا جو اپنی بکریوں کو ہانکے لئے جا رہا تھا میں نے اس سے پوچھا تم کس کے غلام ہو؟ اس نے قریش کے ایک آدمی کا نام لیا جس کو میں جانتا تھا، پھر میں نے کہا تمہاری بکریوں کے دودھ ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا اپنے ہاتھ اور بکری کے تھن جھاڑ کر پیالہ میں دودھ تو دوہو، اس نے دوہا تو میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک برتن میں رکھ کر اور تھوڑا پانی ملا کر کہ دودھ ٹھنڈا ہو جائے آپؐ کے پاس لایا، آپؐ نے نوش فرمایا[1]۔

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی ایک اجتماعی زندگی شروع ہو گئی تھی اور خلوت و جلوت میں ہر موقع پر جاں نثاروں کا ہجوم رہتا تھا، اس لئے آپ کے واقعات و سوانح کا ایک ایک حرف پہلے سے زیادہ روشن ہو جاتا ہے، اس بنا پر اس زمانہ کے دلائل و معجزات زیادہ محفوظ طریقہ سے احادیث میں مذکور ہیں اور اس عہد کے متعلق جو غلط اور مشتبہ روایات بعد کو پیدا ہوتی ہیں محدثین نے موضوعات میں اعلانیہ ان کی پردہ دری کر دی ہے[2]، اس لئے فنِ

[1] صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین [2] علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ کی پانچویں جلد میں ان روایتوں کو مع تنقید کے جمع کر دیا ہے۔

موضوعات پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی اس میں تفصیل موجود ہے مثلاً۔

(۱) وہ تمام روایتیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے حضرت آمنہ یا کسی اور مردہ کے زندہ ہونے کا بیان ہے وہ سب جھوٹی اور بناتی ہوتی ہیں۔

(۲) وہ معجزے جن میں گدھے، اونٹ، بکری، ہرن، گوہ، بھیڑیئے، شیر وغیرہ جانوروں کے انسانوں کی طرح بولنے یا کلمہ پڑھنے کا ذکر ہے بروایت صحیحہ ثابت نہیں ہیں[1]۔

(۳) ایسی روایتیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آسمان سے خوانِ نعمت یا جنت سے میووں کے آنے کا ذکر ہے موضوع یا ضعیف ہیں[2]۔

(۴) وہ روایتیں جن میں حضرت خضرؑ یا الیاسؑ سے ملنے یا ان کے سلام و پیام بھیجنے کا بیان ہے صحت سے خالی ہیں۔

(۵) عوام میں مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ تھا، لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔

(۶) روایت ہے کہ آپؐ قضائے حاجت سے واپس آتے تھے تو وہاں کوئی نجاست باقی نہیں رہتی تھی، یہ سرتاپا موضوع ہے۔

(۷) واعظوں میں مشہور ہے کہ ابو جہل کی فرمائش سے اس کے ہاتھ کی کنکریاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے کلمہ پڑھنے لگیں، لیکن یہ ثابت نہیں۔

(۸) وہ تمام حکایات جن سے ہماری زبان میں کتب وفات نامہ اور ہرنی نامہ ترتیب پائی ہیں، تمام تر جھوٹی ہیں۔

(۹) ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حضرت علیؓ کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے، آفتاب ڈوب رہا تھا اور نمازِ عصر کا وقت ختم ہو رہا تھا، لیکن حضرت علیؓ نے ادباً آپؐ کو جگانا مناسب نہ سمجھا، جب آفتاب ڈوب گیا تو دفعۃً آپ بیدار ہوئے اور دریافت فرمایا کہ تم نے نماز پڑھی، عرض کی نہیں۔ آپؐ نے دعا کی فوراً آفتاب لوٹ کر نکل آیا۔ یہ روایت بھی صحیح طریقہ

[1] یعنی ضعیف روایتوں میں گو یا آیا ہے لیکن ان کو صحیح کا درجہ حاصل نہیں، ان روایتوں میں سے ایک بھیڑیئے کے بولنے کا قصہ زیادہ مشہور ہے جو دلائل بیہقی، مسند احمد، حاکم اور ترمذی میں بطرقِ متعددہ مذکور ہے، جن میں سب سے قوی حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے بشرطِ مسلم کہا ہے (مستدرک ج ۴ ص ۴۶۷) لیکن امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کی سند قوی نہیں (زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۱۹۳)

[2] اس قسم کی ایک روایت مسند احمد (ج ۴ ص ۱۴۰) دارمی ص ۱۲، نسائی، حاکم، بزار، ابو یعلی اور طبرانی میں سلمہ بن نفیل کوفی سے مروی ہے، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے، لیکن ذہبی نے اس کے استدراک میں اس کو سند صحیح کہا ہے لیکن غرائب صحاح میں قرار دیا ہے (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۴۷، ۴۴۸ و خصائص کبریٰ سیوطی ج ۲ ص ۵۶ حیدر آباد)

سے ثابت نہیں ہے[1]۔

(۱۰) ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک اس قدر روشن تھا کہ اندھیرے میں آپ جاتے تھے تو اجالا ہو جاتا، چنانچہ ایک دفعہ رات کو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے سوئی گر گئی، تلاش کی نہیں ملی، دفعۃً آپ تشریف لے آئے تو چہرۂ مبارک کی روشنی میں سوئی چمک اٹھی اور مل گئی، یہ بالکل جھوٹ ہے۔

گو ان میں سے بعض روایتوں کو اہل سیر اور مصنفین نے فضائل نبوی میں اپنی کتابوں میں درج کیا ہے مگر اس سے ان کی صحت ثابت نہیں ہوتی، اور اگر ان میں کوئی روایت سنداً صحیح ثابت ہو جائے تو اس خاکسار ہیچمداں کو اس کے قبول میں کوئی عذر نہیں، وفوق کل ذی علم علیم۔

ان روایتوں کی تنقید سے غرض نعوذ باللہ فضائل نبوی میں کلام نہیں ہے بلکہ یہ اعتقاد ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کی طرف جو بات منسوب کی جائے وہ ہر طرح اصح ہو[2]۔

*

---

[1] بعض علمائے اہل سنت مثلاً قاضی عیاض، ابو حفص طحاوی اور عام علمائے روافض نے اس روایت کے ضعف کو دور کرنے کی کوشش کی ہے مگر عام ائمہ رجال کا رجحان اس روایت کے موضوع یا کم از کم ضعیف ہونے کی طرف ہے، ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ہمارے استاذ حافظ مزی اور امام ذہبی نے بھی اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۸۲)

[2] اس کتاب کے تصنیف کے برسوں بعد حافظ ابن کثیر کی کتاب البدایہ والنہایہ مصر سے چھپ کر آئی ہے جو سیرت پر بڑی مفصل کتاب ہے، اس کی چھٹی جلد میں حافظ موصوف نے معجزات نبویہ کی ہر قسم کی روایتوں کو جمع کر دیا ہے اور ان پر کلام بھی کیا ہے اور ان کے اسناد کی جرح و تعدیل بھی کی ہے، اہل تحقیق حضرات اس کی طرف توجہ فرمائیں۔

بشارات

يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (اعراف)

(جس پیغمبر کو وہ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں)

یہود و نصاریٰ میں یہ خیال ہے کہ کسی پیغمبر کا دعوائے نبوت اس وقت تک مسلم نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ پہلے پیغمبروں نے اس کی آمد کی پیشین گوئی کی ہے اور جو اس کی نشانیاں بتائی ہیں وہ مدعی نبوت میں پائی جاتی ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی وہ اسی معیار پر پرکھتے تھے اور بہت سے یہود و نصاریٰ جن کو اس معیار سے تشفی کی دولت حاصل ہوئی، وہ علی الاعلان ایمان لائے اور جو اپنی کمزوری سے اپنے ایمان کا اعلان نہ کر سکے، انہوں نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کیا، لیکن جن کے قلوب عناد و تعصب کے گرد و غبار سے تیرہ و تار تھے وہ اس ظلمات سے باہر نہ آ سکے اور آب حیات کا سرچشمہ ان کے ہاتھ نہ آ سکا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے جواب میں فرمایا ہے کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰؑ کی بشارت ہوں[1]۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے جب کعبہ کی تعمیر سے فراغت پائی تو مقدس باپ بیٹوں نے مل کر دعا مانگی کہ ہماری اولاد میں ایک پیغمبر اس سرزمین میں مبعوث ہو۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ
قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ
ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۞
وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا
مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى
اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ
وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۞ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ
رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ
اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ
فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ
النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞ وَاِذْ يَرْفَعُ
اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ

اور یاد کر جب ابراہیم کے پروردگار نے ابراہیم کا چند باتوں میں امتحان لیا، پس ابراہیمؑ نے ان کو پورا کیا، خدا نے کہا کہ اے ابراہیم میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، ابراہیمؑ نے کہا اور میری اولاد میں سے، خدا نے کہا میرا وعدہ گنہگار نہ پائیں گے اور یاد کر جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا مرجع اور امن بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیمؑ کے قیام گاہ کو نماز کی جگہ مقرر کرو اور ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو فرمایا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف کرو اور یاد کر جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ میرے پروردگار! اس (مکہ) کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے جو خدا اور آخرت پر یقین رکھتے تھے ان کو پھل روزی دے، خدا نے کہا جو ان میں سے خدا کا منکر ہوگا اس کو بھی ہم دنیا کی چند روزہ زندگی میں بہرہ مند کریں گے پھر اس کو مجبور کر کے عذاب دوزخ میں لے جائیں گے اور

---

[1] صفحات ذیل میں صرف ان ہی بشارات سے بحث ہے جن کے حوالے قرآن و حدیث میں مذکور ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

بقرہ - ۱۵

بہت بڑا ٹھکانا ہے اور یاد کرو جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ خانۂ کعبہ کی بنیاد رکھ رہے تھے تو انہوں نے دعا کی خداوندا! ہماری یہ خدمت قبول کر تو ہی دعا کا سننے والا ہے، نیتوں کا جاننے والا ہے خداوندا ہم کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری نسل میں بھی ایک گروہ اپنے فرمانبرداروں کا پیدا کر اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے سکھا ہم سے درگزر کر تو ہی بڑا درگزر کرنے والا اور مہربان ہے، خداوندا ان ہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کا تزکیہ کرے تو غالب اور حکمت والا ہے۔

ان آیات میں بتصریح یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے مل کر خدا کے حضور میں دعا کی کہ اس شہر میں ہماری نسل سے ایک پیغمبر مبعوث فرما، چونکہ مقام بعثت مکہ مقرر کیا گیا اور دعا میں حضرت اسماعیلؑ کی بھی شرکت تھی، اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دعا کا مقصود یہ تھا کہ یہ پیغمبر نسل اسماعیل سے ہوگا اور مکہ میں اس کی بعثت ہوگی۔

موجودہ توراۃ کی کتاب پیدائش باب ۱۶ کے آخر اور باب ۱۷ کے اول میں بھی کچھ اس کے اشارات پائے جاتے ہیں۔

"اور ہاجرہ ابراہیمؑ کے لئے بیٹا جنی اور ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسماعیلؑ (خدا نے دعا سنی) رکھا (پیدائش ۱۶: ۱۵)

جب ابراہیم ننانوے برس کا ہوا تب خداوند ابرام کو نظر آیا اور اس نے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو اور میں اپنے اور تیرے درمیان عہد کرتا ہوں کہ میں تجھے نہایت بڑھاؤں گا تب ابرام منہ کے بل گرا اور خدا اس سے ہمکلام ہو کر بولا کہ دیکھ میں جو ہوں، ہوں، تیرا عہد ہے میرے ساتھ ہے اور تو بہت قوموں کا باپ ہوگا اور تیرا نام پھر ابرام نہ کہلایا جائے گا بلکہ تیرا نام ابرہام ہوگا، کیونکہ میں نے تجھے بہت قوموں کا باپ ٹھہرایا اور میں تجھے بہت پھل دوں گا اور قومیں تجھ سے پیدا ہوں گی اور بادشاہ تجھ سے نکلیں گے اور میں اپنے اور تیرے یان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان کے پشت در پشت کے لئے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہے کرتا ہوں کہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں گا اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے، دیتا ہوں کہ ہمیشہ کے لئے ملک ہو اور میں ان کا خدا ہوں گا۔" (پیدائش ۱۷: ۱ تا ۸)

خدا کا حضرت ابراہیمؑ سے یہ عہد حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش کے بعد ہی اور حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے پہلے ہوتا ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ بشارت اسماعیلؑ کے لئے ہے اسحاق کے لئے نہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ کی بشارت دی، حضرت ابراہیمؑ کو وہم ہوا کہ اس نئی بشارت سے یہ مراد تو نہیں ہے کہ اسمٰعیل

زندہ نہ رہیں گے اور وہ عہد اسحاق کے ساتھ پورا ہوگا، فوراً بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔

"کاش کہ اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے۔" (پیدائش ۱۷: ۱۸)

خدا نے جواب دیا۔

"اور اسمٰعیل کے حق میں، میں نے تیری سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے بار ور کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا (پیدائش ۱۷: ۲۰)

حضرت ہاجرہ جب حاملہ ہونے کے بعد حضرت سارہ سے خفا ہو کر بیر سبع چلی گئیں تو فرشتہ نے آواز دی، میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے گی اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو بیٹا جنے گی، اس کا نام اسمٰعیل رکھنا کہ خدا نے تیرا دکھ سن لیا۔ (پیدائش ۱۶: ۱۰)

حضرت ابراہیمؑ نے جب حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ کو فاران (مکہ)[1] کے بیابان میں رخصت کیا اور مشکیزہ کا پانی ہو گیا اور حضرت ہاجرہ نے گریہ و زاری شروع کی۔

"تب خدا نے اس لڑکے (اسمٰعیل) کی آواز سنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوا! مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سنی، اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا، پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں (یعنی زمزم) دیکھا، خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان (عرب) میں رہا..... اور وہ فاران کے بیابان میں رہا۔" (پیدائش ۲۱: ۱۷ تا ۲۱)

موجودہ توراۃ میں حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش اور ان کی نسل کی برومندی، کثرت اور برکت اور ان کی نسل کے بارہ سرداروں کے پیدا ہونے کی بشارتیں مذکور ہیں اور ان سے قرآن مجید کے بیان کردہ دعاء ابراہیمی اور عہد الٰہی کی تائید ہوتی ہے، الغرض اسی لئے روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ میں تمہیں بتاؤں کیا ہوں؟ انا دعوۃ ابی ابراھیم۔ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی نسل میں جس رسول کے پیدا ہونے کی دعا مانگی تھی، اس کے اوصاف یہ گنائے تھے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ

(بقرہ - ۱۵)

اے ہمارے خداوندا! ان میں (یعنی اسماعیل کی اولاد میں) ایک پیغمبر کو مبعوث کرنا جو ان کو تیرے احکام پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک و صاف کرے۔

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی اوصاف ظاہر کئے ہیں۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ

اسی خدا نے ان پڑھوں میں ان ہی کی قوم سے ایک پیغمبر مبعوث

---

[1] عرب کے لفظی معنی بیابان کے ہیں نہ قرآن مجید نے اس کو وادِ غیر ذی زرع بن کھیتی کے میدان سے تعبیر کیا ہے کہ طبقات ابن سعد و مستدرک۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (جمعہ)

کیا جو ان کو خدا کے احکام پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران)

خدا نے مومنوں پر یقیناً یہ احسان کیا کہ ان میں ایک پیغمبر خود ان ہی کی قوم سے مبعوث کیا جو ان کو خدا کے احکام سناتا ہے اور ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اس سے یہ اشارہ صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک دعائے ابراہیمی کی قبولیت کا مظہر ہے، حضرت عیسیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بشارت دی ہے وہ اس سے بھی زیادہ صاف ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (صف)

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس خدا کا قاصد بن کر، اور مجھ سے پہلے جو توراۃ آئی میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، اور اپنے بعد احمد نام ایک پیغمبر کی خوشخبری لے کر آیا ہوں۔

انجیل یوحنا باب ۱۴ میں ایک آنے والے کی بشارت ان الفاظ میں ہے۔

"اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا "فارقلیط" بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔" (۱۴: ۱۶)

آگے بڑھ کر پھر ہے۔

"لیکن وہ "فارقلیط" جو روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا اور سب باتیں جو کچھ کہ میں نے کہی ہیں، تمہیں یاد دلائے گا۔" (۱۴: ۲۶)

اسی انجیل کے باب ۱۵-۱۶ میں ہے۔

"پر جب وہ "فارقلیط" جسے میں تمہارے لئے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی روح جو باپ سے نکلتی ہے تو وہ میرے لئے گواہی دے گا۔"

اسی انجیل کے باب ۱۶-۱۷ میں ہے۔

"لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو "فارقلیط" تمہارے پاس نہ آئے گا، پر اگر میں جاؤں تو میں اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آن کر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائے گا، گناہ سے اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے، راستبازی کے بارے میں اس لئے کہ میں اپنے باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہیں دیکھو گے، عدالت کے بارے میں اس لئے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے، میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ سچائی کی روح آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی بات بتائے گی، اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی لیکن

جو کچھ وہ سنے گی سو کہے گی اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گی، وہ میری بزرگی کرے گی اس لئے کہ وہ میری چیزوں سے پائے گی اور تمہیں دکھائے گی۔"

انجیل کی ان آیتوں میں حضرت عیسیٰ نے جس آنے والے پیغمبر کی بشارت بار بار دی ہے اس کو لفظ "فارقلیط" سے تعبیر کیا ہے، یہ لفظ عبرانی یا سریانی ہے، جس کے لفظی معنی ٹھیک محمد اور احمد کے ہیں، یونانی کے قدیم تراجم میں اس کا ترجمہ "پیریکلیوطاس" کیا گیا تھا جو بعینہٖ فارقلیط اور احمد کا ہم معنی ہے، مگر یہ دیکھ کر کہ اس سے اسلام کی تصدیق ہوتی ہے، ذرا سے تغیر سے پیریکلیوطاس کے بجائے "پیریکلیطاس" کر دیا گیا ہے جس کا ترجمہ اب عام طور سے "تسلی دہندہ" کیا جاتا ہے، عیسائی اور مسلمان علماء کے درمیان اس لفظ کی تحقیق پر سینکڑوں برس سے مناظرہ قائم ہے اور مسلمان علماء نے خود قدیم عیسائی علماء کی تحریروں سے یہ ثابت کیا ہے کہ صحیح لفظ پیریکلیوطاس ہے، سب سے زیادہ سیدھی بات یہ ہے کہ یہ فقرے حضرت عیسیٰ کی زبان سے نکلے تھے، ان کی زبان سریانی یا عبرانی تھی، یونانی نہ تھی، اس لئے جو لفظ ان کی زبان سے نکلا ہوگا وہ عبرانی یا سریانی ہوگا اس لئے یہ بالکل صاف ہے کہ انہوں نے فارقلیط کا لفظ کہا ہوگا جو احمد یا محمد کا مرادف ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں قرآن کا دعویٰ ہے۔[1]

گزشتہ صفحات میں یہ کہیں ثابت کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توراۃ و انجیل کی انسانی تعلیم سے قطعاً ناآشنا تھے، بایں ہمہ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اس آنے والے پیغمبر کی جو صفتیں گنائی ہیں وہ حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہیں۔

"لیکن وہ فارقلیط (احمد) جو روح القدس (پاکیزگی کی روح) ہے جسے باپ (خدا) میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں تمہیں یاد دلائے گا۔" (یوحنا ۱۴: ۲۶)

"وہ فارقلیط (احمد) جو باپ (خدا) سے نکلتی ہے آئے تو میرے لئے گواہی دے گا۔" (یوحنا ۱۵: ۲۶)

"اور وہ (فارقلیط) آن کر دنیا کو گناہ سے راستی اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائے گا، گناہ سے اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے، راستی سے اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے، عدالت سے اس لئے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے، میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی لیکن جو کچھ سنے گی سو کہے گی، میری بزرگی کرے گی۔" (یوحنا ۱۶-۸)

انجیل کے ان فقروں میں آنے والے پیغمبر کی یہ صفات گنائی گئی ہیں۔

(۱) مسیح کی اصلی تعلیم لوگ بھول جائیں گے، اس لئے وہ پیغمبر آ کر اس کو یاد دلائے گا۔
(۲) وہ مسیح کی نا تمام باتوں کی تکمیل کرے گا اور وہ ساری سچائی کی باتیں بتلائے گا اور سب باتوں کی خبر دے گا۔
(۳) مسیح کی عظمت کو دنیا میں قائم کرے گا اور ان کی گواہی دے گا اور ان پر ایمان نہ لانے پر دنیا کو گنہگار ٹھہرائے گا۔

---

[1] خطبات احمدیہ، خطبہ بشارات محمدی، منقول از گاڈفری ہیگنس صاحب۔

(۴) اس کی باتیں خود اس کی نہ ہوں گی بلکہ جو کچھ خدا کی طرف سے ان کو سنایا جائے گا وہی کہے گا۔

اس صداقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مسیحؑ کی اصلی تعلیم عیسائی بھلا چکے تھے، توحید کی جگہ تثلیث تھی، حضرت عیسیٰؑ کے تعلیماتِ صادقہ میں ابنیت، الوہیتِ مسیحؑ، مجسمہ پرستی اور بیسیوں عقائدِ فاسدہ کا اضافہ کر دیا گیا تھا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات مبارک ہے جس نے حضرت عیسیٰؑ کی بھلائی ہوئی باتوں کو پھر یاد دلایا اور بتایا کہ ان کی اصلی تعلیم کیا تھی۔ قرآن مجید نے پورے واشگاف طریق سے نصاریٰ کے عقائدِ فاسدہ اور غلط تعلیمات کی تشریح کی اور دنیا میں تثلیث کے بجائے توحید کا علم نصب کیا اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی الوہیت کی تردید کی اور حضرت عیسیٰؑ کی ابنیت اور ان کی موت وحیات کے مسئلہ کو صاف کیا۔

اس کے بعد حضرت مسیحؑ نے کہا کہ وہ میری ناتمام باتوں کی تکمیل کرے گا، یہ خصوصیت بھی خاتم النبیینؐ کے سوا اور کسی پر صادق نہیں آسکتی، مسیحؑ کے اس فقرے سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، ایک یہ کہ مسیحؑ تک دینِ الٰہی ناتمام ہے اور دوسری یہ کہ آئندہ آنے والے پیغمبر کے ہاتھ سے اس کی تکمیل ہوگی اور وہ سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا اور ساری باتوں کی خبر دے گا، یہ پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے پوری ہوئی، آپؐ کی ذات سے دینِ الٰہی تکمیل کو پہنچا اور آپؐ نے عقائد، عبادات، اخلاق، احکام، اخبارِ قیامت، جنت، دوزخ، سزا، جزا وغیرہ کے باتوں کو اس تفصیل، تشریح اور تکمیل کے ساتھ بنایا جس کی مثال دنیا کے کسی پیغمبر کی تعلیم میں نہیں ملتی، اس لئے آپؐ کو خاتم النبیینؐ کا لقب دیا گیا۔

حضرت عیسیٰؑ نے اس پیغمبر کی تیسری نشانی یہ بتائی کہ وہ دنیا میں میری عظمت کو قائم کرے گا اور میرے لئے گواہی دے گا، یہ نشانی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے سوا کسی اور پر صادق نہیں ہو سکتی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، جنھوں نے حضرت عیسیٰؑ کی اصلی شخصیت اور عظمت کو دنیا میں آشکارا کیا اور دوستوں اور دشمنوں کی طرف سے اُن پر جو غلط اتہامات قائم کئے گئے تھے ان کی پردہ دری کی اور ان کی نبوت اور رسالت کی گواہی دی اور ان کی صداقت کو تسلیم کرنا اسلام کا ضروری رکن قرار دیا، ان کے حقیقی اوصاف و محامد کی تصویر کو جسے یہود نے دشمنی سے اور نصاریٰ نے محبت سے دھندلی کر دیا تھا، اپنی روشنی سے اجاگر کر دیا، یہودیوں نے ان پر اور ان کی ماں پر جو بہتان باندھے تھے ان کی علیٰ رؤس الاشہاد تردید کر دی اور نصاریٰ نے اُن کی ولادت، وفات، ابنیت، الوہیت اور تعلیمات پر رومی مشرکانہ اعمال وعقائد کا جو پردہ ڈال رکھا تھا اس کو چاک کر دیا اور قرآن کی بیسیوں آیتوں میں نہایت صفائی کے ساتھ ان امور کی تشریح کی گئی اور اب کروڑوں دلوں میں ان کی اصلی عظمت اور حقیقی بزرگی کا نقش کندہ ہے۔

چوتھی نشانی حضرت مسیحؑ نے یہ بتائی کہ وہ خود اپنی طرف سے نہیں کہے گا بلکہ وہی کہے گا جو اس کو اوپر سے سنایا جائے گا، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص وصف ہے۔ قرآن نے کہا،

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (نجم-۱)

اور وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ جو کچھ بولتا ہے وہی بولتا ہے جو اس پر وحی کی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشاد فرمایا کرتے تھے اُس کو لکھ لیا کرتے تھے، لوگوں نے کہا آپؐ کبھی غصہ میں کچھ کہہ دیتے ہیں، ان کو لکھا نہ کرو، حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، آپؐ نے اپنے دہنِ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس سے رضامندی اور نارضامندی دونوں حالتوں میں حق اور سچائی کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا، قرآن مجید نے اپنی نسبت بارہا کہا کہ وہ سچائی کی روح ہے، وہ حق ہے، وہ تذکرہ ہے، وہ ہدایت ہے، اور اس کا پیغمبر چراغِ ہدایت ہے، رہنمائے عالم ہے، مذکر (یاد دلانے والا ہے) اس تفصیل کے بعد کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے حرف بحرف پوری نہیں ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور ہستی نہیں جس پر یہ اوصاف صادق آسکیں، قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشین گوئی توراۃ اور انجیل دونوں میں مذکور ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں اس پیشین گوئی کو جانتے تھے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (اعراف-۹)

جو لوگ اس ان پڑھ پیغام رساں قاصد کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

انجیل میں گزشتہ بشارت فارقلیط کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو اور بھی پیشین گوئیاں مذکور ہیں انجیل لوقا میں ہے، حضرت مسیحؑ نے آسمان پر چلے جانے سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا۔

"دیکھو میں اپنے باپ خدا کے اس موعود کو تم پر بھیجتا ہوں، لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت عطا نہ کی جائے یروشلم میں ٹھہرو" (لوقا ۲۴-۴۹)

اس کی چند سطروں کے بعد لوقا کی انجیل ختم ہو گئی ہے اور اس موعود کے ظہور کا کوئی ذکر نہیں، وہ رسولِ موعود کون تھا، ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی پیغمبر نہیں ہوا، انجیل کے اس فقرہ میں یہ الفاظ غور کے قابل ہیں کہ حضرت مسیحؑ کہتے ہیں کہ اس قوتِ آسمانی کے ظاہر ہونے کے وقت تک شہر یروشلم میں ٹھہرو، اس سے مقصود اس قوتِ آسمانی کے ظہور تک شہر یروشلم میں محض اقامت نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس رسولِ موعود کے ظہور تک تمہارا کعبہ اور قبلہ بیت المقدس رہے گا لیکن جب وہ آئے گا تو رخ شہر مکہ کی طرف بدل جائے گا، اسی لئے قرآن مجید نے تحویلِ قبلہ کے موقع پر یہ کہا ہے۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ (بقرہ)

تو تو اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف پھیر اور تم جہاں بھی ہو اسی کی طرف اپنے منہ پھیرو اور جو اہل کتاب ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے، ان کے پروردگار کی جانب سے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ نے آپؐ کی آمد کی بشارت کس قدر کھلے لفظوں میں دی تھی، اسی لئے احادیث میں ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ میں اپنے بھائی عیسیٰؑ کی بشارت ہوں۔ انجیل کی دوسری بشارت حضرت یحییٰؑ کے ظہور کے موقع پر مذکور ہے، حضرت یحییٰؑ جب ظاہر ہوتے ہیں، تو لوگ اُن

سے پوچھتے ہیں کہ تین آنے والے پیغمبروں میں سے تم کون ہو؟

"یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا کہ اس سے پوچھیں کہ تو کون ہے؟ اور اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں، تب انہوں نے اس سے پوچھا تو اور کون ہے؟ کیا تو الیاس ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں، پس آیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں اور انہوں نے اس سے سوال کیا اور کہا کہ اگر تو نہ مسیح ہے اور نہ الیاس اور نہ وہ نبی ہے تو کیوں بپتسمہ دیتا ہے۔" (یوحنا ۱-۱۹)

اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ توراۃ کی پیشین گوئی کے مطابق یہود کو تین پیغمبروں کا انتظار تھا، جن میں سے دو کے نام الیاس اور مسیح تھے، لیکن تیسرے کا نام صرف وہ نبی سے لیا گیا ہے، یہ تیسرا نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کون ہے کہ یہود و نصاریٰ دونوں یقین رکھتے ہیں کہ اب مسیح کے سوا کوئی اور آنے والا نہیں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ذات ہے جو نبی اور پیغمبر کے مطلق نام سے دنیا میں مشہور ہے، مسلمان آپ کو آنحضرت "وہ حضرت"، یعنی پیغمبر کہتے ہیں اور مسیحیوں میں آپ کا نام "دی پرافٹ" وہ پیغمبر مشہور ہو گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ اور تابعین میں جن لوگوں کو توراۃ سے واقفیت تھی یا علمائے یہود میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت گزشتہ صحف انبیاء میں مذکور ہے، حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کم سن تھے، مگر وہ مطالعہ کتب کے شائق تھے اور وہ توراۃ پڑھا کرتے تھے، سورۂ فتح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (فتح-۱)

ہم نے تجھ کو گواہ، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، تاکہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی عظمت کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔

سورۂ احزاب میں کچھ اوصاف اور زیادہ مذکور ہیں

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (احزاب ۶)

اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو گواہ، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف گنائے گئے ہیں وہ بعینہٖ توراۃ میں ہیں۔

عن عبد الله بن عمرو ان هذه الآية التي في القرآن يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا قال في التوراة يا ايها النبي انا ارسلناك شاهدا ومبشرا وحرزا للاميين انت

عبداللہ بن عمروؓ نے کہا کہ قرآن کی یہ آیت کہ اے پیغمبر ہم نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، توراۃ میں یوں ہے کہ، اے نبی! ہم نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور امیوں کا ماویٰ و ملجا بنا کر بھیجا، تو میرا بندہ ہے اور میرا رسول

عبدی ورسولی سمیتك المتوكل ليس بفظ ولا غليظ ولا سخاب بالاسواق ولا يدفع السيئة بالسيئة ولكن يعفو ويصفح ولن يقبضه الله حتى يقيم به الملة العوجاء بان يقولوا لا اله الا الله فيفتح بها اعينا عميا وآذانا صما وقلوبا غلفا۔

(بخاری تفسیر سورۂ فتح)

ہے اور میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ رکھنے والا رکھا، تو نہ تندخو اور سنگدل نہ ہو گا اور بازاروں میں وہ شور نہ کرے گا، وہ برائی کا بدلہ برائی نہ دے گا بلکہ عفو اور درگزر کرے گا اور اس وقت تک خدا اس کی روح قبض نہ کرے گا جب تک اس کے ذریعہ سے وہ کج دین کو سیدھا نہ کر لے گا، لوگ کہنے لگیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں، پس وہ اس دین سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور نافہم دلوں کو کھول دے گا۔

صحابہؓ کے زمانہ میں کعبؓ ایک مشہور یہودی عالم تھے جو مسلمان ہو گئے تھے، تفسیر طبری میں ہے کہ حضرت عطا تابعی نے ان سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بشارت توراۃ میں مذکور ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ہے اور اس کے بعد انہوں نے توراۃ کی اسی عبارت کا ترجمہ پڑھا، چنانچہ اس وقت توراۃ کے جو نسخے موجود ہیں ان میں اشعیاء نبی کی کتاب میں کسی قدر الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ پیشین گوئی اب تک موجود ہے اور جس پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت کعبؓ نے اپنی پیشین گوئی کو اختصار اور اجمال کے ساتھ اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے، اشعیاء نبی کی پیشین گوئی یہ ہے۔

"دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا، میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی، وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا، وہ نہ چلائے گا اور اپنی صدا نہ بلند کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا، وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور دھکتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا وہ عدالت کو جاری کرائے گا کہ دائم رہے، اس وقت زوال نہ ہو گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں، خداوند خدا جو آسمانوں کو خلق کرتا اور انہیں تانتا جو زمین کو اور انہیں جو اس سے نکلتے ہیں پھیلاتا اور ان لوگوں کو جو اس پر ہیں سانس دیتا اور ان کو جو اس پر چلتے ہیں روح بخشتا ہے یوں فرماتا ہے، میں خداوند نے تجھے صداقت کے لئے بلایا، میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور میں تجھ کو لوگوں کے لئے عہد اور قوموں کے لئے نور بناؤں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور بند ہوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں، قید خانہ سے چھڑائے، یہوداہ میں ہوں، یہ میرا نام ہے اور اپنی شوکت دوسرے کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لئے ہوتی کھودی ہوئی مورتوں کے لئے ہونے نہ دوں گا، دیکھو سابق پیشین گوئیاں بر آئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں، اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں، خداوند کے لئے ایک نیا گیت گاؤ، اے تم جو سمندر پر گزرتے ہو، اور تم جو اس میں بستے ہو، اے بحری ممالک اور ان کے باشندو تم زمین کے سرتاسر اسی کی ستائش کرو، بیابان اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے، سلع

۱؎ اس فقرہ کا اردو ترجمہ میرے پیش نظر اردو نسخوں میں صحیح نہ تھا میں نے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۹۹ء سے درست کیا ہے۔

کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے اور بحری ممالک میں اس کی ثنا خوانی کریں گے، خداوند ایک بہادر کے مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کے مانند اپنی غیرت کو اسکائے گا، وہ چلائے گا، ہاں وہ جنگ کے لئے بلائے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہوگا، میں بہت مدت سے چپ رہا، میں خاموش ہورہا اور آپ کو روکتا گیا، پر اب میں اس عورت کی طرح جسے درد زہ ہو چلاؤں گا اور ہانپوں گا اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا، میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا اور ان کے سبزہ زاروں کو خشک کردوں گا اور ان کی ندیاں بسنے کے لائق زمین بناؤں گا اور تالابوں کو سکھا دوں گا اور اندھوں کو اس راہ سے کہ جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا، میں انہیں ان رستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے جاؤں گا، میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو میدان کردوں گا، میں ان سے یہ سلوک کروں گا اور انہیں ترک نہ کروں گا، وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں، جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الٰہ ہو، سنو اے بہرو! اور تاکو اے اندھو! تاکہ تم دیکھو اندھا کون ہے، مگر میرا بندہ؟ اور کون ایسا بہرہ ہے جیسا میرا رسول جسے میں بھیجوں گا، اندھا کون ہے، جیسا کہ وہ جو کامل ہے اور خداوند کے خادم کی مانند اندھا کون ہے؟ تو نے بہت چیزیں دیکھی ہیں، پر ان پر لحاظ نہیں رکھا اور کان تو کھلے ہیں پر کچھ نہیں سنتا خداوند اپنی صداقت کے سبب راضی ہوا اور وہ شریعت کو بزرگی دے گا اور اسے عزت بخشے گا۔ (باب ۴۲)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت کعبؓ کی پیش کردہ بشارت میں جو الفاظ ہیں وہ حرف حرف اس میں موجود ہیں، پہلا لفظ اس بشارت میں "شاہداً" ہے یعنی خدا کی طرف سے دو قوموں کے درمیان گواہ اور شاہد ہوگا، اشعیاء میں ہے وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا اور اس عدالت کا وہ گواہ ہوگا، اس کے بعد "مبشر" کی صفت ہے یعنی وہ نیکوکاروں کو خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سنائے گا، اشعیاء کے اس پورے باب میں اس آنے والے پیغمبر کے یہی اوصاف بیان ہوتے ہیں، بعد ازیں "حرزاً للامیین" امیوں کا ماویٰ اور پناہ ہے، امی وہ ہیں جن کو اب تک کوئی شریعت نہیں ملی تھی، چنانچہ اشعیاء میں ہے کہ "اس رسول کے ذریعہ سے اندھوں کو اس راہ سے کہ جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا، میں ان ہی رستوں (شریعت) پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا" انت عبدی ورسولی یعنی تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے، اشعیاء کے شروع میں ہے "دیکھو میرا بندہ" اور آخر میں ہے، میرا بندہ میرا رسول جسے میں بھیجوں گا، سمیتک بالمتوکل، میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ کرنے والا رکھا، اشعیاء میں ہے، میرا بندہ جس کو میں سنبھالتا ہوں...... میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا، لیس بفظ ولا غلیظ ولا یدفع السیئۃ بالسیئۃ ولکن یعفو ویصفح وہ سنگدل اور سخت نہ ہوگا، یعنی کمزوروں اور ضعیفوں کو نہ ستائے گا اور برائی کا بدلہ برائی نہ دے گا بلکہ معاف کرے گا، اشعیاء تمثیل و استعارہ میں کہتے ہیں، وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور دھیمی بتی کو نہ بجھائے گا، وہ عدالت کو جاری کرائے گا، ولا سخاب بالاسواق، وہ بازاروں میں نہ چلائے گا

یعنی وہ متین اور سنجیدہ ہوگا، اشعیاء نے کہا وہ نہ چلائے گا، اپنی صدا نہ بلند کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا، ولن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملۃ العوجاء خدا اس وقت تک اس کی روح قبض نہ کرے گا جب تک اس کے ذریعہ سے وہ کج دین کو سیدھا نہ کرالے گا، اشعیاء میں ہے اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا، جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے گا، فیقولوا لا الٰہ الا اللہ تو لوگ کہیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں، اشعیاء کہتے ہیں، میں خدا (یہوداہ) اپنی شوکت دوسرے معبودانِ باطل کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لئے ہوتی ہے کھودی ہوئی مورتوں کے لئے ہونے نہ دوں گا... وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الٰہ ہو۔ فیفتح بہ اعینا عمیا و اذانا صما وقلوبا غلفا۔ وہ اس کے ذریعے سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور زیر پردہ دلوں کو کھول دے گا، اشعیاء کہتے ہیں، لوگوں کے عہد اور قوموں کی روشنی کے لئے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے جو بند ہیں ان کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں ہیں قید سے نکالے...... سنو اے بہرو! تاکو اے اندھو!۔

حضرت اشعیاء کی یہ بشارت حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے، حضرت اشعیاء نے ان فقروں میں جس نبی کی پیشین گوئی کی ہے وہ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں کہ نہ تو وہ عیسائیوں میں خدا کے "بندہ اور رسول" کی حیثیت سے تسلیم ہوتے ہیں اور نہ وہ ایک جنگی مرد کی طرح دنیا میں آئے، نہ انہوں نے توحید کو دنیا میں قائم کیا اور نہ بت پرستی کا استیصال کیا، علاوہ ازیں اس پیشین گوئی میں اس کی طرف بھی خاص اشارہ ہے کہ وہ آنے والا نبی قیدار بن اسمٰعیل کی نسل سے اور قیدار کے دیہاتوں میں پیدا ہوگا، قیدار بن اسماعیل کا مشہور خاندان قریش تھا اور قیدار کا دیہات مکہ معظمہ ہے، اس باب ۴۲ سے پہلے جس میں یہ بشارت ہے باب ۴۱ میں بھی اس بشارت کا ایک حصہ مذکور ہے۔

کس نے اس راست باز کو پورب کی طرف سے برپا کیا اور اپنے پاؤں کے پاس بلایا اور امتوں کو اس کے آگے دھر دیا اور اسے بادشاہوں پر مسلط کیا، کس نے انہیں (کافروں) خاک کے مانند اس کی تلوار کے، اور اڑتی بھوسی کے مانند اس کی تلوار کے حوالہ کیا۔

اس درس میں یہ تصریح ہے کہ وہ راست باز پورب کی طرف سے مبعوث ہوگا، توراۃ کے محاورہ میں پورب کی سرزمین سے عموماً عرب مراد ہوتا ہے[1]، اس سے ثابت ہوا کہ وہ راست باز بندہ اور رسول ملک عرب میں مبعوث ہوگا۔

اس بشارت میں آنے والے پیغمبر کے سب سے پہلے وصف کا ترجمہ "برگزیدہ" کیا گیا ہے جو آنحضرتؐ کے لقب "مصطفیٰ" کا ترجمہ ہے، دوسرا وصف "راست باز" ہے، یہ امین کا وہ لقب ہے جو نبوت سے پہلے اہل مکہ کی زبان سے آپؐ کو ملا تھا، اب حضرت اشعیاء کی بشارت کے ایک ایک لفظ پر غور کرو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] میں نے اپنی تصنیف ارض القرآن ج اول میں جغرافیہ عرب میں توراۃ کے حوالے سے اس کو بہ تفصیل دکھایا ہے۔

کے اوصاف وحالات سے اس کی عجیب مطابقت ہوتی ہے۔

سب سے پہلے یہ کہ اس پیغمبر کو بندہ اور رسول کے وصف سے یاد کیا ہے، یہ وہ وصف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی پیغمبر اس وصف خاص کے ساتھ شہرت نہیں رکھتا، یہ اسلام ہی کا پیغمبر ہے جس کا طغرائے فخر عبدیت اور رسالت ہے، اس نے دنیا میں اپنے نام کا اعلان ہی ان الفاظ کے ساتھ کیا کہ عبدہٗ ورسولہٗ کسی مسلمان کی کوئی نماز اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک وہ اپنی زبان سے تشہد میں یہ نہیں ادا کر لیتا و اشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہٗ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندہ اور اس کے رسول ہیں، اس موقع پر ایک خاص نکتہ بیان کے لائق ہے کہ دیگر انبیاء جس طرح خلیل اللہ، کلیم اللہ، روح اللہ وغیرہ کے خطابات سے مشرف ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا خطاب "عبداللہ" خدا کا بندہ ہے، معراج میں جو تقرب الٰہی کی آخری منزل اور انسانی رتبہ کی آخری شرف یابی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی لقب خاص سے پکارے گئے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (بنی اسرائیل) — پاک ہے وہ خدا جو معراج میں اپنے "بندہ" کو لے گیا۔

اس کے علاوہ اور متعدد روایتوں میں آپ کو اس خطاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا (بقرہ) — اگر تم کو اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے "بندہ" پر اتارا۔

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ (فرقان) — بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے "بندہ" پر قرآن اتارا۔

وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ (جن) — اور جب خدا کا "بندہ" اس کو پکارتے ہوئے کھڑا ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں زانوں کھڑے کر کے کھانا تناول فرماتے تھے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ میں خدا کا بندہ ہوں، اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا وصف "رسول" ہے گو دنیا میں پیغمبر ہزاروں آئے مگر لفظ رسول سے ان کے نام کو شہرت نہیں، یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وصف ہے جو تمام مسلمانوں کی زبانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ملقب ہیں، یہاں تک کہ عیسائیوں میں بھی دی پرافٹ یعنی پیغمبر مخصوص آپ کا نام ہے قرآن نے تصریح کی۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (فتح) — محمد خدا کا رسول۔

یَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ (منافقون) — خدا کا رسول تمہاری مغفرت چاہے۔

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ (توبہ) — تمہارے پاس خود تمہاری قوم کا رسول آیا۔

اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ (حجرات) — تم میں خدا کا رسول ہے۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (احزاب) — تمہارے لئے خدا کے رسول کے اندر اچھی پیروی ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ (مائدہ) — اے رسول تجھ پر جو کچھ اتارا گیا ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دے۔

ان مقامات کے علاوہ اور بیسیوں جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے یہاں تک کہ

حضرت عیسیٰ نے جو بشارت دی ہے وہ بھی اسی رسول کے لفظ کے ساتھ دی ہے۔ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ، میرے بعد احمد نام ایک رسول آنے والا ہے۔

حضرت اشعیاء نے آنے والے پیغمبر کا تیسرا وصف برگزیدہ بتایا ہے، کون نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصطفےٰ (برگزیدہ) کے لقب سے عام طور پر مشہور ہیں، حدیث صحیح میں ہے۔

ان اللہ اصطفیٰ کنانۃ من ولد اسماعیل واصطفیٰ قریشا من کنانۃ واصطفیٰ بنی ہاشم من قریش واصطفانی من بنی ہاشم۔ — بے شک خدا نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو برگزیدہ کیا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ کیا۔

چوتھی صفت یہ بیان ہوتی ہے کہ جس سے میرا جی راضی ہوا، یہ صفت نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بلکہ آپ کے وسیلہ سے تمام پیروان محمدی میں عام ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ — محمد خدا کا رسول اور جو اس کے ساتھ ہیں

یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا (فتح) — وہ خدا کی مہربانی اور رضا کو ڈھونڈتے ہیں۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (مائدہ، توبہ، مجادلہ، بینہ) — خدا ان سے راضی ہوا اور وہ خدا سے راضی ہوئے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (فتح) — بے شک خدا مومنوں سے راضی ہوا۔

تمام انبیاء کی امتوں سے یہ مخصوص وصف امت محمدی ہی کا ہے اس کے پیرو رضی اللہ عنہ کی دعا سے ہمیشہ مخاطب ہوتے ہیں، اس کے بعد اشعیاء اس پیغمبر کا وصف یہ بتاتے ہیں کہ خدا اس سے کہتا ہے، میں نے اپنی روح اس پر رکھی۔ قرآن سے اس وصف سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متصف کیا ہے۔

وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (شوریٰ) — ہم نے تیری طرف اپنی شان کی ایک روح وحی کی۔

نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ (شعراء) — امانت دار روح اس کو لے کر اتری۔

قُلْ نَزَّلَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ (نحل) — کہہ دے کہ روح القدس نے اس کو اتارا ہے۔

پانچواں وصف یہ بتایا گیا کہ وہ نہ چلائے گا اور اپنی صدا بلند نہ کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا، صحابہؓ نے آپ کی سیرت کے خط وخال کی بھی تصویر کھینچی ہے، متعدد صحابہؓ سے روایت ہے کہ آپ کبھی زور سے نہیں ہنستے تھے بلکہ صرف مسکراتے تھے، شمائل ترمذی میں حضرت ہندؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر چپ رہتے، بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے، ایک ایک فقرہ الگ اور واضح ہوتا، ہنستے بہت کم تھے، ہنسی آتی تو مسکرا دیتے۔

حضرت عائشہؓ سے ایک شخص نے آپ کے اخلاق پوچھے، انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدگو نہ تھے اور نہ بازاروں میں شور کرتے تھے، حضرت علیؓ سے حضرت حسینؓ نے دریافت کیا کہ آپ کے

[1] جامع ترمذی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] جامع ترمذی باب ما جاء فی صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اوصاف کیا تھے؛ فرمایا، آپ شور و غل نہیں کرتے تھے[1]

سفر اشعیاء میں اس کے بعد ہے، وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور دہکتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا مسکینوں، غریبوں اور کمزوروں کو نہ ستائے گا، وہ نرم دل اور نیک خو ہوگا، قرآن مجید نے آپ کے اس وصف کو نمایاں طریق سے بتایا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (ن)
اور بے شک تو بڑے خلق پر ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران)
خدا کی رحمت کے سبب سے تو ان کے ساتھ نرم ہے، اگر تو کڑوا اور دل کا سخت ہوتا تو تیرے ارد گرد سے ہٹ جاتے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (توبہ-۱۶)
تمہاری قوم سے تمہارے پاس ایک پیغمبر آیا جس کو تمہاری تکلیف شاق ہوتی ہے، تمہاری بھی خواہی کا حریص ہے اور مسلمانوں پر مہربان اور رحمت والا ہے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپ نے کبھی کسی سے اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا، آپ برائی کے بدلہ برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ معاف کر دیتے تھے اور درگزر فرماتے تھے، آپ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ آپ خندہ جبین، نرم خو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے، ہند بن ابی ہالہؓ جو گویا آپ کے آغوش پروردہ تھے، بیان کرتے ہیں کہ آپ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، خود اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہ فرماتے اور نہ کسی سے انتقام لیتے[2]۔

حضرت انسؓ خادم خاص کہتے ہیں کہ میں نے دس برس آپ کی خدمت کی، مگر آپ نے کبھی کسی معاملہ کی مجھ سے باز پرس نہ فرمائی[3]، مالک بن حویرثؓ جو ۲۰ دن تک آپ کی صحبت میں رہے تھے کہتے ہیں کہ آپ رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔

حضرت اشعیاء اس کے بعد کہتے ہیں کہ وہ عدالت کو قائم کرے گا کہ دائم رہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور نہ آپ کی شریعت منسوخ ہوگی آپ آخری دین لے کر آئے جو قیامت تک دائم رہے گا، پھر کہتے ہیں کہ، اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مٹا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے، یعنی جب تک اس کی شریعت اور تعلیم قائم نہ ہو جائے گی، اس کو موت نہ آئے گی، ظاہر ہے کہ یہ وصف حضرت عیسیٰؑ پر صادق نہیں آتا کہ وہ اپنی تعلیم و شریعت کے استحکام سے پہلے اس دنیا سے اٹھ گئے، یہ مخصوص وصف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو اس وقت تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے جب تک آپ کی تعلیم و شریعت نے ظہور تام اور استحکامات کامل نہیں حاصل کر لیا، چنانچہ جب یہ بات حاصل ہو گئی تو آپ کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہونے کی اجازت ملی، حضرت اشعیاء کی یہ پیشین گوئی

[1] یہ دونوں روایتیں شمائل ترمذی باب خلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں حضرت عائشہؓ والی روایت مسند ابو داؤد طیالسی ص ۲۱۴ اور مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ [2] یہ تمام روایات شمائل ترمذی میں مذکور ہیں۔ [3] صحیح مسلم و ابو داؤد کتاب الادب۔ [4] صحیح بخاری رحمۃ الناس۔

قرآن مجید کے اس سورہ کے مطابق ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (نصر-۱)
جب خدا کی نصرت اور فتح آچکی اور تو نے لوگوں کو گروہ در گروہ دین الٰہی میں آتے دیکھ لیا تو تیرا فرض انجام پاچکا، اور اس دنیا سے تیری رخصت کے دن قریب آگئے، اب خدا کے حمد و استغفار میں مصروف ہو کہ وہ رحم کرنے والا ہے۔

جب یہ سورہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ خدا کے ایک بندہ کو اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے وہ اس دنیا کو قبول کرے یا دوسری دنیا کا سفر اختیار کرے، مگر اس بندہ نے آخرت کو پسند کیا، حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر رو پڑے، وہ سمجھ گئے کہ یہ بندہ کون ہے، حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ سے امتحاناً اس سورہ کا مطلب پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اشارہ ہے حضرت عمرؓ نے بھی اس کی تصدیق کی[1]۔

اس کے بعد اشعیاء کہتے ہیں کہ تمام بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں، یہ اسلام ہی تھا جس کی شریعت نہر جیحون اور سیحون سے دجلہ و فرات ہو کر بحیرہ روم تک اور بحر ہند سے بحر ظلمات تک پھیل گئی اور بڑے بڑے جزیرے اس کے نور سے منور ہو گئے، بعد ازیں اشعیاء خدا کا وعدہ سناتے ہیں کہ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا، یہ وعدہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پورا ہوا، آپ نے یکہ و تنہا دعوت توحید کی اس وقت تک اشاعت کی جب تک ملک عرب کا ذرہ ذرہ آپ کے خون کا پیاسا تھا اور خدا کے سوا کوئی آپ کا دوسرا دستگیر نہ تھا، اس نے دشمن کے نرغہ میں نازک سے نازک اور خطرناک سے خطرناک حملوں سے آپ کی ذات گرامی کو محفوظ رکھا اور سفر اشعیاء کے وعدے کو قرآن کے ذریعہ سے دوبارہ دہرایا اور مکہ میں عین اس وقت جب دشمنوں کی عداوت کا آفتاب پوری تمازت پر تھا یہ آیت اتری۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ (اسراء)
اور یاد کر اے محمدؐ جب ہم نے تم سے فرمایا کہ تمہارے پروردگار نے لوگوں کو ہر طرف سے روک رکھا ہے کہ تم پر ہاتھ نہ ڈالیں۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (طور)
اپنے رب کے حکم کا صبر کے ساتھ انتظار کر کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

مدینہ میں آکر یہ وعدہ مکرر دہرایا گیا۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ)
اور خدا لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔

صحابہؓ اپنی جاں نثاری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد پہرہ دیا کرتے تھے، جب یہ آیت اتری تو آپ نے خیمہ سے سر مبارک باہر نکال کر فرمایا، لوگو! واپس جاؤ کہ خدا نے میری حفاظت کا خود وعدہ کیا ہے اس وصف کے مستحق حضرت عیسیٰؑ نہیں ہو سکتے، جو عیسائیوں کے اقرار کے مطابق رومیوں کے ہاتھ گرفتار

[1] صحیح بخاری تفسیر سورہ مذکور۔

ہو کر سُولی پر لٹکائے گئے۔

بشارات اشعیاء میں اس کے بعد ہے میں تجھ کو لوگوں کے لئے عہد اور قوموں کے لئے نور بناؤں گا کہ تو اندھوں کی آنکھوں کو کھولے اور بندھے ہوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید سے نکالے، تاریخ گواہ ہے کہ بشارت کا یہ حصہ بھی پیغمبر اسلام کے وجود سے کس خوبی سے پورا ہوا ہے، قرآن مجید نے بھی بشارت کے اس حصہ کو ان الفاظ میں مکمل کیا۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (اعراف-۱۹)

وہ لوگ جو اس ان پڑھ فرستادہ پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے ہاں توراۃ و انجیل میں لکھا پاتے ہیں وہ ان کو نیکی کا حکم کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور اچھی چیزیں ان کے لئے حلال کرتا ہے اور بری چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور ان سے ان کی ان پابندیوں اور زنجیروں کو جو ان پر تھیں ہلکا کرتا ہے تو جن لوگوں نے اس کو مانا اور اس کی مدد و نصرت کی اور اس روشنی کے پیچھے چلے جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے وہی کامیاب ہوں گے کہہ دے (اے پیغمبر) اے لوگو! میں تم سب کے پاس خدا کا بھیجا ہوا ہوں

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۔ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (احزاب)

اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو گواہ، خوشخبری دینے والا، ہشیار کرنے والا اور خدا کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (نساء)

اے لوگو: تمہارے پاس خدا کی طرف سے دلیل آچکی ہم نے تمہاری طرف وہ نور اتارا جو ہر چیز کو روشن کرتا ہے۔

وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا (تغابن)

اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء)

اے محمدؐ! ہم نے تجھ کو تمام دنیا کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (ابراہیم)

یہ کتاب ہے جس کو ہم نے تیری طرف اتارا ہے تاکہ تو لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لائے۔

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (شوریٰ)

لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے تاکہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں راہ دکھائیں اور تو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے

اس کے بعد اس بشارت میں ہے کہ آنے والا پیغمبر توحید کامل کا مبلغ، بت شکن اور باطل پرستی کا دشمن ہوگا اور بت پرست کفار و مشرکین کو وہ شکست عظیم دے گا۔

"یہواہ (اللہ) میرا نام ہے اور اپنی شوکت دوسرے (معبودان باطل) کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو

میرے لئے ہوتی ہے کھودی ہوئی مورتوں کے لئے نہ دوں گا..... وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الٰہ ہو"۔

حضرت اشعیاء کے بعد دنیا میں وہ کون پیغمبر آیا جس نے توحید کامل کی تعلیم ، اسلام سے واضح تر اور کامل تر دی ہو، جس نے بت پرستی کی بیخ کنی کی ہو، جس نے بت خانوں کو منہدم کیا ہو، جس نے مشرکین کی صفوں کو درہم برہم کیا ہو اور باطل پرستی کے علم کو ہمیشہ کے لئے سرنگوں کر دیا ہو، قرآن اور آپؐ کی تعلیمات کا بڑا حصہ شرک و بت پرستی کے خلاف جہادِ عظیم ہے اور تمام دنیا کو اعتراف ہے کہ اس فرض کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خوبی اور تکمیل کے ساتھ ادا کیا وہ کسی اور سے نہ ہو سکا۔

بعد ازیں حضرت اشعیاء بتاتے ہیں کہ وہ آنے والا پیغمبر مجاہد اور تیغ زن ہوگا، اور وہ باطل پرستیوں کے خلاف اپنی تلوار اٹھائے گا۔

"خداوند ایک بہادر کے مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی طرح اپنی غیرت کو اکسائے گا، وہ چلائے گا، ہاں وہ جنگ کے لئے بلائے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہوگا"۔

یہ حضرت عیسیٰؑ کی صفت نہیں ہو سکتی، یہ صرف بدر و احد اور حنین و خندق کے سپہ سالار پیغمبر کی شان ہے۔

"بیابان (عرب) اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے"۔

اس فقرہ میں آنے والے پیغمبر کا وطن (بیابان عرب) اور خاندان (قیدار بن اسماعیل) بھی بتا دیا گیا ہے آخر میں ہے۔

"اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا، میں انہیں ان رستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا"۔

اس فقرہ میں یہ ارشاد ہے کہ وہ اُمیوں کا پیغمبر اور اس قوم کا داعی ہوگا جس کو کبھی راہ راست کی ہدایت نہیں ملی، یہ صفت اہل عرب کی ہے جن کو آپؐ سے پہلے کوئی صاحب شریعت پیغمبر نہیں ملا، حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے جن کو شریعت مل چکی تھی، اس لئے یہ ان کی صفت نہیں ہو سکتی بلکہ یہ صرف پیغمبر عرب کا وصف ہے، چنانچہ قرآن مجید نے صاف کہا۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ (قصص)

تاکہ ان کو ہشیار کرے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ہشیار کرنے والا نہیں آیا۔

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۔ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ (یٰس-۱)

تو یقیناً پیغمبروں میں سے ہے اور سیدھی راہ پر ہے اور یہ غالب مہربان خدا کی طرف سے اترا ہے تاکہ تو ان کو ہشیار کرے جن کے باپ دادا ہشیار نہیں کئے گئے تو وہ غفلت میں ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا

وہی خدا جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بنا کر بھیجا ان ہی میں سے

عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين (جمعہ)

کھڑا کیا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اگرچہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

وهذا كتاب أنزلناه مبارك فاتبعوه واتقوا لعلكم ترحمون أن تقولوا إنما أنزل الكتاب على طائفتين من قبلنا وإن كنا عن دراستهم لغافلين أو تقولوا لو أنا أنزل علينا الكتاب لكنا أهدى منهم فقد جاءكم بينة من ربكم وهدى ورحمة۔ (انعام - ۲۰)

یہ کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے جو برکت والی ہے تو اس کی پیروی کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (یہ کتاب تم کو اس لئے دی گئی) تاکہ یہ نہ کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے یہود اور نصاریٰ دو قوموں کو عطا ہوئی اور ہم اس کے پڑھنے سے غافل تھے، یا کہو کہ اگر خاص ہم پر کوئی کتاب اترتی تو ہم ان سے زیادہ راہ راست پر ہوتے، تو تمہارے پاس خدا کی طرف سے کھلی دلیل، ہدایت اور رحمت آگئی۔

وما آتيناهم من كتب يدرسونها وما أرسلنا إليهم قبلك من نذير (سبا)

اور ہم نے ان کو نہ تو کتابیں دیں جن کو وہ پڑھیں اور نہ تجھ سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا بھیجا۔

اس بشارت کے تمام فقروں پر جو شخص اس تفصیل سے نظر ڈالے گا اور اس کے ایک ایک فقرہ کی قرآن پاک، احادیث شریف اور سوانح نبویؐ کے ساتھ حرف حرف تطبیق پر غور کرے گا وہ اس یقین کے پیدا کرنے پر مجبور ہوگا کہ اس بشارت کا مصداق محمد بن عبداللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

هو الذي ينزل على عبده آيات بينات ليخرجكم من الظلمات إلى النور (حدید - ۱)

وہی جو اپنے بندہ پر کھلی آیتیں اتارتا ہے تاکہ وہ تم کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جائے۔

سورۂ فتح میں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کی بشارت دی گئی ہے، توراۃ اور انجیل کی ایک اور پیشین گوئی کا حوالہ دیا گیا ہے۔

محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا سيماهم في وجوههم من أثر السجود ذلك مثلهم في التوراة (فتح - ۱)

محمد خدا کا بھیجا ہوا اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بھاری آپس میں مہربان ہیں، دیکھتے ہو تم ان کو کہ (خدا کے سامنے) رکوع اور سجدہ میں گرتے رہتے ہیں اور خدا کی رحمت اور خوشنودی کے جویاں رہتے ہیں، ان کے چہروں میں سجدہ کرنے کے اثر سے نور ہے ان کی حالت کا بیان توراۃ میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا یہ مجموعی وصف فتح مکہ کے موقع پر بیان کیا گیا ہے جو اسلام کی دعوت کی تکمیل، توحید الٰہی کے انجام، خانۂ خلیل کی کامل آزادی اور معبودان باطل کی دائمی شکست کا دن ہے اور اس کے بعد کوئی نیا پیغام سنانے والا دنیا میں آنے والا نہ تھا، چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی زندگی کی آخری وصیت، جس پر ان کی توراۃ اور صحیفۂ حیات دونوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے بنی اسرائیل کو یہ فرمائی۔

"یہ وہ برکت ہے جو موسیٰؑ مرد خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی، ہاں وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے، اس کے سارے مقدس (ہمراہی) تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے" (استثناء ۲۳ - ۱، ۲، ۳)

یہ حضرت موسیٰؑ کا آخری کلام ہے جس میں آخری پیغمبر کی بعثت کی خبر دی ہے اس بشارت میں کوہ فاران سے نور الٰہی کے طلوع ہونے کی خوشخبری ہے۔ اس میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں جو قرآن مجید کے بیان کے عین مطابق ہیں۔

(۱) وہ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا۔

محمد رسول الله والذين معه (فتح - ۴)

محمد خدا کے فرستادہ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں۔

(۲) اس کے ہاتھ میں ان کے لئے آتشیں شریعت ہوگی۔

أشداء على الكفار (فتح - ۴)

وہ خدا کے منکروں پر سخت ہوں گے۔

(۳) وہ اپنے لوگوں سے محبت کرے گا۔

رحماء بينهم (فتح - ۴)

آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہوں گے۔

(۴) اے خدا اس (آنے والے پیغمبر) کے سارے مقدس لوگ (یعنی صحابہؓ) تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔

تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا سيماهم في وجوههم من أثر السجود (فتح - ۴)

دیکھتے ہو تم ان کو خدا کے آگے رکوع اور سجود میں جھکے ہوئے خدا کی مہربانی اور خوشنودی کے طلب گار ہیں، طاعت و عبادت کے اثر سے ان کے چہروں پر نورانیت ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اس آنے والے پیغمبر کے مقدس ساتھیوں کی تعداد دس ہزار فرماتے ہیں، فتح مکہ کے دن بعینہٖ یہی دس ہزار مقدسین تھے جو اس فاران سے آنے والے نورانی پیکر کے ساتھ شہر خلیل (مکہ) کے دروازہ میں داخل ہوئے اور اس طرح حضرت موسیٰؑ نے جو کچھ کہا تھا وہ پورا ہوا۔

سورۂ فتح میں اس کے بعد ہے۔

ومثلهم في الإنجيل كزرع أخرج شطأه فآزره فاستغلظ فاستوى على سوقه يعجب الزراع (فتح - ۴)

اور ان کی مثال انجیل میں مثل کھیت کے ہے جس نے سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا، پھر موٹا ہوا، پھر اپنی شہنیوں پر کھڑا ہوا کھیت والوں کو خوش اور مسرور کر رہا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے یہ تمثیل آسمانی بادشاہی کی دی ہے، چنانچہ انجیل کے مختلف نسخوں میں یہ تمثیل ان مختلف الفاظ میں مذکور ہے۔

"آسمان کی بادشاہت رائی کے دانہ کے مانند ہے جسے ایک شخص نے لے کے اپنے کھیت میں بویا، وہ سب بیجوں میں چھوٹا ہے، پر جب اگتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا پیڑ ہوتا ہے کہ ہوا کی چڑیاں آ کے اس کی ڈالیوں پر بسیرا کریں۔" (متی ۱۳۔ ۳۱، مرقس ۴، ۳۰)

"خدا کی بادشاہت ایسی ہے جیسا ایک شخص جو زمین میں بیج بوئے اور رات دن وہ سوئے، اٹھے اور بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے اس لئے کہ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے پہلے سبزی پھر بال، بعد اس کے بال میں تیار دانے، اور جب دانہ پک چکا تو وہ فی الفور ہنسوا بھجواتا ہے، کیونکہ کاٹنے کا وقت آ چکا ہے۔" (مرقس ۴، ۲۶)

حضرت عیسیٰؑ نے آسمانی بادشاہت کی جو تمثیل دی ہے، قرآن مجید نے اس کو سورۂ فتح میں دہرایا ہے کون نہیں جانتا کہ اسلام کی جسمانی اور روحانی، ظاہری و باطنی دونوں بادشاہیوں کے جلوس و شوکت کا دن فتح مکہ کا دن ہے اور آسمانی بادشاہی کی یہ تمثیل پوری ہوئی کہ محمدؐ نام ایک کاشتکار نے ایک بیج زمین میں ڈالا اور اس سے سینکڑوں ہزاروں خوشے پیدا ہو گئے اور اس نے آسمانی بادشاہی کی منادی کی۔

حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو نصیحت کرتے ہیں۔

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی طرف کان دھرو۔" (استثنا ۱۸۔ ۱۵)

"میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اس سے کہوں گا وہ سب اُن سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لے کے کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا، لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان لے کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے تو اس سے مت ڈرو۔" (استثنا ۱۸، ۱۹)

عیسائیوں نے اس بشارت کو حضرت عیسیٰؑ کے حق میں ثابت کرنا چاہا ہے، مگر ظاہر ہے کہ اس کے مصداق حضرت عیسیٰؑ نہیں ہو سکتے، اس بشارت میں ہے کہ یہ نبی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے مبعوث ہوگا، بنی اسرائیل کے بھائی بنو اسماعیل تھے، اس سے یہ مفہوم ہے کہ وہ پیغمبر نسل اسماعیل سے ہوگا، حضرت عیسیٰؑ اسماعیلی نہ تھے عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو نبی نہیں مانتے، حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ "وہ آئندہ نبی میرے مانند ہوگا" حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ میں کوئی وجہ مماثلت نہیں ہے، حضرت موسیٰؑ صاحب شریعت تھے، حضرت عیسیٰؑ نہ تھے، حضرت موسیٰؑ جنگ جو اور مجاہد تھے، حضرت عیسیٰؑ نہ تھے، حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو غلامی سے نکال کر بادشاہی تک

پہنچایا، حضرت عیسیٰؑ نے ایسا نہیں کیا، حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کے ظاہری و معنوی دونوں معنوں میں بادشاہ تھے حضرت عیسیٰؑ نہ تھے، حضرت موسیٰؑ صرف واعظ نہ تھے عمل فرما اور کارپرداز بھی تھے، حضرت عیسیٰ صرف واعظ تھے نیز حضرت موسیٰؑ قوموں اور ملکوں کے فاتح تھے اور حضرت عیسیٰؑ ایک چپہ زمین پر بھی قابض نہ تھے، برخلاف اس کے حضرت موسیٰؑ اور محمد رسول اللہ علیہما السلام میں یہ تمام اوصاف مشترک تھے، اس لئے وہ موعود نبی جو حضرت موسیٰؑ کے مانند پیدا ہونے والا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے، چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے اس بشارت میں جو کچھ فرمایا ہے، قرآن مجید نے اس کی حرف حرف تصدیق کی ہے، قرآن مجید کا بیان ہے کہ خدا نے روز اول تمام انبیاء سے یہ عہد لیا تھا کہ ہر نبی دوسرے نبی کی تائید کرتا جائے اور اپنی امت کو یہ نصیحت کر جائے کہ جب کوئی پیغمبر ان کے پاس آئے تو وہ اس کی تصدیق کرے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔ (آل عمران۔ ۹)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ ہم جو تم کو کتاب اور دانائی دیں اور پھر کوئی پیغمبر تمہارے پاس آئے جو کتاب اور شریعت تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرتا ہو تو ضرور اس کو ماننا اور اس کی مدد کرنا اور فرمایا کہ کیا تم نے اس کا اقرار کیا اور ان باتوں پر جو ہم نے تم سے عہد و پیمان لیا ہے اس کو تسلیم کیا؟ پیغمبروں نے عرض کیا کہ ہاں ہم اقرار کرتے ہیں، فرمایا تو تم گواہ رہو اور تمہارے ساتھ ہم بھی گواہ ہیں۔

حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو آنے والے پیغمبر کی اطاعت کی جو نصیحت فرمائی وہ اس ازلی عہد و پیمان کا ایفا تھا، حضرت موسیٰؑ نے آنے والے پیغمبر کی نسبت ارشاد فرمایا کہ وہ میرے مانند ہوگا، قرآن مجید نے بھی اس کی تصدیق کی۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ڏ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (مزمل)

ہم نے تمہارے پاس ایک پیغمبر کو بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے جس طرح کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک پیغمبر بھیجا تھا۔

اس پیغمبر کا وصف یہ ہوگا کہ خدا اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالے گا: قرآن مجید نے اپنے پیغمبر کی نسبت کہا۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (نجم۔ ۱)

اور اپنی خواہش نفسانی سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی کہتا ہے جو اس سے خدا کی طرف سے کہا جاتا ہے۔

توراۃ میں ہے۔

"اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لے کے کہے گا، نہ سنے گا، تو میں اس کا حساب لوں گا۔"

قرآن مجید نے بھی یہی اعلان کیا کہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے منکر ہوگا اس کو اپنے

حساب کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ۔ (رعد - ۶)	اور اے پیغمبر عذاب وغیرہ کے جو وعدے (ان کفار سے) ہم کرتے ہیں، ان میں سے بعض تو تمہاری زندگی ہی میں تم کو پورا کرکے دکھا دیں گے یا ان کے پورا ہونے سے پہلے تم کو دنیا سے اٹھا لیں گے تمہارا کام ہمارے احکام کو ان کو پہنچا دینا تھا اور ان کا حساب لینا میرا کام ہے۔

توراۃ نے حضرت موسیٰؑ کی زبانی اس بشارت میں یہ کہا،

"لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جسے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا۔

قرآن مجید نے بھی اس فرمان کی صداقت پر اپنی مہر ثبت کر دی۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ (حاقہ - ۲)	اگر پیغمبر (محمد) کچھ جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر کہتا تو ہم اس کا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی گردن کی شہ رگ کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی اس کو مجھ سے نہ بچا سکتا۔

توراۃ نے اس آنے والے پیغمبر کی نشانی یہ بتائی کہ اس کی تمام پیشین گوئیاں سچی ہوں گی۔ سیرت نبویؐ کے تمام ابواب تمہارے سامنے ہیں، دیکھو کہ اس نشانی کی صداقت میں ایک ذرہ بھی کبھی کمی ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رویا میں جو کچھ آپؐ دیکھتے تھے وہ سپیدۂ صبح کی طرح ظاہر ہوتا تھا۔ مسلمان، تو مسلمان خود کفار تک کو اس پر یقین تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشین گوئی غلط نہیں ہوتی، یاد ہوگا کہ غزوۂ بدر سے پہلے ایک صحابی عمرہ ادا کرنے مکہ گئے تھے، انہوں نے قریش کے رئیس اُمیہ سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تو قتل ہو گا۔ اس پیشین گوئی کا یہ اثر اس پر ہوا کہ کانپ گیا، معرکۂ بدر میں وہ گھر سے نکلتے ہوئے ڈرتا تھا، جاتے ہوئے اس کی بیوی نے دامن پکڑ لیا کہ کہاں جاتے ہو تم کو اس مدینہ والے کی پیشین گوئی یاد نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سینکڑوں پیشین گوئیاں کیں اور ان میں سے ایک ایک سچائی کے معیار پر اتری۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ابن ناطور جو قیصر روم کا محرم راز اور شام کا اسقف (بشپ) تھا، اس نے بیان کیا کہ ہرقل قیصر روم منجم تھا، ایک دن وہ دربار میں آیا تو چہرہ متغیر تھا، کسی درباری نے سبب دریافت کیا تو اس نے کہا رات ستاروں کو دیکھ کر یہ نظر آیا کہ "ملك الختان" ختنہ کا بادشاہ یا فرشتہ، ظاہر ہو گیا، تو تحقیق کرو کہ ختنہ کس قوم میں رائج ہے۔ درباریوں نے کہا کہ ختنہ تو صرف یہود کرتے ہیں، اس لئے آپ مضطرب نہ ہوں، صوبوں میں حکم جاری کر دیجئے کہ امسال یہودیوں کے یہاں جس قدر بچے پیدا ہوں سب قتل کر دیئے جائیں، اسی اثنا میں حدود شام کے عرب رئیس غسان نے یہ خبر پہنچائی کہ عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے قیصر نے کہا دریافت کرو کہ کیا عرب ختنہ کرتے ہیں؟ اس کا جواب جب اس کو اثبات میں ملا، تو اس نے کہا، ہاں! یہ اس امت کا ملک (بادشاہ یا فرشتہ) ہے۔ اور اس

---

۱ صحیح بخاری بدء الوحی ۲ صحیح بخاری مغازی۔

کے بعد اہل دربار سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تم کو اپنی سلطنت بچانی منظور ہے تو اس پر ایمان لاؤ، درباریوں نے قیصر کی اس رائے کو سخت ناپسند کیا، مگر رومیہ میں قیصر کا ایک اور صاحب علم دوست تھا، قیصر نے اس کو لکھا تو اس نے بھی قیصر کی رائے کی تائید کی۔

ہمارے محدثین اس خبر کی صحیح حقیقت نہیں سمجھ سکے ہیں اور اسی لئے ملک الختان کا تلفظ نہ ملک (بادشاہ) ہے اور نہ مَلَک (فرشتہ) ہے بلکہ ملاک ہے جس کے معنی فرستادہ اور پیامبر کے ہیں جس کی اصل عربی میں لوکہ یعنی پیغام ہے، اگر یہ لفظ عربی تلفظ میں مَلَک پڑھا جائے تو یہ لفظ اس موقع پر "فرشتہ" کے اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ فرستادہ کے لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ قیصر کا یہ لفظ ملاک الختان (ختنہ کا پیامبر) استعمال کرنا درحقیقت توراۃ کی ایک پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے، ملاخیا نبی کی کتاب میں یہ پیشین گوئی ان الفاظ میں مذکور ہے،

"دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو، ہاں "ختنہ کا رسول" جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آئے گا، رب الافواج فرماتا ہے، پر اس کے آنے کے دن کو کون ٹھہر سکے گا، اور جب وہ ظاہر ہو گا کون ہے جو کھڑا رہے گا، کیونکہ وہ سنار کی آگ اور دھوبی کے صابن کی مانند ہے اور وہ روپیہ کا میل کاٹتے ہوئے اور اسے خالص کرتا ہوا بیٹھے گا"۔ (باب ۳-۱)

آج کل کے ترجموں میں "ختنہ کے رسول" کے بجائے "عہد کا رسول" لکھا ہے، یہ ترجمہ صحیح بھی ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے جواب میں جس رسول کی بعثت کا وعدہ فرمایا تھا، اس کے متعلق یہ بشارت ہے، لیکن اصل یہ ہے کہ توراۃ کی زبان میں "ختنہ" نسل ابراہیمی کے جسم پر خدا اور ابراہیم کے باہمی "عہد و میثاق" کی مہر کا نام ہے، توراۃ میں جہاں ختنہ کا حکم ہے مذکور ہے۔

اور میرا عہد جو میرے اور تمہارے درمیان ہے، جسے تم یاد رکھو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو، اور یہ اس عہد کا نشان ہے جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ (پیدائش ۱۷: ۱۰)

اس بنا پر "ختنہ" کے بجائے مترجمین نے "عہد" کا لفظ رکھ دیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب مولد کے زمانہ میں اس پیشین کے مطابق اس "رسول الختان" کا یہود و نصاریٰ دونوں کو انتظار تھا اور قیصر روم اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا منتظر تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰؑ کے حق میں نہ تھی، کیونکہ اگر ان کے حق میں ہوتی تو عیسائی قیصر اس کی آمد کا منتظر نہ ہوتا، "رسول الختان" کے لفظ سے اس بات کا اشارہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ وہ مختون قوم میں ظاہر ہو گا اور عیسائی مذہب نے اس رسم کو باطل قرار دیا ہے یہودیت کے بعد اسلام ہی ہے جس نے نسل ابراہیمؑ کے اس عہد کو دنیا میں ہمیشہ برقرار رکھا ہے۔ توراۃ میں ایک اور بشارت ہے۔

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ (استثنا ۳۳-۲)

اس بشارت کا ایک ٹکڑا حضرت حبقوق نبی کے صحیفہ میں پھر دہرایا گیا ہے۔

"خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا، اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور اس کی حمد سے زمین معمور ہو گئی۔" (۳-۳)

صحیفہ استثنا کی بشارت میں خداوند کا مظہر تین پہاڑوں کو قرار دیا گیا ہے، کوہ سینا، کوہ سعیر، اور کوہ فاران یہ درحقیقت خورشید نبوت کے تین مطلع ہیں، ان میں بہ ترتیب کوہ سینا سے حضرت موسیٰ، کوہ سعیر سے حضرت عیسیٰ اور کوہ فاران سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کہ وہ مکہ کی پہاڑیوں کا نام ہے، حضرت حبقوق اس بشارت میں کہتے ہیں کہ وہ تیمان سے آیا، تیمان کے لغوی معنی جنوب کے ہیں اور استعمال میں ملک یمن کو کہتے ہیں اور یہاں یہ دونوں معنی ٹھیک ہیں، پھر کہتے ہیں "اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا" یہ معراج آسمانی کی تشریح ہے پھر کہتے ہیں "اس کی حمد سے زمین معمور ہو گئی" زمین کا کون گوشہ ہے جو محمدؐ کے حمد سے معمور نہیں (لفظ حمد کہ محمد کا مادہ اور عبادات اسلامی کا آغاز (الحمد الخ) ہے۔ محمد رسول اللہ کی تلمیح سے لبریز ہے۔

توراۃ کی اس بشارت کو قرآن مجید نے سورۂ والتین کے ان الفاظ میں ادا کیا۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ (تین)

قسم ہے انجیر اور زیتون کی، طور سینا کی اور اس امن والے شہر کی۔

سب کو معلوم ہے کہ انجیر اور زیتون والا ملک شام ہے جو حضرت عیسیٰؑ کا مولد اور کوہ سعیر کا مبدأ ہے طور سینا حضرت موسیٰؑ سے عبارت ہے اور بلد امین یعنی مکہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔

علمائے اسلام نے توراۃ اور انجیل کی اور بھی بشارتوں کا تذکرہ کیا ہے، لیکن ہم نے صرف ان ہی بشارتوں کا ذکر کیا ہے جن کی طرف قرآن مجید اور احادیث میں اشارے پائے جاتے ہیں، کتب سیر و دلائل میں بہت سی پیشین گوئیاں عرب کے کاہنوں اور بت خانوں کے پجاریوں سے منقول ہیں، لیکن چونکہ ان کا بڑا حصہ اصول روایت کے رو سے کمزور ہے، اس لئے ہم ان کی تفصیل غیر ضروری سمجھتے ہیں، تاہم ان روایات کا قدر مشترک اس قدر ضرور نکلتا ہے کہ عرب بھی ایک پیغمبر کے وجود کا تشنہ تھا، روم و فارس کی دہ سالہ جنگ نے مشرق و مغرب کی سرزمین کو لالہ زار بنا دیا تھا اور خیالات میں تلاش امن کی شورش برپا کر دی تھی اور عرب میں اصحاب الفیل کا واقعہ دلوں میں لرزش پیدا کرنے کے لئے کافی تھا اور عین یہی موسم دنیا میں روح اعظم کے ظہور کا ہوتا ہے، اس لئے مولد نبی کے قریب زمانہ میں عرب و روم اور یہود و نصاریٰ سب کو توراۃ اور انجیل کی بشارتوں کے مطابق ایک آنے والے کا انتظار تھا، صحیح بخاری میں حضرت ابو سفیانؓ کی زبانی مروی ہے کہ جب قاصد نبوی دعوت نامہ اسلام لے کر قیصر کے پاس پہنچا ہے اور قیصر نے ابو سفیان کو بلا کر جو اس وقت تک کافر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند استفسارات کئے ہیں اور ابو سفیان نے ان کے جو جوابات دیئے ہیں ان کو سن کر اس نے بھرے دربار میں کہا، تم نے جو کچھ بیان کیا اگر وہ سچ ہے تو ایک دن یہ میرے پاؤں کے نیچے کی مٹی اس کے قبضے میں ہوگی، مجھ کو ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا، اگر ممکن ہوتا میں خود جا کر اس

کی زیارت کرتا اور اگر وہاں ہوتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔[1]

قیصر کے محرم راز اور شام کے بشپ ابن ناطور کا بیان اوپر پڑھ چکے ہو کہ قیصر کا خیال تھا کہ ختنہ والے رسول کی پیدائش کا زمانہ قریب ہے اور رومیہ کے ایک مسیحی عارف نے بھی خط لکھ کر قیصر کے خیال کی تائید کی، مقوقس شاہ مصر کے دربار میں جو قاصد نبوی خط لے کر گیا تھا، وہ بھی یہ جواب لایا کہ ہاں ہم کو بھی یقین تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن خیال تھا کہ وہ شام میں پیدا ہوگا، حبش کے عیسائی بادشاہ نے لکھا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ سچے پیغمبر ہیں۔[2]

یاد ہوگا کہ یمن کے شہر نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا تھا اور فیصلہ حق کے لئے قرار پایا تھا کہ دونوں فریق مباہلہ کریں، لیکن وفد کے سمجھدار عیسائیوں نے وفد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مباہلہ سے منع کیا اور کہا کہ خدا کی قسم! اگر یہ سچے پیغمبر ہیں تو ہم ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائیں گے[3]، اس سے معلوم ہوا کہ ان کو بھی پیغمبر کی آمد کا گمان تھا۔ اسلام سے پہلے زید ایک عرب موحد تلاش حق میں مدتوں سے سرگرداں رہے، وہ پہلے یثرب (مدینہ کا پہلا نام) گئے، دیکھا تو وہاں کے یہودی بھی توحید کامل پر قائم نہ تھے، یہاں سے نکل کر خیبر کے یہودیوں کے پاس گئے اور ان کا بھی یہی حال پایا، وہاں سے شام کے عیسائیوں میں گئے دیکھا کہ وہ بھی مشرک ہیں، آخر شام کے ایک راہب نے کہا کہ اگر تمہیں دین حق کی تلاش ہے تو عراق جاؤ وہاں ایک بزرگ ہیں، زید جب ان کے پاس پہنچے اور لب سوال وا کیا تو دریافت کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو، زید نے کہا حرم مکہ سے، ان بزرگ نے کہا جاؤ تم اپنے وطن کو لوٹ جاؤ، دین حق کا وہیں ظہور ہونے والا ہے، وہ لوٹ کر مکہ آئے، لیکن اسلام سے پہلے ان کی وفات ہو گئی۔[4] ورقہ بن نوفل کا واقعہ تم سیرت جلد اول میں پڑھ چکے ہو کہ وہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے، بعثت کے پہلے ہی روز جب حضرت خدیجہؓ آپ کو لے کر ورقہ کے پاس گئی ہیں تو ورقہ نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور آرزو ظاہر کی کہ کاش میں آپ کی ہجرت تک زندہ رہتا تو آپ کی مدد کرتا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو آنے والے پیغمبر کا اس وقت انتظار تھا۔

ابن سعد، ابن اسحاق، مسند احمد، تاریخ بخاری، مستدرک حاکم، دلائل بیہقی، معجم طبرانی، دلائل ابو نعیم وغیرہ میں متعدد روایتیں ایسی ہیں جن سے مجموعی طور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے مدینہ کے یہودیوں میں بھی ایک آنے والے پیغمبر کے جلد ظاہر ہونے کے چرچے رہا کرتے تھے اور ان ہی سے سن سن کر اوس و خزرج کے کانوں میں پیغمبر کی بعثت کی خبر پڑی ہوئی تھی، اور اکثروں کے لئے یہ خبر ہدایت کا باعث بنی، چنانچہ ابن سعد کے علاوہ دیگر کتب مذکورہ میں ایک نوجوان انصاری کا واقعہ بسند صحیح مذکور ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا تو مدینہ میں ایک یہودی واعظ تھے، اثنائے وعظ میں اس نے ایک پیغمبر کے ظہور کی بشارت دی، لوگوں نے پوچھا کہ وہ کب تک ظاہر ہوگا، اس نے ان انصاری کی طرف جو اس مجمع میں سب سے چھوٹے تھے، اشارہ کر کے کہا کہ اگر یہ لڑکا جیتا رہا تو وہ اس کا زمانہ پائے گا۔ انسؓ بن مالک

---

[1] صحیح بخاری کیف کان بدء الوحی [2] سیرت نبویؐ جلد اول [3] سیرت نبویؐ جلد دوم [4] مسند ابو زرعہ۔

سے روایت ہے کہ ایک یہودی کا لڑکا آپ کی خدمت میں رہا کرتا تھا، اتفاق سے وہ بیمار پڑا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کو گئے، اور اس کے باپ سے پوچھا کہ کیا میرا ذکر تم توراۃ میں پاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں لڑکے نے فوراً جواب دیا، ہاں یا رسول اللہ! آپ کا ذکر ہم نے توراۃ میں پڑھا۔ اور یہ کہہ کر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا[1]۔ عربوں اور یہودیوں میں جب لڑائی ہوتی تو یہودی کہا کرتے تھے کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں، اُن کے عہد میں ہم کو کامل فتح ہوگی، قرآن مجید نے اُن کے اسی عقیدہ کو دہرا کر ان کے عدم اسلام پر ملامت کی ہے۔

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ (بقرہ - ۱۱)

اس سے پہلے کافروں پر اسی آنے والے پیغمبر کا نام لے کر فتح چاہا کرتے تھے، پس جب وہ سامنے آگئے جس کو انہوں نے پہچان لیا تو انکار کر دیا، کافروں پر خدا کی لعنت ہو۔

قرآن مجید نے اس کے علاوہ اور بھی متعدد مقامات پر یہودیوں کو اُن کے اس سابق یقین کے خلاف ان کے موجودہ اظہارِ کفر پر اُن کی سرزنش کی ہے۔

وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ (بقرہ ۱۷)

جن کو کتاب پہلے دی جا چکی ہے وہ یقیناً (ان نشانیوں کی بنا پر جو اس کتاب میں مذکور ہیں) جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (بقرہ - ۱۷)

جب کہ ہم پہلے کتاب دے چکے ہیں، اسلام کی صداقت کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں لیکن ان میں سے ایک فریق جان کر حق کو چھپاتا ہے۔

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ (انعام - ۲)

جس کو ہم پہلے کتاب دے چکے ہیں وہ اس کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو۔

یہ ان ہی بشارتوں اور پیشین گوئیوں کا اثر تھا کہ علمائے یہود آنے والے نبی کے متعلق توراۃ کی بیان کردہ مختلف علامات اور نشانیوں کو اپنے ذہن میں رکھ کر حاضر خدمت ہوتے تھے اور سوالات کرتے تھے اور آپ کا امتحان لیتے تھے اور جب ان کی تشفی ہو جاتی تھی تو وہ مسلمان ہو جاتے تھے۔

نجاشی کے دربار میں جب حضرت جعفر طیارؓ نے اسلام پر تقریر کی اور سورۂ مریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو نجاشی پر رقت طاری ہوگئی اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور کہا، خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں، اور اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ کی نسبت اسلام کا جو عقیدہ سنا تو نجاشی نے

[1] بیہقی باسناد صحیح، مگر یہ روایت صحیح بخاری (کتاب الجنائز) سے کسی قدر مختلف ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ وہ لڑکا اپنے باپ کے مشورہ سے مسلمان ہوگیا۔

زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ واللہ! جو تم نے کہا، عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں[1]۔

کفارِ عرب کو مخاطب کر کے قرآن مجید نے کہا کہ اس کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اس کی سچائی کی گواہی دیتے ہیں۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى مِثْلِهِ فَآمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ (احقاف - ۱)

اے پیغمبر! ان سے کہو کہ غور کرو، اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہو اور تم اس سے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس طرح کی ایک کتاب نازل ہونے کی گواہی بھی دی اور ایمان بھی لایا اور تم مغرور بنے رہے تو ایسی صورت میں تمہارا کیا انجام ہوگا۔

أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةً أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ (شعراء - ۱۱)

کیا ان کفار کو یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ اس کو علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔

٭

[1] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۲۰۳۔

خصائصِ محمدیؐ

خصائص وہ امور ہیں جو کسی کی ذات کے ساتھ خاص ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی چیزیں ایسی دی گئی تھیں جو اوروں کو نہیں ملی تھیں، یہ خصائص محمدیؐ دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو صرف آپؐ کے لئے تھے اور آپؐ کی امت میں سے کسی اور کے لئے نہ تھے۔ دوسرے وہ جو صرف آپؐ کو عطا ہوئے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو مرحمت نہیں ہوئے، غرض پہلی خصوصیتیں امت کے مقابلہ میں اور دوسرے انبیاءؑ کے مقابلہ میں تھیں، ہم نے پہلے کا نام "خصائص ذاتی" اور دوسرے کا "خصائص نبویؐ" رکھا ہے۔

اربابِ سیر نے ان خصائص کی توسیع اور کثرت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا بڑا معیار قرار دیا ہے کہ اس سے بارگاہِ الٰہی میں آپؐ کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے، چنانچہ انہوں نے معمولی معمولی سی باتوں کو خصوصیت میں شمار کر کے خصائص نبویؐ کا ایک انبار لگا دیا ہے، مثلاً حافظ ابو سعید نیشاپوری نے شرف المصطفیٰ میں آپؐ کے خصائص کی تعداد ساٹھ لکھی ہے، حافظ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اس پر سینکڑوں کا اور اضافہ کیا ہے، حالانکہ ان میں اکثر کا ماخذ، تاویل بعید، نکتہ آفرینی اور ضعیف روایتیں ہیں۔

بعض ایسی باتیں بھی خصائص میں شمار کر لی گئی ہیں جو گو عام افرادِ امت کے لئے نہیں، لیکن امراء اور خلفائے اسلام کا اُن سے اتصاف یا تعلق جائز ہے۔

محدثین نے خصائصِ ذاتی کو یہ وسعت دی ہے کہ انہوں نے یہ اصول بنا لیا ہے کہ حدیث قولی اور عملی میں اگر تصادم ہو تو حدیثِ قولی کو حدیثِ عملی پر ترجیح ہوگی، یعنی اگر ایک امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت ہے اور اس کے مخالف دوسرا امر آپؐ کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے تو عام امت کو آپؐ کے ذاتی عمل کی تقلید کے مقابلہ میں آپؐ کے قول کی تعمیل کرنی چاہیئے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عمل محض آپؐ کے لئے مخصوص اور آپؐ کے خصائص ذاتی میں ہو، لیکن ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں اپنی امت کے لئے نمونہ اور عملی مثال ہی بن کر آتے ہیں، خصوصاً حضرتِ مقتدائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق فرمانِ الٰہی نے اعلان کر دیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب)

اور تمہارے لئے (اے مسلمانو!) رسول اللہ میں بہترین اقتدا ہے۔

تو جب آپؐ مقتدائے عالم اور امام اعظم بن کر آئے اور تمام لوگوں کو آپؐ کی تقلید اور پیروی کا حکم دیا گیا تو ایسی حالت میں آپؐ کا ہر فعل ہمارے لئے قابلِ تقلید اور لائق پیروی ہے، بے شک بعض امور ایسے بھی

ہو سکتے ہیں جو بحیثیت پیغمبر آپؐ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہوں، لیکن ضرورت ہے کہ دفع التباس اور رفع شک کے لئے ان تمام مخصوص امور کے متعلق ساتھ ساتھ یہ اعلان عام بھی کر دیا جائے کہ یہ مخصوصاتِ نبویؐ ہیں اور یہ عام امت کے لئے نہیں ہیں۔

اس بنا پر اس کے تسلیم کر لینے سے چارہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قدر خصائص ذاتی تھے، شریعت نے اُن کو برملا واضح کر دیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ یہ صرف آپؐ کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لئے جن امور کے متعلق یہ تصریح موجود نہیں کہ یہ مخصوصاتِ نبوی ہیں، اُن کو ہرگز خصائص کے باب میں جگہ نہیں دی جا سکتی، اور اس طرح یہ معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خصائص ذاتی ہیں، وہ چند محدود امور ہیں اور کتاب و سنت نے ان کا مخصوص ہونا عالم آشکارا کر دیا ہے۔



خصائصِ ذاتی

نبوت اور لوازمِ نبوت سب سے پہلی چیز جو آپ کی ذات مبارک کے ساتھ مخصوص تھی اور جس کا کوئی حصہ افرادِ امت کو نہیں ملا وہ نبوت اور اس کے لوازمِ وحی، تشریع، اخبار الٰہی، نزول جبریلؑ، نسخ احکام وغیرہ ہیں، یعنی آپ کے سوا نہ تو کسی فردِ اُمت پر کوئی وحی آئی اور نہ آسکتی ہے، نہ کسی کو کوئی نئی شریعت لانے اور نئے مذہبی قانون وضع کرنے کا اختیار ہے، نہ وہ بے گناہ اور معصوم ہے، نہ اللہ تعالیٰ سے سُن کر وہ خبر دے سکتا ہے، نہ اس کے پاس قاصدِ الٰہی آسکتا ہے، نہ وہ احکامِ شرعی کو منسوخ کر سکتا ہے وغیرہ، صرف دو چیزیں ایسی ہیں جو افرادِ امت کے لئے باقی ہیں اور وہ رویائے صادقہ اور کشف والہام ہیں۔

امور متعلقہ نکاح مسئلہ نکاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چند امور مخصوص کر دیئے گئے ہیں، جن کی رخصت عام امت کے لئے نہیں۔

(۱) عام مسلمان بشرطِ عدل صرف چار بیویاں ایک وقت میں رکھ سکتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار سے زیادہ رکھ سکتے تھے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کی رخصت تھی کہ اگر کوئی عورت اپنی خوشی سے مہر کے بغیر آپ کی زوجیت میں آنا چاہتی اور آپ اس کو قبول کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے، گو ایسا واقع نہیں ہوا، لیکن افرادِ امت کے لئے بغیر مہر نکاح ممکن ہی نہیں۔

یہ دو رخصتیں تھیں، لیکن ان کے مقابلہ میں اس باب میں آپ پر کچھ قیدیں بھی تھیں، جو عام افرادِ امت پر نہیں۔

(۳) آپ پر وہی عورتیں حلال تھیں جن کو ادائے مہر یا بغیر مہر کے آپ اپنی زوجیت میں اب تک لے چکے تھے اور رشتہ کی بہنوں میں سے صرف وہی عورتیں آپ کی زوجیت میں رہ سکتی تھیں، جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی تھی، عام مسلمانوں پر قید نہ تھی۔

(۴) عام مسلمان اہل کتاب کی عورتوں سے جنھوں نے گو اسلام نہ قبول کیا ہو نکاح کر سکتے تھے اور کر سکتے ہیں مگر آپ کو اس کی اجازت نہ تھی۔

(۵) جو بیویاں آپ کے پاس تھیں، ان میں سے اب کسی کو نہ آپ طلاق دے سکتے تھے اور نہ ان کے بعد آپ اور کسی سے اب نکاح کر سکتے تھے۔

(۶) آپ کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ ان بیویوں میں سے چند کو اپنے قریب کر لیں اور باقی کو پیچھے کر دیں، چنانچہ آپ نے چار کو یعنی حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، زینبؓ اور ام سلمہؓ کو پاس رکھ لیا تھا اور بقیہ کو شرفِ زوجیت بخشنے

کے ساتھ اپنے سے علیحدہ رکھا تھا اور ان میں آپ رد و بدل بھی کر سکتے تھے۔

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو آپ کی وفات کے بعد کسی دوسرے کے نکاح میں جانے کی اجازت نہ تھی۔

وَلَا تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا۔ (احزاب)

اور نہ یہ مناسب ہے کہ اپنے پیغمبروں کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی نکاح کرو۔

یہ تمام احکام سورۂ احزاب میں بتصریح تمام مذکور ہیں اور ان کے خاص وجوہ و مصالح ہیں، اصل یہ ہے کہ عرب میں نکاح کی تعداد متعین نہ تھی، بلکہ بنی اسرائیل میں بھی اس کی تحدید نہ تھی، توراۃ میں ایسے انبیاء اور بزرگوں کے نام بھی ہیں جن کی متعدد بلکہ سینکڑوں بیویاں تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے عہدِ شباب میں یعنی ۲۵ سال سے ۵۰ برس کی عمر تک صرف ایک بی بی (حضرت خدیجہؓ) پر کفایت کی، حضرت خدیجہؓ کے بعد ایک ساتھ دو نکاح کئے، حضرت سودہؓ سے جو کبیر السن تھیں اور حضرت عائشہؓ سے جو صرف ۶ برس کی تھیں، اتنی چھوٹی لڑکی سے نکاح ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ صرف دو خاندانوں میں محبت اور یک جہتی کی ترقی ہی کے لئے ہو سکتا تھا، مدینہ میں آکر آپ نے چند نکاح کئے، ان نکاحوں پر ایک عمیق نظر ڈالنے سے یہ خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان میں دو قسم کی عورتیں تھیں، ایک وہ جو رؤسائے قبائل کی لڑکیاں تھیں اور جن سے نکاح کا مقصد اسلام کی بہتری کے لئے تعلقات کی توسیع اور اضافہ تھا، حضرت عائشہؓ صدیق اکبرؓ کی اور حضرت حفصہؓ فاروق اعظمؓ کی صاحبزادی تھیں، حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیان رئیس بنو امیہ کی بیٹی تھیں، حضرت جویریہؓ قبیلہ بنی المصطلق کی رئیسہ تھیں، حضرت صفیہؓ رئیس خیبر کی دختر تھیں۔

ازواجِ مطہراتؓ میں دوسری وہ بیوہ عورتیں تھیں جن کا سن زیادہ تھا اور گویا اس طرح اُن کی کفالت کا بار آپ نے اٹھایا تھا، چنانچہ حضرت سودہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت زینب ام المساکین یہ سب بیوائیں تھیں، ایک اور بیوی حضرت زینبؓ بنت جحش تھیں جو گو بیوہ نہ تھیں لیکن مطلقہ تھیں۔ اُن کے شوہر نے اُن کو طلاق دے دی تھی، اس تفصیل سے آپ کی کثرتِ ازواج کے اسباب منکشف ہوئے ہوں گے۔

اس کی تصریح نہیں ملتی کہ سورۂ احزاب میں یہ مخصوص احکام کب نازل ہوئے، لیکن اس بنا پر کہ آپ نے آخری سے آخری نکاح حضرت میمونہؓ سے ۷ھ میں ادائے عمرہ کے زمانہ میں کیا ہے اور اس کے بعد آپ کا کوئی نکاح ثابت نہیں، اس لئے ان احکام کے نزول کی تاریخ اسی ۷ھ کو قرار دیا جا سکتا ہے کہ ۷ھ میں اسلام کی طاقت اپنے کمال کو پہنچ گئی تھی اور خیبر، طائف اور مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تعلقات کے ذریعہ سے کسی نئے قبیلہ کو مطیع کرنے کی ضرورت نہ تھی اور غریب سن رسیدہ مسلمان بیواؤں کی کفالت کی حاجت نہ تھی،

اس تمہید کے بعد یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام نے ازواجِ مطہرات کو وقارِ نبوت کے برقرار رکھنے اور

---

[1] طبقات ابن سعد جزء نساء ص ۹۴۔

ان کو تمام تر احکام اسلامی کے نشر و اشاعت میں مصروف رہنے کا حکم دے کر ان کا آئندہ نکاح ناجائز قرار دیا اور اُن کو تمام مسلمانوں کی ماؤں کا رتبہ دیا وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ (سورہ احزاب) اب ایسی حالت میں چار سے زیادہ نکاح کرنے کی ممانعت کا حکم نازل ہوتا ہے، اب جناب رسالتمآبؐ کے لئے اس کے سوا چارہ کار کیا ہوتا کہ وہ انھی بیویوں پر محدود رہیں کہ اگر اُن میں سے کچھ کو طلاق دے دی جائے تو چونکہ وہ دوسرے مسلمانوں کے نکاح میں نہیں آسکتیں، اس لئے یہ ان پر صریح ظلم ہوتا۔ بنا بریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موجودہ بیویوں کو آپ کی زوجیت میں رکھنے کی اجازت ہوتی ہے اور طلاق کی رخصت آپؐ سے سلب کر لی جاتی ہے اور ان محدود ازواج میں سے بھی چند کو قریب رکھنے اور بقیہ کو شرف زوجیت کے ساتھ علیحدگی (ارجاء) کا حکم دیا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار کو یعنی حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ، زینبؓ کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت سودہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ سے ارجاء کرتے ہیں[1]۔ کتابیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی کہ نبوت محمدیؐ پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے امور دین میں اس پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا تھا اور نہ اس کو محرم راز ہونے کا شرف بخشا جاسکتا تھا۔

نمازِ شبانہ

شروع میں جب نماز پنجگانہ کے احکام نازل نہیں ہوتے تھے، مسلمانوں پر رات کی نماز (تہجد) فرض تھی، اس کے بعد معراج میں جب پانچ وقت کی نماز فرض ہوگئی تو تہجد کی نماز عام امت پر فرض نہیں رہی بلکہ صرف مستحب رہ گئی، لیکن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ نماز شبانہ فرض مزید کے طور پر باقی رہی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری پابندی کے ساتھ اس کو ادا کرتے رہے، یہی وہ نماز تھی جس میں دیر تک کھڑے رہنے سے پائے مبارک میں ورم آجاتا تھا سورۂ بنی اسرائیل جو معراج کی سورہ ہے، اس میں نماز پنجگانہ کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۝

اور رات کے حصہ میں بیدار ہو کر نماز پڑھ، یہ تیرے لئے مزید ہے قریب ہے کہ تیرا پروردگار تجھ کو مقام محمود (مرتبہ شفاعت) میں اٹھالے۔

نمازِ چاشت اور قربانی

اسی طرح چاشت کے وقت نماز عام مسلمانوں کے لئے نفل ہے مگر احادیث میں ہے کہ یہ نماز آپ پر بمنزلہ فرض کے تھی اور اسی کے ساتھ قربانی کا حکم بھی، غالباً یہ حدیثیں سورۂ کوثر کی تفسیریں ہیں۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۝ (کوثر)

اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا تو تو اس کے شکرانے میں اپنے رب کی نماز (چاشت) پڑھ اور قربانی کر۔

مگر یہ بطریق صحاح مذکور نہیں، اسی لئے ہمیں ان کو خصائص نبویؐ میں شمار کرنے میں اب بھی تامل ہے۔

عصر کے بعد نماز دوگانہ

عام امت کے لئے نماز عصر کے بعد سے غروب تک نماز پڑھنا ممنوع ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر میں بعض ازواج مطہراتؓ نے عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا، دریافت کیا تو فرمایا کہ ایک وفد کی ملاقات میں ظہر کے بعد کی دو رکعتیں مجھ سے رہ گئی تھیں، یہ میں ان کی قضا پڑھتا ہوں۔ عام امت

[1] تفسیر ابن جریر طبری تفسیر سورۂ احزاب جلد ۲۲ ص ۱۷ مصر [2] بحوالہ خصائص کبریٰ سیوطی جلد دوم طبع حیدرآباد [3] ابوداؤد و ترمذی باب الصلوٰۃ بعد العصر۔

کے لئے تو اس کی قضا واجب نہ تھی، اگر ہوتی بھی تو ایک دفعہ قضا پڑھ لینا کافی تھا، مگر آپؐ نے اپنے لئے ایک نماز سنت کے ترک عمد کی تلافی کی شاید آخر عمر تک کوشش کرتے رہے۔

صوم وصال

یعنی کئی کئی دن کا متصل افطار کئے بغیر روزہ رکھنا عام امت کے لئے ممنوع ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی دن کا روزہ رکھتے تھے اور بیچ میں افطار کے وقت کچھ کھاتے پیتے نہ تھے بعض صحابہ نے آپؐ کی پیروی میں اس طرح کا روزہ رکھنا چاہا تو آپؐ نے روک دیا اور فرمایا، تم میں کون میری طرح ہے، مجھ کو تو میرا پروردگار کھلاتا اور سیراب کرتا ہے[1]۔

صدقہ و زکوٰۃ کھانے کی حرمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت پر کئی کئی دن کے فاقے گزر جاتے تھے عام مسلمان غربت اور تنگدستی کی حالت میں اس سرمایہ سے فائدہ اٹھاتے تھے، مگر آپؐ نے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے اس مد کی ہر شے حرام کر دی اور کبھی صدقہ کا مال ذاتی مصرف میں لانا گوارہ نہ فرمایا یہاں تک کہ اگر حسنین علیہما السلام لڑکپن کے اقتضا سے صدقہ و فطر کی کوئی کھجور بھی اپنے منہ میں ڈال لیتے تھے تو آپؐ اگلوا دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگوں کے مال و دولت کا میل ہے، اس کا لینا اہل بیت نبوت کو روا نہیں[2] چنانچہ سادات کے لئے قیامت تک اس قسم کے صدقات کا لینا جائز نہیں۔ آپؐ کے پاس جب کوئی ناواقف شخص کوئی چیز لے کر جاتا تھا کہ اس کو آپؐ کی خدمت میں پیش کرے تو آپؐ دریافت فرمالیا کرتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا تحفہ؟ اگر تحفہ کہتا تو قبول فرماتے اور اگر معلوم ہوتا کہ صدقہ ہے تو اجتناب فرماتے[3]۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کی اس بدگمانی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا کہ پیغمبر اسلام کی صدقہ و خیرات کی اس تاکید کا مقصود (نعوذ باللہ) اپنی اور اپنے خاندان کی دائمی پرورش کا سامان تھا۔

*

[1] صحیح بخاری کتاب الاعتصام [2] صحیح بخاری و مسلم کتاب الزکوٰۃ [3] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ [4] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ و صحیح بخاری کتاب الہدایہ۔

خصائص نبویؐ

دیگر انبیاء کے مقابلہ میں جس قدر خصائص آپؐ کو عطا ہوئے ہیں وہ متعدد معتبر حدیثوں میں مختلف تعداد میں نام بنام خود زبان اقدس سے ادا ہوئے ہیں، صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا، مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں، مجھے رعب اور دھاک کے ذریعہ سے فتح و نصرت دی گئی، میرے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی، غنیمت کا مال میرے لئے حلال کیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہ تھا مجھے شفاعت کا مرتبہ عنایت ہوا، مجھ سے پہلے انبیاء خاص اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور میں تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوا۔[1] صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی چھ باتیں گنائی ہیں، مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے، رعب و داب سے نصرت دی گئی مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا، تمام روئے زمین میرے لئے مسجد بنی، میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی انبیاء علیہما السلام کا سلسلہ میری ذات پر ختم ہوا۔[2]

احادیث کی دیگر روایتوں میں بعض اور خصائص بھی زبان اقدس سے بیان ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ میرا معجزہ وحی قیامت تک کے لئے ہے، میرے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہیں، میری نبوت اولین ہے، مجھ کو فلاں فلاں سورتیں دی گئیں جو کسی اور کو نہیں ملیں، فلاں فلاں وقت کی نمازیں خاص میری امت کے لئے فرض ہوئیں مگر حقیقت میں ان میں بعض جزئیات ایسی ہیں جو ان ہی چھ عنوانوں کے تحت میں کسی نہ کسی حیثیت سے درج ہیں، سورتوں کی خصوصیت جوامع الکلم میں داخل ہے، بعض نمازوں کے اوقات کا اضافہ ختم نبوت کے مدارج کے اندر ہے، قرآن مجید میں آپؐ کی دو خصوصیتیں مذکور ہوئی ہیں وہ ان سب کو جامع ہیں یعنی تکمیل دین اور ختم نبوت۔ بہرحال اجمال کو چھوڑ کر ذیل میں ہم کو نمایاں خصوصیات پر قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ایک تفصیلی نظر ڈالنا ہے۔

رعب و نصرت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء دنیا میں آئے وہ دو قسم کے تھے، یا وہ بظاہر کمزور اور بے یار و مددگار تھے اور ان کو دنیاوی طاقت کا کوئی حصہ عطا نہیں ہوا تھا، پیغمبروں کی بڑی تعداد ایسی ہی تھی، دوسرے وہ انبیاء ہیں جن کو دنیا کی ظاہری طاقت بھی ملی تھی اور وہ صرف چند ہیں، حضرت موسیٰ، حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ، مگر ان میں سے کسی کو بھی نام نامی کے رعب اور ہیبت کا انعام عطا نہیں ہوا اور تاریخ اس بیان پر شاہد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آغاز گو یونی بیچارگی اور مسیحی غربت سے ہوا مگر انجام موسوی طاقت و داؤدی سلطنت اور سلیمانی شان و شکوہ پر ہوا اور ان سب سے مافوق یہ تھا کہ آپؐ کی تمام

[1] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب جعلت لی الارض کلہا مسجدا و کتاب التیمم و صحیح مسلم باب المساجد و نسائی باب التیمم [2] صحیح مسلم باب المساجد، ترمذی کتاب السیر و نسائی۔

قوت، طاقت، رعب و ہیبت سب خدا کی راہ میں صرف ہوئی، اس سے گم گشتوں نے راستہ پایا، بھولوں نے یاد کیا، سننے والوں نے آواز دی اور یہ اثر پیدا ہوا کہ آپؐ جس راستہ سے نکل جاتے، گناہ گار اور مجرم سر اطاعت خم کر دیتے اور اپنی سیہ کاریوں پر ندامت کا اظہار کرتے تھے۔

متعدد حدیثوں میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے فتح و نصرت، رعب و ہیبت کے ذریعہ بخشی گئی، یہاں تک کہ میری دھاک ایک مہینہ کی مسافت تک پر کام کرتی ہے۔[1] علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں فنون جنگ پر بحث کرتے ہوئے نہایت خوبی سے بتایا ہے کہ لڑائیوں میں کسی ایک فریق کو جو فتح ہوتی ہے وہ اسی وقت ہوتی ہے جب دوسرے فریق پر پہلے کی خداداد مرعوبیت چھا جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو یہ شرف اس لئے عطا ہوا تاکہ مزید خونریزی کے بغیر ملک میں امن و امان اور سکون و اطمینان پیدا ہو جائے اور صدائے حق کے لئے راستہ صاف ہو، قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس وصف کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (انفال) — عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈالوں گا۔

چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا اور قرآن نے شہادت دی۔

فَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ۔ (احزاب و حشر) — اور خدا نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

چنانچہ بڑے بڑے دل گردہ کے بہادر زرہیں تلواریں بجا بجا کر آئے مگر جب روئے روشن پر نظر پڑی کانپ کر رہ گئے، بڑے بڑے سرکش قبائل آپؐ کا نام سن کر دم بخود ہو جاتے تھے، مدینہ کے آس پاس کے یہود جو بڑے بڑے قلعوں میں بیٹھ کر فرمانروائی کرتے تھے اور جن کو اپنی فوجی قوت اور جنگی سامانوں پر ناز تھا جب انھوں نے سرتابی کی، بے لڑے بھڑے آپؐ کے سامنے اطاعت کی گردن ڈال دی، خیبر کے قلعہ نشین یہود جو سب سے زیادہ مضبوط تھے، جب ایک صبح کو ان کے قلعوں کے سامنے دفعۃً کوکبۂ اسلام طلوع ہوا تو ان کے منہ سے چیخ نکل گئی کہ محمدؐ کا لشکر، ابوسفیان جو بارہا ایک فریق مقابل کی حیثیت سے میدان جنگ میں فوجوں کے پرے لگا چکا تھا، فتح مکہ کے دن جب حضرت عباسؓ اس کو لے کر اسلام کے موجزن دریائے الٰہی کا نظارہ دکھا رہے تھے اور رنگ برنگ کے علم نگاہوں کے سامنے سے گزر رہے تھے تو ہر نئے دستہ اور ہر نئے علم کو دیکھ کر کانپ کانپ جاتا تھا، بایں ہمہ اس مجسمۂ ہیبت کا حال کیا تھا، ناآشنا ڈرتے تھے اور وہ ان کو تسکین دیتا تھا، بے خبر اس سے رعب کھاتے تھے، اور آگاہ، پروانے تھے کر۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ — محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی کافروں پر بھاری اور آپس میں رحم دل ہیں۔

ایک بدوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جیسے ہی چہرۂ مبارک پر نظر پڑی، کانپ گیا، فرمایا ڈرو نہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں، ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی، حضرت مخرمہ

[1] صحیح بخاری و مسلم عن ابی ہریرہؓ و احمد، ابن ابی شیبہ و بیہقی و بزار عن علیؓ و شمائل ترمذی۔

صحابی نے اپنے بیٹے اسود سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زنان خانہ میں ہیں، آپ کو آواز دو، وہ ہچکچانے لگے باپ نے کہا جان پدر! محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبار نہیں[1]۔ یہ ہیبت، یہ وقار، یہ دبدبہ، یہ رعب، تیغ وسنان کی چمک، فوج وعسکر کے تلاطم، جلادوں کی صف بندی اور تیغ بکف سپاہیوں کی نمائش سے نہیں پیدا ہوا بلکہ،

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست (رومی)

سجدہ گاہ عام اسلام کے علاوہ جس قدر مذاہب ہیں وہ اپنے مراسم عبادت کے ادا کرنے کے لئے چند گھری ہوئی چار دیواروں کے محتاج ہیں، گویا ان کا خدا ان ہی کے اندر بستا ہے، یہود اپنے صومعوں اور قربان گاہوں سے باہر نہ خدا کو پکار سکتے ہیں اور نہ قربانی کے نذرانے پیش کر سکتے ہیں، عیسائی اپنے کینسوں کے بغیر خدا کے آگے نہیں جھک سکتے، یہاں تک کہ بت پرست قومیں بھی اپنے بت خانوں ہی کی چہار دیواروں کے اندر اپنے دیوتاؤں کو خوش کر سکتی ہیں، لیکن اسلام کے عالمگیر مذہب کا خدا اس آب وگل اور سنگ وخشت کی چہار دیواریوں میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ ہے، اور ہر جگہ سے پکارا جا سکتا ہے، کوہ وصحرا، خشکی وتری، مسجد وکنشت ہر جگہ اس کے سامنے سجدہ کیا جا سکتا ہے، وہ جس طرح مسجدوں کے اندر ہے مسجدوں کے باہر بھی ہے، اس کی قربانی مشرق و مغرب ہر جگہ گذرانی جا سکتی ہے۔

اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ جدھر منہ پھیرو، اُدھر ہی خدا کا منہ ہے۔ ع

ہر جا کنیم سجدہ بآں آستاں رسد

آپ نے فرمایا کہ میرے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی[2]۔ یہ مسئلہ ہر چند ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے، مگر اس کے اندر وہ صداقت پنہاں ہے جو اسلام کی عالمگیری اور اس کے آخری مذہب ہونے کا اعلان عام کرتا ہے۔

پیرووں کی کثرت دنیا میں لاکھوں پیغمبر آئے، مگر آج دنیا میں ان کی تعلیم وہدایت کی ایک یادگار باقی نہیں یہاں تک کہ تاریخ کے اوراق میں بھی ان کا نام ونشان نہیں، وہ انبیاء جن کے صرف حالات معلوم ہیں، ان کی نسبت وہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کی آواز پر لبیک کہنے والے چند سے آگے نہ بڑھ سکے حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک ایک ایک پیغمبر کا کارنامہ دیکھ جاؤ، حضرت موسیٰؑ کے سوا ایک بھی ایسا نہ ملے گا جس کے ماننے والے سو بھی ہوں، حضرت موسیٰؑ کی کوششوں کے جولانگاہ صرف بنی اسرائیل کے چند ہزار نفوس تھے جو قدم قدم پر راہ حق سے ہٹ ہٹ جاتے ہیں، کہیں گوسالے کو پوجتے ہیں، کہیں خدا کو ان آنکھوں سے دیکھنے پر اصرار کرتے ہیں، کہیں سرفروشی اور جانبازی سے گھبرا کر میدان جنگ میں جانے سے انکار کر بیٹھتے ہیں حضرت عیسیٰؑ کے معجزانہ کارنامے صرف اسی قدر اثر دکھاتے ہیں کہ چند دہاتی انسان ان کی شیریں گفتاری کا دم بھرتے ہیں مگر اس سے پہلے کہ مرغ بانگ دے، ابن آدم کو دشمنوں کے پنجہ میں اسیر کراتے ہیں اور تین دفعہ اس

[1] صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۸۱۰ [2] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی البیع میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ ان گرجاؤں میں جن میں تصویریں نہ ہوتیں نماز پڑھ لیتے [3] صحیح بخاری ومسلم ونسائی وترمذی باب المساجد۔

کے پہچاننے سے منکر ہوتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ مکہ کی گلیوں میں آپ نے تن تنہا بے یار ومددگار متلاشیان حق کو صدائے توحید دی، جواب میں ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی، لیکن ۲۳ سال نہ گزرنے پائے تھے کہ ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ لا الہ الا اللہ سے پُر شور ہو گیا اور جب آپ نے اسی مکہ کی سرزمین کے لئے حجۃ الوداع کا اعلان کیا تو کم وبیش ایک لاکھ جاں نثار وفدا کار دائیں بائیں کھڑے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا، جس قدر میری نبوت کی سچائی کا اعتراف کیا گیا کسی اور پیغمبر کی سچائی کا نہیں کیا گیا کہ بعض انبیاء ایسے بھی ہیں جن کو سچا کہنے والا ان کی امت میں صرف ایک ہی نکلا[1]۔

صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا، ایک دفعہ مجھ پر (عالم مثال میں) قومیں پیش کی گئیں، بعض پیغمبر ایسے تھے کہ ان کے پیچھے صرف ایک ہی دو آدمی تھے، بعض تنہا ہی تھے ان کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا، اتنے میں ایک بڑی بھیڑ نظر آئی، خیال ہوا کہ یہ میری امت ہوگی، تو بتایا گیا کہ یہ موسیٰؑ اور ان کی قوم ہے، پھر کہا گیا کہ دوسرے کنارہ کی طرف دیکھو تو اتنا سواد اعظم نظر آیا کہ اس سے افق چھپ گیا، پھر کہا گیا اسی طرح ادھر دیکھو، بڑی تعداد کثیر دکھائی دی، کہا گیا کہ یہ سب تیری امت ہے[2]۔

دعوت عام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرووں اور حلقہ بگوشوں کی کثرت تعداد کا ایک اور سبب یہ ہے کہ آپ سے پہلے جس قدر انبیاء آئے وہ خاص خاص قوموں اور قبیلوں کی طرف بھیجے گئے ان کی دعوت عام نہ تھی، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنے کو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی گلہ بانی تک محدود رکھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کی طرف ہوئی، کالے گورے رومی، حبشی، عرب، عجم، ترک، تاتار، چینی، ہندی، سب آپ میں برابر کے حق دار ہیں۔

قرآن نے کہا

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا) اے محمد! ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لئے بھیجا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (فرقان) بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا تاکہ وہ تمام دنیا کو ہشیار کرے

صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے نبی خاص اپنی قوم میں بھیجا جاتا تھا اور میں تمام دنیا کے لئے بھیجا گیا ہوں[3]۔ اس معنی کی بکثرت روایتیں حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی آئی ہیں، اس کی عملی دلیل یہ ہے کہ تمام پیغمبروں کے حالات پڑھ جاؤ، سب کے پیرووں کو اس کی زندگی میں خود اسی قوم وملک کے اندر محدود پاؤ گے، لیکن آپ کے حلقہ بگوشوں میں خود آپ کی زندگی میں عرب کے علاوہ سلمان عجمیؓ، صہیب رومیؓ، بلال حبشیؓ سب کو پاؤ گے، سلاطین عالم کے نام آپ کا دعوت نامہ بھی اسی تعمیم دعوت کی مستحکم عملی دلیل ہے۔

جوامع الکلم دنیا میں ہی آسمانی صحیفے اب بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں، مگر ان میں ایک کے سوا وصف جامعیت سے سب محروم ہیں۔ توراۃ اقوام کی تاریخ اور احکام وقوانین کا مجموعہ ہے، عقیدۂ توحید

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان [2] ایضاً وبخاری کتاب الطب وباب وفات موسیٰ وکتاب الرقاق [3] بخاری ومسلم کتاب المساجد۔

و رسالت کے سوا تمام دیگر ضروری عقائد سے اور رسم قربانی کے علاوہ تمام دیگر مسائل عبادات سے اور چند معمولی باتوں کو چھوڑ کر تمام وقائق اخلاق سے یکسر خالی ہیں، زبور صرف دعاؤں اور مناجاتوں کا ذخیرہ ہے، سفر ایوب میں صرف عقیدۂ تقدیر پر رضا کی تعلیم ہے، امثال سلیمان صرف مواعظ و حکم ہیں، دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفے صرف توبہ و ندامت پیشین گوئی اور ماتم ہیں، انجیل کا صحیفہ حضرت مسیح کی سرگزشت اور تعلیمات اخلاقی کا مجموعہ ہے، لیکن محمد رسول اللہ کو جو صحیفہ ملا وہ جامع الکلم ہے یعنی وہ تمام باتوں کی جامع ہے، وہ توراۃ بھی ہے زبور بھی اور انجیل بھی اور کچھ ان سے زیادہ بھی، اس لئے آپ نے اپنے خصائص میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے۔[1] بیہقی میں حضرت واثلہؓ بن اسقع سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے توراۃ کی جگہ سبع طوال (سات بڑی سورتیں) اور زبور کی جگہ مئین (تقریباً سو آیتوں والی سورتیں) انجیل کے قائم مقام مثانی دی گئیں اور سور مفصلات[2] زیادہ ملیں، ابونعیم میں یہی روایت ان الفاظ میں ہے کہ مجھے مثانی توراۃ کی جگہ، مئین انجیل کی جگہ، حوامیم زبور کی جگہ اور مفصلات علاوہ بریں ملیں[3]۔

اس لئے قرآن مجید توراۃ، زبور اور انجیل کو جامع ہے اور ان کے سوا کچھ اور بھی ہے، وہ تاریخ اقوام بھی ہے، اخلاق و مواعظ بھی ہے، دعا و مناجات بھی ہے، اس میں دین کامل کے تمام عقائد ہیں، تمام مراسم عبادات ہیں، تمام معاملات کے احکام و قوانین ہیں، اس میں ایک مسلمان کی زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ کے لئے کامل ہدایات اور صحیح تعلیمات موجود ہیں، صرف توراۃ کے اسفار خمسہ یہود کی مذہبی زندگی کا کامل مجموعہ نہیں، صرف انجیل عیسائیوں کی مذہبی حیات کا سرمایہ نہیں، یہاں تک کہ ان کے عقائد و عبادات بھی ان کے صحیفوں کے رہین منت نہیں اور وہ ان کی صحیح تعلیم سے یکسر خاموش ہیں، لیکن اسلام قرآن سے باہر کچھ نہیں، اور باہر جو کچھ ہے (احادیث) اس کی عملی توضیح و تفسیر ہے، وہی تنہا مسلمانوں کی ہر ضرورت کا کفیل اور ہر سوال کا مجیب ہے اور اسی لئے اس کے پیرو کامل حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ (ہم کو خدا کی کتاب کافی ہے) کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

قرآن جوامع الکلم ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے اندر سینکڑوں لطائف ہیں، اس کے ایک ایک لفظ سے متکلمین اور فقہاء نے چند در چند مسائل نکالے ہیں اور صوفیا اور ارباب حال نے متعدد نکتے پیدا کئے ہیں، تاہم اس کی لطافتوں اور نزاکتوں کا خاتمہ نہیں ہوا اور اس کی جوامع الکلمی کا حصر نہ ہو سکا۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاعتصام و باب التعبیر و مسلم کتاب المساجد۔ [2] بحوالہ خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵ [3] سبع طوال مئین اور مفصلات، قرآن مجید کی کئی کئی سورتوں کے مختلف مجموعوں کے نام ہیں [3] ابونعیم عن ابی عباس (بحوالہ خصائص سیوطی ج ۲ صفحہ ۲۰۰) دوسری روایت کے الفاظ پہلے سے زیادہ قرین قیاس ہیں، کیونکہ مثانی اور سبع طوال ہماری تحقیق میں ایک ہی ہیں اور پہلی روایت میں ان کو دو بتایا گیا ہے حالانکہ خود قرآن نے سبعًا من المثانی (مثانی کی سات سورتیں) کہا ہے حوامیم وہ سورتیں ہیں جن کے شروع میں حم ہے سبعًا من المثانی کی تفصیل میں روایات اور علماء کی تشریحات میں بہت سے اختلافات ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سبعًا من المثانی سورہ فاتحہ کو کہا گیا ہے جس میں سات آیتیں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

[4] صحیح بخاری ذکر مرضہ و وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم و مسلم کتاب الوصیۃ۔

تکمیل دین

اسلام کا صحیفہ جب ایسا جامع ہے تو یقیناً وہ دین بھی جس کو لے کر وہ آیا کامل ہوگا، قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب عین مسلمانوں کے اجتماع عظیم کے دن (حجۃ الوداع) یہ اعلان عام کیا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (مائدہ)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو دین کی حیثیت سے میں نے تمہارے لئے پسند کیا۔

اسلام قرآن کے عقیدہ کے مطابق اس صحیح مذہب کا نام ہے جو اپنے اپنے وقت میں ہر پیغمبر کو عطا ہوا اور وہ عہد بعہد دنیا کی عمر کے ساتھ مختلف پیغمبروں کے ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچتا رہا، یہاں تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کی تکمیل پر وہ اپنے معراج کمال کو پہنچ کر تمام ہو گیا اور یہ منصب خاص صرف آپ کی ذات پاک کے لئے روز ازل سے مقدر ہو چکا تھا، آپ نے فرمایا انا خاتم النبیین و آدم منجدل فی طینتہ میں پیغمبر آخر تھا اور آدم ابھی آب و گل میں پڑے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلیغ تمثیل میں اسلام کی تکمیل دین کی تشریح فرمائی ہے، فرمایا میری اور دوسرے انبیاء کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی، لوگ اس کے اندر جاتے ہیں اور اس کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں، لیکن دیکھتے ہیں کہ اس کی ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو میں وہ آخری اینٹ ہوں، عمارت دین و نبوت ہے، اس کی ایک ایک اینٹ ایک ایک پیغمبر کا وجود اور اس کا دین و شریعت ہے اور اس کی تکمیل کا آخری پتھر نبی اُمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود اقدس ہے۔

دائمی معجزہ

وہ دین جو مختلف انبیاء علیہم السلام کی وساطتوں سے دنیا میں آتا رہا، چونکہ وہ محدود زمانوں کے لئے آیا کیا، اس لئے ان کے معجزے بھی محدود الوقت تھے، یعنی ایک خاص وقت میں پیدا ہوتے اور مٹ گئے، اب عصائے موسیٰؑ، لحن داؤدؑ، تعبیر یوسفؑ، ناقۂ صالحؑ، نفس عیسیٰؑ کا کہاں پتہ ہے، لیکن جو دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا کامل تھا اور قیامت تک کے لئے آیا تھا، بنابریں اس کے لئے ایک دائمی اور مستقل معجزہ کی ضرورت تھی اور وہ خود صحیفۂ اسلام ہے، صحیحین میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کو وہ معجزہ ملا جس پر اس کی امت ایمان لائی، لیکن جو مجھے ملا وہ وحی ہے جو خدا نے بھیجی، تو مجھے امید ہے کہ میرے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے[1]، یہ خیال مبارک اسی لئے تھا کہ آپ کا معجزہ وحی قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے اس کو دیکھنے والے اور اس پر ایمان لانے والے سب سے زیادہ ہوں گے، دوسرے انبیاء علیہم السلام کے صحیفے، بجائے خود معجزہ نہ تھے اسی لئے وہ تحریف و تغیر سے پاک نہیں رہے اور قرآن دین کا کامل صحیفہ خاتم الانبیاء کی وحی اور دائمی معجزہ بن کر آیا اسی لئے وہ ہمیشہ کے لئے اپنی حفاظت کا سامان اپنے ساتھ لایا وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر) اور ہم ہی اس کے محافظ۔

ختم نبوت

یہ رعب و نصرت، یہ پیرووں کی کثرت، یہ سجدہ گاہ عام، یہ اعجاز دوام، یہ جوامع الکلمی، یہ دعوت عمومی، یہ تکمیل دین، یہ آیات مبین خود اس بات کے دلائل ہیں کہ آپ کے وجود اقدس پر تمام پیغمبرانہ نعمتوں

---

[1] بخاری و مسلم و ترمذی باب خاتم النبیین [2] صحیح بخاری کتاب الاعتصام و صحیح مسلم کتاب الایمان۔

کا خاتمہ ہو گیا اور نبوت اور رسالت کا سلسلہ منتہی ہو گیا اور اب دنیا کسی نئے آنے والے وجود سے مستغنی ہو گئی اسی لئے قرآن پاک نے عہدِ نبوت کے سب سے بڑے مجمع میں یہ اعلان عام کیا کہ:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ)
آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا۔

یہ آیت جو ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو نازل ہوئی، اس بات کی بشارت تھی کہ نبوت جس کا مقصد دین کی عمارت میں کسی نئی اینٹ کا اضافہ تھا، وہ آج تکمیل کو پہنچ گئی، لیکن اس سے پہلے ۵ھ میں بھی یہ بشارت ان الفاظ میں گوش گزار ہو چکی تھی۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (احزاب)
محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن خدا کے پیغمبر اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں۔

ختم کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور نہ باہر کی چیز اس کے اندر جا سکے۔ اسی سے اس کے دوسرے معنی کسی شے کو بند کر کے اس پر مہر کرنے کے ہیں، جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر سے نہ کوئی چیز باہر نکلتی ہے اور نہ کوئی باہر کی چیز اس کے اندر جا سکتی ہے اور چونکہ یہ عمل مہر سب سے آخر میں کیا جاتا ہے، اس کے معنی انتہا اور ختم کرنے کے بھی آتے ہیں، قرآن مجید میں یہ معنی مستعمل ہوئے ہیں مثلاً۔

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ۔
آج (قیامت کے دن) ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے (یعنی بند کر دیں گے) کہ بول نہ سکیں۔

یہاں ختم کے معنی "بند کر دینے" کے بالکل ظاہر ہیں۔

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ۔ (بقرہ)
خدا نے ان (کافروں) کے دلوں پر مہر لگا دی ہے (یعنی ان کے دلوں کے دروازے بند کر دیئے)

کہ باہر سے جو نصیحت اور ہدایت کی باتیں وہ سنتے ہیں، وہ ان کے دلوں کے اندر نہیں گھستیں اور بے اثر رہتی ہیں۔

وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ۔ (جاثیہ)
اور خدا نے اس کے کان پر اور دل پر مہر لگا دی (یعنی اس کے کان اور دل بند کر دیئے۔

کہ اس کے کان کے اندر دعوتِ رسول کی آواز اور اس کے دل کے اندر اس آواز کا اثر نہیں جاتا۔

یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ (مطففین)
اہل جنت پلائے جائیں گے وہ شراب جس پر مہر لگی ہو گی۔

وہ سربمہر یعنی بند ہو گی جو اس بات کا ثبوت ہو گی کہ یہ خالص شراب ہے، یہ کھلی نہیں کہ اس کے اندر کی خوشبو باہر نکل گئی ہو اور نہ اس کے باہر سے کوئی چیز کسی نے ملا دی ہے جس سے اس کی تیزی کم ہو گئی ہے اس

[1] دیکھو لسان العرب و صحاح جوہری و اساس البلاغۃ زمخشری۔

کے بعد یہ آیت ہے۔

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ (مطففین)
اس کی مہر مشک ہو گی (یا) اس شراب کا آخر مشک ہو گا۔

یعنی اس کے ہر گھونٹ کے پینے کے بعد مشک کی بو اس میں سے نکلے گی یا یہ معنی کہ بوتل یا صراحی کا منہ غایت صفائی اور نزاہت کی غرض سے دنیا کی طرح مٹی، لاکھ یا موم کے بجائے مشکِ خالص سے بند ہو گا۔

بہرحال ان تمام استعمالات سے یہ بالیقین معلوم ہو گا کہ اس لفظ کے عمومی اور مشترک معنی کسی چیز کے بند کرنے کے ہیں، لفظ خاتم کی دو قرأتیں ہیں، مشہور قرأت[1] تو خاتِم (بکسرتا) کی ہے جس کے معنی ختم کرنے والے اور بند کرنے والے کے ہوئے، اور دوسری قرأت خاتَم کی ہے جس کے معنی ہیں وہ شے جس کے ذریعہ سے کوئی شے بند کی جاتی اور اس پر مہر لگائی جائے تاکہ وہ کھولی نہ جا سکے اور نہ اس کے اندر کوئی چیز باہر سے جا سکے۔ الغرض دونوں حالتوں میں آیت پاک کا حاصل معنی ایک ہی ہو گا کہ آپؐ کا وجود پیغمبروں کے سلسلہ کو بند کرنے والا اور ان پر مہر لگا دینے والا ہے کہ پھر آئندہ کوئی نیا شخص اس جماعت میں داخل نہ ہو سکے۔

آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے وہ ظاہری باپ نہیں ہیں جن کے رشتہ کی بنا پر وراثت اور حرمتِ نکاح وغیرہ کے احکام جاری ہوتے ہیں، بلکہ وہ روحانی باپ (رسول اللہ) اور سب سے آخری روحانی باپ (خاتم النبیین) ہیں، اس لئے باپ ہونے کے ظاہری احکام کے بغیر آپؐ سے وہی پدرانہ محبت رکھنی چاہیئے اور اسی طرح آپؐ کی پدرانہ اطاعت کرنی چاہیئے۔

احادیث صحیحہ میں لفظ خاتم النبیین کی تشریح بالکل صاف اور واضح ہے، مسند احمد میں حضرت ثوبانؓ اور حضرت حذیفہؓ اور ترمذی میں صرف حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد تیس کے قریب جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔

وانی خاتم النبیین لا نبی بعدی۔
بتحقیق میں نبیوں کا خاتم ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔

لا نبی بعدی خاتم النبیین کی تفسیر و تشریح ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں کہ آپؐ کے بعد پھر کوئی نبی نہ ہو گا، اس کے علاوہ آپؐ نے تکمیلِ دین اور ختم نبوت کی جو مشہور تمثیل بیان کی ہے کہ جس کو ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں اس سے بھی لفظ خاتم النبیین کی پوری تفسیر ہوتی ہے، آپؐ نے فرمایا کہ میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی عمدہ محل بنوایا ہو، لوگ اس کو آ آ کر دیکھتے ہیں اور اس کی عمدگی اور اس کی خوبصورتی پر عش عش کرتے ہیں، لیکن اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو کہتے ہیں کہ اگر یہ اتنا ناتمام رہ جاتا تو خوب ہوتا۔ اس کے بعد مختلف روایتوں میں حسب ذیل الفاظ ہیں۔

فانا تلک اللبنۃ[5]
تو میں وہی آخری اینٹ ہوں۔

[1] تفسیر ابن جریر طبری و تفسیر ابن حیان اندلسی، تفسیر آیت مذکور۔ [2] جلد ۵ صفحہ ۲۷۸ [3] جلد ۵ صفحہ ۳۹۶، اس روایت میں ۲۷ تعداد کہی ہے جن میں چار عورتیں ہوں گی [4] کتاب الفتن حدیث حسن صحیح [5] بخاری و مسلم باب خاتم النبیین۔

فانا اللبنۃ و انا خاتم النبیینؑ۔ — تو میں وہی آخری اینٹ ہوں اور سب پیغمبروں کا خاتم ہوں۔

فانا موضع اللبنۃ جئت فختمت الانبیاءؑ۔ — تو اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں، میں آیا تو پیغمبروں کا سلسلہ ختم کر دیا۔

وانا فی النبیین موضع تلك اللبنۃؑ۔ — میں پیغمبروں میں اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیاء کے مقابلہ میں اپنے جو مخصوص فضائل گناتے ہیں، ان میں ایک ختم نبوت بھی ہے، چنانچہ صحیح مسلم (کتاب المساجد)، ترمذی کتاب السیر باب الغنیمہ، اور نسائی میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

وختم بی النبیون۔ — اور انبیاء مجھ سے ختم کئے گئے۔

سنن دارمی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔

وانا خاتم النبیین ولا فخر (باب ما اکرم اللہ نبیہ ص۵) — اور پیغمبروں کا خاتم ہوں اور اس پر فخر نہیں۔

آپ کا خاتم نبوت ہونا کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا، بلکہ یہ آپ کی وہ خصوصیت تھی جو آپ کے لئے روز اول سے مقرر ہو چکی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا۔

انی عبد اللہ خاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینتہ۔ — میں خدا کا بندہ اور خاتم انبیاء تھا اور آدم ہنوز اپنے عنصر خاکی میں پڑے تھے۔

حضرت علیؓ کو جب آپ نے اہل بیت کی نگرانی کے لئے مدینہ چھوڑ کر تبوک جانا چاہا اور حضرت علیؓ نے ہمرکاب نہ ہونے پر ملال خاطر ظاہر کیا تو آپ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا۔

الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لیس نبی بعدی (صحیح بخاری غزوہ تبوک) — کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میں اور مجھ میں وہ نسبت ہو جو ہارون اور موسیٰ میں تھی، لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

صحیح مسلم (مناقب علی) میں یہ الفاظ ہیں۔

غیر انہ لا نبی بعدی۔ — لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

الا انہ لا نبوۃ بعدی۔ — لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبوت نہیں۔

صحیح بخاری (کتاب الانبیاء) اور صحیح مسلم (کتاب الامارۃ) میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بنو اسرائیل کی نگرانی اور سیاست انبیاء کرتے تھے، ایک نبی جب مرتا تھا تو دوسرا نبی پیدا ہوتا تھا۔

وانہ لا نبی بعدی۔ — اور بہ تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

---

[1] بخاری باب خاتم النبیین و صحیح مسلم عن ابی ہریرۃؓ [2] و عن ابی سعید خدریؓ باب خاتم النبیین [3] صحیح مسلم باب مذکور عن جابرؓ [4] باب فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترمذی عن ابی بن کعبؓ [5] یہ حدیث حسب ذیل کتابوں میں ہے، مستدرک حاکم تفسیر سورۃ احزاب ج۲ ص۴۱۸، حاکم اور ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے، تاریخ امام بخاری، بحوالہ فتح الباری ج۶ ص۴۰۴ و حلیۃ الاولیاء، ابی نعیم و شعب الایمان بیہقی (بحوالہ کنز العمال ج۶ ص۱۱۲، حیدر آباد) و مسند احمد ص۱۲۷ ج۴۔

جامع ترمذی اور مستدرک حاکم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی مدح میں فرمایا۔

لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب۔ — اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو وہ خطاب کے بیٹے عمر ہوتے۔

عربی جاننے والے کو معلوم ہے کہ "لو" امر محال کے لئے آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے بعد کسی دوسرے نبی کا آنا محال ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں، میں محمدؐ ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ خدا میرے ذریعہ سے کفر کو محو کرے گا، میں حاشر ہوں کہ خدا میرے پیچھے سب کو جمع کرے گا اور میں عاقب (آخری) ہوں الذی لیس بعدہ نبی جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔[2] جامع ترمذی اور بعض دوسری کتابوں میں آخری فقرہ ان الفاظ میں ہے۔ الذی لیس بعدی نبی۔ یعنی میں وہ عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔[3]

صحیح بخاری میں آپ کا ارشاد ہے کہ خوشخبریوں کے سوا نبوت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا، صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! خوشخبریاں کیا ہیں؟ فرمایا، رویائے صالحہ[4] (یعنی سچے خواب) پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اپنے امور غیب سے مطلع کرنے کے متعدد ذرائع مقرر کئے ہیں، منجملہ ان کے ایک رویائے صالحہ بھی ہے، اسی لئے احادیث میں آیا ہے کہ نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو مومن کا رویائے صالحہ[5] ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے قوموں میں محدثین (بات کئے گئے) ہوا کرتے تھے، اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو وہ عمرؓ[6] ہیں، ائمہ حدیث نے محدث کے معنی مُلْهَم کے لکھے ہیں۔

غرض ختم نبوت کے بعد اب جو نعمت اہل ایمان کے لئے باقی رہ گئی ہے وہ صرف دو ہیں، رویائے صالحہ اور الہام، لیکن چونکہ نبی کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں اور نہ اس کی سچائی کی کوئی قطعی شہادت موجود ہے اس لئے کسی مومن کے رویائے صالحہ اور الہامات کسی دوسرے شخص پر بلکہ خود اس پر بھی حجت نہیں اور ان کے منجانب اللہ ہونے کا یقین کامل کرنا اور ان کی اطاعت و پیروی کرنا اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور ان کی صداقت پر تحدی کرنا ضلالت و گمراہی ہے، ان رویائے صالحہ اور الہامات کے ذریعہ سے جو چیز مومن کو دی جاتی ہے وہ احکام نہیں ہوتے بلکہ صرف خوشخبریاں ہوتی ہیں، یعنی امر غیب اور مستقبل کے کچھ اطلاعات اور مناظر۔

مسند ابن حنبل میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے مرض الموت میں حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا حضرت ابوبکرؓ امام تھے اور صحابہ کرام صف بستہ پیچھے، اس وقت یہ آخری اعلان فرمایا۔

---

[1] مناقب عمر، حدیث غریب حسن [2] مناقب عمر ج۳ ص۸۵ حیدر آباد حدیث صحیح، صحیح الذہبی [3] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم صحیح بخاری میں عاقب کی تفسیر مذکور نہیں، مسند ابن حنبل جلد ۴ ص۸۴ میں یہ حدیث اور عاقب کی یہ تفسیر امام زہری سے مذکور ہے [4] فتح الباری شرح بخاری ج۶ ص۴۰۶ [5] صحیح بخاری کتاب التعبیر [6] صحیح بخاری کتاب التعبیر و صحیح مسلم کتاب الرویا و مسند ابن حنبل ج۳ ص۱۲۹ عن انس [7] بخاری و مسلم و ترمذی، مناقب عمرؓ۔

یایها الناس لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرؤیا الصالحۃ یراها المسلم او تری له	اے لوگو! نبوت کی خوشخبریوں (یعنی ذرائع علم و خبر) میں سے اب کوئی چیز باقی نہیں رہی لیکن ایک رویائے صالح جو مسلمان اپنے متعلق آپ دیکھے یا کوئی دوسرا اس کے متعلق دیکھے۔

(ج ۱، ص ۲۱۹)

اس سے صاف ہو گیا کہ رویائے صالح شخصی احوال و مناظر سے متعلق ہے، اسی کتاب میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہمارے مقصد کے اثبات کے لئے اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن مجلس نبوی میں خدام حاضر تھے، آپؐ نے فرمایا۔

ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی۔	رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔

صحابہ پر یہ بات سخت گزری تو آپؐ نے فرمایا ولکن المبشرات، لیکن خوشخبریاں باقی ہیں، لوگوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! خوشخبریاں کیا ہیں؟ فرمایا۔ مرد مومن کی رویائے صالح، وہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

یہ تمام حدیثیں حقیقت میں جیسا کہ ترمذی و حاکم میں ہے، اس آیت کی تفسیر ہیں۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ۔	ہاں اولیائے الٰہی کو کوئی خوف اور غم نہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے تھے۔ ان کو دنیا اور آخرت میں بشارت ہے۔

صحابہ نے پوچھا کہ دنیا میں اُن کے لئے بشارت کیا ہے؟ فرمایا۔ رویائے صالح! اس آیت پاک سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ ان مبشرات کے حصول کا ذریعہ ایمان اور تقویٰ کی تکمیل ہے، اور دوسری یہ کہ ایسے لوگوں کا نام جن کو یہ مرتبہ حاصل ہوا، اولیاء اللہ ہے اور اس لئے ان کے اس رتبہ کا نام ولایت ہوگا، اس کو جزئی نبوت لغوی نبوت، مجازی نبوت، نبوتِ ناقصہ، وغیرہ کے الفاظ سے ادا کرنا ایسی لفظی گمراہی ہے جو معنوی گمراہی کی طرف مفضی ہے اور اس سے شرک فی النبوۃ کی اسی طرح برائیاں پیدا ہوں گی بلکہ ہوئیں اور ہو رہی ہیں، جس طرح حضرت عیسیٰؑ کو مجازی معنوں میں ابن اللہ کہہ کر حقیقی معنوں میں عیسائی شرک فی التوحید میں مبتلا ہو گئے، کیونکہ ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ ہو چکا، دین کی تکمیل ہو چکی، دنیا میں خدا کا آخری پیغام دعوتِ محمدیؐ نے ذریعہ سامعہ نواز ہو چکا معمارِ قدرت اپنی عمارت میں اس آخری پتھر کو اپنی جگہ پر رکھ کر اپنی تعمیر پوری کر چکا اور جب بدرجہ ستاروں کے طلوع کے بعد وہ خورشید انور طالع ہوا جس کے لئے غروب نہیں، طرح طرح کی بہاروں کے آنے کے بعد باغ کائنات میں وہ سدا بہار موسم آ گیا جس کے بعد خزاں نہیں۔

شفاعتِ اولین عرصۂ دار و گیر محشر میں جب جلالِ الٰہی کا آفتاب پوری تمازت پر ہوگا اور گنہگار انسانوں کو امن کا کوئی سایہ نہیں ملے گا، اس وقت سب سے پہلے فخرِ موجودات، باعثِ خلقِ کائنات، سید اولادِ آدمؑ، خاتم الانبیاء، و رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں میں لوائے حمد لے کر اور فرقِ مبارک پر تاجِ شفاعت

۱؎ مسند ابن حنبل عن انس جلد ۳ و ترمذی کتاب الرؤیا ۲؎ تفسیر سورۂ یونس و کتاب الرؤیا و مستدرک حاکم تفسیر یونس (رحیم)

رکھ کر گنہگاروں کی دستگیری فرمائیں گے۔

لفظ "شفاعت" اصل لغت میں شفع سے نکلا ہے، جس کے معنی جوڑا بننے، ایک کے ساتھ دوسرے کے ہونے کے ہیں، چونکہ شفاعت اصل میں یہی ہے کہ کسی درخواست کنندہ اور عریضہ گزار کے ہم آہنگ ہو کر کسی بڑے کے سامنے اس کی عرض و درخواست کو قبول کر لینے کی خواہش کا اظہار کرنا۔ آپؐ کی شفاعت بھی یہی ہوگی کہ آپؐ گنہگاروں کی زبان بن کر ان کی طرف سے خداوند ذوالجلال کے اذن سے اُس کے سامنے ان کی بخشائش و مغفرت کی درخواست پیش کریں گے، سورۂ اسراء میں ہے۔

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔	قریب ہے کہ خدا تجھے مقام محمود میں اٹھائے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تمام صحیح روایتوں میں متعدد صحابہ کبارؓ سے منقول ہے کہ مقامِ محمود سے مراد رتبۂ شفاعت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ نے شفاعت کے تمام واقعات بیان کر کے یہ آیت بالا تلاوت کی، پھر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا، یہی وہ مقامِ محمود ہے جس کا تمہارے پیغمبر سے وعدہ کیا گیا ہے۔[1] صحیح مسلم میں ہے کہ بصرہ کے کچھ خوارج جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو دائمی جہنمی سمجھتے ہیں یعنی ان کے حق میں شفاعت کے اثر کے قائل نہیں، مدینہ منورہ آئے، یہاں مسجد نبویؐ میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ صحابی قیامت کے واقعات بیان کر رہے تھے، ان میں سے ایک صاحب نے بڑھ کر کہا۔ اے رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ خدا تو قرآن میں یہ کہہ رہا ہے۔ یہ کہہ کر قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی، جس کا یہ مطلب ہے کہ دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں ڈال دیئے جائیں گے، کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَآ اُعِیْدُوْا فِیْھَا۔ حضرت جابرؓ نے پوچھا، تم نے قرآن پڑھا ہے، اس نے جواب دیا، ہاں۔ فرمایا، تم نے اس مقامِ محمود کا حال سُنا ہے جس میں اللہ تعالیٰ تمہارے پیغمبر کو مبعوث کرے گا، اس نے کہا، ہاں سُنا ہے۔ فرمایا، تو یہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ محمود ہے، جس کے ذریعہ سے خدا دوزخ سے جس کو نکالنا چاہے گا نکالے گا، یہ سن کر ایک کے سوا باقی سب اپنے اپنے عقیدۂ باطل سے تائب ہو گئے اور بولے کہ کیا یہ بڈھا صحابی رسول پر جھوٹ بولے گا۔[2]

بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ہر امت اپنے اپنے پیغمبر کے پیچھے چلے گی اور کہے گی کہ اے وہ! خدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے، یہاں تک کہ شفاعت کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے گا، یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپؐ کو مقامِ محمود میں اٹھائے گا،[3] جابرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعا مانگے کہ اے خدا جو پوری دُعا اور کھڑی ہونے والی نماز کا مالک ہے، محمدؐ کو وسیلہ اور فضیلت اور وہ مقامِ محمود عطا فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا تو قیامت کے دن

۱؎ صحیح بخاری و جامع ترمذی و مستدرک تفسیر آیت مذکورہ و صحیح مسلم کتاب الایمان باب الشفاعۃ ۲؎ صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیہ ص ۱۱۰۸ ۳؎ صحیح مسلم کتاب الایمان باب الشفاعۃ ۴؎ صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور۔

اس کے لئے میری شفاعت اٹھا رکھی گئی۔[1] آپؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کو کوئی نہ کوئی مستجاب دعا دی گئی، میں نے اپنی اس دعا کو اپنی امت کے لئے چھپا رکھا ہے۔[2] پھر فرمایا ہے کہ مجھ کو دیگر انبیاء پر چند فضیلتیں عطا ہوئیں ان میں سے ایک یہ کہ مجھے شفاعت عطا کی گئی۔[3] (یعنی شفاعت اولین) موطا امام مالک اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے متعدد تابعیوں نے یہ متفقہ روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کو ایک مقبول دعا مانگنے کا موقع عطا کیا گیا تو انہوں نے وہ دعا مانگ لی اور وہ قبول کر لی گئی لیکن میں نے اپنی دعا کا یہ موقع قیامت کے دن کے لئے چھپا رکھا ہے اور وہ اپنی امت کی شفاعت ہے۔[4] فرمایا کہ میں سب سے پہلا شفیع ہوں گا اور سب سے پہلا وہ شخص جس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔[5] اور فرمایا کہ میں پہلا ہوں گا جو جنت کی شفاعت کرے گا۔[6]

اُس دن جب دنیا کی گناہ گاریاں اپنی عریاں صورت میں نظر آئیں گی اور آدم کی اولاد ترساں و لرزاں کسی شفیع کی تلاش میں ہوگی، کبھی آدم علیہ السلام کا سہارا ڈھونڈے گی، کبھی نوحؑ و ابراہیمؑ کو یاد کرے گی کبھی موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی طرف بے تابانہ لپکے گی، مگر ہر جگہ نفسی نفسی کی آواز بلند ہوگی، بالآخر شفیع المذنبین سید الاولین والآخرینؐ آگے بڑھیں گے اور تسکین کا پیام سنائیں گے۔

حدیث کی اکثر کتابوں میں خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ بن مالک حضرت جابرؓ بن عبداللہ، حضرت حذیفہؓ سے متعدد طریقوں سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ قیامت کے ہولناک میدان میں لوگوں کو ایک شفیع کی تلاش ہوگی، لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں، خدا نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو آپ کے سجدہ کا حکم دیا، آپؐ خدا کے حضور میں ہماری سفارش کیجئے؟ وہ جواب دیں گے کہ میرا یہ رتبہ نہیں، میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی، آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہ ہوا تھا، اور نہ ہوگا۔ نفسی، نفسی (اے میری جان!) اے میری جان! لوگ حضرت نوحؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ روئے زمین کے پہلے پیغمبر ہیں، خدا نے آپ کو شکر گزار بندہ کا خطاب دیا ہے، آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجئے، وہ کہیں گے ہمارا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا، مجھ کو ایک مستجاب دعا کا موقع عنایت ہوا تھا وہ اپنی قوم کی تباہی کے لئے مانگ چکا، نفسی! نفسی، تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ۔ مخلوق ان کے پاس جائے گی اور اپنی وہی درخواست پیش کرے گی کہ آپ تمام انسانوں میں خدا کے دوست ہوئے، اپنے پروردگار سے شفاعت کیجئے، وہ بھی کہیں گے، میرا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی ہوگا، نفسی! نفسی! تم موسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے موسیٰؑ! آپ خدا کے پیغمبر ہیں، خدا نے اپنے پیام و کلام سے آپؑ کو لوگوں پر برتری بخشی ہے

[1] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور و باب الدعا عند النداء۔ [2] صحیح بخاری کتاب التوحید و کتاب الدعوات و صحیح مسلم باب الشفاعۃ [3] صحیح بخاری و مسلم کتاب المساجد۔ [4] صحیح بخاری کتاب التوحید و کتاب الدعوات و صحیح مسلم باب الشفاعۃ [5] صحیح مسلم کتاب فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ [6] صحیح مسلم کتاب الایمان باب الشفاعۃ۔

اپنے خدا سے ہمارے لئے سفارش کیجئے، کیا آپ ہماری مصیبتوں کو نہیں دیکھتے! حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن سے کہیں گے کہ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا، میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا، نفسی نفسی! تم لوگ عیسیٰؑ کے پاس جاؤ، حضرت عیسیٰؑ کے پاس لوگ جا کر کہیں گے کہ اے عیسیٰؑ! آپ خدا کے وہ رسول ہیں جس نے گہوارہ میں کلام کیا اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے، وہ بھی کہیں گے یہ میرا رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے کہ جو نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا نفسی نفسی، تم محمدؐ کے پاس جاؤ، مخلوق آپؐ کے پاس آئے گی اور کہے گی، اے محمدؐ! آپ خدا کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہیں جس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہیں، آپؐ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کیجئے۔ آپؐ اٹھ کر عرش کے پاس آئیں گے اور اذن طلب کریں گے، اذن ہوگا تو سجدہ میں گر پڑیں گے آپؐ کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائے گا جو کسی اور کے لئے نہیں کھولا گیا، اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ آپؐ کے دل میں القا فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کو القا نہ ہوئے، آپ دیر تک سر بسجود رہیں گے، پھر آواز آئے گی، اے محمدؐ! سر اٹھاؤ، کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی، عرض کریں گے الٰہی! امتی امتی! خداوندا میری امت میری امت! حکم ہوگا، جاؤ جس کے دل میں جَو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو نجات ہے۔ آپؐ خوش خوش جائیں گے اور اس کی تعمیل کر کے اور پھر حمد و ثنا کر کے عرض پرداز ہوں گے اور سجدہ میں گر پڑیں گے، پھر صدائے غیب آئے گی کہ اے محمدؐ! سر اٹھاؤ، کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی، عرض کریں گے الٰہی امتی امتی، حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو وہ بخشا گیا۔ حضورؐ جائیں گے اور پھر واپس آکر عرض گزار ہوں گے، حمد و ثنا کریں گے اور سر بسجود ہوں گے، آواز آئے گی، جاؤ جس کے دل میں چھوٹی سے چھوٹی رائی کے برابر ایمان ہو، اس کو بھی دوزخ سے نکالوں گا، آپؐ پھر جا کر واپس آئیں گے اور گزارش کریں گے اور حمد و ثنا کر کے سجدہ میں گر پڑیں گے۔ پھر ندا آئے گی، اے محمدؐ! سر اٹھاؤ، کہو سنا جائے گا مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی، عرض کریں گے جس نے بھی تیری یکتائی کی گواہی دی اس کی شفاعت کا اذن عطا ہو، صدا آئے گی، اس کا اختیار تم کو نہیں، لیکن مجھے اپنی عزت و کبریائی اور اپنی عظمت و جبروت کی قسم ہے میں دوزخ سے ہر اس شخص کو نکالوں گا جس نے مجھے ایک کہا اور اپنے لئے دوسرا معبود نہیں بنایا من قال لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔[1]

کمزور انسانوں کو تسکین کا یہ پیام محمد رسول اللہ کے سوا کس نے سنایا۔

فضائل اخروی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ وہ خصائص تھے جو آپؐ کو پیغمبر، مبلغ دین، صاحب مذہب اور پیشوائے امت ہونے کی حیثیت سے عطا ہوتے تھے، علاوہ بریں آپؐ کو آخرت کی دنیا

[1] یہ پوری حدیث صحیح بخاری باب تفسیر بنی اسرائیل کتاب الانبیاء ذکر نوح و صحیح مسلم باب الشفاعۃ میں مختلف صحابیوں سے تھوڑے تھوڑے الفاظ کے تغیر سے مروی ہے ہم نے سب کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

میں بھی مزید فضائل عنایت ہوتے ہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا، قیامت میں، میں پیغمبروں کا نمائندہ، امام اور ان کی شفاعت کا پیروکار ہوں گا اور اس پر فخر نہیں[1] پھر فرمایا ہے۔ میں قیامت کے دن تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور اس پر فخر نہیں، اور میرے ہی ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا اور اس پر فخر نہیں، اور قیامت کے دن آدم وغیرہ تمام پیغمبر میرے علَم کے نیچے ہوں گے اور اس پر فخر نہیں، اور سب سے پہلے میں ہی قبر سے باہر آؤں گا[2] نیز ارشاد ہے۔ لوگ قبروں سے جب اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلا اٹھنے والا میں ہوں گا، جب وہ خدا کے سامنے حاضر ہوں گے، تو ان کی طرف سے بولنے والا میں ہوں گا، جب وہ نا امید ہوں گے تو ان کو خوشخبری سنانے والا میں ہوں گا، اس دن خدا کی حمد کا علَم میرے ہاتھ میں ہوگا[3]۔

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ۔

تمت الجزء الثالث من السیرۃ النبویہ
علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ!

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ
سید سلیمان ندوی

اعتنی بتصحیحہ وسعی فی تنقیحہ محمد محی الدین السّواتی فاضل دار العلوم دیوبند

[1] ترمذی مناقب نبوی، حدیث حسن۔ صحیح غریب [2] حوالہ مذکور حدیث حسن [3] حوالہ مذکور، حدیث حسن غریب۔